یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ہیں

مومنین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں.

منجانب.



سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدر آباد پاکستان

۷۸۶

۱۱۰-۹۲

یا صاحب الزماں ادرکنی

DvD Version

لبیک یا حسینؑ

خصوصی تعاون: نذر عباس
رضوان رضوی

اسلامی کُتب (اردو) DVD

ڈیجیٹل اسلامی لائبریری ۔

SABIL-E-SAKINA
Unit#8,
Latifabad Hyderabad
Sindh, Pakistan.
www.sabeelesakina.page.tl
sabeelesakina@gmail.com

تفسیرِ صافی

(جلد اوّل)

تالیف

محمد بن مرتضی المعروف بہ مُلا فیض کاشانی

ترجمہ و تلخیص

مولانا سیّد تلمیذ حسنین رضوی

تفسیرِ صافی

تفسیرِ صافی

(جلد اوّل)

—: تالیف :—

مفسّر محمد بن مرتضیٰ المعروف بہ ملّا فیض کاشانی

—: ترجمہ و تلخیص :—

مولانا سیّد تلمیذ حسنین رضوی

—: شائع کردہ :—

ادارۂ نشرِ دانش، نیو جرسی، امریکا

128, Oak Creek Road,
East Windsor, NJ-08520 (USA)

—: ملنے کا پتا :—

محفوظ بک ایجنسی — مارٹن روڈ کراچی

MBA

Tel: 4124286- 4917823 Fax: 4312882
E-mail: anisco@cyber.net.pk

نام کتاب: .... تفسیرِ صافی

تالیف: .... مفسّر محمد بن مرتضٰی المعروف بہ ملّا فیض کاشانی

تلخیص و ترجمہ: .... مولانا سیّد تلمیذ حسنین رضوی

کمپوزنگ: .... احمد گرافکس، کراچی

سرورق: .... رضا عباس گرافکس

طبعِ اوّل: .... شوال المکرّم ۱۴۳۰ھ / اکتوبر ۲۰۰۹ء

ناشر: .... ادارۂ نشرِ دانش، نیو جرسی، امریکا

ہدیہ: .... ۴۵۰/- روپے

انتساب

والدِ گرامی حجۃ الاسلام مولانا سیّد اظہار الحسنین رضوی

کے نام

جن کے فیضِ تربیت نے اِس منزل تک پہنچایا

اور

والدہٗ ماجدہ نجمہ خاتون

کے نام

جن کی دعائیں اور نیک تمنّائیں ہمیشہ میرے لیے مشعلِ راہ ہیں

سیّد تلمیذ حسنین رضوی

فہرست مضامین

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سخن ہائے گفتنی

از: سیّد تلمیذ حسنین رضوی

قرآن کلامِ خداوندی اور اللہ کا آخری پیغام ہے۔ قرآن آئینِ زندگی ہے، قرآن دستور بندگی ہے وَلَا رَطۡبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۵۹﴾ (سورہ انعام ۶ / آیت ۵۹) کتاب مبین میں ہر خشک وتر موجود ہے مگر اس کے لیے دانش وبینش کا اعلیٰ معیار درکار ہے ارشادِ باری ہے: مَا فَرَّطۡنَا فِی الۡکِتٰبِ مِنۡ شَیۡءٍ (سورہ انعام ۶ / آیت ۳۸) ہم نے اس کتاب میں کسی شے کو نظر انداز نہیں کیا ہے، اسی لیے اس میں زندگی کے ہر گوشے اور حیات کے ہر شعبے کی جانب رہنمائی موجود ہے، البتہ قرآن میں کہیں اجمال ہے تو کہیں تفصیل، کہیں توضیح وتشریح ہے تو کہیں اشارات و کنایات، بہرطور یہ کتاب بنی آدم کے لیے ایک ایسا منشور ہے جو ہر اعتبار سے مکمّل ومنظّم ہے۔ یہ کتاب لا ریب بھی ہے اور بے عیب بھی، برہان بھی ہے اور فرقان بھی اس میں واقعات واحوال بھی ہیں اور قِصص و امثال بھی اس میں اصول وقوانین بھی ہیں اور احکام وفرامین بھی۔

قرآن سے پہلے جتنی کتابیں نازل ہوئیں وہ تغیّر وتبدّل کے سبب تحریف کا شکار ہوکر ساقط الاعتبار ہوگئیں لیکن خداوند عالم نے قرآن مجید کی حفاظت وصیانت کا ایسا انتظام کیا کہ گردشِ لیل ونہار اور حوادثِ روزگار بھی اس میں تبدیلی نہ کرسکے اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ ﴿۹﴾ (سورہ الحجر ۱۵ / آیت ۹) بے شک ہم نے ذکر کو نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں اور لَّا یَاۡتِیۡہِ الۡبَاطِلُ مِنۡۢ بَیۡنِ یَدَیۡہِ وَ لَا مِنۡ خَلۡفِہٖ (سورہ فصّلت ۴۱ / آیت ۴۲) باطل نہ تو اس کے سامنے آسکتا ہے اور نہ ہی پیچھے سے، یہ آیات اس امر کی شہادت دیتی ہیں کہ زمانۂ نزول سے لے کر آج تک اس کتاب کا ایک ایک لفظ جوں کا توں محفوظ اور مَصون ہے اور دنیا کی کوئی بھی کتاب اس تواتر اور صحّت کے ساتھ نہیں پائی جاتی یہ حُفّاظ کے سینوں اور صُحُف کے گنجینوں کی شکل میں دنیا کے ہر گوشے اور کائنات کے چپے چپے پر موجود ہے۔ دنیا کی اکثر زبانوں میں اس کا ترجمہ ہوچکا ہے اور یہ دنیا کی سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔

عرب کے فصحا اور بُلغا جنھیں اپنی زبان پر ناز اور فخر تھا، شاعری جن کی گھٹّی میں پڑی تھی اور وہ جسے ''دیوان عرب'' کہا کرتے تھے، اس قرآنی نثر نے اُن کے شعری غرور کو خاک میں ملا دیا اور ان کی شاعری کی ساحری کو باطل کردیا۔ انھیں اعتراف کرنا پڑا کہ مَا ھٰذا مِنۡ کَلَامِ الۡبَشَر یہ کسی بشر کا کلام نہیں مشرکین مکّہ کی سر برآوردہ شخصیت ولید بن مغیرہ نے مشہور آیت اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ وَالۡاِحۡسَانِ (سورہ النحل ۱۶ / آیت ۹۰) کو سن کر کہا تھا اِنَّ لَہٗ وَاللّٰہِ لَحَلَاوَۃٌ وَاِنَّ عَلَیۡہِ لَطَلَاوَۃٌ اِنَّ اَعۡلَاہُ مُثۡمِرٌ وَاِنَّ اَسۡفَلَہ لَمُغۡدِقٌ وَمَا ھُوَ بِقَوۡلِ الۡبَشَر خدا کی قسم یقیناً

اس کلام میں شیرینی ہے۔ بلا شبہہ اس میں حسن وخوبی اور شگفتگی ہے اس کا بالائی حصّہ ثمر دار اور زیریں حصّہ پُر از برگ و بار ہے اور یہ کسی بشر کا کلام نہیں ہے۔ [1]

تاریخ کے ہر دور میں اہل بیت عظام اور ائمۂ کرام کے پاس یہی قرآن جو دو دفتیوں میں موجود تھا مرکزِ توجّہ رہا اور وہ اسی کی توضیح، تشریح اور تفسیر بیان کرتے رہے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو علّمہ البیان کا مصداق بنایا گیا تھا اور وہ معلّم کتاب وحکمت بن کر تشریف لائے تھے اسی لیے انھوں نے آیات کی تفسیر وتشریح میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور ان کے بعد ائمۂ کرامؑ نے اس منصب کو باحسنِ وجوہ انجام دیا۔

حِبر امت مفسر قرآن حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

مَا اَخَذْتُ مِنْ تَفْسِيْرِ الْقُرْآنِ فَعَنْ عَلِيّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ

میں نے تفسیر کے ضمن میں جو کچھ حاصل کیا ہے وہ سب علی بن ابی طالبؑ کا عطا کردہ ہے۔

ابونعیم نے حِلیہ میں علی بن ابی طالبؑ سے یہ روایت بیان کی ہے کہ انھوں نے فرمایا:

مَا نَزَلَتْ اٰيَةٌ اِلاَّ وَقَدْ عَلِمْتُ فِيْمَ نَزَلَتْ وَاَيْنَ نَزَلَتْ وَ اِنَّ رَبِّیْ وَهَبَ لِیْ قَلْبًا عَقُوْلاً وَلِسَانًا سَئُوْلًا

”جب بھی کوئی آیت نازل ہوتی تو میرے علم میں ہوتا کہ وہ کس بارے میں نازل ہوئی ہے اور کہاں پر نازل ہوئی ہے اور بے شک میرے رب نے مجھے فہیم دل اور سوال کرنے والی زبان عطا فرمائی ہے۔“

معمر نے ابو الطفیل سے روایت کی ہے ”شَهِدْتُ عَلِيًّا يَخْطُبُ وَهُوَيَقُوْلُ سَلُوْنِیْ لَاتَسْاَلُوْنِیْعَنْ شَیْءٍ اِلَّا اَخْبَرْتُكُمْ وَسَلُوْنِیْ عَنْ كِتَابِ اللهِ فَوَاللهِ مَا مِنْ اٰيَةٍ اِلاَّ وَاَنَا اَعْلَمُ اَ بِلَيْلٍ نَزَلَتْ اَمْ بِنَهَارٍ اَمْ فِیْ سَهْلٍ اَمْ فِیْ جَبَلٍ“

وہ فرماتے ہیں کہ میں نے علیؑ کو خطبہ دیتے ہوئے مشاہدہ کیا وہ فرمارہے تھے جو پوچھنا ہے پوچھو! خدا کی قسم میں تمھارے ہر سوال کا جواب دوں گا۔ تم مجھ سے کتاب اللہ کے بارے میں سوال کرو قسم بخدا ہر آیت کے بارے میں مجھے سب سے زیادہ علم ہے کہ وہ رات کے وقت نازل ہوئی یا دن کے وقت، ہموار زمین میں نازل ہوئی یا پہاڑوں میں۔

نہج البلاغہ میں امیر المومنینؑ کے بہت سے خطبات ہیں جن میں آپ نے قرآن کریم کے فضائل ومحاسن بیان فرمائے ہیں، خطبہ ۱۸ میں فرماتے ہیں:

وَاِنَّ الْقُرْآنَ ظَاهِرُهٗ اَنِيْقٌ وَ بَاطِنُهٗ عَمِيْقٌ لَاتَفْنٰی عَجَائِبُهٗ وَلَا تَنْقَضِیْ غَرَائِبُهٗ وَلَا تُكْشَفُ الظُّلُمَاتُ اِلاَّ بِهٖ۔

اس قرآن کا ظاہر خوش نما اور باطن عمیق ہے نہ اس کے عجائبات مٹنے والے ہیں اور نہ ہی اس کے لطائف ختم ہونے والے ہیں۔ اور اسی قرآن کے وسیلے سے اندھیروں میں نور کی شمع روشن ہوتی ہے۔

(۱) تفسیر شیخ ابو الفتوح رازی جلد ہفتم ص ۱۳۶ وتفسیر امام فخر الدین رازی جزء بیستم ص ۱۰۱

عہدِ رسالت سے لے کر آج تک مفسرین نے اس شمع کو روشن رکھا ہے اور قرآن کریم کی نہایت وقیع اور مہتم بالشان تفاسیر منصہ شہود پر رونما ہوئی ہیں۔ ان تفسیروں میں نہایت اہم تفسیر، تفسیر صافی ہے جسے عارف، حکیم، محدث فقیہ اور مفسر محمد بن مرتضیٰ نے تالیف کیا ہے جو ملا فیض کاشانی کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کی ولادت ۱۰۰۷ھ اور انتقال ۱۰۹۱ھ میں ہوا تھا۔

کتاب صافی ایسی اہم تفسیر ہے جو ہر دور کے علما اور طلاب کی توجہات کا مرکز بنی رہی ہے اسے حوزہ ہائے علمی میں بطور درس پڑھایا جاتا ہے اور یہ محققین و مفسرین کے زیر مطالعہ رہتی ہے۔ اس تفسیر سے وہی حضرات استفادہ کر سکتے تھے جو عربی زبان و ادب میں کامل مہارت رکھتے ہوں اس لیے کہ یہ تفسیر عربی زبان میں تحریر کی گئی ہے اور فصاحت و بلاغت سے بھرپور ہے۔

اردو داں طبقہ اس تفسیر کے فیوض و برکات سے محروم تھا اس لیے میں نے ارادہ کیا کہ اسے اردو کے قالب میں ڈھالا جائے اور نہایت سادہ الفاظ میں قرآن اور تفسیر کے ترجمے کو عامۃ الناس تک پہنچایا جائے۔

عربی میں یہ تفسیر سات جلدوں پر مشتمل ہے اور ان شاء اللہ اردو میں بھی اِسے سات ہی جلدوں میں پیش کیا جائے گا۔ اس تفسیر کی خصوصیت اور امتیاز یہ ہے کہ اقوالِ معصومینؑ کی روشنی میں تفسیری مطالب بیان کیے گئے ہیں۔ اور مؤلف جس امر کی توضیح وتشریح کرنا چاہتے ہیں اسے لفظ ''اقول'' سے بیان کرتے ہیں۔ دوران ترجمہ میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ اس تفسیر میں مؤلف محترم نے زیادہ تر تفسیر امام حسن عسکری علیہ السّلام پر بھروسا کیا ہے، لیکن علماء اور محققین کے نزدیک اس تفسیر کی نسبت امام حسن عسکریؑ کی طرف ثابت نہیں ہے۔ تاہم مؤلف نے قاری کو نحو وصرف اور صنائعِ وبدائع میں نہیں الجھایا ہے بلکہ معانی قرآن اور مفاہیم فرقان کو نہایت سادہ انداز میں سمجھایا ہے۔

ملا فیض کاشانی نے اس تفسیر کے آغاز میں قرآن سے متعلّق بارہ مقدّمے تحریر فرمائے ہیں جو قرآن کی تفہیم میں ممد و معاون ہیں اور تفسیر کی بنیاد اُن ہی مقدّمات پر رکھی گئی ہے۔

میرا قیام کافی عرصے سے امریکا کی ایک اسٹیٹ نیوجرسی میں ہے اور یہ ترجمہ وہیں پر انجام پذیر ہوا ہے۔ حضرت علاّمہ طالب جوہری صاحب دام ظلہ جب بغرض علاج ۱۴۲۶ھ میں امریکا تشریف لائے تھے تو اس وقت انھوں نے اس ترجمہ وتفسیر کو ملاحظہ فرما کر ازراہ کرم تقریظ رقم فرمائی تھی جو کتاب کی زینت ہے اور حجۃ الاسلام والمسلمین علاّمہ رضی جعفر صاحب قبلہ جب امریکا کے ایک شہر ہیوسٹن میں ماہ رمضان کی مناسبت سے تشریف لائے تھے تو انھوں اس ترجمہ وتفسیر کا بالاستیعاب مطالعہ فرمایا، مفید مشوروں سے نوازا، غلطیوں کی اصلاح کی اور ایک بسیط مقدّمہ ''گفتار مقدّم'' کے عنوان سے تحریر فرمایا جو کتاب میں شامل ہے۔ علاّمہ ذیشان حیدر جوادی اعلیٰ اللہ مقامہ کی حیات میں ان دو جلدوں کا ترجمہ مکمل ہو چکا تھا اور موصوف نے میرے کام کو بے حد سراہا تھا اور ان کی خواہش تھی کہ

یہ تفسیر جلد منظر عام پر آجائے لیکن کُلُّ أمرٍ مرھونٌ بِاوقاتِہا کے مصداق اس کتاب میں کافی تاخیر ہوگئی۔

تفسیر کو اس منزل تک پہنچانے میں حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا صفی حیدر صاحب قبلہ نے کافی مدد فرمائی۔ میرے فرزندوں سیّد ندیم افتخار رضوی اور سیّد رضوان ارسلان رضوی نے مسودہ کی درستی اور کمپوزنگ کے سلسلے میں نہایت وقیع کام انجام دیا ہے۔ جناب ڈاکٹر شہنشاہ حسین صاحب نے پروف ریڈنگ میں مدد کی ہے۔

میرے احباب اور اقربا خصوصی شکریے کے مستحق ہیں بالخصوص جناب ڈاکٹر منظور نقی رضوی، ڈاکٹر آفتاب حسین زیدی، ڈاکٹر اقبال جعفری، ڈاکٹر اسد صادق، سیّد اصطفیٰ نقوی، سیّد عباس علی، محمد مولیدینا، مراد علی خان، ناظم زیدی، ثروت علی، شہاب کاظمی، ڈاکٹر موسیٰ جعفری، سیّد سرفراز نقوی اور ندیم بلگرامی کا میں صمیم قلب سے شکر گزار ہوں۔

ناسپاس گزاری ہوگی اگر میں جناب رفیق احمد نقش کا شکریہ ادا نہ کروں جنھوں نے شبانہ روز محنت کر کے اصلاحِ املا کا فریضہ انجام دیا۔ مکمل کتاب کے پروف کو پڑھا، غلطیوں کی اصلاح کی اور مفید مشوروں سے نوازا۔ خداوند عالم ان کی توفیقات میں اضافہ کرے۔

والسّلام
سیّد تلمیذ حسنین رضوی
نیوجرسی۔ امریکا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تقریظ

ازعلّامہ طالب جوہری

علم تفسیر کے تاریخ نویسوں نے باقاعدہ علم تفسیر کا آغاز جس عہد سے بھی قرار دیا ہو، یہ ہمارا موضوعِ بحث نہیں ہے۔ اتنا بہرحال طے ہے کہ نزولِ قرآن اور تفسیرِ قرآن تقریباً ہم عہد ہیں۔ اس لیے کہ قرآن مجید نے مختلف مقاماتِ پر بیانِ قرآن اور تعلیمِ قرآن کی ذمّے داری رسول اکرمؐ سے متعلّق کی ہے۔ سورۂ قیامت میں یہ ارشاد فرمانے کے بعد کہ بیان قرآن کی ذمّے داری اللہ کی ہے، دومرتبہ سورۂ نحل میں یہ ارشاد فرمایا کہ بیان قرآن رسول اکرمؐ کی ذمّے داری ہے۔ اسی طرح سورۂ جمعہ میں فرائض رسالت بیان کر کے پھر تعلیم کتاب کے فریضے کو بھی آپؐ ہی سے متعلّق کیا گیا ہے۔ لہٰذا دنیا کی پہلی تفسیر بیانِ رسولؐ ہے اور کسی بھی آیہ مبارکہ کے سلسلے میں یہی حتمی اور آخری تفسیر بھی ہے۔ ہم تاریخ قرآن میں یہی دیکھتے ہیں کہ صحابہ کرام مختلف آیات کے معانی آپؐ سے دریافت کرتے تھے اور آپؐ ان کے جوابات مرحمت فرماتے تھے۔

ذہن انسانی ایک ایسا متحرک وجود ہے جو ہمہ وقت فکر و تدبر کے نئے گوشوں کی تلاش میں رہتا ہے لہٰذا رسول اکرمؐ کے بعد ایسے انسانوں کا وجود ضروری ہے جو رسول اکرم کے بعد قرآن پر اٹھائے جانے والے سوالات کے جواب دے سکیں۔ اسی ضرورت کو آپ نے اپنے اس مبارک فرمان میں پورا فرمایا ہے کہ ''انی تارك فيكم الثقلين كتاب الله وعترتي اهل بيتي'' (مسند احمد بن حنبل اور مستدرک حاکم وغیرہ) میں تمھارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑ رہا ہوں ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری عترت جو میرے اہل بیت ہیں۔ اس روایت میں ''کُم'' سے خطاب پوری ملّت اسلامیہ سے ہے، کہ میں تم میں کتاب وعترت کو چھوڑ رہا ہوں۔ یعنی تم اور ہو اور کتاب وعترت اور ہیں۔ قرآن اور عترت کو ایک ساتھ چھوڑنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ انھیں رسول اکرم نے قرآن کے شارح اور مفسّر کی حیثیت سے امّت میں چھوڑا ہے، یعنی آپ کے بعد قرآن کے دوسرے مفسّر اور شارح آل محمدؐ ہیں۔ یہی سبب ہے کہ اپنے عہد میں امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ کے علاوہ ایسا دعویٰ کسی اور کی زبان سے سننے میں نہیں آیا کہ ''ما من آية الا و علمني تاويلها'' (کنزالعمال اور اصابہ وغیرہ) امیر المومنین نے فرمایا کہ قرآن مجید کی کوئی ایسی آیت نہیں ہے جس کی تاویل وتفسیر رسول اللہ نے مجھے نہ بتائی ہو۔

اس بحث کا دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ رسول اور آل رسول سے ملنے والی تفسیریں ہر آیت سے متعلّق نہیں ہیں تو وہ آیات جن کی تفسیر قولِ معصومؑ سے نہ ملتی ہو انھیں سمجھنے کی کوشش کی جائے یا نہ کی جائے؟ درحقیقت نزول قرآن

کا منشأ بھی یہ ہے کہ انسان اس میں غور وفکر کریں اور اسے سمجھنے کی کوشش کریں جیسا کہ خود قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے: اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا﴿۲۴﴾ (سورہ محمد ۴۷/آیت ۲۴)

کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ مُبٰرَكٌ لِّیَدَّبَّرُوْۤا اٰیٰتِهٖ وَلِیَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴿۲۹﴾ (سورہ ص ۳۸/آیت ۲۹)

تدبر فی القرآن کے ان صریح احکامات کے ساتھ ساتھ ہمیں پیغمبر اکرمؐ کے اس فرمان مبارک کو سامنے رکھنا چاہیے کہ آپ نے ارشاد فرمایا اِنَّ الْقُرْآنَ ذَلُوْلٌ ذُوْوُجُوْہٍ فَاحْمِلُوْہُ عَلٰی اَحْسَنِ الْوُجُوْہِ یعنی آیاتِ قرآنی مختلف احتمالات اور وجوہ کی حامل ہیں لہٰذا تم آیات کو بہترین اور مناسب ترین احتمال (وجہ) پر حمل کیا کرو۔ پیغمبر اکرمؐ کا یہ فرمان خود اس بات کی دلیل ہے کہ آیات قرآنی میں تدبر کرنے پر جو مختلف احتمالات ذہن میں آئیں ان میں مناسب ترین کو اختیار کرنا چاہیے۔

اب ہم بحث کے تیسرے مرحلے میں داخل ہورہے ہیں کہ کیا ہمیں اس بات کی اجازت ہے کہ ہم جس طرح چاہیں تدبر کریں؟ ہم جب وسائل الشیعہ اور دیگر کتب احادیث پر نگاہ ڈالتے ہیں تو ہمیں جزوی اختلافِ متن کے ساتھ صادقین علیہم السّلام سے یہ روایت ملتی ہے کہ:

علینا ان نلقی الیکم الاصول و علیکم ان تفرعوا (ہماری ذمّے داری ہے کہ ہم تم کو اصول وکلیات بتلائیں اور تم ان سے جزئیات کو حاصل کیا کرو)

لفظ اصول کی عمومیت اس بات کی متقاضی ہے کہ اصول عقائد ہوں یا اصول تفسیر یا اصول فقہ وغیرہ ہمیں ان سب کو آل محمد علیہم السّلام سے حاصل کرنا ہے۔ مکتب اہل بیت کے فقہا ومفسرین آغاز سے اب تک اسی بات پر کاربند رہے ہیں۔

اگرچہ تفسیر نویسی کے آغاز میں فقط اُن روایات کی جمع آوری کا رواج تھا جن کا تعلّق مکتب اہل بیتؑ سے ہے۔ لیکن جب ان روایات کی روشنی میں اصول تفسیر مدوّن ہوگئے تو ہم دیکھتے ہیں کہ تفسیر کے دائرے میں وسعت پیدا ہوگئی اور آہستہ آہستہ وہ سارے علوم اس میں داخل ہونے لگے جن کا تعلّق انسان اور انسانیات سے تھا۔

زیر نظر تفسیر اپنے عہد کی ایک اہم تفسیر ہے اور مفسّر ملاّ محسن فیض کاشانی ہیں۔ فیض گیارھویں صدی کے مشاہیر علما میں شمار ہوتے ہیں۔ وہ مفسّر بھی ہیں اور محدّث بھی، عارف بھی ہیں اور شاعر بھی۔ ان کے مطالعہ کی گہرائی اور فہم وبصیرت کی گیرائی مسلّم ہے۔ انھوں نے اپنی تفسیر کے بارھویں مقدّمے میں اس طریقہ کار کی وضاحت کی ہے جس پر ان کی تفسیر کی بنیاد ہے۔ ایک مفسر کو بعض مقامات پر ان سے اختلاف کرنے کا حق حاصل ہے لیکن وہ اس سے اختلاف نہیں کرسکتا کہ وہ اعلیٰ درجہ کی صلاحیت استنباط اور قوت نقد کے حامل ہیں۔ مولانا تلمیذ حسنین رضوی دام فضلہ قابل مبارک باد ہیں کہ انھوں نے اس تفسیر کے ترجمہ اور تلخیص کا بیڑا اٹھایا ہے۔

فاضل جلیل ومحقق خبیر جناب مولانا سیّد تلمیذ حسنین رضوی وسیع المطالعہ ہونے کے ساتھ ساتھ مختلف اسلامی

علوم وفنون پر بھی نظر اور دسترس رکھتے ہیں اور تحریر وتالیف کی توانائیوں سے بھی مالا مال ہیں۔ میں نے جستہ جستہ اس ترجمہ وتلخیص پر نگاہ ڈالی، الفاظ کی نشست برمحل، عبارت صاف وشستہ اور سلیس ہے۔ ترجمہ میں کسی قسم کی تعقید یا ایہام نہیں ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ ترجمہ نہ ہو طبع زاد تحریر ہو۔ میں بارگاہ الٰہی میں دعا گو ہوں کہ بہ طفیل معصومین علیہم السّلام، جناب مولانا کو وہ توفیق عطا ہو کہ وہ اس کام کی تکمیل کو ساتھ ساتھ دیگر علمی اور دینی خدمتوں کو انجام دیتے رہیں۔

طالب جوہری۔ نیوجرسی، امریکا

۱۰/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

گفتارِ مقدّم

از حجۃ الاسلام والمسلمین علاّمہ سیّد رضی جعفر نقوی

الحمد للہ ربّ العالمین والصلوۃ والسلام علی خاتم النبیین، سیّدنا و نبینا ابی القاسم محمد و آلہ الطیبین الطاھرین المعصومین۔

واللعنۃ علی اعدائھم اجمعین   اما بعد:

قرآن مجید، خالق دو جہاں کی طرف سے نازل ہونے والا وہ عظیم الشان صحیفہ ہے، جس کی عظمت و جلالت کے لیے یہی کافی ہے کہ:

اگر کسی پہاڑ پر اُتارا جاتا، تو وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔

جیسا کہ ارشاد قدرت ہے:

لَوۡ اَنۡزَلۡنَا هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيۡتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنۡ خَشۡيَةِ اللّٰهِ‌ؕ وَتِلۡكَ الۡاَمۡثَالُ نَضۡرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمۡ يَتَفَكَّرُوۡنَ ۝۲۱ (سورہ حشر ۵۹/آیت ۲۱)

(اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تم اُسے دیکھتے کہ وہ خوف خدا سے، جھکا جا رہا ہے، ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا ہے۔

اور یہ مثالیں، ہم لوگوں (کو سمجھانے) کے لیے پیش کرتے ہیں تا کہ وہ غور و فکر سے کام لیں

اور جس کی عظمت کے تصور سے خوف خدا رکھنے والوں کے جسم و جان پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ ارشاد قدرت ہے:

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِيۡثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِىَ ‌ۖ تَقۡشَعِرُّ مِنۡهُ جُلُوۡدُ الَّذِيۡنَ يَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ‌ ۚ ثُمَّ تَلِيۡنُ جُلُوۡدُهُمۡ وَقُلُوۡبُهُمۡ اِلٰى ذِكۡرِ اللّٰهِ‌ ؕ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهۡدِىۡ بِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ‌ ؕ (سورہ زمر ۳۹/۲۳)

(خداوند عالم نے سب سے عمدہ کلام نازل کیا، (وہ) کتاب (جس کی آیتیں) ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں۔ (جس کی بعض باتیں کئی بار) دہرائی گئی ہیں۔

جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں، اُن پر اس (کلام کو سن کر) کپکپی طاری ہو جاتی ہے، پھر اُن کے جسم اور ان کے دل، ذکر خدا کے لیے نرم ہو جاتے ہیں۔ یہ خدا کی ہدایت ہے اس کے ذریعے سے جس کی چاہے

رہنمائی کرتا ہے)

اور جس کی آیات میں وہ آفاقیت اور ہمہ گیری، اور زمان و مکان پر اُس کا ایسا کنٹرول ہے کہ وارث قرآن اگر چاہے تو اسی قرآن کے ذریعے سے پہاڑوں کو چلا سکتا ہے، زمین کے فاصلوں کو طے کرسکتا ہے، اور مُردوں سے گفتگو کرسکتا ہے۔

جیسا کہ ارشاد قدرت ہے:

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ؕ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ؕ

(سورہ الرعد ۱۳/آیت ۳۱)

(اور اگر وہ قرآن، جس کے ذریعے سے پہاڑ کو چلایا جاتا، یا اس کے ذریعے سے زمین (کی مسافت) طے کی جاتی، یا مُردوں سے گفتگو کی جاتی۔ بلکہ ہر معاملے کا اختیار اللہ ہی کو ہے)

جس کے ذیل میں مفسرین کرام نے تحریر فرمایا ہے کہ:

اس آیت میں حرفِ "لو" کا جواب محذوف ہے، اور وہ جواب محذوف:

لَكَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ

ہے۔ اس لحاظ سے اس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ:

اگر کوئی قرآن ایسا ہے جس کے ذریعہ پہاڑوں کو چلایا جاسکے، یا زمین کی مسافت کو طے کیا جائے یا مردوں سے گفتگو کی جاسکے تو وہ یہی قرآن ہے۔

(حوالے کے لیے ملاحظہ فرمائیے: تفسیر مجمع البیان، تفسیر برہان، تفسیر صافی)

اور یہ ایسی منفرد، ممتاز اور بے مثال کتاب ہے جسے کوئی شخص اپنی طرف سے گڑھ کر یا خود سے ایجاد کرکے، پیش کر ہی نہیں سکتا تھا۔

جیسا کہ ارشاد قدرت ہے:

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۷﴾ (سورہ یونس ۱۰/آیت ۳۷)

(اور یہ قرآن ایسا نہیں ہے کہ، خدا کے سوا، کوئی اسے اپنی طرف سے گڑھ کر پیش کردے، بلکہ یہ (اس کے قبل کی جو کتابیں) اس کے سامنے موجود ہیں، ان کی تصدیق، اور کتاب (الٰہی) کی تفصیل ہے، جس میں کوئی شک نہیں کہ یہ سارے جہانوں کے پروردگار کی طرف سے ہے)۔

(ملاحظہ فرمائیے سورہ یونس/آیت ۳۷)

اور یہ وہ کتاب ہے جو صاحب علم و حکمت (خداوند عالم) کی طرف سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو عطا کی گئی ہے۔

جیسا کہ ارشاد قدرت ہے:

وَ اِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ۝ (سورہ نمل ۲۷/آیت ۶)

(اور تم کو تو (اے رسولؐ) یہ قرآن ایک صاحب حکمت و دانش (خداوند کردگار) کی طرف سے، عطا کیا جاتا ہے)۔

اور جو لوگ پیامبر اکرمؐ پر یہ الزام لگاتے تھے کہ نعوذ باللہ اُنھوں نے یہ کتاب خود اپنی طرف سے لکھ کے، خداوند عالم کی طرف منسوب کردی۔

اُنھیں پروردگار عالم نے اس کا جواب لانے کے لیے کہا۔

اور پوری کتاب کا جواب لانے سے عاجز رہنے والوں سے کہا گیا کہ اس کے دس ہی سوروں جیسے تم بھی سورے بنالاؤ۔ اور جن لوگوں کو چاہو اس کام میں اپنا مددگار بنالو۔

جیسا کہ ارشاد قدرت ہے:

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّ ادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ (سورہ ھود ۱۱/آیت ۱۳)

(کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ انھوں نے اپنی طرف سے اسے گڑھ لیا ہے؟ ان سے کہیے کہ تم اس جیسے دس سورے، گڑھ کر لے آؤ، اور خدا کے سوا جن لوگوں کو (اپنی مدد کے لیے) بلا سکتے ہو بُلا لو)۔

اور آگے بڑھ کر ان لوگوں کے سامنے یہ اعلان بھی کردیا گیا کہ اگر تم لوگ یہ سمجھتے ہو کہ یہ کتاب من گھڑت ہے، ایک انسان نے اسے خود سے مرتب کر کے پیش کردیا ہے، تو تم بھی تو انسان ہو صاحب زبان ہو، اپنی زبان پر تمھیں بہت ناز ہے تم اس کے جیسا کوئی ایک سورہ ہی بنالاؤ۔

جیسا کہ ارشاد قدرت ہے:

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَ ادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

(سورہ یونس ۱۰/آیت ۳۸)

(کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ (پیغمبر نے) اسے اپنی طرف سے گڑھ کر پیش کردیا ہے، تو آپ کہہ دیجیے کہ تم لوگ اس کے جیسا ایک سورہ (ہی) بنالاؤ، اور خدا کے سوا، جن لوگوں کو (اپنی مدد کے لیے) بلا سکتے ہو، بُلا لو، اگر تم سچے ہو)۔

اور جو لوگ زبان سے یہ کہتے ہوں کہ نعوذ باللہ پیغمبر اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اپنی طرف سے ایک کتاب مرتب کر کے ، اسے خدا کی طرف منسوب کر دیا۔ لیکن دل میں شکوک وشبہات رکھتے ہوں ۔ اس کتاب کو من جانب خدا سمجھنے کے سلسلے میں اُن کے ذہن میں تردد ہو، اُن کو بھی پروردگار عالم نے دعوت دی ہے کہ قرآن مجید کے کسی ایک سورے کے مانند کوئی سورہ بنالیں. اور جن لوگوں سے اس کام میں مدد لے سکتے ہوں ، مدد لینے کی کوشش کریں۔

چناں چہ ارشاد قدرت ہے:

وَ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۠ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۳﴾ (سورہ بقرہ ۲/ آیت ۲۳)

(اور اگر تم لوگ اس (کتاب) کے بارے میں، جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کی ہے، شک میں ہو، تو تم لوگ (بھی) اسی جیسا ایک سورہ بنالاؤ، اور خدا کے علاوہ ، جو بھی تمھارے مددگار ہوں، اُن (سب) کو بلالو۔ اگر تم سچے ہو)!

افترا پردازی کرنے والوں اور حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر نازل ہونے والی کتاب کے بارے میں شک و شبہ کرنے والوں سے نہ دس سورے بنانا ممکن ہوا، اور نہ وہ ایک سورہ ہی بنانے پر قدرت رکھتے تھے۔
خداوند عالم نے واضح طور سے اعلان فرمادیا کہ:

اگر رُوے زمین پر بسنے والے تمام انسان، اور جنوں جیسی غیر مرئی مخلوقات ، مل کر بھی یہ کوشش کریں کہ خداوند عالم کے نازل کردہ کلام کا جواب لائیں تو وہ اپنی کوششوں کے باوجود، ہرگز اس بات پر کبھی قادر نہیں ہوسکتے۔

اور چوں کہ اس کتاب الٰہی کے اندر کچھ آیتیں ایسی ہیں جن کا مفہوم بالکل واضح ہے، اور کچھ آیتیں ایسی ہیں جن کی تشریح کی ضرورت ہے اس لیے ہر دور میں اُن ہادیان برحق کی ضرورت رہے گی جو بنی نوع انسان کو صراط مستقیم کی طرف گام زن کرتے رہیں اور جو قرآن کریم کے مخفی خزانوں سے تشنگان علم ومعرفت کو سیراب کرتے رہیں۔

ان ہادیان کو، "وارث کتاب" بھی کہا اور" راسخون "کے لقب سے بھی یاد کیا۔

چناں چہ ارشاد قدرت ہے:

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاۗءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاۗءَ تَاْوِيْلِهٖ ڤ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ڤ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۷﴾ (سورہ آل عمران ۳/ آیت ۷)

(وہ (خدا) ہی ہے، جس نے تم پر یہ کتاب نازل کی ہے، اس کی بعض آیتیں محکم (واضح) ہیں ، جو کتاب کی

اصل (بنیاد) ہیں، اور کچھ آیتیں متشابہ ہیں   تو جن لوگوں کے دل میں کجی ہے وہ ان ہی آیتوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں، جو متشابہ ہیں تا کہ فساد پیدا کریں، اور اس خیال سے کہ ان کی (من مانی) تاویل کریں۔ حالاں کہ اُن (آیتوں) کا اصلی مقصد تو خدا جانتا ہے اور وہ لوگ جو علم میں راسخ ہیں، یہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے، یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے، اور صاحبانِ عقل و دانش ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں)۔

اور ان ہی برگزیدہ، اور منتخب روزگار ہستیوں کو خالقِ دو جہاں نے اپنی کتاب کا وارث قرار دیا ہے۔

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَ مِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَ مِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿٣٢﴾   (سورہ فاطر ۳۵/آیت ۳۲)

(پھر ہم نے کتاب کا وارث، اُن لوگوں کو بنایا، جنھیں ہم نے اپنے بندوں میں سے منتخب قرار دیا، کیوں کہ بندوں میں سے کچھ تو اپنی ذات کے ساتھ نا انصافی کرتے ہیں، کچھ درمیانی راہ پر ہیں، اور اُن میں سے کچھ وہ ہیں جو خدا کے اذن سے، نیکیوں کی طرف سبقت لے جانے والے ہیں، اور یہ تو (خدا کا) بہت بڑا فضل ہے)۔

اور پروردگار عالم نے اپنی کتاب کا وارث اُن ہی ہستیوں کو بنایا ہے جو ہر رجس سے پاک اور ہر نقص و عیب سے منزہ ہیں تا کہ وہ اُس لوح محفوظ کا مطالعہ کرسکیں جن تک سوائے معصوم کے کسی کی رسائی نہیں ہے، اور لوح محفوظ ہی وہ کتابِ مکنون ہے جس کے اندر قرآن مجید کے پوشیدہ اسرار محفوظ ہیں۔

ارشادِ قدرت ہے:

اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴿٧٧﴾ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿٧٨﴾ لَّا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿٧٩﴾   (سورہ واقعہ ۵۶/آیت ۷۷ تا ۷۹)

(بے شک یہ بڑے مرتبے والا قرآن ہے جو (لوح) محفوظ میں (لکھا ہوا) ہے۔ اُس کو سوائے پاک و پاکیزہ لوگوں کے کوئی چھو نہیں سکتا)۔

اور پاک و پاکیزہ، خاصانِ خدا (اہلِ بیت عصمت و طہارت) جو لوح محفوظ کا مطالعہ کرتے ہیں اور جو قرآنِ مجید کے ہر ظاہر و باطن تک رسائی رکھتے ہیں۔ اُن ہی کے گرامی قدر ارشادات کو، ہمارے نہایت بلند مرتبہ عالم دین، فیلسوف الفقہاء، عارف ربانی، آقائے محسن فیض کاشانیؒ نے ہماری جلیل القدر کتابوں سے اکٹھا کرکے، اپنی مشہور و معروف تالیف تفسیر صافی میں اس طرح یکجا کر دیا کہ تشنگان علم و معرفت، ہر دور میں ان لئالی و جواہر کی تابانیوں سے اپنے قلوب کو منوّر کرتے رہیں۔

آقائے محسن فیض کاشانی علیہ الرحمہ گیارھویں صدی ہجری کے ان بلند مرتبہ علماء و مفسرین میں سے ہیں جن کے بارے میں اُن کے زمانے کے بلند مرتبہ مجتہد اور مرجع تقلید آقائے شیخ حر عاملی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا

ہے: آقائے جلیل القدر محمد بن مرتضٰی جو محسن کاشانی کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں، با فضیلت عالم، ماہر فن، صاحبِ حکمت، علمِ کلام و حدیث کے ماہر، فقیہ و مجتہد، محقق، شاعر اور ادیب تھے، اپنے معاصرین کے درمیان نہایت عمدہ تصنیفات کے مالک ہیں۔

ان کی بہت سی کتابیں ہیں جن میں کتاب الوافی بھی ہے جس میں انھوں نے ہماری کتب اربعہ کو اکھٹا کیا ہے اور مشکل احادیث کی تشریح بھی کی ہے۔ البتہ اُن کے اندر صوفیوں کے طریقے کی طرف کچھ میلان بھی ہے؛ اسی طرح ان کی کئی کتابوں میں (یہی میلان نظر آتا ہے)

اُن کی کتاب سفینۃ النجاۃ راہِ عمل کے بارے میں ہے اور تین تفسیریں: کبیر، صغیر اور متوسّط، اس کے بعد (جناب شیخ حر عاملی نے) آقائے محسن فیض کاشانیؒ کی ستائیس کتابوں کا نام بنام ذکر کیا ہے۔ (آقائے شیخ حر عاملی کی کتاب: امل الآمل ج ۲ ص ۳۰۵۔ بحوالہ مقدمہ صافی از قلم شیخ حسین اعلمی۔ مطبوعہ مکتبہ الصدر طہران ۱۴۱۶ھ)

آقائے محسن فیض کاشانی کی یہ تفسیر جسے تفسیر صافی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، تقریباً، گذشتہ چار سو برس سے نہ صرف علماء و محققین کے مطالعے کی زینت ہے، بلکہ علمی مباحث میں اسے ان کتابوں کے درمیان بھی ایک منفرد حیثیت حاصل ہے جو مصادر قرار دی جاتی ہیں۔

ہمارے بلند مرتبہ عالم دین، جو گذشتہ بیس برس سے، امریکا کی سرزمین پر، صاحبان ایمان کے قلوب واذہان کو اہل بیت طاہرین علیہم السلام کے علوم و معارف سے منوّر کرنے میں مصروف ہیں، جو ایک عالم باعمل باپ کے عالم باعمل فرزند ہیں، جو محراب عبادت میں ایک عابد شب زندہ دار، اور منبر حسینؑ پر دین کے ایک باوقار اور ذمّے دار عالم کی حیثیت سے ہندوستان، پاکستان، ایران و شام، عراق و حجاز، انگلستان و ولایات متحدہ، یورپ اور کینیڈا میں تشنگانِ علم و معرفت کو سیراب کرنے کی سعیِ مسلسل میں مصروف ہیں؛ یعنی: عالی جناب، معلی خطاب، مستغنی عن الالقاب، دانشمند معظم، مولانا سیّد تلمیذ حسنین رضوی صاحب دام مجدہ نے اُس عظیم الشان تفسیر کو اردو کے قالب میں ڈھالنے کا بیڑا اٹھایا جو ایک گراں قدر علمی خدمت ہے۔

اور جیسا کہ شیخ آقائے حر عاملی علیہ الرحمہ نے آقائے محسن فیض کاشانی علیہ الرحمہ کے بارے میں تحریر فرمایا ہے کہ:

''اُن کے اندر صوفیوں کے طریقے کی طرف میلان بھی ہے۔''

چناں چہ آپ کی تفسیر میں بھی جابجا ایسے مطالب ہیں، جن کا ادراک، عام لوگوں کے لیے انتہائی دشوار ہے۔ بلکہ اس عظیم الشان کتاب کو اردو کے قالب میں ڈھالنے کی اصل غرض عام مومنین کے لیے اسے قابلِ استفادہ

بنانا ہے۔ اور فلسفہ وعرفانیات کے مشکل مطالب کی اگر ایسی تشریح کی جاتی کہ وہ عام فہم بن جاتے، تو کتاب اپنے موضوع سے ہٹ جاتی، اور اگر اُن کو اصل شکل میں باقی رکھا جاتا، تو عام قارئین کرام کے لیے بے پناہ علمی وفکری مشکلات پیدا ہو جاتیں۔

اس لیے دانشمند معظم نے یہ فیصلہ کیا کہ اُن فلسفیانہ گتھیوں کو الگ رکھ کر، کتاب کے اہم مطالب کو آسان زبان میں پیش کر دیا جائے۔ اس لیے آپ نے اسے تفسیر صافی کی تلخیص قرار دیا۔

آپ چوں کہ تقریباً نصف صدی سے درس و تدریس کے شعبے سے وابستہ ہیں اور جہاں رہے تشنگان علم و ادب کے جھرمٹ میں رہے۔ اور ان کو علمی و ادبی فیوض و برکات سے مالا مال کرتے رہے۔ اس لیے اس کتاب کے اندر بھی ادب کے شناوروں کو بیان کی شائستگی، اور مطالب کی پاکیزگی نظر آئے گی۔

میری دعا ہے کہ مالکِ دو جہاں آپ کو صحت وتندرستی کی نعمت سے مالا مال رکھے، تفسیر قرآن (کے ترجمے) کی اس خدمت کا اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرمائے اور صاحبانِ ایمان اس کتاب سے زیادہ سے زیادہ فیض حاصل کریں، کیوں کہ قرآن و اہل بیتؑ سے وابستگی اور اُن کا اتباع ہی ذریعۂ نجات ہے۔

والسلام
احقر رضی جعفر نقوی
(۲۳ ماہ رمضان المبارک ۱۴۲۵ھ)
ہیوسٹن۔ ٹیکساس

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مقدّمہ کتاب از فیض کاشانی (رہ)

ہم تیری حمد کرتے ہیں اے وہ جس نے اپنی کتاب کے ذریعے بندوں کو اپنا جلوہ دکھایا بلکہ ہر شے میں اس کا جلوہ سمایا جس نے اپنے خطاب سے خود کو ظاہر کیا بلکہ ہر نور اور سایہ میں وہ نظر آیا اس نے اپنی ذات سے اپنی جانب رہنمائی کی، وہ مخلوقات کی مشابہت سے پاک ہے بھلا وہ شخص اس کی جانب رہنمائی کیسے کرے گا جو اپنے وجود میں خود اس کا محتاج ہے، وہ کب نظروں سے اوجھل ہوا کہ اس کے لیے کسی راہنما کی ضرورت ہو جو اس کا پتا بتائے اور وہ کب دور ہوا کہ آثار کے ذریعے اس تک رسائی حاصل کی جائے وہ آنکھ اندھی ہو جو اسے نہ دیکھ سکے جب کہ وہ مسلسل اس کا نگران ہے جس بندے کو اس کی محبت میں سے کوئی حصہ نہیں ملا وہ اپنی تجارت میں سراسر خسارے میں رہا، ہر موجود اس کو پہچانتا ہے لہٰذا اسے نہ جاننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اس نے ہر شاہد کے ذریعے اپنا تعارف کرا دیا ہے تا کہ ہم ہر مشہود میں اس کا مشاہدہ کر لیں:

اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے
حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں

(غالب)

نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعلمین نذیراً اس نے اپنے بندے پر فرقان کو نازل کیا تا کہ وہ تمام جہانوں کا ڈرانے والا ہو جائے۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے اسرار قدرت اہل بیت کو ودیعت کیے اور اُن سے رجس کو دور رکھا اور انھیں پاک و پاکیزہ رکھا جو پاک رکھنے کا حق ہے۔

اپنے نبی مرسل کی ہدایت اور کتاب منزل کے نور سے کائنات کو منوّر کیا اور نبی مرسل کی عترت کے ذریعے کتاب منزل کے رازوں سے پردہ ہٹایا۔ اور کتاب و عترت کو اپنے اور ہمارے درمیان وسیلہ قرار دیا تا کہ ان دونوں سے تمسک کے سبب ہمیں گمراہی کی گھاٹی سے نکالے اور ہمارے عیوب کو مٹا دے اور انھیں مسلسل ہمارے درمیان موجود رکھا جس رسی کا ایک سرا اللہ کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا سرا ہمارے ہاتھوں میں ہے ان کے ذریعے ہم پر احسان کیا اور اپنے فضل سے انھیں ہمارے لیے پسندیدہ قرار دیا اور یہ دونوں وہ گراں قدر اور وزنی چیزیں ہیں جنھیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ہمارے درمیان چھوڑ کر گئے تھے اور انھیں ہمارے درمیان اپنا جانشین قرار دیا تھا اور فرمایا تھا:

ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی، و انھما لن یفترقا حتی یردا علیّ الحوض

اگر تم ان دونوں سے تمسک رکھو گے تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہیں ہوؤ گے اور یہ دونوں کبھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر وارد ہوں۔ [1]

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ہمیں خبر دی کہ دونوں ایسے رفقا ہیں جو ایک دوسرے کے ساتھ رہیں گے اور ایسے بھائی ہیں جو جڑواں ہیں اور یہ کہ عترت قرآن کی ترجمان ہے پس وہ کون ہے جو اس دلہن کے چہرے سے پردہ ہٹا کر اس کے اسرار و رموز کو آشکار کرے دراں حالے کہ یہ وہی افراد ہیں جو اس کے مخاطب اوّل ہیں اور کون ہے جو اس کی آیتوں کی تشریح کرے اور تفسیر کے راز رموز کو آسان بنا کر پیش کر دے مگر وہ کہ جس کے سینے کو اللہ نے اپنے نور سے کھول دیا ہو اور اسے مشکوٰۃ اور مصباح سے تشبیہ دی ہو۔ اور کس میں ہمت ہے کہ تاویل اور تنزیل کے بارے میں ان کے علم کی ہمسری کر سکے جب کہ جبرائیل علیہ السّلام ان کہ گھروں میں نازل ہوا کرتے تھے اور یہ وہ خانہ ہاے باعظمت ہیں اللہ نے جنھیں مقام شامخ عطا کیا، انھیں سے کلام اللہ لیا جائے گا اور انھیں کی آواز میں سنایا جائے گا اس لیے کہ یہ مسلّمہ امر ہے کہ گھر کی چیزوں کو سب سے زیادہ گھر والا ہی جانتا ہے اور جن سے خطاب کیا جائے وہی اس کا مفہوم سب سے زیادہ سمجھتے ہیں تو ہم ان کا دروازہ چھوڑ کر کہاں جائیں اور کس سے مدد مانگیں؟ خدا کی قسم ایسا ہرگز نہیں ہوگا کہ ہم کہیں اور جائیں۔

و لا ینبئك مثل

سمعنا و اطعنا غفرانك ربنا و الیك المصیر

اے اللہ جس طرح تو نے ثقلین کے دامن سے متمسک ہونے کے لیے ہماری ہدایت کی ہے اور موٗدت فی القرآن کو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک قرار دیا ہے تو اسی طرح ہمارا شرح صدر کر کہ تیری کتاب کہ رازوں سے آشنا ہو جائیں اور علم الیقین سے آگے بڑھ کر عین الیقین تک پہنچ جائیں اور عترت کے انوار سے ہمارے قلوب کو منوّر کر دے تاکہ وہ ہمیں کدورت اور گناہوں کے اندھیروں سے باہر نکال لائیں اور اے اللہ تو رحمت نازل فرما محمد علی فاطمہ حسن حسین اور اولاد حسین میں سے آنے والے نو اماموں پر اور ہمارے بیان کو عیب اور ہماری زبان کو جھوٹ سے محفوظ رکھنا۔ اما بعد:

پس علوم دین کا خادم، اور کتاب اللہ المبین کے راز کا متلاشی اور ہر منزل اور ہر مقام پر اللہ کا نیازمند محمد بن مرتضٰی مشہور بہ محسن اللہ تعالیٰ اس کا حشر انبیا صدیقین، شہدا اور صالحین کے ساتھ کرے اس طرح گویا ہوا کہ یہ ہے وہ تفسیر قرآن جو ائمہ معصومین سے ہم تک پہنچی ہے اے برادران ایمانی جس کی وضاحت کا تم نے مجھ سے مطالبہ کیا تھا میں اپنی کم مایگی اور اس صنعت میں اپنی کوتاہ دستی کے باوجود جسقدر مجھ سے ممکن ہو سکا میں نے کوشش کی ہے اس لیے کہ جسے کسی کام کا حکم دیا جائے وہ معذور ہوتا ہے اور جو چیز آسانی سے میسّر آجائے اسے دشواری کے

(۱) بصائر الدرجات، ص ۴۳۳، وسائل الشیعہ، ج ۱۸، ص ۱۹

سبب سے چھوڑا نہیں جا سکتا۔ بالخصوص میں اس کام کو اہم اور اس امر کو مہم سمجھ رہا تھا۔ گو کہ مفسرین قرآن نے معانی قرآن کے بارے میں بہت کچھ کہا ہے مگر ان میں سے کسی نے دلیل پیش نہیں کی اس کا سبب یہ ہے کہ قرآن میں ناسخ، منسوخ، محکم، متشابہ، خاص، واضح، مبہم، مقطوع اور موصول، فرائض اور احکام، سنن اور آداب، حلال اور حرام، اجازت اور رخصت، ظاہر اور باطن، حد اور قید سب کچھ موجود ہے اور ان سب کا فرق وہی جان سکتا ہے جس کے گھر میں قرآن نازل ہوا ہو اور یہ ہستیاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور ان کے اہل بیت علیہم السّلام کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا پس جو بھی شے ان کے گھروں سے نہیں نکلی اس پر بھروسا نہیں کیا جا سکتا اسی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے مروی ہے جس نے اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر بیان کی اگرچہ وہ حق تک پہنچ بھی گیا پھر بھی اس نے غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔

اور اہل بیت علیہم السّلام سے تفسیر و تاویل کے بارے میں بہت سی روایات وارد ہوئی ہیں مگر وہ سوال کرنے والوں کے جواب کی صورت میں متفرق پائی جاتی ہیں اور جن سے خطاب کیا گیا ان کی عقل وفہم کے مطابق ہیں، اور دینی راستوں کو دکھانے کی خاطر انھوں نے جو کچھ رہنمائی کی ہے اس کے علاوہ وہ گوشوں میں دشمنوں کے خوف اور علیٰ حِدَہ رہنے کے سبب چھپی رہ گئی اور جو کچھ ظاہر ہوا اور بیان کیا گیا اکثر ان میں سے ہم تک نہ پہنچ سکا اس لیے کہ اس کے راوی تقیہ میں گرفتار تھے اور انھیں شدید خطرہ لاحق تھا باہمی اختلافات کی وجہ سے لوگوں نے اہل بیت سے روگردانی کی سوائے معدود افراد کے، حالت یہ ہوگئی کہ حاملین کتاب نے کتاب کو چھوڑ دیا اور حافظون نے اسے بھلا دیا تو کتاب اور صاحبان کتاب دونوں انسانوں کے درمیان ہوتے ہوئے بھی ان میں نہیں تھے، ان کے ساتھ تھے لیکن ان کے ساتھ نہ تھے اسلیے کہ گمراہی اور ہدایت اگر یکجا ہو بھی جائیں تو ان میں موافقت ممکن نہیں علم چھپایا جا رہا تھا اور عالمِ مظلوم تھے علم کے اظہار کی کوئی صورت نہ تھی مگر یہ کہ پوشیدہ طور یا پیچیدا انداز میں ،اس کے بعد ان کے ایسے جانشین آگئے جنھیں نہ تو قرآن کی کوئی معرفت تھی اور نہ ہی انھیں اس سے عداوت تھی انھیں یہ معلوم نہ تھا کہ وہ قرآن کے ساتھ کیسا سلوک کریں اور کن لوگوں سے تفسیر اور توضیح لیں تو ان لوگوں نے ایسے گروہ کی طرف توجہ کی جنھیں کہ وہ صاحبان علم سمجھتے تھے وہ لوگ ان سے تفسیر بالرائے بیان کرتے تھے اور یہ تفسیر کی روایات ان لوگوں سے لے رہے تھے جنھیں اپنا بزرگ تصور کرتے تھے جیسے ابوہریرہ ،انس، ابن عمر اور ایسے ہی دیگر افراد اور وہ امیر المومنین علیہ السّلام کو بھی انھی لوگوں میں شمار کر رہے تھے اور انھیں ایک معمولی انسان قرار دے رہے تھے وہ بہترین افراد جو امیر المومنین کے بعد مستند تھے جیسے ابن مسعود اور ابن عباس ،تو انھیں ان کے اقوال پر اکثر اعتماد نہ تھا اور نہ حق کے جوہر تک رسائی کا کوئی راستہ تھا اور بزعم خود یہ بڑے لوگ آخرت سے بے خوف ہو کر من گھڑت تفسیریں کیا کرتے تھے اور اکثر اسے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی جانب منسوب کر دیا

(۱) مجمع البیان، ج ۱، ص ۱۳

کرتے تھے اور یہ جن لوگوں سے روایات اخذ کر رہے تھے ان کے احوال کی حقیقت انھیں معلوم نہ تھی جب کہ ان لوگوں کو یہ یقین دلا دیا گیا تھا کہ صحابہ سب کے سب عادل ہوتے ہیں اور ان میں سے کوئی بھی حق سے برگشتہ نہیں ہوا اور انھیں یہ بھی علم نہ تھا کہ ان میں سے اکثر نفاق کو چھپایا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ سے گستاخیاں کرتے اور حمیت اور مخالفت کی بنیاد پر رسول اللہ پر طرح طرح کے الزامات عائد کرتے تھے۔

سالہا سال بعد بھی لوگوں کا یہی حال تھا ہر صدی میں ان لوگوں کے لیے گمراہی کے سرغنے موجود تھے وہ لوگ سب کچھ انھی سے لیتے اور انھی ہی کی جانب رجوع کرتے تھے اور وہ لوگ انھی کی رائے کو قبول کرتے یا اپنے بڑوں پر ہی بھروسا کرتے کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ائمہ حق میں سے کسی سے شاذ و نادر روایت لے لیتے جب کہ تمام تر روایتیں اپنے رجال ہی سے لیتے تھے لیکن انھیں بھی ائمہ حق جیسا سمجھتے تھے انھوں نے رعایت کا حق ادا نہیں کیا ہم ایسی قوم سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں جنھوں نے رب الارباب کو بھلا دیا اور اللہ کے علاوہ دوسروں کو اپنا رب بنانے لگے جب کہ ان کے درمیان میں اہل بیت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم تشریف فرما تھے، جو حق کی زمام، مسیحائی کی زبان، نبوت کا درخت، رسالت کا محل، ملائکہ کی آمد و رفت کی جگہ، نزول وحی کا مقام، علم کا مخزن، ہدایت کا مینار، دنیا والوں پر حجّت، اسرار وحی و تنزیل کے خزانے اور علم و تاویل کے جواہر، حقائق پر امین، خلائق پر جانشین ایسے اولی الامر جن کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے اور ایسے صاحبان ذکر جن سے سوال کرنے کا حکم دیا ہے اور وہ اہل بیت جن سے اللہ نے ہر طرح کہ رجس کو دور رکھا اور جنھیں پاک و پاکیزہ رکھا جو پاک رکھنے کا حق ہے جو راسخون فی العلم ہیں جن کے پاس مکمل قرآن کا علم ہے خواہ تاویلِ قرآن ہو یا تفسیرِ قرآن اور اہل بیت کی ان تمام خصوصیات و صفات کو جاننے کے باوجود بھی یہ لوگ اپنے آپ کو ہدایت یافتہ سمجھتے ہیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

جب بات یہاں تک پہنچ گئی ہے اور علم وہاں خزانے میں چھپا رہ گیا اور لوگ ایسے ہو گئے جیسے وہی کتاب کے امام ہوں اور کتاب ان کی امام نہ ہو انھوں نے اپنے مقصد کی ترویج کیلیے ایک دوسرے کا قصد کیا اور اپنی تفسیر اور کلام میں اپنی خواہشات کو داخل کر دیا۔ جب علمائے عامہ نے اس طرح کی تفاسیر تحریر کیں تو پھر اس کی جانب رجوع کرنا کیسے درست ہوگا اور ہمارے آخری اصحاب نے بھی اسی قبیل کی تفسیریں تحریر کیں جو عامہ کے راوی تک از لحاظ سند منتہی ہوتی ہیں اور اس میں صاحبان عصمت سے بہت ہی کم حدیثیں نقل کی گئی ہیں یہ لوگ انھی کی ڈگر پر چلے ہیں اور اکثر نے انھی کے اقوال کو اختیار کیا ہے۔ انھوں نے زیادہ تر نحو و صرف اشتقاق، لغت قرأت اور اس جیسی باتیں تحریر کی ہیں یہ سب چیزیں چھلکے کے گرد گردش کر رہی ہیں اصل مغز تک کوئی نہیں پہنچا کہاں وہ اور کہاں قرآن کا مطلب و مقصود۔

اگرچہ بہت سی تفاسیر زیور تحریر سے آراستہ ہوئیں لیکن ان میں سے ایک بھی ایسی نہ تھی جو صاف ستھری ہو، مکمل ہو، کافی ہو، اطمنان بخش ہو، بیمار کو شفا یاب کرے، پیاسے کو سیراب کرے، عوام کی رائے سے پاک ہو،

جس کی سند احادیث اہل بیت سے اخذ کی گئی ہو، اس مہتم بالشان امر اور ایسی تفسیر کو تحریر کرنے کے لیے ایک ایسے فرد کی ضرورت تھی جو بصیرت رکھتا ہو اللہ کے نور سے دیکھتا ہو اور روح القدس اللہ کے حکم سے جس کی تائید کر رہے ہوں تا کہ حدیث کی سچائی اور درستی کو نور کی چمک میں دیکھ لے اور قول کے انداز سے حدیث کے جھوٹ اور ضعف کو پہچان لے وہ متن کے ذریعے حدیث کی صحت کا پتا چلا لے نہ کہ اسناد کو دیکھے اور علم کو خدا سے حاصل کرے نہ کہ اساتذہ سے تا کہ اس پر صاف اور گدلا واضح ہو اور شفا بخش کو ضرر رساں سے الگ کرے اور معصومین کے اقوال کو چھان پھٹک کر ان کی جانچ پڑتال کرے اہل بیت نے اجازت مرحمت فرمائی ہے کہ اگر مقصود مجروح نہ ہو تو نقل بالمعنیٰ کر سکتے ہیں

امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

حدیثِ آل محمد کا سمجھنا بہت دشوار اور مشکل کام ہے اسے تسلیم نہیں کرے گا سوائے مقرب فرشتے اور نبی مرسل کے یا وہ بندہ اللہ نے جس کے دل کو ایمان کے لیے آزما لیا ہے جب بھی تمھارے سامنے آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث پیش کی جائے تمھارا دل اس کی طرف مائل ہو اور تن اس سے آشنا ہو تو اسے لے لو اور جس سے تمھارا دل خوف زدہ ہو اور تمھیں اجنبیت محسوس ہو تو اسے اللہ اور اس کے رسول اور عالم آل محمد کی طرف لوٹا دو۔ [1]

اگر مفسر ان تمام امور کو بیان کر دے تو امید ہے کہ وہ صاحبان بشارت میں سے ہو گا جن کے بارے میں خداوند عالم نے فرمایا

فبشر عبادی الذین

اور میں اللہ کے فضل وکرم سے امید رکھتا ہوں کہ یہ کتاب ہی وہ تفسیر ہو جائے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ میرا پروردگار مجھے بصیرت عطا کرے میری نصرت کرے تائید کرے حمایت کرے اور قرآن کا فہم عطا کرے اور میری زبان پر اس کا بیان جاری کر دے۔ اے میرے معبود یہ سب کچھ تیرے قبضۂ قدرت میں ہے اور صرف تیری نصرت اور قدرت کے وسیلے سے اس تک رسائی ہو سکتی ہے اور تیری مشیت اور ارادے کے بغیر اس تک نہیں پہنچا جا سکتا ہے اور اس تک جایا نہیں جا سکتا الا یہ کہ تیری توفیق اور تائید شامل حال ہو اے پروردگار مجھے اپنی تائید، نصرت اور توفیق عطا کر نیز حقیقت سے آشنا کر دے تا کہ میں تیرے خزانوں سے استفادہ کروں اور تیرے ان خزانے داروں سے جو تیری وحی کے امین ہیں تیری کتاب کے عالم ہیں، اگر تو نے اپنے اور ان کے علاوہ کسی اور کے حوالے کر دیا تو میں تباہ اور برباد ہو جاؤں گا اگر تو نے مجھے اور میرے نفس کو چھوڑ دیا تو میں مبتلائے غم اور بدحواس ہو جاؤں گا اور اگر تو میرا ہو جائے گا تو میں کامیاب ہو جاؤں گا اور مقامات ہلاکت سے نجات پا جاؤں گا

---

(۱) الکافی، ج ۱، ص ۴۰۱، ح ۱

اور یہ بہت بڑی کامیابی ہوگی اے کریم تجھ سے ایسی ہی امید ہے اور تیرے لیے یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔

اور مناسب ہے کہ اس تفسیر کا نام صافی رکھا جائے اس لیے کہ یہ تفسیر عام لوگوں کی رائے کی کدورت سے پاک صاف ہے ہم نے بطور تمہید بارہ مقدّمات لکھے ہیں جو نہایت اہم ہیں اور اس کے بعد ہم ان شاء اللہ آیات کی تفسیر شروع کریں گے۔

پہلا مقدّمہ — قرآن سے تمسک رکھنے اور اس کی فضلیت کے بارے میں جو کچھ بیان ہوا ہے اس میں سے چند باتیں۔

دوسرا مقدّمہ — کچھ باتیں اس بارے میں کہ علوم قرآن سب کا سب اہل بیت علیہم السّلام کے پاس ہے

تیسرا مقدّمہ — چند امور کہ مکمل قرآن ان کے بارے میں ان کے اولیا کے بارے میں اور ان کے دشمنوں کے بارے میں ہے اور اس میں کیا راز ہے

چوتھا مقدّمہ — کچھ تحقیقی باتیں، تفسیر، تاویل ظاہر باطن، حدود، مطلع، محکم، متشابہ، ناسخ، منسوخ وغیرہ اور اس کے علاوہ تفسیر میں آیات کے ظاہری معانی کیا ہیں اور متشابہ اور تاویل کے بارے میں

پانچواں مقدّمہ — قرآن کی تفسیر بالرائے سے کیوں منع کیا گیا ہے اور اس میں کیا راز ہے

چھٹا مقدّمہ — جمع قرآن، تحریف زیادتی اور کمی اور اس کی تاویل

ساتواں مقدّمہ — یہ کہ قرآن میں ہر شے کی وضاحت ہے اور اس مفہوم کی تحقیق

آٹھواں مقدّمہ — آیات کی قسمیں اور ان کا مفہومِ باطنی اور تاویلاتِ لغات کی اقسام اور اختلاف قرآت اور ان میں سے معتبر قرأء کون سے ہیں

نواں مقدّمہ — زمانۂ نزول قرآن اور اس کی تحقیق

دسواں مقدّمہ — قیامت کے دن قرآن کا قاری کے لیے مجسم ہو کر آنا اور ان کی شفاعت کرنا حفظِ قرآن اور اس کی تلاوت کا ثواب

گیارھواں مقدّمہ — کیفیتِ تلاوت اور آدابِ تلاوت

بارھواں مقدّمہ — آیات کی تفسیر میں جو اصطلاحات ہیں ان کا بیان تا کہ ناظرین کو بصیرت ہو

ہم اللہ تعالیٰ سے اعانت کے ساتھ ساتھ، فہم و بصیرت عطا کیے جانے کی دعا طلب کرتے ہیں۔

پہلا مقدّمہ

قرآن سے تمسک کرنے اور اس کی فضیلت کے بارے میں جو کچھ وارد ہوا ہے اس میں چند باتیں پیش خدمت ہیں:

روایت کی محمد بن یعقوب کلینی طاب ثراہ نے کافی میں اپنی سند سے اور محمد بن مسعود عیاشی نے اپنی تفسیر میں امام صادق علیہ السّلام سے روایت کی ہے انھوں نے اپنے آباو اجداد سے روایت کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا اے لوگو! تم عارضی صلح اور سازش کے گھر میں ہو اور تم حالت سفر میں ہو تمھارا سفر بہت تیز ہے تم نے دیکھا کہ رات دن سورج اور چاند کی گردشیں ہر نئے کو پرانا کر رہی ہیں اور ہر دور کو قریب بنا رہی ہیں اور ہر وعدہ کو پورا کر رہی ہیں تم ضروری سامان اکٹھا کر لو اس لیے کہ دور دراز کا سفر درپیش ہے۔ مقداد بن اسود کھڑے ہوئے اور فرمایا یارسول اللہ (دار هُدنة) عارضی صلح وسازش کیا ہے تو فرمایا جہاں لوگ آتے ہیں اور کوچ کر جاتے ہیں اگر فتنہ تم پر اس طرح مشتبہ ہو جائے جیسے اندھیری رات کا حصہ تو اس وقت تمھیں چاہیے کہ قرآن سے تمسک کرو اس لیے کہ وہ شفاعت کرنے والا ہے اور اس کی شفاعت قبول ہو گی اور شکایت کرنے والا ہے جس کی تصدیق کی جائے گی جو شخص اسے اپنا امام قرار دے گا تو وہ اسے جنت کی جانب لے جائے گا اور جو اسے پس پشت ڈال دے گا تو وہ اسے جہنم میں ڈال دے گا وہ ایسا رہنما ہے جو بہترین راستہ دکھاتا ہے اور ایسی کتاب ہے جس میں تفصیل ہے بیان ہے اور حاصل کرنے کا ذریعہ ہے وہ فیصلہ کن کتاب ہے غیر سنجیدہ بات نہیں ہے اس کے لیے ظاہر ہے باطن ہے اس کا ظاہر حکم ہے اس کا باطن علم ہے اس کا ظاہر عمدہ ہے اس کا باطن گہرا ہے اس کی سرحدیں ہیں اور اس کی سرحد کی سرحدیں ہیں اس کے عجائبات کا شمار ممکن نہیں اس کے غرائبات کبھی پرانے نہیں ہوتے اس میں ہدایت کے چراغ ہیں اور حکمت کے مینار ہیں اور جو اس کے محاسن اور کیفیت استنباط سے واقفیت حاصل کر لے تو وہ اس کے لیے معرفت کا ذریعہ ہوگا۔[1]

کافی میں اس عبارت کا اضافہ ہے دیکھنے والا اپنی آنکھ کو جولانی دے اور اس کی نگاہیں صفات تک رسائی حاصل کریں تو وہ ہلاکت سے نجات پاجائے گا اور جال سے بچ نکلے گا اس لیے کہ غور وفکر کرنا قلب بصیر کے لیے

(۱) تفسیر عیاشی ج۱ ص۲۔۳

زندگی ہے جس طرح نور کا متلاشی اندھیروں میں چلنے والا نور کے سہارے آگے بڑھتا ہے تو تم پر لازم ہے کہ عمدہ طریقے سے نجات حاصل کرو اور زحمت انتظار میں تخفیف کرو۔ ۱

عیاشی نے اپنی سند سے حارث اعور سے روایت کی ہے انھوں نے کہا میں امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے کہا اے امیر المومنین ہم جب آپ کی خدمت میں تھے تو ہم نے آپ سے وہ کچھ سنا جس سے ہم اپنے دین کو مضبوط کرتے ہیں اور جب ہم آپ کے پاس سے چلے گئے تو ہم نے مختلف باتیں سنیں جو پوشیدہ ہیں ہم نہیں جانتے یہ سب کیا ہیں امامؑ نے فرمایا میں نے رسول اللہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جبرائیل میرے پاس آئے اور کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم تمھاری امت میں فتنہ ہوگا میں نے سوال کیا اس سے نکلنے کا راستہ کیا ہو گا آنحضرت نے فرمایا اللہ کی کتاب جس میں تم سے پہلے لوگوں کا بیان ہے بعد میں آنے والوں کی خبریں ہیں اور تمھارے معاملات کے بارے مین فیصلے ہیں وہ فیصلہ کن کتاب ہے اس میں بیہودہ باتیں نہیں ہیں اگر کوئی ظالم اس کتاب کو والی بنائے اور اس کے غیر پر عمل کرے تو اللہ ایسے شخص کو ہلاک کر دے گا اور اگر وہ اس کے غیر سے ہدایت کا طلب گار ہو گا تو اللہ اسے گمراہی میں چھوڑ دے گا اور وہ قرآن اللہ کی مضبوط رسی ہے وہ باحکمت نصیحت ہے وہ صراط مستقیم ہے خواہشات اسے کج نہیں کر سکتیں وہ بار بار دہرانے سے پرانا نہیں ہوتا اس کے عجائبات کبھی فنا نہیں ہوتے اور علما اس سے کبھی سیراب نہیں ہوتے اور یہ قرآن وہی ہے جسے جنوں نے سنا تو بے اختیار کہنے لگے:

اِنَّا سَمِعۡنَا قُرۡاٰنًا عَجَبًا ۙ﴿۱﴾ یَّهۡدِیۡۤ اِلَی الرُّشۡدِ (سورہ جن ۷۲/ ۱-۲)

ہم نے عجیب قرآن سنا ہے جو نیکی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

جس نے اسے زبان سے ادا کیا اس کی تصدیق کی اور جس نے اس پر عمل کیا اسے اجر دیا گیا اور جس نے تمسک کیا اسے سیدھے راستے کی ہدایت کر دی گئی

وہ ایسی غالب اور پسندیدہ کتاب ہے کہ:

لَّا یَاۡتِیۡهِ الۡبَاطِلُ مِنۡۢ بَیۡنِ یَدَیۡهِ وَ لَا مِنۡ خَلۡفِهٖ ؕ تَنۡزِیۡلٌ مِّنۡ حَکِیۡمٍ حَمِیۡدٍ ﴿۴۲﴾ (سورہ فصلت ۴۱/ آیت ۴۲)

باطل نہ تو اس کے سامنے سے آسکتا ہے اور نہ ہی پیچھے سے یہ باحکمت اور قابل حمد اللہ کی نازل کردہ کتاب ہے۔ ۲

کافی اور تفسیر عیاشی نے اپنی سند سے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ قرآن گمراہی سے ہدایت، اندھے پن سے وضاحت، لغزشوں سے سلامت تاریکی کا نور، قبروں کی ضیا، ہلاکت سے حفاظت، بھٹکنے سے رہنمائی، آزمائشوں کا بیان اور دنیا سے آخرت تک پہنچنے کا وسیلہ ہے اسی میں تمھارے دین کا کمال ہے جس نے بھی قرآن سے روگردانی کی اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ ۳

(۱) الکافی، ج ۲، ص ۵۹۸-۵۹۹، ح ۲ (۲) تفسیر عیاشی، ج ۱، ص ۳-۴، ح ۲

(۳) الکافی، ج ۲، ص ۶۰۰، ح ۸ تفسیر عیاشی، ج ۱، ص ۵، ح ۸

عیاشی نے اپنی سند سے امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت کی ہے فرمایا لازم ہے کہ تم قرآن کی تلاوت کرو، تم سے پہلے جو لوگ گزر چکے ہیں جب تم ان کے بارے میں نجات کی آیتیں پڑھو تو ان پر عمل کرو اور جن آیتوں میں قوموں کی ہلاکت کا تذکرہ ہے ان سے اجتناب کرو۔ [۱]

امام حسن عسکریؑ کی تفسیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ یہ قرآن روشن نور ہے مضبوط رسی ہے طاقت ور فصیل ہے بلند مرتبہ ہے بہترین شفا ہے بڑی فضیلت ہے عظیم سعادت ہے جو اس سے روشنی طلب کرے اللہ اسے منوّر کردے گا اور جو اپنے امور کو اس سے وابستہ کرے گا اللہ اس کی حفاظت کرے گا اور جو اس تمسک اختیار کرے گا اللہ اسے نجات دلادے گا اور جو اس کے احکام سے جدا نہیں ہوگا اللہ اسے بلندی عطا کرے گا اور جو اس سے شفا طلب کرے گا اللہ اسے شفا دے گا جو اسے سب پر ترجیح دے گا تو اللہ اس کی ہدایت کرے گا اور جو اس کے غیر سے ہدایت کا طلب گار ہوگا اللہ اسے گمراہی میں پڑا رہنے دے گا اور جو اسے اپنا شعار اور لباس بنالے گا تو اللہ اسے نیک بخت قرار دے گا اور جو اسے ایسا امام قرار دے گا جس کی اقتدا کی جائے اور ایسی پناہ گاہ بنائے جو اس کی منزل مقصود بن جائے تو اللہ ایسے شخص کو جنّاتِ نعیم میں لے جائے گا اور اسے پرسکون زندگی عطا کرے گا۔ [۲]

کتاب کافی میں امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا:

اے قرآن کے قاریوں کے ساتھ زندگی گزارنے والو! تم اللہ سے اس بارے میں ڈرو جو قاریوں نے اللہ کی کتاب سے تم تک پہنچایا ہے مجھ سے بھی سوال کیا جائے گا اور تم سے بھی سوال ہوگا مجھ سے تبلیغ رسالت کا سوال ہوگا اور تم نے کتاب اللہ اور میری سنت سے جن چیزوں کو اٹھا رکھا ہے ان کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ [۳]

کتاب کافی کلینی نے اپنی سند سے امام صادق علیہ السّلام سے روایت کی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے قیامت کے دن غالب اور حاکم اللہ کے سامنے سب سے پہلے میں، اللہ کی کتاب اور میرے اہل بیت آئیں گے اس کے بعد میری امت آئے گی پھر میں سوال کروں گا کہ تم نے اللہ کی کتاب اور میرے اہل بیت کے ساتھ کیسا سلوک کیا تھا۔ [۴]

کلینی نے کافی میں اپنی سند اور اس کا ف سے روایت ہے امام صادق علیہ السّلام فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا مجھے توریت کی جگہ طویل سورتیں دی گئی ہیں اور انجیل کی جگہ سو آیتوں والی سورتیں دی گئی ہیں اور زبور کی جگہ (مثانی) عطا کی گئی ہیں اور مجھے مفصل کے ذریعے فضیلت دی گئی جو ۶۸ سورتیں ہیں اور یہ قرآن تمام کتابوں کی حفاظت کرنے والا (نگران) ہے توریت حضرت موسیٰؑ کی کتاب ہے انجیل حضرت عیسیٰؑ

---

(۱) تفسیر عیاشی ج ۱ ص ۵، ح ۸ — (۲) تفسیر امام حسن عسکریؑ، ص ۴۴۹-۴۵۷

(۳) الکافی، ج ۲، ص ۶۰۶، ح ۹ — (۴) الکافی، ج ۲، ص ۶۰۰، ح ۴

کی کتاب ہے اور زبور حضرت داؤدؑ کی کتاب ہے۔[۱]

میں کہتا ہوں ان الفاظ کی تفسیر میں اختلاف ہے غالبًا اور صحیح کتاب کی سورتوں کے لیے مناسب تشریح یہ ہے طُوَل صُرَد کے وزن پر ہے یہ سات سورتیں ہیں سورۂ فاتحہ کے بعد اگر تم انفال اور برأت کو ایک شمار کرو اس لیے کہ ان کا نزول غزوات میں ہوا اور قرینوں کی مناسبت سے ان کا نام رکھا گیا۔

متین۔ بنی اسرائیل سے سات سورتوں تک، انھیں متین اس لیے کہا گیا کہ ان مین سے ہر سورت سو آیتوں والی ہے۔

مفصل۔ سورہ محمد سے آخر قرآن تک اس کا نام مفصل اس لیے رکھا گیا کہ ان کے درمیان کثرت سے فصلیں ہیں (یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم) فصل بن کر آتا رہتا ہے۔

مثانی۔ بقایا سورتیں جن میں سو سے کم آیتیں اور مفصل سے زیادہ ہیں گویا کہ طُوَل کو آغاز میں رکھا گیا۔ اور اس سے ملحق سورتیں تھیں انھیں مثانی کیا گیا کیوں کہ وہ طول کے پیچھے پیچھے اس سے ملی ہوئی ہیں اور متین سے دوبارہ آغاز ہوا اور اس سے ملحق تھیں انھیں مثانی کہا گیا۔

---

(۱) الکافی، ج ۲، ص ۶۰۱، ح ۱۰

دوسرا مقدّمہ

مختصر سا جائزہ اس بارے میں کہ قرآن مجید کا مکمل علم اہل بیت علیہم السّلام کے پاس ہے۔

کلینی نے کافی میں اپنی سند سے سلیم بن قیس ہلالی سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ میں نے امیر المومنین علیہ السّلام کو یہ کہتے ہوئے سنا وہ فرمارہے تھے جو آیت بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر نازل ہوتی وہ مجھے پڑھاتے اور لکھواتے میں نے ان آیتوں کو اپنے ہاتھ سے لکھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے مجھے ان کی تاویل، تفسیر، ناسخ، منسوخ، محکم اور متشابہ سب سے آگاہ کیا اور میرے حق میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا طلب کی کہ وہ مجھے ان آیات کا فہم عطا کرے اور یہ مجھے یاد رہیں۔ میں نے نہ تو کتاب اللہ کی کسی آیت کو فراموش کیا اور نہ ہی اسے فراموش کیا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے املا کرایا تھا آنحضرت نے مجھے جب بھی اور جس چیز کو تحریر کرنے کے لیے بلایا میں نے اسے تحریر کرلیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو اللہ نے حلال، حرام، امر، نہی ، جو ہو چکا ہے یا جو کچھ ہونے والا اور جو کتابیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے قبل نازل ہوئیں خواہ اس میں اطاعت ہو یا معصیت جو بھی علم انھیں عطا کیا گیا تھا وہ مجھے سکھا دیا اور میں اسے یاد کرلیا میں نے اس میں سے ایک حرف کو بھی فراموش نہیں کیا اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اپنا ہاتھ میرے سینے پر رکھا اور اللہ سے دعا کی کہ وہ میرے سینے کو علم، فہم، حکمت اور نور سے بھر دے میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ نے جب سے میرے لیے دعا طلب کی ہے میں کچھ بھولتا نہیں ہوں اور جس شے کو میں نے نہیں لکھا یا آپ کو اندیشہ ہے کہ بعد میں اسے بھول جاؤں گا وہ بھی مجھے یاد رہتی ہے تو آنحضرت نے فرمایا اے علی آپ کے بارے میں مجھے نہ تو نسیان کا خوف ہے اور نہ ہی عدم واقفیت کا۔ [1]

اور اسے عیاشی نے بھی اپنی تفسیر میں روایت کیا ہے: [2]

اور صدوق نے اکمال الدین میں اس روایت کو بیان کیا ہے البتہ لفظوں میں تھوڑا سا فرق ہے آخر میں یہ اضافہ ہے کہ میرے پروردگار نے مجھے بتلا دیا ہے کہ تمھارے اور تمھارے ان شرکا کے بارے میں میری دعا قبول

(۱) الکافی، ج ۲، ص ۶۳ - ۶۴، ح ۱ (۲) تفسیر عیاشی، ج ۱، ص ۱۴ - ۱۵، ح ۲

کر لی ہے جو تمھارے بعد آئیں گے میں نے سوال کیا یا رسول اللہ میرے بعد میرے شرکا کون لوگ ہیں؟ فرمایا وہ افراد اللہ نے جن ہستیوں کا تذکرہ میرے ساتھ کیا ہے اور فرمایا ہے:

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ میں نے پوچھا وہ کون لوگ ہیں فرمایا وہ میرے اوصیا ہیں یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر وارد ہوں وہ سب کے سب ہدایت کرنے والے اور ہدایت یافتہ ہوں گے جو ان کی مدد سے ہاتھ کھینچ لے گا وہ انھیں نقصان نہ پہنچا سکے گا، وہ لوگ قرآن کے ساتھ ہوں گے اور قرآن ان کے ساتھ ہوگا نہ قرآن ان سے جدا ہوگا اور نہ وہ قرآن سے جدا ہوں گے انھی کے سبب میری امت کی کمک ہوگی انھی کی وجہ سے بارش ہوگی، ان ہی کی خاطر ان لوگوں سے بلائیں دور ہوں گی اور ان ہی ہستیوں کے واسطے سے دعائیں قبول ہوں گی میں نے کہا یا رسول اللہ مجھے ان کے نام بتلا دیجیے تو حسن کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا میرا یہ بیٹا اس کے بعد امام حسین کے سر پر ہاتھ رکھ کر فرمایا میرا یہ بیٹا اس کے بعد ان کا بیٹا جس کا نام علی ہوگا وہ تمھاری زندگی میں ہی دنیا میں آئے گا تم اس تک میرا اسلام پہنچانا پھر ان کی نسل سے اولاد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بارہ کی تعداد مکمل ہوگی میں نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں مجھے ان کے نام بتلا دیجیے تو آنحضرت نے ان میں سے ہر فرد کا نام بتلا دیا پھر فرمایا اے بنی ھلال کے بھائی خدا کی قسم ان میں اس امت کا مہدی بھی ہوگا جو زمین کو عدل و انصاف سے اسی طرح بھر دے گا جس طرح وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی خدا کی قسم میں ان لوگوں کو جانتا ہوں جو رکن اور مقام کے درمیان ان کی بیعت کریں گے بلکہ میں ان کے آباو اجداد اور ان کے قبائل کے نام بھی جانتا ہوں۔ ۱

کتاب کافی میں کلینی اپنی سند سے امام محمد باقر علیہ السّلام سے روایت کی ہے آپ نے فرمایا اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے نزول کے مطابق مکمل قرآن جمع کیا ہے تو وہ جھوٹا ہے اللہ نے جس طرح قرآن کو نازل کیا ہے اسے سوائے علی ابن ابی طالب اور ان کے بعد ائمہ کے نہ کسی نے جمع کیا اور نہ ہی محفوظ کیا۔ ۲

اور اسی سند سے امام باقر علیہ السّلام سے روایت ہے آپ نے فرمایا کوئی شخص سوائے اوصیا کے یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس کے پاس مکمل قرآن ہے ظاہر بھی اور باطن بھی۔ ۳

کافی نے اپنی سند سے امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول "بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ" (سورہ عنکبوت ۲۹/آیت ۴۹) بلکہ وہ روشن نشانیاں ہیں ان لوگوں کے دلوں میں جنھیں علم دیا گیا ہے کے بارے میں فرمایا کہ اس سے مراد ائمہ علیھم السّلام ہیں۔ ۴

اور کافی نے اپنی سند سے امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت کی ہے آپ نے فرمایا میں رسول اکرم صلی

---

(۱) اکمال الدین و اتمام النعمۃ، ج۱، ص ۲۸۴۔۲۸۵، ح ۳۷
(۲) الکافی، ج۱، ص ۲۲۸، ح۱
(۳) الکافی، ج۱، ص ۲۲۸، ح۱
(۴) الکافی، ج۱، ص ۲۱۴، ح۲

اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی اولاد سے ہوں اور مجھے کتاب خدا کا سب سے زیادہ علم ہے اس میں تخلیق کے آغاز اور جو بھی قیامت تک ہونے والا اس کا ذکر ہے اس میں آسمان زمین، جنت اور جہنم کی خبر ہے اور جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے وہ سب اس میں موجود ہے مجھے ان سب کا ایسا ہی علم ہے جیسے میں اپنے اس ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَنَزَّلۡنَا عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ تِبۡيَانًا لِّكُلِّ شَىۡءٍ (سورہ نحل ۱۶ / آیت ۸۹)

(ہم نے آپ پر کتاب کو نازل کیا ہے جس میں ہر شے کی وضاحت موجود ہے)۔ ۱

میں فیض کاشانی کہتا ہوں کہ حدیث میں جس ولادت کا ذکر کیا ہے اس سے ولادت جسمانی اور روحانی دونوں مراد ہیں جس طرح نسب کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے دی جاتی ہے اسی طرح علم کی نسبت بھی انھی تک رجوع کرتی ہے جس طرح وہ مال کے وارث ہیں اسی طرح وہ علم کے وارث بھی ہیں اسی وجہ سے امام علیہ السّلام نے فرمایا:

و انا اعلم کتاب اللہ تعالیٰ

میں کتاب اللہ کا سب سے بڑا عالم ہوں۔

اور اس کتاب میں یہ سب کچھ موجود ہے یعنی یہ کہ میں ان تمام چیزوں کو جانتا ہوں۔

اور کافی نے اپنی سند سے امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت کی ہے فرمایا کہ کتاب خدا میں تم سے پہلے والوں کی خبر ہے اور بعد میں آنے والوں کی خبر ہے اور جو کچھ تمھارے سامنے ہے ان کا فیصلہ کن حکم ہے اور ہم ان سب کو جانتے ہیں۔

اور کافی نے اپنی سند سے امام جعفر صادق علیہ السّلام سے نقل کیا فرمایا:

نحن الراسخون فی العلم و نحن نعلم تاویلہ

ہم ہی علم میں راسخ ہیں اور ہم ہی اس کی تاویل کو جانتے ہیں۔

تفسیر عیاشی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم اہل بیت میں سے کسی نہ کسی کو مبعوث کرتا رہے گا جو کتاب کو اول تا آخر جانتا ہوگا اور ہمارے پاس وہ ہے جسے اللہ نے حلال کیا ہے اور جسے حرام قرار دیا ہے اور ہم اسے چھپا سکتے ہیں نہ ہی کسی سے بیان کر سکتے ہیں۔ ۲

ایک روایت میں ہے کہ ہمیں تفسیر قرآن کا جو علم عطا کیا گیا ہے اور اس کے جو احکام دیے گئے ہیں اگر ہم اس کے لیے ظروف یا امکانات دیکھیں گے تو بیان کر دیں گے اور اللہ بہترین مددگار ہے۔ ۳

اور اسی میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم اہل بیت کی ولایت کو

(۱) الکافی، ج ۱، ص ۶۱، ح ۱ (۲) تفسیر عیاشی، ج ۱، ص ۱۶، ح ۸ (۳) بصائر الدرجات، ص ۲۱۴، ح ۱، باب ۷

قرآن اور تمام کتابوں کا قطب قرار دیا ہے اور اسی کے گرد قرآن کی محکم آیتیں گردش کر رہی ہیں اور اسی سے کتابوں کو عظمت ملتی ہے اور ایمان ظاہر ہوتا ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے حکم دیا ہے کہ قرآن کریم اور آل محمد کی اقتدا کی جائے اور جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے آخری خطبے میں فرمایا ہے۔

انی تارك فیکم الثقلین ثقل الاکبر وثقل الاصغر میں تم لوگوں میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں ثقل اکبر اور ثقل اصغر۔ ثقل اکبر میرے رب کی کتاب ہے اور ثقل اصغر میری عترت اہل بیت ہے ان دونوں کے بارے میں میری بات یاد رکھو جب تک ان دونوں سے تمسک رکھوگے ہرگز گمراہ نہیں ہو گے۔ [۱]

کلینی رازی نے کتاب کافی میں اپنی سند سے زید شحام سے روایت کی ہے انھوں نے فرمایا کہ قتادہ بن دعامہ امام محمد باقر علیہ السّلام کی خدمت میں حاضر ہوئے امام علیہ السّلام نے فرمایا اے قتادہ کیا تم بصرہ والوں کے فقیہ ہو؟ قتادہ نے کہا لوگ ایسا ہی سمجھتے ہیں امام محمد باقر علیہ السّلام نے فرمایا مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ تم قرآن کی تفسیر بھی بیان کرتے ہو قتادہ نے جواب دیا جی ہاں امام علیہ السّلام نے فرمایا کیا تم قرآن کی تفسیر علم کی بنیاد پر کرتے ہو یا جہالت سے؟ قتادہ نے جواب دیا میں علم کی بنیاد پر تفسیر بیان کرتا ہوں امام علیہ السّلام نے فرمایا اگر تم علم رکھتے ہوئے اور تفسیر بیان کرتے ہو تو میں تم سے کچھ سوالات کرتا ہوں قتادہ نے کہا فرمائیے امام علیہ السّلام نے کہا ذرا مجھے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بارے میں بتاؤ جو سورہ سبا میں ہے ''وَ قَدَّرۡنَا فِیۡهَا السَّیۡرَ ؕ سِیۡرُوۡا فِیۡهَا لَیَالِیَ وَ اَیَّامًا اٰمِنِیۡنَ ﴿۱۸﴾'' (سورہ سبا ۳۴/ آیت ۱۸) اور ہم نے ان کے درمیان سیر کو معین کر دیا اب تم وہاں دن رات جب چاہو سفر کرو۔ قتادہ نے جواب دیا یہ آیت اس کے لیے جو اپنے گھر سے زاد سفر اونٹ یا کرائے کے گھوڑے پر حلال ذریعے سے اس گھر کا قصد کرے تو وہ اپنے اہل عیال میں واپس آنے تک امن و امان میں رہے گا امام باقر علیہ السّلام نے فرمایا اے قتادہ میں تمھیں خدا کی قسم دے کے پوچھتا ہوں کیا تمھیں معلوم کہ جو شخص اپنے گھر سے زاد سفر لے کر اونٹ اور کرایہ کے گھوڑے پر روانہ ہو اور اس گھر کا قصد رکھتا ہو راستے میں راہزن اسے لوٹ لے اور اس کا نان ونفقہ چلا جائے اور اس کے باوجود وہ سفر جاری رکھے تو اس میں اس کی ہلاکت ہے قتادہ نے کہا جی ہاں ایسا ہی ہے تو امام باقر علیہ السّلام نے فرمایا اے قتادہ تم پر وائے ہو اگر تم قرآن کی تفسیر اپنے نفس سے کرو گے تو خود بھی ہلاک ہو جاؤ گے اور دوسروں کو بھی ہلاک کر دو گے اور اگر تم نے اسے دوسروں سے لیا ہے جب بھی ہلاک ہونے اور ہلاک کرنے کا سبب ہے اے قتادہ تم پر وائے ہو جو اپنے گھر سے زاد سفر اونٹ اور کرایہ کے گھوڑے پر حلال طریقے سے روانہ ہو اور اس گھر کا قصد ہمارے حق کو پہچانتے ہوئے کرے اور دل سے ہم سے محبت کرتا ہو جیسا کہ خداوند عالم نے فرمایا ہے ''فَاجۡعَلۡ اَفۡـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهۡوِیۡۤ اِلَیۡهِمۡ'' (سورہ ابراھیم ۱۴/ آیت ۳۷) لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے۔ اللہ نے لفظ الیھم کہا ہے جو اہل

(۱) تفسیر عیاشی، ج ۱، ص ۵، ح ۹

بیت کے لیے ہے الیہ نہیں کہا جس سے گھر مراد ہو خدا کی قسم ہم ابرہیم کی دعا کے مصداق ہیں۔ جس نے ہم سے دل سے محبت کی تو اس کا حج قبول ہو گیا ورنہ نہیں اے قتادہ اگر ایسا ہو گیا تو وہ روز قیامت جہنم کے عذاب سے محفوظ رہے گا قتادہ نے کہا خدا کی قسم بے شک میں نے اس طرح تفسیر نہیں کی امام محمد باقر علیہ السّلام نے فرمایا اے قتادہ تم پر واے ہو قرآن کو وہی جانتا ہے جس سے خطاب کیا گیا ہے۔ ۱

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں ہم نے کافی کی روایت میں اسی طرح پایا ہے ہوسکتا ہے کہ اس روایت میں کچھ الفاظ لکھنے سے رہ گئے ہوں اس لیے قتادہ نے جو کچھ ذکر کیا اس کا کوئی تعلق اللہ تعالیٰ کے قول ''وَ قَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ سِيرُوا فِيهَا لَيَالِيَ وَ أَيَّامًا آمِنِينَ'' سے نہیں ہے اس لیے کے آیت میں کہیں بھی ذکر نہیں کیا گیا کہ یہ سر زمین کہاں پر واقع ہے بلکہ اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے قول ''وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا'' سے پایا جاتا ہے اور اسی طرح جیسا کہ امام علیہ السّلام نے فرمایا اور جیسا کہ امام صادق علیہ السّلام سے وارد ہوا ہے آپ نے ابوحنیفہ سے دونوں آیتوں کی تفسیر کے بارے میں گفتگو کی تھی یہ بھی دلالت کرتا ہے کہ کافی کی روایت میں کچھ جملے ساقط ہو گئے ہیں اور یہ روایت علل الشرائع میں سنداً امام جعفر صادق علیہ السّلام تک منتہی ہوتی ہے آپ نے ابوحنیفہ سے سوال کیا کہ کیا تم عراق والوں کے فقیہ ہو اس نے کہا ہاں تو امام علیہ السّلام نے فرمایا تم انھیں کس طرح فتویٰ دیتے ہو تو ابو حنیفہ نے کہا کہ کتاب اللہ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی سنت کے مطابق امام علیہ السّلام نے دریافت کیا اے ابو حنیفہ کیا تم اللہ کی کتاب کے بارے میں کما حقہ معرفت رکھتے ہو اور تمھیں ناسخ اور منسوخ کا علم ہے ابو حنیفہ نے کہا جی ہاں امام علیہ السّلام نے فرمایا تم نے علم کا دعویٰ کیا ہے یہ علم تو بس ان کے پاس ہے جن پر اللہ نے کتاب کو نازل فرمایا ہے اور وہ تو ان کی خاص ذریت کے پاس ہے تم مجھے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بارے میں بتاؤ ''سِيرُوا فِيهَا لَيَالِيَ وَ أَيَّامًا آمِنِينَ'' کہ یہ زمین کہاں پائی جاتی ہے ابوحنیفہ نے کہا کہ میں سمجھتا ہوں مکہ اور مدینہ کے درمیان میں ہے تو اس وقت امام صادق علیہ السّلام اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا تم لوگ جانتے ہو کہ راہزن مکہ اور مدینہ کے درمیان لوگوں کا مال لوٹ لیتے ہیں وہ اپنے آپ کو محفوظ نہیں سمجھتے بلکہ قتل کر دیے جاتے ہیں لوگوں نے جواب دیا بے شک ابوحنیفہ یہ سن کر چپ ہو گئے امام علیہ السّلام نے دریافت کیا کہ ذرا مجھے یہ بتاؤ ''وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا'' سے کون سا گھر مراد ہے وہ زمین میں کہاں پر ہے ابوحنیفہ نے کہا کعبہ تو امام صادق علیہ السّلام نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ حجاج بن یوسف نے جس وقت کعبہ میں ابن زبیر کے خلاف منجنیق نصب کی تھی اور انھیں قتل کر دیا تھا کیا وہ وہاں محفوظ تھے یہ سن کر ابوحنیفہ خاموش ہو گئے۔ ۲

ان دونوں آیتوں کی تفسیر ان شاء اللہ ان کے صحیح مقامات پر پیش کی جائے گی۔

---

(۱) الکافی، ج ۸، ص ۳۱۱، ح ۴۸۵ (۲) علل الشرائع، ج ۱، ص ۸۹-۹۱، ح ۵، باب ۸۱

تیسرا مقدّمہ

اس بارے میں کہ تمام قرآن ائمہ اوران کے دوستوں اور دشمنوں کے بارے میں نازل ہوا ہے اور اس میں کیا راز ہے!

کتاب کافی میں اور تفسیر عیاشی میں دونوں کی سند سے امام باقر علیہ السّلام سے مروی ہے انھوں نے فرمایا قرآن چار حصوں میں تقسیم ہو کر نازل ہوا ایک چوتھائی ہمارے بارے میں ایک چوتھائی ہمارے دشمنوں کے بارے میں ایک چوتھائی سنتیں اور مثالیں اور ایک چوتھائی واجبات اور احکام سے متعلّق نازل ہوا ہے عیاشی کی روایت میں یہ جملہ بھی ہے ولنا کرائم القرآن اور ہمارے لیے قرآن کا قیمتی حصہ ہے۔ [۱]

دونوں کتابوں کی سند سے اصبغ بن نباتہ سے منقول ہے انھوں نے کہا میں نے امیر المومنین علیہ السّلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ قرآن کے تین حصے ہیں ایک تہائی ہمارے بارے میں ایک تہائی ہمارے دشمنوں کے بارے اور ایک تہائی سنتوں، مثالوں، واجبات اور احکام سے متعلّق ہے۔ [۲]

عیاشی نے اپنی سند سے خثیمہ سے امام محمد باقر علیہ السّلام سے روایت کی ہے انھوں نے فرمایا قرآن کے تین حصے ہیں ایک تہائی ہمارے بارے میں ایک تہائی ہمارے دشمنوں کے بارے اور ہم سے پہلے دشمنوں کے بارے میں اور ایک تہائی سنت اور مثالیں ہیں اگر آیت کسی قوم کے بارے میں نازل ہوتی تو اس قوم کے مرتے ہی آیت بھی مرجاتی اور قرآن میں کوئی شے باقی نہ رہتی لیکن قرآن اول سے آخر تک جاری رہے گا جب تک آسمان وزمین باقی ہیں بلکہ ہرقوم کے لیے آیت ہے جس کی وہ تلاوت کرتے ہیں خواہ اس آیت کے اعتبار سے وہ خیر سے تعلّق رکھتے ہوں یا شر سے۔ [۳]

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں ان احادیث میں کوئی منافات نہیں ہے اس لیے کہ اس تقسیم کی بنیاد کسی حقیقی برابری پر موقوف نہیں ہے اور نہ ہی تمام اعتبار سے اس کی تفریق کی گئی ہے تو اگر ان کی تقسیم تہائی اور چوتھائی کی بنیاد پر ہے یا اس کی تقسیم ثلث وربع سے زیادہ یا کم ہے اور ایک دوسرے میں شامل نہیں ہیں تو اس میں (ا) علل کوئی حرج نہیں ہے۔

---

(۱) الکافی ج ۲ ص ۲۶۸، ح ۴ و تفسیر عیاشی، ج ۱، ص ۹، ح ۱ (۲) ایضاً (۳) تفسیر عیاشی ج ۱ ص ۹، ح ۳

اپنی سند سے امام محمد باقر علیہ السّلام سے مروی ہے انھوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی کتاب محکم پر ہمارا حق ہے اگر لوگ اسے سن کر کہیں کہ یہ حق اللہ کی جانب سے نازل نہیں ہوا یا انھیں معلوم نہیں تو یہ بات ایک ہی جیسی ہے۔ ۱

میں کہتا ہوں بہت سی روایات اہل بیت علیہم السّلام سے اس باب میں وارد ہوئی ہیں کہ قرآن کی اکثر آیتیں ان کے بارے میں اور ان کے دشمنوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں یہاں تک کہ ہمارے اصحاب کی ایک جماعت نے اس منہاج پر تاویل قرآن کے عنوان سے کتابیں تحریر کی ہیں اور ان میں ان تمام روایات کو ترتیب قرآن کے مطابق جمع کر دیا ہے جو ہر آیت کی تاویل کے ذیل میں ان سے مروی ہے کہ کون کون سی آیتیں ان کے بارے میں ہیں، ان کے شیعوں کے بارے میں یا ان کے دشمنوں کے بارے میں ہیں اور میں نے ان میں کچھ کتابوں کو دیکھا ہے جو تقریباً ۲۰/ ہزار اشعار پر مشتمل ہیں۔

کتاب کافی، تفسیر عیاشی، علی بن ابراہیم القمی اور وہ تفسیر جو امام حسن عسکری علیہ السّلام سے سنی گئی ہے اس میں اس قبیل کی بہت سی روایات موجود ہیں جس طرح کتاب کافی میں امام محمد باقر علیہ السّلام سے اللہ تعالیٰ کے قول ''نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْاَمِيْنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ﴿۱۹۵﴾'' (سورہ شعرا ۲۶/ آیات ۹۳ تا ۹۵) (اسے جبرائیل امین لے کر نازل ہوئے ہیں یہ آپ کے قلب پر نازل ہوا ہے تاکہ آپ لوگوں کو ڈرائیں واضح عربی زبان میں ہے) کے سلسلہ میں مروی ہے امام علیہ السّلام نے فرمایا اس سے مراد امیر المومنین کی ولایت ہے۔ ۲

تفسیر عیاشی میں محمد بن مسلم سے انھوں نے امام محمد باقر علیہ السّلام سے روایت کی ہے آپ نے فرمایا اے محمد جب تم سنو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس امت میں سے کسی قوم کا خیر کے ساتھ ذکر کیا ہے تو اس سے مراد ہم لوگ ہیں اور اگر گزرے ہوئے لوگوں میں سے کسی کا ذکر برائی کے ساتھ کیا ہے تو وہ ہمارے دشمن ہیں۔ ۳

اور اسی کتاب میں عمر بن حنظلہ سے انھوں نے امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت کی ہے کہ انھوں نے امام علیہ السّلام سے اللہ کے قول ''قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿۴۳﴾'' (سورہ الرعد ۱۳/ آیت ۴۳) کے بارے میں سوال کیا تو وہ کہتے ہیں کہ جب امام نے ملاحظہ فرمایا کہ میں اس آیت اور اسی جیسی آیات کا تتبع کر رہا ہوں تو امام علیہ السّلام فرمایا بس سمجھ لو آغاز کتاب سے انجام کتاب تک جو کچھ اس جیسا ہے وہ سب کچھ ائمہ علیہم السّلام کے بارے میں ہے اور اس سے مراد وہی ہیں۔ ۴

میں کہتا ہوں جب ہم کلام کو وسعت دیں گے اور مقام کی تحقیق کریں گے تو جو راز اس میں پنہان ہے وہ منکشف اور ظاہر ہو جائے گا تو ہم کہتے ہیں اور اللہ سے توفیق کے طلب گار ہیں جب اللہ تعالیٰ نے مخلوقات سے

---

(۱) تفسیر عیاشی، ج۱، ص ۱۳، ح ۲ (۲) الکافی، ج۱، ص ۴۱۲، ح۱، و تفسیر عیاشی، ج۱، ص ۱۳۔ ۱۴، و تفسیر قمی، ج۱، ص ۱۳، و تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام، ص ۴۴۹۔ ۴۵ (۳) تفسیر عیاشی، ج۱، ص ۱۳، ح ۸ (۴) تفسیر عیاشی، ج۱، ص ۱۳، ح ۸

اپنا تعارف کرانا چاہا تا کہ وہ لوگ اس کی عبادت کریں گویا کہ صرف اسباب کی روش سے معرفت خداوندی کماحقہ ممکن نہ ہوسکی اسی لیے انبیا اور اوصیا کی ضرورت محسوس ہوئی کہ ان کے وسیلے سے معرفت تامہ حاصل ہوسکے اور عبادت کاملہ کا پتا چل سکے اور گویا کہ انبیا اور اوصیا کا وجود ممکن نہ تھا جب تک تمام مخلوقات کو منصۂ شہود پر نہ لایا جاتا تا کہ یہ لوگ ان کے مانوس ہونے کا ذریعہ اور جینے کا سبب بن جائیں اسی مقصد کے لیے اللہ نے تمام مخلوقات کو زیور تخلیق سے آراستہ کیا پھر انھیں حکم دیا کہ وہ اپنے نبیوں اور اپنے ولیّوں کی معرفت حاصل کریں اور ان کی ولایت سے واقفیت حاصل کرلیں اور ان کے دشمنوں اور جو بھی ان کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں ان سے بیزاری کریں تا کہ وہ نعمتوں سے بہرہ مند ہوسکیں اور ہر ایک کو معرفت نفس اسی اندازے کے مطابق دی جتنی وہ انبیا اور اوصیا کی معرفت رکھتے ہیں اس لیے کہ انھی کی معرفت کی بدولت وہ اللہ کو پہچانیں گے اور انھی کی وساطت سے وہ اللہ کی دوستی کا دم بھریں گے پس جو کچھ اللہ تعالیٰ کی جانب سے وارد ہوا ہے ازقسم بشارت ونذارت، تنبیہ اوامر، نواہی، نصیحتیں، پندووعظ منجانب خدا وہ سب اسی وجہ سے ہے اور جب ہمارے نبی تمام انبیا کے سردار اور ان کے وصی اوصیا کے سردار ہیں ان میں وہ تمام کمالات وصفات ہیں جمع ہیں جو دیگر انبیا اور اوصیا میں موجود ہیں اور ان کے علاوہ بھی انھیں ان انبیا اور اوصیا پر فضیلت حاصل ہے ان میں ہر ایک دوسرے کا نفس ہے یہ درست ہے کہ جن اوصاف کو انبیا سے نسبت دی جاتی ہے انھیں ان میں سے کسی کی طرف منسوب کر دیا جائے اس لیے وہ تمام فضیلتیں ان میں پائی جاتی ہیں اور ان کی ذات تمام فضائل کا مجموعہ ہے اگر کوئی اکمل ہے تو وہ یقیناً کامل ہوگا اسی لیے تمام آیات کی تاویل ان دونوں اور اہلبیت کے دیگر افراد کے ساتھ مخصوص ہے جو ان کی ذریت میں سے ہیں ذرية بعضها من بعض اور ایک کلمہ جامعہ بروئے کار لایا گیا جس کا نام ''ولاية'' ہے یہ کلمہ مشتمل ہے معرفت، محبت، متابعت پر اور ان تمام امور پر جن کا ہونا لابدّی ہے اور یہ بھی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکام طے شدہ حقائق اور نوع بہ نوع مقامات کے مطابق جاری وساری ہوتے ہیں ان کا کسی خاص فرد واحد سے تعلّق نہیں ہوتا جیسا کہ ہم پہلے اس جانب اشارہ کر چکے ہیں پس اگر کسی قوم سے خطاب کیا گیا ہے یا ان کی جانب کسی کام کی نسبت دی گئی ہے تو اس خطاب اور اس نسبت میں علما اور صاحبان عقل کے نزدیک ہر وہ شخص شامل ہوگا جو ان کی صنف اور ان کی طینت سے ہوگا پس اللہ کے منتخب افراد کو جب کسی عزت اور شرف سے یاد کیا جاتا ہے یا وہ اپنی جانب کسی فضیلت کو نسبت دیتے ہیں تو وہ ان کی صنف اور جنس کے تمام انبیا اور اولیا پر صادق آتا ہے اور جو بھی مقربین سے ہوتا ہے وہ ایک ایسی صفت سے متصف ہوتا ہے جو اس کے غیر میں نہیں پائی جاتی اسی طرح اگر شیعوں کو نیکی سے خطاب کیا جائے یا نیکی کی ان سے نسبت دی جائے اور ان کے دشمنوں کو برائی سے یاد کیا جائے یا برائی کی نسبت دی جائے تو پہلے میں جو بھی شیعوں کی صنف اور محبین کی طینت میں سے ہوگا وہ اس میں داخل ہو گا اور دوسرے میں وہ داخل ہوگا جو اس کے دشمن کی صنف اور بغض رکھنے والوں کی طینت سے تعلّق رکھتا ہوگا خواہ

اس کا تعلق اولین سے ہو یا آخرین سے۔

اس لیے کہ جسے اللہ اور اس کا رسول محبوب رکھتا ہے تو اسے ہر مومن محبوب رکھے گا تخلیق کی ابتدا سے انبیا کی تخلیق تک اور جسے اللہ اور اس کا رسول ناپسندیدہ قرار دیں تو اسی طرح ہر مومن کے نزدیک وہ ناپسندیدہ ہوگا اسی طرح اگر وہ ان سے بغض رکھے گا جنھیں اللہ اور اس کا رسول محبوب رکھتے ہوں قیامت تک آنے والے ہر مومن سے بغض رکھے گا خواہ وہ قدیم ہوں یا جدید ہوں تو وہ انھیں کے زمرے اور محبین سے ہوگا اور جو بھی روز قیامت تک قدیم و جدید دنیا میں ان کا انکار کرے گا وہ ان کے مخالفین اور مبغضین میں سے شمار ہوگا۔

اور اس جانب اشارہ وارد ہوا ہے امام جعفر صادق علیہ السّلام کے کلام میں جو حدیث مفضل بن عمر میں ہے جسے روایت کیا ہے شیخ صدوق نے کتاب علل الشرائع میں مفضل بن عمر اپنی سند سے کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السّلام سے سوال کیا کہ علی بن ابی طالب کو جنت و جہنم کا تقسیم کرنے والا کیوں بنایا گیا؟ تو امام علیہ السّلام نے فرمایا اس لیے کہ ان کی محبت ایمان ہے اور ان سے بغض رکھنا کفر ہے اور جنت کو صاحبان ایمان کے لیے پیدا کیا گیا ہے اور جہنم کو کافروں کے لیے بنایا گیا ہے تو اسی سبب سے وہ جنت اور جہنم کے تقسیم کرنے والے ہیں وہ جنت میں اپنے سے محبت کرنے والوں کے سوا کسی اور کو داخل نہیں کریں گے اور جہنم میں سوائے اپنے مبغضین کے کسی اور کو داخل نہیں کریں گے تو مفضل نے دریافت کیا اے فرزند رسول کیا انبیا اور اوصیا ان سے محبت کرتے ہیں اور ان کے دشمن ان سے دشمنی رکھتے ہیں؟ تو امام علیہ السّلام نے فرمایا بیشک میں نے سوال کیا یہ کیسے ہوا تو امام علیہ السّلام نے فرمایا تمھیں معلوم نہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے روز خیبر فرمایا تھا:

(لاعطینّ الرایة غداً یحب اللّٰہ تعالیٰ و رسوله و یحبه اللّٰہ و رسوله ما یرجع حتیٰ یفتح اللّٰہ علی یدیه) میں ضرور بالضرور کل اسے پرچم عطا کروں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوگا اور اللہ اور اس کا رسول کو بھی اس سے محبت ہوگی وہ اسوقت تک واپس نہیں آئے گا جب تک اللہ اس کے دونوں ہاتھوں پر کامیابیاں عطا نہ کردے میں نے کہا بے شک فرمایا کیا تمھیں خبر نہیں کہ جب رسول اکرم کے حضور بھنا ہوا پرندہ لایا گیا تو آپ نے فرمایا (اللھم ایتنی باحب الخلق الیك یاکل معی ھذا الطیر) اے اللہ میرے پاس اسے بھیج دے جو تیری مخلوق میں تجھے سب سے زیادہ پسندیدہ ہو جو میرے ساتھ یہ پرندہ کھائے اور اس مراد علی کو لیا ہے میں نے کہا یقیناً تو امام علیہ السّلام نے فرمایا کہ کیا اللہ کے انبیا اور اوصیا کے لیے یہ جائز ہوگا کہ وہ اس سے محبت نہ کریں جسے اللہ اور اس کا رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم دوست رکھتے ہوں اور وہ اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہو میں نے کہا نہیں تو امام علیہ السّلام نے فرمایا کیا جائز ہے کہ ان کی امتوں میں سے تمام مومنین اللہ اور اس کے رسول اور تمام انبیا کا جو محبوب ہو اس سے محبت نہ کریں میں نے کہا نہیں تو امام علیہ السّلام نے فرمایا کہ پس ثابت ہو گیا کہ اللہ کے تمام انبیا اور مرسلین اور جملہ مؤمنین علی ابن ابی طالب کے محبین میں سے تھے اور یہ ثابت ہو گیا

کہ ان کے مخالفین حضرت علی اور ان کے جملہ مؤمنین سے بغض رکھنے والے ہوں گے میں نے کہا بیشک امام علیہ السّلام نے فرمایا جنت میں اوّلین اور آخرین میں سے وہی جائے گا جو حضرت علی علیہ السّلام سے محبت کرتا ہو گا تو وہ اسی لیے جنت اور جہنم کے تقسیم کرنے والے ہیں۔

مفضل بن عمر نے کہا کہ میں نے کہا اے فرزند رسول آپ نے میری مشکل آسان کر دی اللہ آپ کو خوش و خرم رکھے آپ کو اللہ نے جو علم عطا کیا ہے آپ مجھے اس بارے میں کچھ بتائیں امام علیہ السّلام نے فرمایا اے مفضل پوچھو تم کیا پوچھنا چاہتے ہو میں نے کہا اے فرزند رسول آپ مجھے بتلائیے کہ علی ابن ابی طالب اپنے محبین کو جنت میں اور اپنے دشمنوں کو جہنم میں داخل کریں گے یا یہ کام داروغۂ جنت رضوان اور دارغۂ جہنم مالک کے ذمّے ہے؟ امام علیہ السّلام نے فرمایا، اے مفضل! کیا تمھیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو، جو روح تھے، انبیا کی طرف، جو ارواح کی صورت میں تھے، مخلوقات کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے مبعوث کیا۔ میں نے کہا، بے شک۔ امام علیہ السّلام نے فرمایا، کیا تم نہیں جانتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ان انبیا کو اللہ کی وحدانیت، اس کی اطاعت اور اس کے امر کی پیروی کرنے کے لیے دعوت دی اور اس کے بدلے ان سے جنت کا وعدہ کیا اور جس نے مخالفت کی اور ان باتوں کا انکار کیا انھیں جہنم کے خوف سے ڈرایا۔ میں نے جواب دیا، بے شک، امام علیہ السّلام نے فرمایا کہ نبی نے اپنے رب کی جانب سے جس چیز کا وعدہ کیا اور جس چیز سے ڈرایا ہے۔ کیا وہ اس کے ضامن نہیں ہیں۔ میں نے کہا، یقیناً ایسا ہی ہے۔ پھر فرمایا، کیا علی ابن ابی طالب ان کے خلیفہ اور امت کے امام نہیں ہیں۔ میں نے جواب دیا، بے شک۔ تو امام نے فرمایا، کیا رضوان اور مالک ملائکہ میں شامل اور ان کے شیعوں کی مغفرت نہیں کرتے جو محبت علی کی وجہ سے نجات پائیں گے۔ میں نے جواب دیا، یقیناً۔ تو امام علیہ السّلام نے فرمایا، تو اس وقت علی ابن ابی طالب اللہ کی جانب سے جنت و جہنم کے تقسیم کرنے والے اور رضوان و مالک اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کے امر کو نافذ اور جاری کرنے والے ہیں۔

اے مفضل! یہ لے لو کہ ایک مخفی علمی خزانہ ہے اس علم کو صرف اس کے سامنے ظاہر کرنا جو اس کا اہل ہو۔ [1]

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث نے علم کا ایک دروازہ کھول دیا جس سے ہزار دروازے کھلتے ہیں اور ان شاء اللہ تعالیٰ اس کی مزید وضاحت ہم چوتھے مقدّمے میں کریں گے جب ہم متشابہ اور اس کی تاویل کے بارے میں گفتگو کریں گے اور اسی ضمن میں آتا ہے وہ خطاب جو اللہ نے بنی اسرائیل سے کیا ہے جو ہمارے نبی کے زمانے میں تھے اللہ نے جو کچھ اس کے اسلاف کے ساتھ کیا تھا یا ان کے اسلاف نے کیا تھا جیسے انھیں ڈوبنے سے بچانا، پتھر سے انھیں سیراب کرنا اور ان لوگوں کا آیات کو جھٹلانا اور یہ اس لیے کہ یہ لوگ بھی اسی صنف سے تھے اور یہ اس امر پر راضی تھے جس پر وہ راضی تھے اور اس سے ناراحت تھے جس پر وہ ناراحت تھے اور اس لیے بھی کہ

(۱) علل الشرائع، ج ۱، ص ۱۶۱ ـ ۱۶۳، ح ۱، باب ۱۳۰

قرآن عرب کی زبان میں نازل ہوا اور عربوں کی یہ عادت ہے کہ اگر کوئی قبیلہ کسی کام کو انجام دیتا ہے تو اس کے عمل کو اسی قبیلہ کے ایک فرد کے ساتھ منسوب کر دیتے ہیں حالاں کہ اس شخص نے ایک ساتھ وہ کام انجام نہیں دیا تھا اور یہی بات بعینہ کلام امام سجاد علیہ السّلام میں وارد ہوئی ہے جب آپ سے اس بارے میں دریافت کیا گیا تو امام علیہ السّلام نے فرمایا کہ قرآن عرب کی زبان میں نازل ہوا ہے اور اس زبان میں زبان دانوں سے ان کی ہی زبان میں گفتگو کی گئی ہے کیا تم اس تمیمی شخص سے نہیں کہتے جس کی قوم نے کسی شہر پر چڑھائی کی تھی اور وہاں کے لوگوں کو قتل کر دیا تھا کہ تم نے اس طرح شہر پر چڑھائی اور یہ عمل انجام دیا۔ [۱]

اور جیسا کہ ہم نے کہا ہے کہ یہ طریقہ ان کی زبان میں جاری و ساری ہے اور اس تحقیق سے بہت سی مشکلیں اور شبہے حل ہو جائیں ان آیات کی تاویل کے بارے میں جو اہل بیت علیہم السّلام سے وارد ہوئی ہیں بلکہ ان آیات کے ذیل میں ان کی تاویلات کی زحمت سے نجات ٹل گئی اس لیے کہ حقیقت کی معرفت کے بعد ہر آیت کی تاویل صاحبان عقل پر مخفی نہیں رہی الا یہ کہ ہم ان کے مقامات پر ان شاء للہ تعالیٰ کچھ آیات کی تاویلات پیش کریں گے خدا کا شکر ہے اس بات پر کہ اس نے ہمیں اس کا فہم عطا کیا اور ہم پر یہ انعام کر دیا۔

(۱) تفسیر امام حسن عسکریؑ، ص ۲۷۲

چوتھا مقدّمہ

آیات کے ظاہری مطالب اور متشابہ اور تاویل کے بارے میں تحقیقی بات۔

عیاشی نے اپنی سند سے جابر سے روایت کی ہے انھوں نے کہا کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السّلام سے قرآن کی کسی آیت کی تفسیر کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے جواب مرحمت فرمایا دیا جب دوسری مرتبہ میں نے سوال کیا تو انھوں نے اس کا دوسرا جواب دیا میں نے امام علیہ السّلام سے استفسار کیا کہ مولا میری جان آپ پر فدا ہو آپ نے اس سوال کا پہلے کچھ اور جواب دیا تھا اور اب اس سے مختلف جواب دیا ہے تو امام علیہ السّلام نے فرمایا اے جابر قرآن کے لیے باطن ہے اور باطن کے لیے باطن اور ظاہر ہے اور ظاہر کے لیے ظاہر ہے اے جابر تفسیر قرآن میں لوگوں کی عقلوں سے زیادہ بعید کوئی چیز نہیں ہے آیت کا پہلا حصہ کسی چیز سے متعلّق ہوتا ہے تو اس کا آخری حصہ دوسری شے سے تعلّق رکھتا ہے اور یہ ایسا متصل کلام ہے جس کے تصرف کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں۔ [1]

اور اسی سند سے حمران بن اعین سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ امام محمد باقر علیہ السّلام نے فرمایا کہ قرآن کے ظاہر سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں وہ نازل ہوا ہے اور باطن سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے ان کے عمل کے مطابق عمل کیا۔ [2]

اور اپنی سند سے فضیل بن یسار سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں امام محمد باقر علیہ السّلام سے اس روایت کے بارے میں سوال کیا کہ ''مافی القرآن آیة الاّ و لها ظهر و بطن و مافیه حرف الاّ و له حد و لکل حد مطلع'' (قرآن میں جو بھی آیت ہے اس کے ظاہری اور باطنی معانی ہیں اور اس میں جو بھی حرف ہے اس کی حد معین ہے اور ہر حد کے لیے مطلع ہے) میں ''لها ظهر و لها بطن'' سے کیا مراد ہے امام علیہ السّلام نے فرمایا ''ظهر'' سے مراد تنزیل قرآن ہے اور ''بطن'' سے مراد اس کی تاویل ہے ان میں سے کچھ باتیں گزر چکی ہے اور کچھ ابھی وقوع پذیر نہیں ہوئیں وہ ایسے ہی رواں دواں ہیں جس طرح سورج اور چاند گردش میں ہیں جب بھی اس میں کوئی شے آئے گی وہ واقع ہو جائے گی اللہ تعالی فرماتا ہے: ''وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ ۗ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ'' اور اسے ہم جانتے ہیں۔ [3]

(۱) تفسیر عیاشی، ج۱، ص۱۲، ح۸ — تفسیر عیاشی، ج۱، ص۱۱، ح۴ — (۳) تفسیر عیاشی، ج۱، ص۱۱، ح۵

اپنی سند سے مسعدہ بن صدقہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السّلام سے ناسخ و منسوخ اور محکم و متشابہ کے بارے میں دریافت کیا تو امام علیہ السّلام نے فرمایا کہ ناسخ وہ ہے جو برقرار ہو اور جس پر عمل کیا جائے اور منسوخ وہ ہے کہ جس پر عمل کیا جارہا ہو پھر کوئی ناسخ اسے منسوخ کر دے اور متشابہ وہ ہے جو نہ جاننے والے پر مشتبہ ہو جائے۔ ۱

اور ایک روایت میں ہے کہ ناسخ وہ ہے جو برقرار ہو اور منسوخ وہ جو گزر چکا اور محکم جس پر عمل کیا جائے اور متشابہ جو ایک دوسرے کے مشابہ ہو۔ ۲

اور اپنی سند سے عبداللہ بن سنان سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ میں نے امام صادق علیہ السّلام سے قرآن اور فرقان کے بارے میں سوال کیا تو امام علیہ السّلام نے فرمایا کہ قرآن سے مراد مکمل کتاب اور واقع ہونے والے حالات ہیں اور فرقان وہ محکم آیتیں ہیں جن پر عمل کیا جائے اور ہر محکم فرقان ہے۔ ۳

اپنی سند سے ابوبصیر سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ امام صادق علیہ السّلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قرآن میں محکم اور متشابہ دونوں موجود ہیں محکم وہ ہے جس پر ہمارا ایمان ہے ہم اس پر عمل کرتے ہیں اور اسی کے مطابق ہمیں بدلہ ملے گا متشابہ وہ ہے جس پر ہمارا ایمان تو ہے مگر ہم اس پر عمل نہیں کرتے۔ ۴

اپنی سند سے عبداللہ بن بکر سے مروی ہے وہ امام صادق علیہ السّلام سے روایت کرتے ہیں انھوں نے فرمایا کہ قرآن میں بہت سی باتیں اس ضرب المثل کے طور پر نازل ہوئی ہیں ''ایاك اعنی و اسمعی یا جارہ'' میری مراد تو تم سے ہے مگر پڑوسن تم سنو یعنی سنانا کسی اور کو مقصود ہوتا ہے اور سناتے کسی اور کو ہیں۔ ۵

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ یہ مثل اس کے لیے بولی جاتی ہے جو کوئی کلام کرتا ہے اور اس کا مخاطب وہ نہیں ہوتا جس سے وہ مخاطب ہوتا ہے بلکہ اس کا خطاب کسی اور سے ہوتا ہے۔ اور یہ حدیث ہماری اس تحقیق کی تائید کرتی ہے جو ہم نے سابقہ مقدمے میں بیان کیا ہے۔

اور وہ اپنی سند سے ابن ابی عمیر سے جس نے گفتگو کی امام صادق علیہ السّلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے نبی سے جو تبادلہ گفتگو کی ہے وہ اسی ذیل میں آتی ہے جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے ''وَلَوْلَاۤ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا'' (سورہ بنی اسرائیل ۱۷/ ۷۴) اور اگر ہماری خاص توفیق نے آپ کو ثابت قدم نہ رکھا ہوتا تو آپ کچھ نہ کچھ ان کی طرف مائل ضرور ہو جاتے۔ اس آیت میں نبی سے خطاب ہے اور کوئی دوسرا شخص مراد ہے۔ ۶

اور عامہ کے طریق سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے مروی ہے کہ قرآن کے لیے ظاہر، باطن، حد اور مطلع ہوتا ہے۔ ۷

---

(۱) تفسیر عیاشی، ج ۱، ص ۱۱۔۱۲، ح ۷ (۲) تفسیر عیاشی، ج ۱، ص ۱۰، ح ۱ (۳) تفسیر عیاشی، ج ۱، ص ۹، ح ۲

(۴) تفسیر عیاشی، ج ۱، ص ۱۱، ح ۶ (۵) تفسیر عیاشی، ج ۱، ص ۱۰، ح ۴ (۶) تفسیر عیاشی، ج ۱، ص ۱۰، ح ۵

(۷) احیاء علوم الدین، ج ۱، ص ۳۴۱

اور آنحضرت سے مروی ہے کہ قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے اور اس کی ہر آیت میں ظاہر و باطن ہے اور ہر ایک حد کے لیے مطلع ہے۔ ۱

اور ایک روایت میں ہے ہر حرف کے لیے حد اور مطلع ہوتا ہے۔ ۲

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے روایت ہے کہ قرآن کے لیے ظاہر اور باطن ہے اور ہر باطن کے لیے باطن ہے سات باطن تک۔ ۳

امیر المومنین علیہ السّلام سے مروی ہے آپ نے فرمایا ہر آیت کے چار مطالب ہوتے ہیں ظاہر، باطن ،حد اور مطلع ظاہر سے مراد تلاوت ہے، باطن سے مراد اس کا سمجھنا ہے حد سے مراد حلال وحرام کے احکامات ہیں اور مطلع وہ ہے اللہ اپنے بندے کو جس بات سے آگاہ کرنا چاہتا ہے۔ ۴

روایت کی گئی ہے کہ امام علیہ السّلام سے سوال کیا گیا آپ کے پاس قرآن کے علاوہ رسول اللہ سے کوئی اور وحی ہے امام علیہ السّلام نے فرمایا اس ذات کی قسم جس نے دانے کو شگافتہ کیا اور ہر ذی روح کو حیات بخشی سوائے اس کے کچھ نہیں کہ اس نے بندے کو اپنی کتاب کا فہم عطا کیا ہے۔ ۵

امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ کتاب خداوندی چار اشیا پر مشتمل ہے عبارت، اشارت ،لطائف اور حقائق۔عبارت عوام کے لیے ہے اشارت خواص کے لیے ،لطائف (باریکیاں) اولیا کے لیے اور حقائق انبیا کے لیے ہیں۔

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ متشابہ اور تاویل کے بارے میں تحقیق اس امر کی متقاضی ہے کہ لب لباب کے طور پر کچھ بیان کیا جائے اور علم کا ایک دروازہ کھول دیا جائے جس میں سے ہزار دروازے اس کے اہل کے لیے کھل جائیں گے پس ہم کہتے ہیں اور اللہ سے توفیق کے طالب ہیں ہر معنیٰ کی ایک حقیقت اور روح ہوتی ہے اور اس کی صورت اور قالب ہوتا ہے اور ایک ہی حقیقت کے لیے متعدد صورتیں اور قوالب ہوتے ہیں اور الفاظ کو حقائق اور ارواح کے لیے وضع کیا گیا ہے اور چوں کہ یہ دونوں قوالب میں موجود ہوتے ہیں تو الفاظ کو ان دونوں میں حقیقت پر استعمال کیا جاتا ہے کیوں کہ ان میں باہمی اتحاد ہونا چاہیے مثلاً لفظ قلم ایک ایسے آلے کے لیے وضع کیا گیا جو صورتوں میں نقش کر دے خواہ وہ قلم نرکل کا ہو یا لوہے کا یا کسی اور چیز سے بنایا گیا ہو بلکہ اس کا جسم ہونا ضروری نہیں اور نہ ہی نقش کا محسوس ہونا ضروری ہے اور نہ ہی یہ لازم ہے کہ لوح کاغذ کی ہو یا لکڑی کی، بلکہ اس میں نقش کا پایا جانا ضروری ہے اور یہی لوح کی حقیقت اس کی تعریف اور اس کی روح ہے پس اگر کوئی شے موجود ہو گی تو اس کے وسیلے سے علوم کے نقوش دلوں کی ارواح پر مرتسم ہو جائیں گے تو زیادہ مناسب ہے کہ اسے

(۱) تفسیر طبری، ج۱، ص۹ (۲) کنز العمال، ج۲، ص۵۳ (۳) عوالی اللالی، ج۴، ص۱۰۷
(۴) المیزان فی تفسیر القرآن، ج۳، ص۷۴ (۵) احیاء علوم الدین، ج۱، ص۳۴۳

قلم کہا جائے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ ۝'' (سورہ علق ۹۶/ آیات ۴۔۵) (قلم کے ذریعے علم سکھایا اور انسان کو وہ کچھ سکھا دیا جو وہ نہیں جانتا تھا) بلکہ وہ قلم حقیقی ہے اس لیے کہ اس میں قلم کی روح اس کی حقیقت اور اس کی تعریف پائی جاتی ہے بغیر اس کے کہ اس کے ساتھ کوئی شے خارج میں بھی موجود ہو اسی طرح ترازو وضع کیا گیا کہ اس کے ذریعے چیزوں کو تولا جاسکے اور اس کا وزن کیا جاسکے یہ ایک مفہوم ہے اور وہی اس کی حقیقت اور روح ہے اور اس کے مختلف قوالب اور صورتیں ہیں جن میں سے کچھ جسمانی ہیں اور کچھ روحانی جس طرح ترازو سے مجسم اور وزنی چیزوں کو تولا جاتا ہے یہ ایسا ترازو ہے جس کے دو پلڑے ہوتے ہیں اور قبان سٹیل یارڈ (بھاری اشیا کو تولنے کا ترازو) ہوتا ہے اور جو بھی اس مقصد کو پورا کرے۔ اور کچھ سے وقت اور بلندی کو ناپا جاتا ہے جیسے اسطرلاب اور کچھ سے دائروں اور کمانوں کو ناپا جاتا ہے جیسے پرکار اور ستونوں کو ناپا جاتا ہے جیسے شاقول (معماروں کا ساتول) اور جس سے لکیروں کا وزن کیا جاتا ہے جیسے پیمانہ اسکیل اور مسطر، اور جس سے اشعار کا وزن کیا جاتا ہے جیسے عروض اور جس سے فلسفہ کا وزن ہوتا ہے جیسے گفتگو، اور جس سے بعض مدرکات (جو چیزیں ادراک میں آتیں ہیں) کا وزن کیا جاتا ہے جیسے حس اور خیال اور جس سے علوم اور اعمال کا وزن کیا جائے گا جیسا کہ قیامت کے دن میزان نصب ہوگا جس سے ان تمام امور کو ناپا، تولا، جانچا اور پرکھا جاتا ہے وہ عقلِ کامل ہے دوسرے موازین کے علاوہ۔

اور القصہ ہر شے کا میزان (ترازو) اسی کی جنس سے ہوگا اور لفظ میزان ان میں سے ہر ایک کی حقیقت ہے اس اعتبار سے کہ اس کی تعریف اور حقیقت اس میں موجود ہے۔ اور ایسے ہی ہر لفظ و معنیٰ کو قیاس کرو اور جب ارواح کی جانب تمھاری رہنمائی ہو جائے گی تو تم روحانی ہو جاؤ گے اور تم پر ملکوت کے دروازے کھل جائیں گے اور ملأ اعلیٰ کی رفاقت اور صحبت تمھارے لیے جائز ہو جائے گی اور یہ کتنے بہترین ساتھی ہیں۔ عالم محسوسات اور مشاہدات میں جو کچھ ہے وہ مثال اور صورت ہے امر روحانی کی عالم ملکوت میں اور وہی اس کی روح مجرد ہے اور اس کی حقیقت محض، اور عوام الناس کی عقول در حقیقت مثالیں ہیں انبیا اور اولیا کے عقول کی انبیا اولیا کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ عوام الناس سے مثالیں بیان کیے بغیر گفتگو کریں اس لیے کہ انھیں حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے ان کی عقل کے مطابق گفتگو کی جائے اور ان کی عقول کی نسبت اس حیات میں ایسی ہے جیسے محوِ خواب ہوں اور جو شخص سو رہا ہو اس پر کوئی شے منکشف نہیں ہو سکتی مگر یہ کہ بطور مثال کچھ خواب میں نظر آجائے لہٰذا اگر کوئی شخص نااہل کو حکمت کی تعلیم دیتا ہے تو خواب میں دیکھتا ہے کہ وہ موتی سوّر کے گلے میں لٹکا رہا ہے اور جو شخص اور جو شخص ماہ رمضان میں فجر سے پہلے اذان دے رہا ہے تو وہ خواب میں یہ دیکھتا ہے کہ وہ لوگوں کہ منہ اور ان کی شرم گاہوں پر مہر لگا رہا ہے اور ایسی ہی دوسری چیز کا قیاس کرلیں اور یہ سب اس لیے ہے کہ تخلیق کے مابین مخفی تعلّقات ہیں (فالناس نیام اذا ماتوا انتبھوا) (لوگ سو رہے ہیں جب مریں گے تو جاگیں گے)۔

اور ان حقائق سے واقفیت حاصل کر لیں گے جو بطور مثال انھوں نے سنے تھے اور وہ ان کی روحوں کو پہچان لیں گے اور سمجھیں گے یہ مثالیں تو محض چھلکے کی مانند ہیں ارشادِ ربّ العزت ہے ''اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا'' (سورہ رعد ۱۳ / آیت ۱۷) اس نے آسمان سے پانی برسایا تو وادیوں میں بقدر ظرف بہنے لگا اور سیلاب میں جوش کھا کر جھاگ آ گیا۔

اس آیت میں علم کو پانی سے تشبیہ دی اور قلوب کو وادیوں سے اور گمراہی کو جھاگ سے تشبیہ دی ہے اور آیت کے آخر میں اس طرح متنبہ کیا گیا ہے ''كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ'' اللہ اسی طرح مثالیں بیان کرتا ہے۔

پس تمھارا فہم جس کا متحمل نہیں ہوسکتا تو قرآن تمھیں اس انداز میں سمجھاتا ہے گویا کہ تم نیند میں تھے اور اپنی روح کے ذریعے لوحِ محفوظ کا مطالعہ کر رہے تھے وہ تمھارے لیے مناسب مثال بیان کرتا ہے اور اس مثال کو تعبیر کی ضرورت ہے پس تاویل تعبیر کی جگہ جاری وساری ہوتی ہے مفسر چھلکے کے گرد چکر لگاتا رہتا ہے اور چوں کہ لوگ اپنی عقل اور مقامات کے مطابق گفتگو کرتے ہیں پس جب کُل سے خطاب کیا جائے تو لازم ہے کہ ہر ایک کا اس میں حصہ ہو پس قشریہ جو ظاہر بین افراد ہیں وہ تو صرف ظاہری معانی کا ادراک کر سکتے ہیں پس چھلکے کا انسان سے وہی تعلّق ہے جو کھال اور جلد کا بدن سے ہے وہ صرف ظاہری مفہوم تک رسائی حاصل پا سکتا ہے اور وہ ایسے ہی ہے جیسے کھال اور غلاف میں کالبد اور تصویریں ہوں جہاں تک اس کی روح، راز اور حقیقت کا تعلّق ہے تو صرف صاحبانِ عقل ہی اس کا ادراک کر سکتے ہیں جو راسخون فی العلم ہیں اور اس جانب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اپنے کسی صحابی کو یہ دعا دیتے وقت ارشاد فرمایا ہے:

اللّٰھم فقھہ فی الدین و علمہ التاویل

اے اللہ اسے دین کا فہم عطا کر اور اسے تاویل کا علم عطا کر دے۔

ان میں سے ہر ایک کے لیے حصہ ہے کم ہو یا زیادہ ناقص ہو یا کامل اور ان کے لیے مختلف درجے ہیں خواہ بلندی کی جانب ہوں یا پستی کی جانب اس کے راز ہوں یا اس کے انوار، مکمل طور پر اس تک رسائی اور منتہا کا حصول تو کوئی فرد اس کی خواہش نہیں کر سکتا خواہ سمندر اس کی تشریح کے لیے سیاہی بن جائیں اور درخت قلم ہو جائیں۔

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾

(سورہ کہف ۱۸ / آیت ۱۰۹)

آپ کہہ دیجیے کہ اگر میرے پروردگار کے کلمات کے لیے سمندر بھی روشنائی بن جائیں تو کلمات رب کے ختم ہونے سے پہلے ہی سارے سمندر ختم ہو جائیں گے چاہے ان کی مدد کے لیے ہم ویسے ہی اور بھی سمندر لے آئیں۔

اور جیسا کہ ذکر کیا گیا اصول دین کے بارے میں وارد ہونے والی آیات و احادیث میں ظاہری معنی کے

سبب اختلاف نظر آتا ہے۔

تو اس کا سبب یہ ہے کہ ان آیات و احادیث میں مختلف گروہوں اور طرح طرح کی عقل رکھنے والوں سے خطاب کیا گیا ہے لازم ہے کہ ہر ایک سے اس کے فہم اور منزلت کے اعتبار سے گفتگو کی جائے اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ سب صحیح ہے اور حقیقی اعتبار سے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور درحقیقت اس میں کوئی مجاز بھی نہیں ہے اور اسے اندھے اور ہاتھی کی مثال سے سمجھا جاسکتا ہے جو بہت مشہور ہے اور اس کے باوجود جو بھی ظاہر پر محمول کرتے ہوئے متشابہات میں سے کچھ نہ سمجھے جو اس کے نزدیک بظاہر دین کے صحیح اصول اور یقینی عقائد جنھیں وہ حق سمجھ کر تسلیم کرتا ہے ان کے خلاف ہوگا تو اسے چاہیے کہ وہ صورت لفظی پر ہی اکتفا کرے اور اس میں کوئی تبدیلی نہ کرے اس لیے کہ ان متشابہات کا علم صرف اللہ اور راسخون فی العلم کو ہے پھر وہ انتظار کرے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے رحمت کی ہوائیں چلنے لگیں اور آنے والے زمانے میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس تک خوشبو کی لپٹیں آجائیں ہوسکتا ہے کہ اس سے مشکل حل ہو جائے اور دروازہ کھل جائے، امر الٰہی نافذ ہو جائے، جسے اللہ پورا کر کے رہتا ہے اس لیے کہ خداوند عالم نے اس قوم کی مذمت کی ہے جو بغیر علم کے متشابہات کی تاویلیں کرتے ہیں ارشاد باری ہے

فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ۚ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ (سورہ آل عمران ۳/آیت ۷)

پس جن کے دلوں میں کجی ہے وہ فتنہ پردازی اور من مانی تاویلوں کے لیے متشابہ آیات کی پیروی کرتے ہیں حالاں کہ اس کی تاویل کو اللہ جانتا ہے اور وہ جو بحرِ علم کے شناور ہیں۔

پانچواں مقدّمہ

قرآن کی تفسیر بالرائے سے روکا گیا ہے اور اس میں کیا راز ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے روایت ہے آنحضرت نے ارشاد فرمایا:

من فسّر القرآن برایه فاصاب الحق فقد اخطأ

کہ جس شخص نے اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کی اگر اس نے حق کو پالیا پھر بھی وہ غلطی پر ہے۔[۱]

حضور اکرم سے مروی ہے:

من فسّر القرآن برایه فلیتبوّأ مقعده من النار

جس نے اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر بیان کی تو اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔[۲]

آنحضرت اور ان کے قائم مقام ائمہ کرام علیہم السّلام سے مروی ہے کہ قرآن مجید کی تفسیر کرنا صحیح احادیث اور نص صریح کے علاوہ جائز نہیں ہے۔[۳]

تفسیر عیاشی میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے آپ نے فرمایا:

من فسر القرآن برایه ان اصاب لم یوٴجر وانْ اخطأ فهوىٰ ابعد من السماء

جس نے اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کی اگر وہ درست ہو تو بھی اسے اجر نہیں ملے گا اور اگر اس نے غلطی کی تو وہ گمراہ ہو گیا وہ آسمان سے بھی زیادہ دور ہو گا۔[۴]

اور تفسیر عیاشی اور کتاب کافی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں فرمایا اگر کسی شخص نے قرآن کے بعض حصے کو بعض کے لیے بطور مثال پیش کیا تو وہ کافر ہو گیا۔[۵]

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں اور قرآن کے بعض حصے کو بعض کے لیے بطور مثال پیش کرنے سے ہوسکتا کہ یہ مراد ہو کہ بعض متشابہات کی تاویل بعض آیات کے ذریعے جو اس کے اہل ہیں ان سے سنے بغیر یا نور کے اور اللہ

---

(۱) مجمع البیان، ج۱، ص ۱۳ (۲) عوالی اللالی، ج۴، ص ۱۰۴ (۳) وسائل الشیعہ، ج۱۸، ص ۱۵۱

(۴) تفسیر عیاشی، ج۱، ص ۱۷، ح ۴ (۵) تفسیر عیاشی، ج۱، ص ۱۸، ح ۲

کی ہدایت بغیر اپنی خواہشات کے مطابق کرنے لگے۔اور مخفی نہ رہے کہ ان احادیث میں بظاہر تناقض نظر آتا ہے جیسا کہ ہم پہلے مقدّمے میں بیان کر چکے ہیں کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ قرآن کو مضبوطی سے تھامے رکھیں اور اس میں سے غرائبات تلاش کرتے رہیں اور عجائبات کی طلب میں لگے رہیں اور اس کے باطن میں غور و خوص کرتے رہیں اور اس کے حدود میں تفکر کرتے رہیں اور اس کے الفاظ میں غور کریں اور اس کے معانی کی جانب نگاہوں کو پہنچائیں۔لہٰذا ان احادیث میں موافقت اور یکجائی کی ضرورت ہے۔

پس ہم کہتے ہیں اور اللہ کی توفیق کے طالب ہیں اس لیے کہ جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ قرآن کا کوئی مفہوم نہیں ہے سوائے اس کے جس کی ترجمانی ظاہر تفسیر سے ہو جائے تو ایسا شخص اپنے نفس کے حد کی خبر دے رہا ہے اور وہ اپنے بارے میں جو اطلاع فراہم کر رہا ہے وہ اس بارے میں درست ہے لیکن وہ دیگر مخلوق کے بارے میں فیصلہ کرتے وقت غلطی سے کام لے رہا ہے اس لیے کے اس کو ان کے حدود اور مقامات کا علم نہیں ہے کہ وہ کس درجے پر ہیں بلکہ قرآن احادیث اور آثار دلالت کرتے ہیں کہ قرآن کے معانی صاحبان عقل کے لیے کافی ہو جاتے ہیں اور فکر و فہم کی جولانی کے لیے کشادہ میدان ملتا ہے۔

ارشاد رب العزت ہے:

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ﴿۲۴﴾ (سورہ محمد ۴۷/ آیت ۲۴)

یہ لوگ قرآن میں تدبر کیوں نہیں کرتے کیا ان کے دلوں پر تالے پڑ گئے ہیں۔

اور فرمایا: وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (سورہ نحل ۱۶/ آیت ۸۹)

اے پیغمبر ہم نے آپ پر کتاب کو ہر چیز کی وضاحت کرنے والی بنا کر نازل کیا ہے۔

اور فرمایا: مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِن شَيْءٍ (سورہ انعام ۶/ آیت ۳۸)

ہم نے اس کتاب میں کسی شے کو چھوڑا نہیں ہے۔

اور فرمایا: لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ مِنْهُمْ (سورہ نساء ۴/ آیت ۸۳)

ان میں سے جو لوگ اس کتاب سے استنباط کریں گے وہ اسے جان لیں گے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا ہے:

اگر تمھارے پاس میری جانب سے کوئی حدیث آئے تو اسے اللہ کی کتاب کے سامنے پیش کرو پس جو کچھ کتاب خداوندی کے مطابق ہو اسے قبول کرلو اور جو کچھ اس کے خلاف ہو اسے دیوار پر دے مارو۔ [1]

اگر کوئی قرآن کے مفہوم سے نا آشنا ہے تو وہ حدیث کو کیسے اس کے سامنے پیش کرے گا۔

اور آنحضرت نے فرمایا کہ قرآن میں اخلاق اور نرمی ہے اور وہ مختلف پہلوؤں والا ہے تم پر لازم ہے کہ تم

(۱) مجمع البیان ج ۱۔۲، ص ۱۳

اس میں بہترین پہلو کو اختیار کرو۔ [۱]

امیر المومنین علیہ السّلام نے فرمایا:

مگر یہ کہ اللہ کسی بندے کو قرآن مجید کا فہم عطا کر دے۔ [۲]

اور فرمایا: جو قرآن کو سمجھ لے گا تو وہ مجموعی اعتبار سے علم کی تفسیر کرے گا۔ [۳]

اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ قرآن اُن تمام علوم کے مجموعے کی جانب اشارہ کر رہا ہے جو اس کے علاوہ ہیں جیسے دیگر نشانیاں اور احادیث درست بات یہ ہے کہ کہا جائے جو شخص خالصۃً اپنے آپ اللہ کے رسول اور اہل بیت کا مطیع و منقاد بنالے گا اور انھیں سے علم حاصل کرے گا اور ان کے نشانات کا اتباع کرے گا اور ان کے کچھ رازہائے سربستہ سے واقف ہو جائے گا اس طرح کہ اسے علم میں مہارت اور معرفت میں طمانیت حاصل ہو جائے گی اور اس کے دل کی آنکھیں کھل جائیں گی اور علم امور کی حقیقتوں کو پالینے کے لیے اچانک حملہ آور ہو جائے اور روح یقین اپنے امور انجام دینے لگے گی اور عیش و عشرت کے پروردہ ظالموں نے جسے دشوار بنا دیا ہے اسے ہموار بنا دے گا اور جاہلوں نے جسے وحشتناک کر رکھا ہے بے مانوس بنا دے گا اور وہ ایسے بدن کے ساتھ دنیا کی محبت اختیار کرے گا جس کی روح اعلی مقام پر معلق ہو گی تو ایسے شخص پر لازم ہے کہ قرآن کے بعض غرائبات سے استفادہ کرے اور اس کے بعض عجائبات سے استنباط کرے اور یہ سب کچھ کرم خداوندی سے بعید نہیں ہے اور نہ اس کی سخاوت کے لیے یہ کوئی انوکھی بات ہے اور سعادت صرف ایک قوم کا حصہ نہیں کہ دوسرے اس سے محروم رہیں اور ائمہ کرام نے ایسے اصحاب کو جو ان صفات سے متصف تھے اپنا شمار کیا ہے جیسا کہ فرمایا:

سلمان منا اهل البيت

سلمان تو ہم اہل بیت میں سے ہے۔

پس جو اس شان کے مالک ہوں تو ایسے افراد کا راسخون فی العلم میں شامل ہونا کوئی بعید نہیں وہ لوگ تاویل سے باخبر ہیں بلکہ ان کا قول شاہد ہے کہ:

نحن الراسخون في العلم

ہم راسخین فی العلم ہیں جیسا کہ تمھیں سابقہ مقدمے کے ذریعے پتا چل چکا ہے۔

یہ دو اسباب ہو سکتے ہیں جن کی بنیاد پر قرآن کی تفسیر بالرائے سے روکا گیا ہے۔

پہلا سبب یہ ہے کہ مفسر کسی شے کے بارے میں اپنی رائے رکھتا ہو اور اپنی خواہشات اور مزاج کی بنیاد پر اس کی جانب مائل ہو اور وہ اپنی رائے اور خواہش کے مطابق قرآن کی تاویل کرے تا کہ اپنی غرض اور مدعا کی

---

(۱) مجمع البیان، ج ۱۔۲، ص ۱۳، عوالی اللالی، ج ۴، ص ۱۰۴ (۲) المحجۃ البیضا، ج ۲، ص ۲۴۲ و ۲۵۹ و مقدمہ البرہان، ص ۱۷، واحیاء علوم الدین، ج ۱، ص ۳۴۱ (۳) احیاء علوم الدین، ج ۱، ص ۳۴۲ و مقدمہ البرہان، ص ۱۷ و بحار الانوار، ج ۱، ص ۹۰

درستی پر حجت پیش کرے کہ اگر یہ رائے اور خواہش نہ ہوتی تو قرآن مجید سے یہ مفہوم ظاہر نہ ہوتا اور کبھی یہ سب کچھ ہوتا ہے اس شخص کی طرح جو قرآن کی بعض آیتوں سے اپنی بدعت کی صحت کے لیے استدلال کرتا ہے جب کہ وہ مانتا ہے کہ آیت سے یہ مفہوم مراد نہیں ہے وہ اپنے دشمن کو شبہے میں ڈال رہا ہے اور کبھی یہ سب کچھ انجانے میں ہوتا ہے لیکن چوں کہ آیت میں یہ احتمال ہوتا ہے تو اس کا فہم اس سبب کی طرف مائل ہو جاتا ہے جو اس کی غرض کے مطابق ہے اور وہ اپنی رائے اور خواہش سے پہلو کو ترجیح دیتا ہے تو گویا وہ اپنی رائے سے تفسیر کر رہا ہے یعنی اس کی رائے نے اس تفسیر کی جانب مائل کیا ہے اور اگر اس کی رائے نہ ہوتی تو وہ اس پہلو کو ترجیح نہ دیتا اور کبھی اس سے صحیح غرض وابستہ ہوتی ہے تو وہ اس کے لیے قرآن سے لے کر دلیل حاصل کرتا ہے اور وہ اپنے علم کی بنا پر اس سے یہی استدلال کرتا ہے کہ قرآن کی آیت سے یہی مراد ہے جس طرح کوئی شخص وقتِ سحر طلبِ مغفرت کی جانب دعوت دے اور اس کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے قول:

تسحروا فان السحور برکة

سحری کرو کیوں کہ سحری میں بڑی برکت ہوتی ہے۔

سے استدلال کرے اور یہ گمان کرے کہ اس سے مراد ذکر کرتے ہوئے سحر کو گزارنا ہے جب کہ وہ جانتا ہے کہ یہاں پر مراد سحری کھانا ہے یا اس شخص کی طرح جو بے رحم دل سے جہاد کرنے کی دعوت دیتے ہوئے کہتا ہے کہ ارشاد باری ہے:

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۲۴﴾ (سورہ طہٰ ۲۰/ آیت ۲۴)

فرعون کی طرف جاؤ وہ سرکش ہو گیا ہے۔

اور وہ اپنے دل کی طرف اشارہ کرتا ہے اور یہ قصد کرتا ہے کہ فرعون سے مراد اس کا اپنا دل ہے اور اس قسم کی تعبیر کو کچھ واعظین اپنے صحیح مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں تاکہ کلام کو مزیّن کریں اور سامعین کو اپنی جانب راغب کریں جب کہ اس سے منع کیا گیا ہے۔

اور کبھی رائے کو باطنیہ فرقے کے لوگ اپنے فاسد مقصد کے لیے لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے استعمال کرتے ہیں تو وہ قرآن کو اپنی رائے اور مسلک کے مطابق نازل کراتے ہیں ان امور کے بارے میں جن کے متعلّق یہ جانتے ہیں کہ آیت قرآنی کا قطعی یہ مفہوم نہیں ہے یہی رویہ ہے جو تفسیر بالرائے سے منع کرنے کا ایک سبب ہے۔

دوسرا سبب:

تفسیر قرآن میں نہایت عجلت سے کام لینا صرف عربی زبان کے ظاہری الفاظ کا سہارا لے کر نہ تو اس بارے میں سماعت سے مدد حاصل کی گئی اور نہ ہی ایسی احادیث سے مدد لی گئی جو غرائب قرآن اور اس میں جو مبہم اور تبدیل شدہ الفاظ ہیں ان سے متعلّق ہیں اور جو کچھ اس میں اختصار حذف، اشارات تقدیم و تاخیر ہوئی ہے۔اور

جو ناسخ و منسوخ، خاص و عام رخص و عزائم اور محکم و متشابہ سے تعلّق رکھتا ہے اور اس کے علاوہ آیات میں جو دوسرے پہلو ہیں انھیں مدنظر رکھتا ہے پس جو ظاہری تفسیر کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا اور وجوہ آیات کی معرفت نہیں رکھتا جو سماعت کی محتاج ہیں، اور صرف عربی زبان کو سمجھنے کی بنیاد پر معانی کو استنباط کرنے میں نہایت تیزی دکھاتا ہے تو اس کی غلطیاں بہت ہوتی ہیں اور وہ شخص اس کے زمرے میں شامل ہو جاتا ہے جو تفسیر بالرائے کرتے ہیں تو ظاہری تفسیر میں سب سے پہلے احادیث اور سماعت کا ہونا ضروری ہے تا کہ غلطیوں کے مقامات سے بچا جا سکے اس کے بعد مفہوم کو سمجھنے اور استنباط کو وسعت دی جا سکتی ہے اس لیے ظاہری تفسیر کی مثال ایسی ہی ہے جیسے سمجھنے کے لیے لغت کا جاننا ضروری ہے اور جن چیزوں کا سننا ضروری و لازمی ہے اس کے بہت سے شعبے ہیں۔

ان میں سے وہ آیات ہیں جو مجمل ہیں آیات کے ظاہری معنیٰ سے اس کی تفصیل کا پتا نہیں چلتا جیسے اللہ تعالیٰ کا قول:

وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ (سورہ بقرۃ ۲/آیت ۴۳)

اور نماز قائم کرو اور زکات دو۔

وَ اٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ (سورہ انعام ۶/آیت ۱۴۱)

اور اس کا حق کٹائی کے روز ادا کر دو۔

ان آیات میں لازم ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم وحی ربانی کی بنیاد پر یہ تفصیل بیان فرمائیں کہ کون سی نمازیں ہیں ان میں کتنی رکعتیں ہیں؟ اور زکوۃ کا نصاب کیا ہے؟ اور کس مال پر زکوۃ فرض ہے اور کس پر فرض نہیں ہے اور اس جیسی بہت سی باتیں ہیں لہٰذا اس کا بیان کرنا بغیر کسی نص اور واقفیت کے ممنوع ہے۔

اور ان میں وہ آیتیں ہیں جس میں حذف کے ذریعے ایجاز پیدا ہو گیا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

وَ اٰتَیْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا (سورہ بنی اسرائیل ۱۷/آیت ۵۹)

اس کا مفہوم ہے کہ ہم نے ثمود کو ناقہ دیا ایک نظر آنے والی نشانی بنا کر انھوں نے اسے قتل کر کے اپنے نفسوں پر ظلم ڈھایا جو شخص آیت کے ظاہری لفظ کو دیکھے گا یہی سمجھے گا کہ ناقہ دیکھنے والا تھا اندھا نہ تھا اور یہ پتا نہیں چل رہا تھا کہ انھوں نے کیا ظلم کیا یا یہ کہ انھوں نے اپنے غیر پر اور اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہے۔

اور ان آیات میں سے مقدّم اور مؤخر بھی ہے جس سے غلط گمان ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

وَ لَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّ اَجَلٌ مُّسَمًّى (سورہ طہ ۲۰/آیت ۱۲۹)

اور اگر آپ کے رب کی طرف سے بات نہ ہو چکی ہوتی اور وقت مقرّر نہ ہوتا تو عذاب لازمی طور پر آ چکا ہوتا۔

یہ جملہ اس طرح تھا و لولا کلمة سبقت من ربك و اجل مسمى لكان لزاماً اگر ایسا نہ ہوتا تو اجل مسمى لزاما کی طرح اجلا مسمى ہوتا جیسا کہ ہم اس کے مقام پر ذکر کریں گے۔

روایت کی گئی ہے ابوعبداللہ محمد بن ابراہیم بن جعفر نعمانی سے انھوں نے اپنی تفسیر میں اپنی سند سے اسماعیل

بن جابر سے روایت کی ہے انھوں نے فرمایا کہ میں نے ابوعبداللہ جعفر بن محمد صادق علیہما السّلام کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو خاتم الانبیا بنا کر بھیجا ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور ان پر کتاب کو نازل فرمایا اور ان پر آخری کتاب نازل فرمائی اس کے بعد کوئی کتاب آنے والی نہیں ہے اس کتاب میں حلال چیزوں کو حلال قرار دیا گیا ہے اور حرام چیزوں کو حرام قرار دیا گیا ہے انھوں نے جن چیزوں کو حلال قرار دیا وہ قیامت تک حلال ہیں اور ان کی حرام کردہ اشیا قیامت تک کے لیے حرام ہیں اسی کتاب میں تمھاری شریعت ہے اور تم سے پہلے اور تم سے بعد والوں کی خبریں ہیں اور اس قرآن کو آنحضرت نے اپنے اوصیا میں ایک باقی رہنے والا علم قرار دیا ہے لوگوں نے انھیں چھوڑ دیا حالاں کہ وہ ہر زمانے کے لوگوں پر گواہ بنا کر بھیجے گئے تھے لوگوں نے ان حضرات سے روگردانی پھر انھیں قتل کر ڈالا اور ان کے غیر کی پیروی کرنے لگے اور ان ہی کے لیے اپنی اطاعت کو خالص کر دیا یہاں تک کہ جن لوگوں نے اولوالامر کی ولایت کو ظاہر کیا اور ان کے علوم کو حاصل کیا ان لوگوں نے ان سے بھی عداوت کی اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ (سورہ مائدہ ۵ / آیت ۱۳)

اور انھوں نے ہماری یاد دہانی کا اکثر حصہ فراموش کر دیا اور آپ ان کی خیانتوں پر بار بار انھیں مطلع کرتے رہیں گے۔

اور یہ اس لیے ہوا کہ انھوں نے قرآن کے بعض حصے کی مثال بعض حصے سے دی انھوں نے منسوخ کے ذریعے استدلال کیا اور وہ یہ سمجھتے رہے کہ یہ ناسخ ہے اور وہ متشابہ کہ ذریعہ دلیل دیتے رہے اور اسے محکم سمجھ رہے تھے انھوں نے خاص کے ذریعے دلیل پیش کی اور وہ یہ تصور کرتے رہے کہ یہ عام ہے انھوں نے پہلی آیت سے استدلال اور اس کی تاویل میں سبب کو فراموش کر دیا اور یہ نہیں دیکھا کہ کلام کس سے شروع ہوتا ہے اور کس پر ختم ہوتا ہے اور اس کے موارد اور مصادر کو نہیں جانا اس لیے انھوں نے قرآن کو اس کے اہل لوگوں سے نہیں لیا وہ لوگ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔

تم جان لو! اللہ تم پر رحم کرے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ناسخ کو منسوخ سے اور خاص کو عام سے، محکم کو متشابہ سے، رخص کو عزائم سے مکی و مدنی کو اور اسباب نزول کو اور مبہم کو اور قرآن کے منقطعہ اور متصلہ الفاظ کو اور جو کچھ اس میں قضا و قدر سے متعلق علم ہے اور تقدیم و تاخیر کو، مبیّن و عمیق کو، ابتدا کو انتہا سے، سوال جواب کو، قطع اور وصل کو، مستثنیٰ کو اور حرف جار کو، ماقبل کی صفت کو، جو مابعد پر دلالت کرے اور ان میں مؤکد کو مفصل کو عزائم اور رخص کو فرائض و احکامات کے مقامات کو اور حلال و حرام کا مفہوم جس میں ملحدین ہلاک ہوگئے، الفاظ میں کون سے موصول ہیں اور کون سے ماقبل اور مابعد پر محمول ہیں اگر یہ سب نہیں جانتا تو وہ قرآن کا علم نہیں رکھتا اور وہ نہ ہی اس کا اہل ہے اور اگر کوئی مدعی ان اقسام کی معرفت کا دعویٰ بغیر کسی دلیل کے کرے تو وہ جھوٹا ہے شک وشبہہ میں مبتلا ہے اللہ و رسول پر بہتان تراشی کر رہا ہے اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور یہ بہت برا ٹھکانا ہے۔

چھٹا مقدّمہ

جو کچھ جمعِ قرآن اور تحریفِ قرآن نیز اس میں زیادتی اور کمی کے بارے میں وارد ہوا ہے اور اس کی تاویل۔

علی بن ابرہیم قمی نے اپنی تفسیر میں اپنی سند سے امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت کی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے حضرت علی علیہ السّلام سے ارشاد فرمایا اے علی قرآن میرے بستر کے پیچھے صحیفوں میں ریشم کے پارچے اور کاغذ پر تحریر شدہ موجود ہے اسے لے لو اسے جمع کرو اور اسے ضائع نہ ہونے دو جس طرح یہودیوں نے توریت کو ضائع کر دیا علی علیہ السّلام تشریف لے گئے اور ان سب کو پیلے کپڑے میں جمع کر دیا پھر اس پر مہر لگا کر اپنے گھر میں رکھا اور فرمایا میں اس وقت تک اطمینان سے نہیں بیٹھوں گا جب تک اسے ایک جگہ تحریری شکل میں جمع نہ کر دوں امام نے فرمایا اگر کوئی شخص آپ سے ملاقات کے لیئے آتا تھا تو آپ چادر اوڑھے بغیر ہوئے اس سے ملنے جاتے تھے یہاں تک کہ آپ نے قرآن جمع کر لیا۔ [1]

کتاب کافی میں محمد بن سلیمان نے بعض اصحاب سے انھوں نے حضرت علی علیہ السّلام سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے امیر المومنین علیہ السّلام سے کہا کہ میری جان آپ پر فدا ہو ہم کچھ آیتیں سنتے ہیں وہ ہمارے پاس اس طرح نہیں جیسی ہم سنتے ہیں اور نہ ہی ہم انھیں اسطرح پڑھتے ہین جیسا کہ آپ سے ہم تک پہنچا ہے تو کیا اس صورت میں ہم گناہ گار ہیں امام علیہ السّلام نے فرمایا نہیں تم ویسے ہی پڑھو جیسا تم نے سیکھا ہے عنقریب تم تک وہ آئے گا جو تمھیں سکھائے گا۔ [2]

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں، اس سے مراد صاحب الامر علیہ السّلام ہیں۔

اور کلینی نے اپنی سند سے سالم بن سلمہ سے روایت کی انھوں نے کہا ایک شخص نے امام جعفر صادق علیہ السّلام کے سامنے کچھ آیتیں پڑھیں اور میں نے قرآن کے وہ حروف سنے جو اس سے مختلف تھے جسے عام لوگ پڑھا کرتے ہیں امام صادق علیہ السّلام نے اس سے کہا اس قرأت سے رک جاؤ اور اسی طرح پڑھو جس طرح دوسرے لوگ پڑھتے ہیں یہاں تک کہ قائم کا ظہور ہو جائے جب امام قیام فرمائیں گے تو اللہ کی کتاب کو اس کی حد

(۱) تفسیر قمی، ج۲، ص۴۵۱ (۲) الکافی، ج۲، ص۶۱۹، ح۲

کے مطابق تلاوت کریں گے آپ نے وہ مصحف نکالا جسے امام علی علیہ السّلام نے تحریر فرمایا تھا اور فرمایا اسے علی علیہ السّلام نے کتابت کرنے کے بعد لوگوں کے سامنے نکالا اور ان سے کہا یہ اللہ کی کتاب اسی ترتیب سے ہے جیسی اللہ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر نازل کی تھی میں نے اسے دو لوح کے درمیان جمع کر دیا ہے تو لوگوں نے کہا کہ وہ ہمارے پاس مصحف جامع ہے جس میں قرآن موجود ہے ہمیں اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے تو حضرت علی علیہ السّلام نے فرمایا خدا کی قسم تم آج کے بعد اسے نہ دیکھو گے مجھ پر لازم تھا کہ جمع کرنے کے بعد تمھیں بتلا دوں تا کہ تم اس کی تلاوت کرو۔[1]

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ اگر ہم روایات پر اعتماد کریں گے جن میں آیات کی ترتیب اور تغیر کے بارے میں بیان کیا گیا ہے تو قرآن پر ہمارا اعتماد باقی نہیں رہے گا اس لیے ایسی صورت میں یہ احتمال ہو گا قرآن مجید کی ہر آیت جسطرح نازل ہوئی تھی اس میں تغیر واقع ہوا اور تحریف ہوئی ہے اور ہمارے لیے قرآن مجید کی حیثیت سے باقی نہیں رہے گا تو اس کا فائدہ منتفی ہو جائے گا اور جب کہ اس کا اتباع کرنے اور اس سے تمسک رکھنے کی وصیت کی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۝ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ (سورہ فصلت ۴۱/آیت ۴۱۔۴۲)

یہ غالب کتاب ہے باطل نہ تو اس کے سامنے سے آسکتا ہے اور نہ ہی اس کے پیچھے سے اور فرمایا:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ (سورہ الحجر ۱۵/آیت ۹)

بے شک ہم نے ہی قرآن نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کے ذمّے دار ہیں۔

تو ایسی صرت میں تحریف اور تغیر کیسے راہ پا سکتا ہے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور ائمہ کرام سے روایت ہے کہ جب بھی کسی حدیث کی روشنی اور صحت معلوم کرنا چاہتے ہو تو اسے کتاب اللہ کے سامنے پیش کرو اگر وہ کتاب اللہ کے موافق ہو تو صحیح ہے اور اگر کتاب اللہ کے خلاف ہو تو جھوٹی ہے اور اگر وہ حدیث کتاب کو جھٹلا رہی ہے تو ایسی حدیث کو رد کر دینا واجب ہے اور ایسی حدیث کو نادرست قرار دو یا اس کی تاویل کرو۔

ہمارے بزرگ شیخ صدوق رئیس المحدثین محمد بن علی بن بابویہ قمی طیّب اللہ ثراہ اپنی کتاب اعتقادات میں فرماتے ہیں: ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس قرآن کو اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر نازل فرمایا تھا وہ دو دفتیوں کے درمیان ہے اور لوگوں کے ہاتھوں میں ہے قرآن اس سے زیادہ نہیں ہے اور فرمایا کہ جو اس قول کو ہماری جانب نسبت دیتا ہے کہ قرآن اس زیادہ تھا وہ جھوٹا ہے۔[2]

اور شیخ الطائفہ محمد بن الحسن الطوسی نے اپنی کتاب تبیان میں فرمایا جہاں تک قرآن میں زیادتی یا کمی کا سوال ہے تو ایسی کوئی بات مناسب نہیں ہے اس لیے کے جہاں تک زیادتی کا سوال ہے تو اس کے باطل ہونے پر سب

(۱) الکافی، ج ۲، ص ۶۳۳، ح ۲۳ اعتقادات شیخ صدوق، ص ۵۹

کا اجماع ہے اور جہاں تک کمی کا سوال ہے تو بظاہر مسلمانوں کے مذہب میں یہ بات درست نہیں اور ہمارے مذہب میں بھی یہی صحیح ہے کہ قرآن میں کسی قسم کی کمی نہیں ہوئی ہے اور سیّد مرتضٰی رحمۃ اللہ نے بھی اس کی تائید کی ہے۔ [1]

شیخ ابو علی طبرسی مجمع البیان میں فرماتے ہیں جہاں تک قرآن میں کچھ اضافے کا سوال ہے تو اس کے باطل ہونے پر ہمارے اصحاب کا اجماع ہے جہاں تک کمی کا سوال ہے تو ہمارے اصحاب کی ایک جماعت نے اس بارے میں روایت کی ہے اور حشویہ فرقے کا ایک گروہ اس کا قائل ہے کہ قرآن میں تغیر اور کمی واقع ہوئی ہے لیکن ہمارے اصحاب کا مسلک اس کے خلاف ہے اور سیّد مرتضٰی نے بھی اس بات کی حمایت کی ہے اور مسائل طرابلسیات کے جوابات دیتے ہوئے اس بارے میں بھر پور گفتگو کی ہے اور کئی مقامات پر یہ ذکر کیا ہے کہ قرآن کو صحیح طریقے سے نقل کرنے کا علم ایسا ہی ہے جیسے شہروں کا علم اور بڑے بڑے حادثات کا علم اور اہم واقعات کا علم اور مشہور کتابوں کا علم اور عرب کے ان اشعار کا علم جو تحریری شکل میں دستیاب ہیں۔ اس لیے قرآن کو لکھنے اور اس کی حفاظت کرنے کی جانب نہایت شدت سے توجہ کی گئی اور تقاضائے ضرورت بھی یہی تھا کہ دوسری چیزیں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے اس درجہ کو نہ پاسکیں اس لیے کہ قرآن نبوت کا معجزہ اور علوم شرعیہ اور احکام دینیہ کا ماخذ ہے۔ اور مسلمان علما اس کے حفظ کرنے اور اس کی حمایت کرنے میں انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں یہاں تک کہ انھوں نے ہی ہر شے سے واقفیت حاصل کر لی جس میں اختلاف رونما ہوا جیسے اعراب، قرأت، حروف اور قرآن کی آیتیں تو پھر کیسے روا ہو گا کہ ایسی سچی توجہ اور اعراب لگانے کے ایسے شدید اہتمام کے بعد اس میں تغیر واقع ہوا ہو یا کوئی کمی ہوئی ہو۔ [2]

اور طبرسی علیہ الرحمہ نے مزید فرمایا کہ قرآن کا تفصیلی علم یا قرآن کے بعض حصے کا علم اس کے نقل کیے جانے کی درستی پر مکمل علم کی مانند ہے اور اس پر وہی حکم صادق آتا ہے جس طرح کتب مصنفہ کا علم بالضرورہ حاصل کیا جاتا ہے جیسے سیبویہ اور مزنی کی کتاب اس لیے جو بھی اس کتاب کی طرف توجہ مبذول کرتا ہے وہ اس کی تفصیل کے بارے میں ویسا ہی جانتا ہے جیسا مجملاً جانتا ہے یہاں تک کہ اگر کوئی داخل کرنے والا کتاب سیبویہ میں نحو کا کوئی باب داخل کر کے جس کا سیبویہ کی کتاب سے کوئی تعلق نہ ہو تو اسے جان لیا جائے گا معلوم ہو جائے اسے پہچان لیا جائے گا کہ اسے ملحق کیا گیا ہے اور اس کا اصل کتاب سے کوئی تعلق نہیں ہے اور یہی بات کتاب مزنی سے متعلّق ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ سیبویہ کی کتاب دواوین شعرا کی نسبت قرآن مجید کو نقل کرنے کی جانب زیادہ توجہات مبذول کی گئی ہیں۔

اور انھوں نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ قرآن زمانہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم میں جمع اور یکجا ہو چکا تھا اور وہ آج تک اسی طرح موجود ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ قرآن پڑھایا جاتا تھا اور اس زمانے میں مکمل قرآن حفظ کیا

---

(۱) البیان، ج ۱، ص ۳۔۴ (۲) مجمع البیان، ج ۱، ص ۱۵

جاتا تھا یہاں تک کہ صحابہ کی ایک جماعت قرآن حفظ کرنے لے لیے معین کی گئی تھی اور یہ کہ قرآن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے سامنے پیش کیا جاتا اور ان کے سامنے اس کی تلاوت کی جاتی تھی اور صحابہ کی ایک جماعت جیسے عبداللہ ابن مسعود اور ابی بن کعب اور ان کے علاوہ دوسرے اصحاب نے نبی اکرم کے سامنے کئی مرتبہ قرآن ختم کیا تھا ذرا غور کرنے پر یہ تمام باتیں رہنمائی کرتی ہیں کہ قرآن مجید پہلے ہی مرتب کردیا گیا تھا اور جمع ہو چکا تھا نہ تو ادھورا تھا اور نہ ہی بکھرا ہوا تھا۔

طبرسی نے مزید بیان کیا ہے کہ امامیہ اور حشویہ میں سے جنھوں نے اس امر کے خلاف کہا ہے ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے اختلاف کی نسبت ان اصحاب حدیث کی طرف ہوتی ہے جنھوں نے ضعیف روایات کو نقل کیا ہے اور اس کی درستی کا تعین کرلیا ہے اور جو امور قطعی طور پر ثابت ہیں ان کی موجودگی میں ایسی ضعیف باتوں کی جانب رجوع نہیں کیا جاسکتا۔(1)

---

(1) مجمع البیان، ج1۔2، الفن الخامس

ساتواں مقدّمہ

یہ کہ قرآن میں ہر شے کی وضاحت موجود ہے اور اس مفہوم کی تحقیق۔

کتاب کافی میں کلینی نے اپنی سند سے مرازم سے اور انھوں نے امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت کی ہے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ہر شے کی تبیان (توضیح) کو نازل کیا ہے یہاں تک کہ خدا کی قسم اللہ نے کسی ایسی چیز کو ترک نہیں کیا ہے بندے جس کی ضرورت محسوس کرتے ہیں تا کہ کسی بندے کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ اے کاش یہ امر قرآن میں نازل ہوتا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس کے بارے میں نازل کر دیا ہے۔[1]

اور کلینی نے اپنی سند سے عمرو بن قیس سے امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام علیہ السّلام کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے کسی ایسی شے کو نہیں چھوڑا ہے جس کی امت کو ضرورت ہو مگر یہ کہ اسے اپنی کتاب میں نازل کیا ہے اور اپنے رسول کے لیے اس کی وضاحت کر دی ہے اور ہر چیز کی حد مقرّر کر دی اور اس پر رہنما مقرّر کر دیا جو اس کی جانب رہنمائی کرتا ہے اور جو اس حد سے تجاوز کرتا ہے اس کے لیے بھی حد کو معین کر دیا ہے۔[2]

اور انھوں اپنی سند سے معلّی بن خنیس سے روایت ہے کہ فرمایا امام جعفر صادق علیہ السّلام نے جب بھی دو افراد کسی امر میں اختلاف کرتے ہیں کتاب اللہ میں اس کی اصل موجود ہوتی ہے لیکن انسانوں کی عقلیں اس تک رسائی نہیں رکھتیں۔[3]

اور اپنی سند سے حماد سے امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ کوئی شے ایسی نہیں ہے کہ کتاب و سنت میں اس کے بارے میں بیان نہ کیا گیا ہو۔[4]

اور اپنی سند سے سماعہ سے ابو الحسن علی بن موسی الرضا علیہ السّلام سے مروی ہے سماعہ نے کہا میں نے امام

(۱) الکافی، ج۱، ص۵۹، ح۱ — (۲) الکافی، ج۱، ص۵۹، ح۲

(۳) الکافی، ج۱، ص۶۰، ح۲ — (۴) الکافی، ج۱، ص۵۹، ح۴

علیہ السّلام سے دریافت کیا کہ ہر شے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں موجود ہے یا آپ لوگ اس بارے میں کچھ اور فرماتے ہیں امام علیہ السّلام نے جواب دیا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ ہر شے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں موجود ہے۔[1]

کلینی رازی نے اپنی سند سے ابو الجارود سے روایت کی انھوں کہا کہ امام محمد باقر علیہ السّلام نے فرمایا کہ جب میں تمھیں کوئی شے بتلاؤں تو مجھ سے دریافت کیا کرو کہ کتاب اللہ میں کہاں مذکور ہے؟ اس کے بعد آپ نے کسی گفتگو میں فرمایا کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے قیل و قال فسادِ مال اور کثرتِ سوال سے منع فرمایا ہے آپ سے دریافت کیا گیا کہ یہ کتاب اللہ میں کہاں پر موجود ہے؟ تو امام علیہ السّلام نے فرمایا کہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:

لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ (سورہ نساء ۴/ آیت ۱۱۴)

ان لوگوں کی اکثر راز کی باتوں میں خیر نہیں ہے مگر یہ کہ کوئی انھیں صدقہ، نیکی یا لوگوں کے مابین اصلاح کا حکم دے۔

اور فرمایا:

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا (سورہ نساء ۴/ آیت ۵)

ناسمجھ لوگوں کو اُن کے وہ اموال نہ دو جنھیں تمھارے قیام کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔

اور فرمایا: لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِن تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ (سورہ مائدہ ۵/ آیت ۱۰۱)

ان چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرو کہ وہ اگر تم پر ظاہر ہو جائیں تو تم کو بری لگیں۔[2]

صاحبان معرفت میں سے کسی نے کہا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی شے کا علم یا تو محسوسات کے ذریعے دیکھ کر حاصل ہوتا ہے یا تجربے سے یا کسی بات کو سن کر یا مشاہدہ سے یا کوشش کر کے یا اسی قبیل کے کسی عمل سے حاصل ہوتا ہے اور اس قسم کا علم یا تو تبدیل ہوتا رہتا ہے فاسد ہو جاتا ہے، محصور ہوتا ہے ختم ہو جاتا ہے یا مکمل احاطہ نہیں کر پاتا اس لیے کہ اس کا تعلق ایسے زمانے سے ہوتا ہے کہ جب وہ شے موجود ہوتی ہے تو علم اور ہوتا ہے اور اس کے وجود سے قبل علم کوئی اور ہوتا ہے اور اس کے وجود کے بعد تیرا علم آجاتا ہے اور اسی طرح اکثر لوگوں کے علوم کی مثال ہے اور جو استفادہ اس کے مبانی اسباب اور مقاصد سے ہوتا ہے کہ یہ ایک علمِ کلی ہے بسیط ہے اور وجہ عقلی کی بنا پر محیط ہے اور تغیر پذیر نہیں ہے اس لیے کہ ہر شے کے لیے سبب ہوتا ہے اور ہر سبب کے لیے کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہوتا ہے یہاں تک کہ بات مسبب الاسباب تک جا پہنچتی ہے اور جو اس کے تقاضوں اور موجبات کے مطابق سب کو جان لیتا ہے تو اس کے لیے لابدی ہے کہ وہ ہر شے کی معرفت حاصل کر لے اس علم کی

(۱) الکافی، ج ۱، ص ۶۲، ح ۱۰ (۲) الکافی، ج ۱، ص ۶۰، ح ۵

طرح جو ضروری اور دائمی ہو پس جو بھی اللہ تعالیٰ کی معرفت اس کے اوصاف کمالیہ اور صفات جلالیہ کے ساتھ حاصل کرے گا اور یہ جان لے گا کہ وہ ہر وجود کا مبدا اور وجود کے ہر فیض کا منشا ہے اور وہ اللہ کے مقربین فرشتوں کی معرفت حاصل کرے گا اور پھر اللہ کے ان فرشتوں کی معرفت حاصل کرے گا جو تدبیر کرتے ہیں اور جنھیں اغراض کلیہ عقلیہ کے لیے ان کی دائمی عبادت کے سبب اور مسلسل ریاضت کی وجہ سے مسخر کردیا گیا ہے جس میں نہ تو کمی ہوتی ہے اور نہ ہی سستی تاکہ ان کے ذریعے سے سبب و مُسبّب کی ترتیب سے کائنات کی مکمل تصویریں ظاہر و باہر ہوں۔

آٹھواں مقدّمہ

اقسام آیات اور ان کا مشتمل ہونا بطون و تاویلات پر اور انواع لغات اور اختلافات قرأت اور ان میں کون سی قرأت معتبر ہے۔

طرق عامہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے روایت مشہور ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا:

نزل القرآن علي سبعة احرف كلها كاف شاف

قرآن کریم سات حرفوں پر نازل ہوا ہے جن میں سے ہر ایک کافی اور شافی ہے۔[1]

اور ان میں سے کچھ نے اس حدیث کے متواتر ہونے کا دعویٰ کیا ہے مگر یہ کہ اس حدیث کے مفہوم میں اختلاف کیا ہے جو تقریباً چالیس اقوال ہیں اور عامہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے یہ بھی روایت کی ہے:

نزل القرآن علي سبعة احرف امر و زجر و ترغيب و ترهيب و جدل و قصص و مثل

قرآن سات حروف پر نازل ہوا حکم، نہی رغبت دلانا، خوف دلانا، مناظرہ، قصے اور مثالیں۔[2]

اور دوسری روایت میں ہے:

زجر و امر و حلال و حرام و محكم و متشابة و امثال

نہی، امر، حلال وحرام، محکم ومتشابہ اور امثال۔[3]

ان دونوں روایتوں سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ سات حرفوں سے ان کی اقسام اور انواع کی جانب اشارہ ہے۔

اور اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جسے ہمارے اصحاب نے امیر المومنینؑ سے روایت کی ہے انھوں نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید کو سات اقسام پر نازل کیا ہے ان میں سے ہر قسم کافی وشافی ہے اور وہ امر ونہی، ترغیب وترہیب، مناظرہ، مثالیں اور قصے ہیں۔[4]

عامہ نے بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے روایت کی ہے۔

---

(۱) کنز العمال، ج ۲، ص ۵۰ (۲) التبیان، ج ۱، ص ۷ وکنز العمال، ج ۲، ص ۵۵

(۳) التبیان، ج ۱، ص ۷ وتفسیر طبری، ج ۱، ص ۲۳ (۴) بحار الانوار، ج ۹۳، ص ۴

ان القرآن انزل علی سبعة احرف لکل آیة منها ظهر و بطن و لکل حرف حد و مطلع
یہ کہ قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا ان میں سے ہر آیت کے لیے ظاہر اور باطن ہے اور ہر حرف کے لیے حد اور مطلع ہے۔۱

اور دوسری روایت میں ہے کہ قرآن کے لیے ظاہر اور باطن ہے اور اس میں سے ہر باطن کے لیے باطن ہے یہاں تک کہ سات باطن ہیں۔۲

اور طریق خاصہ سے خصال میں اپنی سند سے حماد سے روایت کی ہے انھوں نے کہا کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السّلام سے عرض کی کہ آپ سے ہم تک مختلف حدیثیں پہنچی ہیں تو امام علیہ السّلام نے فرمایا کہ قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا ہے اور امام کے لیے سب سے ادنیٰ شے یہ ہے کہ وہ سات اسباب کے اعتبار سے فتویٰ دے پھر فرمایا:

هذا عطاؤنا فامنن او امسك بغير حساب
یہ ہماری عطا ہے احسان قبول کرلو یا چھوڑ دو بغیر حساب۔۳

یہ بطون اور تاویلات کے بارے میں نص ہے اور حدیث کے بعض الفاظ میں یہ ملتا ہے کہ:

ان هذا القرآن انزل علی سبعة احرف فاقرء وا ما تیسر منه
یہ قرآن سات حرفوں پر نازل کیا گیا ہے پس اس میں سے جتنی آسانی ہو اس کے مطابق اس کی تلاوت کرو۔۴

اور بعض روایات میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے جبرائیل سے کہا کہ مجھے ایسی امت کی طرف مبعوث کیا گیا جو امیّ ہے ان میں بہت زیادہ بوڑھے اور ازحد رفتہ مرد اور عورتیں ہیں اور نو آموز لڑکے ہیں تو جبرائیل نے کہا آپ انھیں حکم دیجیے کہ وہ قرآن کو سات حرفوں کے مطابق پڑھیں۔۵

اور طریق خاصہ سے خصال میں اپنی سند سے عیسیٰ بن عبداللہ الہاشمی سے مروی ہے وہ اپنے والد اور آباواجداد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کی میرے پاس اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک پیغام لانے والا آیا اور اس نے کہا کہ اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ قرآن کی تلاوت ایک حرف کے مطابق کرو تو میں نے کہا کہ اے پروردگار میری امت کے لیے وسعت پیدا کر دے تو فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ سات حرفوں کے مطابق پڑھ سکتے ہیں۔۶

ان روایتوں سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ سات حرفوں سے مراد لغات کا اختلاف ہے جیسا کہ ابن اثیر نے نہایہ

---

(۱) کنز العمال، ج۲، ص۵۳ (۲) عوالی اللالی، ج۴، ص۱۰۷ (۳) الخصال، ص۳۵۸
(۴) کنز العمال، ج۲، ص۴۹ (۵) تفسیر طبری، ج۱، ص۱۲ (۶) الخصال، ج۲، ص۳۵۸

میں کہا ہے ان کا قول ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا وہ سب کے سب شافی اور کافی ہیں اس حدیث میں حرف سے مراد لغت ہے یعنی لغات عرب میں سے سات لغتوں کے مطابق یعنی یہ کہ یہ سب قرآن میں متفرق اور مختلف مقامات پر ہیں کچھ قریش کی لغت کے مطابق تو کچھ ھذیل کی لغت کے مطابق اور کچھ ھوازن کی لغت کے مطابق اور کچھ یمن کی لغت کے مطابق ہے فرمایا اور اس بات کی وضاحت ابن مسعود کے قول سے ہوتی ہے انھوں نے فرمایا میں نے قاریوں کو سنا ہے تو انھیں ایک دوسرے سے قریب تر پڑھتے ہوئے پایا ہے۔

لیکن تم اس طرح پڑھو جیسا تم نے سیکھا ہے اس کی مثال یہ ہے جیسے تم میں سے کسی کا قول ہو هَلُمَّ، تعَالِ اور اَقبل ان تینوں کا مفہوم ایک ہے۔ [۱]

اور مجمع البیان میں طبرسی نے فرمایا کہ ایک گروہ کا کہنا ہے کہ احرف سے مراد لغات ہیں حلال وحرام کے بارے جو حکم کو تبدیل نہیں کرتیں جیسے ھلم اور اقبل اور تعال اسلام کے ابتدائی دور میں انھیں اختیار دے دیا گیا تھا کہ جس طرح چاہیں قرآن پڑھیں اس کے بعد ایک قرأت پر اجماع ہو گیا اور ان کا اجماع حجت ہے ان کا اجماع اس امر کے لیے مانع ہو گیا جس سے انھوں نے اعراض کیا تھا۔ [۲]

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں ان تمام روایات میں توفیق یہ ہے کہ کہا جاتا ہے کہ قرآن کی آیتوں کی سات قسمیں ہیں اور ہر آیت کے سات باطن ہیں اور ہر آیت سات لغات پر نازل ہوئی ہے۔ اب رہا حدیث کو اس پر محمول کرنا کہ اس سے قرأت کے سات وجوہ مراد ہیں پھر وجوہ قرأت کو اس عدد کے مطابق تقسیم کرنے کا تکلف کرنا جیسا کہ مجمع البیان نے کچھ لوگوں سے نقل کیا ہے تو اس کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی اس لیے کہ یہ بات اس حدیث کی تکذیب کرتی ہے جسے کافی نے اپنی سند سے زرارہ سے اور انھوں نے امام باقر علیہ السّلام سے روایت کی ہے امام علیہ السّلام نے فرمایا:

ان القرآن واحد نزل من عند واحد و لكن الاختلاف يجيء من قبل الرواة

قرآن واحد ہے واحد کے پاس سے نازل ہوا ہے اختلاف راویوں کی جانب سے آیا ہے۔ [۳]

اور اپنی سند سے فضیل بن یسار سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام صادق علیہ السّلام سے دریافت کیا کہ لوگ کہتے ہیں:

ان القرآن نزل على سبعة احرف

کہ قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا ہے۔

امام علیہ السّلام نے فرمایا:

كذبوا اعداء الله ولكنه نزل على حرف واحد من عند الواحد

---

(۱) النھایۃ لابن اثیر، ج ۱، ص ۳۶۹ (۲) مجمع البیان، ج ۱۔۲، ص ۱۲ (۳) الکافی، ج ۲، ص ۶۳۰، ح ۱۲

اللہ کے دشمنوں نے جھوٹ کہا قرآن تو ایک حرف پر واحد کے پاس سے نازل ہوا ہے۔ [1]

اس حدیث کا مفہوم بھی سابقہ حدیث جیسا ہے اور ان دونوں احادیث کا مقصود ایک ہے اور وہ یہ کہ صحیح قرأت صرف ایک ہے لیکن جب امام علیہ السّلام کو یہ پتا چلا کہ انھوں نے جس حدیث کی روایت کی ہے اس سے یہ سمجھا جا رہا ہے کہ تمام قرأتیں باوجود اختلاف کے درست ہیں تو امام علیہ السّلام نے ان کی تکذیب کی ہے اور اس بنیاد پر دونوں روایتوں میں کوئی منافات نہیں ہے۔

کافی میں کلینی نے اپنی سند سے عبداللہ بن فرقد سے اور معلّٰی بن خنیس سے روایت کی ہے وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہم امام صادق علیہ السّلام کے پاس موجود تھے اور ہمارے ساتھ ربیعہ الرائی بھی تھا ہم نے فضیلت قرآن کا ذکر کیا تو امام علیہ السّلام نے فرمایا اگر ابن مسعود ہماری قرأت کے مطابق نہیں پڑھتا تو وہ گمراہ ہے ربیعہ نے کہا گمراہ؟ تو امام علیہ السّلام نے فرمایا کہ ہاں گمراہ اس کے بعد امام علیہ السّلام نے فرمایا کہ ہم ابیّ بن کعب کی قرأت کے مطابق پڑھتے ہیں۔ [2]

اس حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ ابی بن کعب کی قرأت صحیح ہے اور یہ قرأت آئمہ کرام علیہم السّلام کی قرأت کے مطابق ہے۔ یا یہ کہ اُبی بن کعب کی قرآت دوسرے اصحاب کے مقابل میں ائمہ کی قرآت سے زیادہ موافقت رکھتی ہے۔

پھر بظاہر وہ اختلاف معتبر ہوتا ہے جو لفظ سے معنیٰ تک سرایت کرتا ہے جیسے مالِكِ اور مَلِكِ کا اختلاف جو لفظ سے تجاوز نہیں کرتا یا اگر تجاوز کرتا تو معنیٔ مقصود میں خلل واقع نہیں ہوتا خواہ باعتبار لغت ہو جیسے کُفُوًا یا کُفْوًا یا باعتبار صرف ہو جیسے يَرْتَدُّ اور يَرْتَدِدْ یا باعتبار نحو ہو جیسے لَا يُقْبَلُ منها شفاعة یا لَا تُقْبَلُ منها شفاعة یا وہ لفظ جو معنیٰ تک سرایت کرتا ہے مگر مقصود میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا جیسے ریح اور ریاح جنس اور جمع کے لیے اور اسی جیسی باتوں کے لیے قرآت مشھورہ میں وسعت دی گئی ہے۔

اور اسی پر محمول کیا جائے گا جو ائمہ علیہم السّلام سے کلمۂ واحدہ میں اختلاف قرآت کے بارے میں وارد ہوا ہے اور یہ بھی وارد ہوا ہے کہ انھوں نے دونوں قرآتوں کو درست قرار دیا ہے جب اس کا موقع آئے گا تو ہم اسے بیان کریں گے۔ یا اسے اس بات پر محمول کیا جاسکتا ہے کہ ائمہ کے لیے ممکن نہ تھا کہ لوگوں کو ایک قرآت صحیحہ پر باقی رکھیں انھوں نے دوسری قرآت کی بھی اجازت مرحمت فرمادی جیسا کہ ان کے فرماں سے اس جانب اشارہ ملتا ہے: اقرأ وا کما تعلمتم فسیجیئکم من یعلمکم تم نے جس طرح سیکھا ہے اسی طرح قرآن کی تلاوت کرو عنقریب وہ آئے گا جو تمھیں سکھائے گا۔ جس طرح انھوں نے اجازت مرحمت فرمائی کہ لوگوں کے پاس جو قرآن موجود ہے اسی کی تلاوت کریں نہ اس کی جو ائمہؑ کے پاس محفوظ ہے۔

---

(۱) الکافی، ج ۲، ص ۶۳۰، ح ۱۳ (۲) الکافی، ج ۲، ص ۶۳۴، ح ۲۷

اور فقہا کے درمیان یہ بات مشہور ہے کہ قرأت سبعہ یا قرأت عشرہ سے جو مشہور ہیں ان سے باہر نہیں جانا چاہیے اس لیے کہ یہ متواتر ہیں اور ان کے علاوہ جو قرأتیں ہیں وہ شاذ ہیں۔

صحیح بات یہ ہے کہ آج قرآن میں جو متواتر ہے وہ تمام قرآت میں قدر مشترک ہے الا یہ کہ مخصوص طور سے کوئی اکا دکا ہوں اس لیے کہ سوائے اس کے کوئی علیحدہ نہیں ہے متواتر اپنے غیر سے مشتبہ نہیں ہوسکتا اور ہم اکتفا کرتے ہیں بعض مشہور قرأت کے ذکر پر اور ہم شواذ کے ذکر کو بھی شامل کریں گے مگر شاذ و نادر یا ان میں سے جس کی نسبت ہمارے ائمہ علیہم السّلام سے ہو اور ہم اسے اصل قرار دیں گے جسے اکثریت تلاوت کرتی ہے اور وہ اکثر لوگوں کی قرأت ہے ان شاء اللہ ہم ان سب کا ذکر کریں گے۔

اور جو کچھ انھوں نے مدون کیا ہے علم قرأت اور تجوید کے قواعد اور اصطلاحات تو ان میں سے جس کا دخل ہے حروف کو واضح کرنے اور بعض کو بعض سے ممیّز کرنے کے لیے تا کہ اشتباہ نہ ہو یا وقف کی حفاظت کی تا کہ جو معنی مقصود ہیں ان میں اختلال واقع نہ ہو یا اعراب کی درستی اور اس کی خوبی کے لیے تا کہ عبارت میں لغزش نہ ہو یا ناشائستگی پیدا نہ ہو یا آواز کو خوبصورت بنانے اور اس میں لحن پیدا کرنے کے لیے تا کہ وہ عرب لہجے اور خوبصورت آوازوں سے ملحق ہو جائے اور اس مقصد کے لیے واضح سبب موجود ہے۔

معصومین سے اس بارے میں روایات وارد ہوتی ہیں ان روایات کا خیال رکھنا ضروری ہے جن میں طبعی اعتبار سے باہمی اتفاق ہے ان سے قطع نظر کرتے ہوئے جن میں باہمی اختلاف پایا جاتا ہے۔

نواں مقدّمہ

نزولِ قرآن کا زمانہ اور اس کی تحقیق۔

کافی میں روایت ہے حفص بن غیاث امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت کرتے ہیں کہ امام علیہ السّلام سے اللہ کے قول:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْاٰنُ (سورہ بقرہ ۲ / آیت ۱۸۵)

ماہ رمضان وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔

کے بارے میں سوال کیا جب کہ قرآن اول سے آخر تک بیس سال کے عرصے میں نازل ہوا صرف رمضان المبارک میں نزول سے کیوں مخصوص کیا گیا تو امام صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ مکمل قرآن یک بارگی ماہ رمضان میں بیت المعمور پر نازل ہوا اور پھر بیس سال تک نازل ہوتا رہا پھر امام علیہ السّلام نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السّلام کے صحیفے ماہ رمضان کی پہلی تاریخ کو نازل ہوئے اور توریت ۶ رمضان المبارک کو نازل ہوئی اور انجیل ۱۳ رمضان المبارک کو نازل ہوئی اور زبور ۱۸ ماہِ رمضان میں نازل ہوئی اور قرآن مجید ۲۳ ویں ماہِ رمضان میں نازل ہوا۔ [1]

کتاب کافی اور کتاب فقیہ میں ان کی اپنی سند سے ابوبصیر سے مروی ہے وہ امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت کرتے ہیں امام علیہ السّلام نے فرمایا کہ توریت ۶ ماہ رمضان میں نازل ہوئی اور زبور کا نزول ۱۸ رمضان المبارک کو ہوا اور قرآن مجید شب قدر میں نازل ہوا۔ [2]

اور کتاب فقیہ کے بعض نسخوں میں ہے کہ فرقان شب قدر میں نازل ہوا اور ان دونوں کی سند سے حمران سے روایت ہے کہ انھوں نے امام محمد باقر علیہ السّلام سے اللہ تعالیٰ کے قول:

إِنَّآ أَنْزَلْنٰهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ (سورہ دخان ۴۴ / آیت ۳)

ہم نے اس (قرآن) کو بابرکت رات میں نازل کیا۔

---

(۱) الکافی، ج ۲، ص ۶۲۸ـ۶۲۹، ح ۶ (۲) الکافی، ج ۴، ص ۱۵۸، ح ۵ و من لا یحضرہ الفقیہ، ج ۲، ص ۱۰۲، ح ۴۵۷

کے بارے میں سوال کیا تو امام علیہ السّلام نے فرمایا کہ اس سے مراد شب قدر ہے اور یہ ہر سال ماہ رمضان کی آخری دس راتوں میں ہوتی ہے اور قرآن سوائے شب قدر کے کسی اور رات میں نازل نہیں ہوا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ ﴿۴﴾ (سورہ دخان ۴۴/آیت ۴)

امام علیہ السّلام نے فرمایا کہ شب قدر میں اس سال ہونے والے تمام امور کا فیصلہ کیا جاتا ہے خواہ اس کا تعلّق خیر سے ہو یا شر سے اطاعت سے ہو یا معصیت سے کسی کی ولادت سے ہو یا وفات سے یا اس کا تعلّق رزق سے ہو۔

ان دونوں کی سند سے یعقوب سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو امام جعفر صادق علیہ السّلام سے شب قدر کے بارے سوال کرتے ہوئے سنا اس نے امام جعفر صادق علیہ السّلام سے دریافت کیا مولا یہ بتایئے کہ شب قدر گزر چکی یا ہر سال آتی ہے امام نے جواباً یہ فرمایا کہ اگر شب قدر کو اٹھالیا جاتا تو قرآن بھی چلا جاتا۔

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں اس لیے کہ ہر سال شب قدر میں قرآن کی توضیح اور تفسیر صاحب الامر پر نازل ہوتی ہے جو اس سال پیش آنے والے امور سے متعلّق ہوتی ہے تو اگر شب قدر نہ ہو تو نئے پیش آنے والے واقعات سے متعلّق احکام قرآن نازل نہ ہوں گے جن کا نازل ہونا لازمی و لابدی ہے اور احکام قرآن اس وقت تک نازل نہ ہوں گے جب تک وہ نہ ہو جس پر وہ نازل کئے جائیں اور اگر اس کا وجود نہ ہو جس پر وہ نازل کئے جائیں تو پھر قرآن باقی نہ رہے گا اس لیے کہ یہ دونوں ساتھ ساتھ ہیں یہ ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم تک حوض کوثر پر وارد ہوں جیسا کہ متفق علیہ احادیث میں آیا ہے اور دونوں کے ساتھ رہنے کے مفہوم کی ہم وضاحت کر چکے ہیں۔

ان تمام احادیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے اور وہ حدیث جسے کافی میں کتاب حُجت میں انا انزلناہ فی لیلۃ القدر کی شان نزول کے باب کے ذیل میں بیان کیا گیا ہے کہ پورا کا پورا قرآن یکبارگی ماہ رمضان المبارک کی تیئیسویں تاریخ کی شب میں بیت المعمور کی طرف نازل کیا گیا۔

گویا کہ اس سے مراد نزول معنوی ہے جو قلب پیغمبر اکرم پر نازل ہوا جیسا کہ ارشاد رب العزت ہے:

نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ﴿۱۹۳﴾ عَلَىٰ قَلْبِكَ (سورہ الشعراء ۲۶/ آیات ۱۹۳-۱۹۴)

روح الامین نے آپ کے قلب مبارک پر قرآن کو نازل کیا۔

---

(۱) من لایحضرہ الفقیہ، ج ۲، ص ۱۰۱، ح ۴۵۵ (۲) من لایحضرہ الفقیہ، ج ۲، ص ۱۰۱، ح ۹

(۳) وسائل الشیعہ، ج ۱۸، ص ۱۹ و بحار الانوار، ج ۲۳، ص ۱۴ (۴) الکافی، ج ۱، ص ۲۴۴، ح ۱۷ و الکافی، ج ۲، ص ۶۲۸، ح ۶

اس کے بعد تیئس سال کے عرصے میں تھوڑا تھوڑا باطن قلب سے ظاہری زبان پر نازل ہوا یعنی جب بھی جبرئیل امین وحی لے کر آتے اور تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو ان الفاظ کے ساتھ پڑھ کر سناتے اب یہ سوال کہ ہر سال شب قدر میں صاحب العصر پر قرآن کے نازل ہونے سے کیا مراد ہے تو اس نازل ہونے کا مقصد اجمال کی تفصیل، متشابہ کی تاویل، مطلق کو مقید کرنا اور آیات متشابہات سے محکمات کو علیحدہ کرنا ہے۔

خلاصۂ گفتگو یہ ہے کہ قرآن کے نزول کی تکمیل اس اندازے سے ہوئی کہ وہ انسانوں کے لیے ہدایت اور ہدایت وفرقان کی وضاحت کرنے والا ہو جائے جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْاٰنُ (سورہ بقرہ ۲ / آیت ۱۸۵)

یعنی ماہ رمضان (میں شب قدر ہے) جس میں قرآن کو نازل کیا گیا۔

هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ (سورہ بقرہ ۲ / آیت ۱۸۵)

جس میں انسانوں کے لیے ہدایت ہے اور ہدایت اور فرقان کی وضاحت ہے۔

یہ قول ثابت کر رہا ہے رب العزت کا قول:

إِنَّآ أَنْزَلْنٰهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ إِنَّا كُنَّا مُنْذِرِينَ ۝۳ (سورہ دخان ۴۴ / آیت ۳)

ہم نے اس قرآن کو ایک بابرکت رات میں نازل کیا ہے ہم لوگوں کو ڈرایا کرتے ہیں۔

فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ ۝۴ (سورہ دخان ۴۴ / آیت ۴)

اس شب میں ہر حکمت والے یعنی محکم امر جدا ہوتے ہیں۔

أَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا إِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ۝۵ (سورہ دخان ۴۴ / آیت ۵)

اپنے پاس سے امر بنا کر ہم جسے مسلسل بھیجتے رہے ہیں۔

اللہ کا قول فیھا یفرق اور فرقان دونوں کا مفہوم ایک ہے اس لیے کہ فرقان ایسا محکم ہے جس پر عمل کرنا واجب ہے جیسا کہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْاٰنَهُ ۝۱۷ (سورہ القیامہ ۷۵ / آیت ۱۷)

جس وقت ہم نے قرآن کو الگ الگ نازل کیا تو اس کا جمع کرانا اور پڑھوانا بھی ہمارا ہی کام ہے۔

فَإِذَا قَرَأْنٰهُ پس جب ہم اسے آپ کے سامنے بیان کر دیں فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهُ تو آپ مکمل طور پر اس کے پڑھنے کا تباع کریں۔ (سورہ القیامہ ۷۵ / آیت ۱۸)

ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ ۝۱۹ (سورہ القیامہ ۷۵ / آیت ۱۹)

اس کے بعد شب قدر میں اس کا بیان کرنا بھی ہمارا کام ہے۔

---

(۱) الکافی، ج ۱، ص ۲۴۴، ح ۱ و الکافی، ج ۲، ص ۶۲۸، ح ۶

ملائکہ اور روح کو اس شب میں آپ پر اور آپ کے بعد آپ کے اہل بیت پر نازل کر کے محکم کو متشابہ سے جدا کر کے اور اشیا کی تقدیر معین کر کے اور احکامات کی وضاحت کر کے، بالخصوص وہ واقعات جو آئندہ شب قدر تک اس سال مخلوقات کو پیش آنے والے ہیں۔

کتاب فقیہ میں ہے کہ نزول قرآن کی تکمیلِ شب قدر میں ہوئی گویا کہ اس سے وہی مراد ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے اس تحقیق سے یہ پتا چلتا ہے کہ نزول تدریجی اور یکبارگی میں توافق پایا جاتا ہے اور مفسرین کے تکلفات سے ہمیں سکون ملا۔[۱]

(۱) من لا یحضرہ الفقیہ، ج۲، ص۶۱، باب ۲۸

دسواں مقدّمہ

قرآن کریم کا حاملین قرآن کے لیے روز قیامت مجسم ہو کر آنا اور ان کی شفاعت کرنا، اس کے حفظ اور تلاوت کرنے کا ثواب۔

کافی نے اپنی سند سے جابر سے اور انھوں نے امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت کی ہے امام علیہ السّلام نے فرمایا کہ قرآن بہترین شکل اور پسندیدہ صورت میں نظر آئے گا جب وہ مسلمانوں کے درمیان سے گزرے گا تو وہ کہیں گے اس شخص کا تعلّق تو ہم سے ہے جب اس کا گزر انبیا کے درمیان سے ہوگا تو وہ یہ کہیں گے اس کا تعلّق ہم سے ہے جب اس کا گزر مقربین فرشتوں کی بزم سے ہوگا تو وہ بھی یہ کہتے نظر آئیں گے یہ تو ہم سے ہے یہاں تک کہ وہ رب العزت کی بارگاہ میں پہنچ جائے گا اور اس طرح گویا ہوگا اے میرے پروردگار فلاں فرزند فلاں دنیاوی زندگی میں دن کو پیاسا رہتا تھا اور رات کو بیدار رہتا تھا اور فلاں بن فلاں نہ دن کو پیاسا رہا اور نہ ہی رات کو بیدار رہا تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ تم انھیں ان کے منازل کے اعتبار سے جنت میں داخل کر دو تو وہ لوگ قرآن کے پیچھے پیچھے چلیں گے اور قرآن مومن سے یہ کہے گا قرآن پڑھو اور منازل پر بلند ہوتے جاؤ امام علیہ السّلام نے فرمایا کہ ہر مومن قرآن پڑھتے ہوئے منازل رفیعہ پر بلند ہوتا چلا جائے گا یہاں تک کہ ہر فرد اپنی اپنی معینہ منزل تک پہنچ جائے گا۔ [1]

اور اپنی سند سے یونس بن عمار سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ قیامت کے دن تین طرح کے دیوان (رجسٹر) ہوں گے ایک وہ جس میں نعمتوں کا اندراج ہوگا اور ایک دیوان میں نیکیوں کا اندراج ہوگا اور ایک دیوان میں برائیاں لکھی جائیں گی پس نعمتوں کا دفتر اور حسنات کے دفتر سامنے لایا جائے گا تو عام نیکیاں نعمتوں پر چھا جائیں گی اب برائیوں کا دفتر بچ رہے گا اور اولاد آدم کو حساب کے لیے طلب کیا جائے اس وقت قرآن بہترین شکل میں اس شخص کے سامنے آموجود ہوگا اور کہے گا اے میرے معبود میں قرآن ہوں اور یہ تیرا بندہ مومن ہے یہ میری تلاوت کرنے کے لیے اپنے آپ کو مشقت میں ڈالتا تھا اور رات

---

(۱) الکافی، ج ۲، ص ۶۰۱، ح ۱۱

کے اکثر اوقات میں میری تلاوت کیا کرتا تھا اور تہجد پڑھتے وقت اس کی آنکھوں سے اشک رواں ہوتا تھا۔

پروردگار تو اس سے ایسے راضی ہو جا جیسے اس نے مجھے راضی رکھا تھا امام علیہ السّلام نے فرمایا تو رب ذوالجلال کا ارشاد ہوگا اے میرے بندے تو اپنا دایاں ہاتھ پھیلا دے اور اسے رب عزیز و جبار کی مرضیوں سے بھر لے اور اپنا بایاں ہاتھ رحمت خدا سے پُر کر لے پھر اس سے کہا جائے گا یہ جنت تیرے لیے مباح ہے تو تلاوت قرآن کرتا جا اور منازل رفیعہ کی جانب بڑھتا چلا جا پس وہ جب بھی کسی آیت کی تلاوت کرے گا اس کا درجہ بلند ہو جائے گا۔[۱]

میں کہتا ہوں اس مفہوم سے متعلق بہت سی روایتیں ہیں اور ان روایات میں سے اس سے بھی زیادہ بسیط (کشادہ، وسیع) روایت موجود ہے ان میں سے کچھ کا تذکرہ ہم نے اپنی کتاب وافی میں کیا ہے اور اس مقام پر اس کی تشریح بھی کر دی ہے۔[۲]

کافی نے اپنی سند سے فضیل بن یسار سے اور وہ امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت کرتے ہیں امام علیہ السّلام نے فرمایا قرآن کو حفظ کرنے اور اس پر عمل کرنے والا نیکوکار اور محترم فرشتوں کے ساتھ ہوگا۔[۳]

کافی نے اپنی سند سے زہری سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے علی بن حسین علیہ السّلام سے دریافت کی کہ کون سے اعمال افضل ہیں؟ تو امام علیہ السّلام نے فرمایا الحال المرتحل میں نے سوال کیا کہ الحال المرتحل سے کیا مراد ہے تو امام علیہ السّلام نے فرمایا کہ قرآن کو شروع کرنا اور اسے ختم کرنا جس طرح شروع سے آیا اور آخر تک چلا گیا امام علیہ السّلام نے فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جسے قرآن عطا کیا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ کسی نے اس عطا کردہ شے سے بہتر اسے عطا کیا ہے تو اس نے عظیم شے کی تحقیر کی ہے اور حقیر کو عظیم سمجھ لیا ہے۔[۴]

اور کافی نے اپنی سند سے حریز سے اور انھوں نے امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت کی ہے امام علیہ السّلام نے فرمایا کہ قرآن عہد الٰہی ہے اس کی مخلوقات سے ہے اس لیے ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اپنے معاہدے کا پاس کرے اور ہر روز کم از کم پچاس آیتوں کی تلاوت کرے۔[۵]

کافی نے اپنی سند سے محمد بن بشیر سے اور انھوں نے علی ابن الحسین علیہما السّلام اور امام جعفر صادق علیہ السّلام سے ایک مرسل روایت کی ہے دونوں اماموں نے فرمایا اگر کوئی شخص کتاب خدا کا کوئی حرف سنے اور اس کی تلاوت نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے نامۂ عمل میں ایک نیکی لکھ دے گا اور اس کی ایک برائی کو مٹا دے گا اور اس کا ایک درجہ بڑھا دے گا اور جو بھی اس کا ایک ظاہری حرف کسی کو سکھا دے گا تو اللہ تبارک وتعالیٰ ہر حرف کے بدلے

---

(۱) الکافی، ج۲، ص۶۰۲، ح۱۲ (۲) الوافی، ج۵، ص۱۶۹۳۔۱۷۰۰، باب ۲۵۲ (۳) الکافی، ج۲، ص۶۰۳، ح۲

(۴) الکافی، ج۲، ص۶۰۵، ح۷ (۵) الکافی، ج۲، ص۶۱۲، ح۶

ایک نیکی اس کے نامۂ عمل میں لکھ دے گا اور اس کی دس برائیاں مٹا دے گا اور اس کے دس درجے بڑھا دے گا امام علیہ السّلام نے فرمایا کہ میں نے آیت کا لفظ نہیں کہا بلکہ حرف کے بدلے میں خواہ وہ 'با' ہو 'یا' ہو یا اس کی مانند کوئی اور حرف ہو۔ امام علیہ السّلام نے فرمایا جو شخص نماز میں بیٹھے ہوئے قرآن کا ایک حرف پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ اس کے نامۂ عمل میں پچاس نیکیاں لکھ دے گا اور اس کی پچاس برائیوں کو مٹا دے گا اور اسے پچاس درجہ بلندی عطا کرے گا اور جو قرآن کا ایک حرف نماز میں حالت نماز میں قیام میں پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے نامۂ عمل میں سو نیکیاں لکھ دے گا اور اس کی سو برائیاں مٹا دے گا اور اسکو سو درجہ رفعت عطا کرے گا اور جو شخص ختم قرآن کرے گا تو اس کی دعا مستجاب ہوگی خواہ اس میں تاخیر ہو جائے یا تعجیل ہو سائل کہتا ہے میں امامؑ سے دریافت کیا کہ میری جان آپ پر قربان ہو کیا مکمل قرآن ختم کرنے پر ایسا ہو گا تو امام علیہ السّلام نے فرمایا ہاں مکمل قرآن کے ختم کرنے پر۔ [1]

اور کافی نے اپنی سند سے لیث بن ال سلیم سے حدیث مرفوع میں کہا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا کہ اپنے گھروں کو تلاوت قرآن سے منوّر بناؤ اور انھیں قبریں نہ بنا بیٹھو جیسا کہ یہود و نصاریٰ نے کر لیا ہے وہ گرجا گھروں اور عبادت گاہوں میں نمازیں پڑھتے ہیں اور انھوں نے اپنے گھروں کو بالکل معطل کر رکھا ہے اس لیے کہ اگر گھر میں کثرت سے قرآن کی تلاوت کی جائے گی تو اس گھر میں خیر بڑھے گا اس کے مکینوں میں وسعت ہوگی اور گھر آسمان والوں کے لیے چمک دکھلاتے ہیں۔

---

(۱) الکافی، ج۲، ص۶۱۰، ح۱

گیارھواں مقدّمہ

تلاوت کی کیفیت اور آداب تلاوت کے بیان میں۔

کافی نے اپنی سند سے اسحاق بن عمار سے اور وہ امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے امام علیہ السّلام سے سوال کیا کہ میری جان آپ پر قربان ہو میں نے حفظ کرلیا ہے کیا سے حافظے کی مدد سے پڑھنا افضل ہے یا یہ کہ میں قرآن میں دیکھ کر پڑھوں تو امام علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا: نہیں افضل یہ ہے کہ تم مصحف میں دیکھ کر پڑھو کیا تمھیں معلوم نہیں کہ مصحف میں دیکھنا بھی عبادت ہے۔ ۱

اور کافی نے سند سے محمد بن عبداللہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السّلام سے کہا کہ میں ایک رات میں قرآن پڑھتا ہوں امام علیہ السّلام نے فرمایا مجھے اس بات سے حیرت نہیں ہوئی تمھیں چاہیے کہ ایک مہینہ سے کم میں قرآن ختم کرو۔ ۲

کافی اپنی سند سے ابوبصیر سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے امام جعفر صادق علیہ السّلام سے دریافت کیا میری جان آپ پر قربان ہو یہ فرمایئے کہ کیا ماہ رمضان میں ایک شب میں قرآن ختم کرنا میرے لیے مناسب ہوگا امام نے فرمایا نہیں میں نے کہا دو راتوں میں فرمایا نہیں تو پھر میں نے کہا تین شبوں میں تو امام نے فرمایا بے شک اور اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا پھر فرمایا اے ابومحمد یقیناً رمضان المبارک کا حق اور احترام ہے دوسرے مہینہ اس کی برابری نہیں کرسکتے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے اصحاب قرآن کریم کو ایک ماہ یا اس سے کم میں ختم کرتے تھے قرآن کو جلدی جلدی نہیں پڑھنا چاہیے بلکہ ٹھہر ٹھہر کے پڑھنا اس کا حق ہے جب تم کسی آیت کی تلاوت کرو جس میں جنت کا ذکر ہے تو اس وقت تم اللہ تعالیٰ سے جنت کی درخواست کرو اور جب ایسی آیت کی تلاوت کررہے ہو جس میں جہنم کا تذکرہ کیا جارہا ہو تو وہاں ذرا ٹھہر کر اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرو کہ وہ تمھیں جہنم سے بچائے۔ ۳

اور کافی نے اپنی سند سے عبداللہ بن سنان سے روایت کی ہے انھوں نے کہا کہ میں نے امام صادق علیہ

(۱) الکافی، ج ۲، ص ۶۱۳۔ ۶۱۴، ح ۵ (۲) الکافی، ج ۲، ص ۶۱۷، ح ۱ (۳) الکافی، ج ۲، ص ۶۱۷، ح ۲

السّلام سے اللہ تعالٰی کے قول "وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا" کے بارے میں سوال کیا امام علیہ السّلام نے فرمایا کہ حضرت علی علیہ السّلام نے فرمایا ہے اس کی مکمل طور سے وضاحت کردو اور شعر کی طرح اسے جلدی جلدی نہ پڑھو اور نہ ہی اس طرح علیحدہ علیحدہ کر کے جیسے ریت کو بکھیر دیتے ہو لیکن تم اپنے سخت دلوں کو اس سے خوف زدہ کرو اور تم میں سے ہر ایک کا مقصد جلد از جلد سورہ کو مکمل کرنے کا نہ ہو۔[1]

اور دوسری روایت میں ہے کہ امیر المؤمنین علیہ السّلام سے ترتیل قرآن کے بارے میں سوال کیا گیا تو امام علیہ السّلام نے فرمایا کہ وہ اس کے موقوفات کا خیال رکھنا اور حروف کا بیان کرنا ہے۔[2]

وقف سے مراد وقف تام اور وقف حسن ہے اور بیان حروف سے مراد اس کی معتبر صفات ہیں جیسے جہر، ھمس، اطباق اور استعلا وغیرہ امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ ترتیل سے مراد ہے کہ تم ٹھہر ٹھہر کر پڑھو اور اپنی آواز کو خوبصورت بناؤ۔[3]

اور کافی اپنی نے سند سے امام صادق علیہ السّلام سے روایت کی ہے آپ نے فرمایا کہ قرآن غم زدہ کرنے والے انداز میں نازل ہوا ہے تم اسے اندوہ وغم سے پڑھو۔[4]

کافی نے اپنی سند سے امام صادق علیہ السّلام سے روایت کی ہے آپ نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم فرمایا ہے کہ ہر شے کی زینت ہوتی ہے اور قرآن کی زینت خوب صورت آواز ہے۔[5]

اور امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ امام علی بن حسین زین العابدین علیہ السّلام بہت خوبصورت آواز میں قرآن کی تلاوت فرماتے تھے سقا حضرات جب وہاں سے گزرتے تو دروازے پر کھڑے ہو کر قرآن کی تلاوت سنا کرتے تھے اور امام محمد باقر علی السّلام بھی سب سے زیادہ اچھی آواز میں تلاوت فرمایا کرتے تھے۔[6]

اور کافی نے سند سے علی بن محمد نوفلی سے اور انھوں نے ابوالحسن علیہ السّلام سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں ان کے سامنے آواز کا تذکرہ ہوا تو امام علیہ السّلام نے فرمایا کہ علی بن حسین زین العابدین علیہ السلام خوب صورت آواز میں قرآن کی تلاوت فرمایا کرتے تھے کبھی ایک شخص وہاں سے گزرا تو ان کی خوبصورت آواز کو سن کر اس نے ایک چیخ بلند کی اور بے ہوش ہو گیا اور اگر امام اس شے کا اظہار کرتے تو اس کی خوبصورتی کے سبب لوگ اسے برداشت نہیں کر پاتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم لوگوں کے ساتھ نماز پڑھتے وقت تلاوت قرآن میں اپنی آواز کو بلند نہیں فرماتے تھے تو امام علیہ السّلام نے فرمایا کہ رسول اکرم اتنا ہی بوجھ ڈالتے تھے ان کے پیچھے نماز پڑھنے والے لوگ جسے برداشت کر سکیں۔[7]

اور کافی نے اپنی سند سے ابو بصیر سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السّلام سے

---

(۱) الکافی، ج ۲، ص ۶۱۴، ح ۱ (۲) المحجة البیضاء، ج ۲، ص ۲۲۵ (۳) مجمع البیان، ج ۹۔۱۰، ص ۳۷۸
(۴) الکافی، ج ۲، ص ۶۱۴، ح ۲ (۵) الکافی، ج ۲، ص ۶۱۵، ح ۹ (۶) الکافی، ج ۲، ص ۶۱۶، ح ۱۱
(۷) الکافی، ج ۲، ص ۶۱۵، ح ۴

سوال کیا کہ میں جب قرآن پڑھنے لگا اور میری آواز بلند ہوئی تو شیطان نے آکر مجھ سے کہا تم اس طرح اپنے اہل وعیال اور لوگوں کو دکھاوا کر رہے ہو؟ امام علیہ السّلام نے فرمایا اے ابومحمد تم اس طرح قرأت کرو جو دو قرأتوں کے درمیان ہو اس طرح کہ تمھارے اہل وعیال سن لیں اور قرآن کو ترجیع (آواز کو حلق میں گھمانا) کے ساتھ پڑھو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اچھی آواز کو پسند کرتا ہے یعنی وہ لہجہ جس میں لحن ہو۔ ۱

اور کافی نے اپنی سند سے عبداللہ بن سنان سے روایت کی ہے اور انھوں نے امام جعفر صادق علیہ السّلام سے امام علیہ السّلام نے فرمایا تم قرآن کی تلاوت عرب کے لحن اور لہجے میں کرو۔ خبردار صاحبان فسوق اور گناہان کبیرہ کرنے والوں کے لہجے کو اختیار نہ کرنا اس لیے کہ میرے بعد ایسے لوگ آئیں گے جو قرآن کو گٹکڑی کے ساتھ گانے، نوحے اور رہبانیت کے انداز میں پڑھیں گے ان کا پڑھنا جائز نہ ہونا ان کے دل بدلے ہوئے ہوں گے اور جو بھی ان کی کیفیت کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھے گا ان کے دل بھی منقلب ہوں گے۔ ۲

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا ہے قرآن کو اپنی آوازوں سے آراستہ کرو۔ ۳

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے مروی ہے کہ قرآن رنج وحزن کے ساتھ نازل ہوا جب تم اس کی تلاوت کرو تو گریہ کرو اگر گریہ نہ کرسکو تو رونے والے کی صورت بنا لو اور لحن کے ساتھ قرآن کی تلاوت کرو اگر کوئی لحن کے ساتھ قرآن کی تلاوت نہیں کرتا تو اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں۔ ۴

مجمع البیان میں فرمایا کہ حدیث میں جو تغنّوا کے الفاظ ہیں وہ درحقیقت استغنا کے معنیٰ میں ہیں اور علما کی اکثریت اس بات کی قائل ہے کہ تغنوا سے مراد آواز کو خوب صورت بنانا اور اس میں حزن وملال پیدا کرنا ہے۔ ۵

میں کہتا ہوں کہ ان روایات سے مستفاد ہوتا ہے کہ قرآن کو لحن سے اور گٹکڑی کے ساتھ پڑھنا جائز ہی نہیں بلکہ مستحب بھی ہے اب جو وہ روایات ہیں جن میں غنا کے ساتھ پڑھنے کو منع کیا گیا ہے جو اپنے مقام پر بیان ہوں گی تو ہم انھیں صاحبان فسق و فجور اور گناہان کبیرہ کے مرتکب افراد کے لحن پر محمول کر سکتے ہیں ائمہ علیہم السّلام کے زمانے میں فاسقین اور بنوامیہ اور بنوعباس کے بادشاہوں میں جس کا عام رواج تھا کہ گانے والیاں مردوں کے درمیان گانا گاتی تھیں اور غلط باتیں سناتیں تھیں اور آلات موسیقی میدان اور قضیب وغیرہ کے ساتھ لہو ولعب میں مشغول رہتی تھیں۔

فقیہ میں روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت علی بن حسین علیہ السّلام سے سوال کیا کہ کیا ایسی کنیز کا خریدنا جائز ہے جس کی آواز خوبصورت ہو تو امام علیہ السّلام نے فرمایا ہاں کوئی مضائقہ نہیں اگر تم اسے خریدو گے تو وہ تمھیں جنت کی یاد دلائے گی امام علیہ السّلام نے فرمایا تلاوت قرآن کرے اور زہد اور ایسے فضائل کی تلاوت کرنا

---

(۱) الکافی، ج ۲، ص ۶۱۶، ح ۱۳ (۲) الکافی، ج ۲، ص ۶۱۴، ح ۳

(۳) مجمع البیان، ج ۱-۲، ص ۱۱ وسنن نسائی، ج ۲، ص ۱۷۹ (۴) مجمع البیان، ج ۱-۲، ص ۱۶ (۵) مجمع البیان، ج ۱-۲، ص ۱۶

جن کا موسیقی سے کوئی تعلق نہیں ہو، جائز ہے۔ جہاں تک غنا (گانے) کا تعلق ہے تو اس سے منع کیا گیا ہے۔ ۱

کتاب کافی اور تہذیب میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے امام علیہ السّلام نے فرمایا ایسی مغنیہ کو اجرت دینے میں کوئی مضائقہ نہیں جو دلہنوں کی رخصت کی تقریب میں شریک ہو نہ کہ وہ جہاں مرد داخل ہوتے ہوں۔ ۲

اور اس مفہوم سے متعلّق دوسری روایات بھی ہیں اور فقیہ کے کلام سے یہ پتا چلتا ہے کہ حلت اور حرمت کی بنیاد اس چیز پر ہے جسے گایا جارہا ہے اور دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اجنبی ورت کی آواز سننا حرام ہے تم اس پر غور کرو تم اس پر غور کرو۔

کتاب مصباح الشریعہ میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص قرآن کی تلاوت کرتا ہے اور وہ اس کے لیے خضوع نہیں کرتا اور آنسو نہیں بہاتا اور اپنی خوشی میں حزن و ملال کو جگہ نہیں دیتا تو گویا کہ وہ عظمت خداوندی کی توہین کا مرتکب ہوتا ہے اور واضح نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوتا ہے قرآن کے قاری کو تین چیزوں کی ضرورت ہے عاجزی کرنے والا دل، فارغ جسم اور خالی جگہ اس لیے کہ اگر وہ اپنے دل کو اللہ کے سامنے جھکا دے گا تو شیطان رجیم اس سے فرار اختیار کر لے گا اور جب اس کا جسم اشیا سے خالی ہوگا تو وہ اپنے دل کو قرأت کے لیے مخصوص کر دے گا تو اس کے لیے کوئی رکاوٹ آڑے نہیں آئے گی جو اسے نور قرآن اور اس کے فوائد سے محروم کر دے اور جب وہ خالی جگہ تلاش کر لے گا یا مخلوقات سے کنارہ کش ہو جائے گا اور سابقہ بیان کردہ دونوں خصلتیں اس کے پاس ہوں گی تو اس کی روح، اللہ سے مانوس ہوگی اور وہ اللہ سے راز و نیاز کر رہا ہوگا اور اسے محسوس ہوگا کہ اللہ جب اپنے صالح بندوں سے خطاب کرتا ہے تو اس میں کیسی حلاوت ہوتی ہے اور ان پر اللہ کا جو لطف و کرم ہے اسے ان کا علم ہو جائے اور انھیں جو مخصوص مقام حاصل ہے وہ اسے جان لے گا اللہ کی بزرگی کو قبول کرنے کے سبب اور اس کے اشارات کی ندرت کو سمجھنے کی وجہ سے پس جب وہ اس شراب کا ایک جام پی لے گا تو اس وقت وہ اس حالت کو چھوڑ کر کسی اور حالت کو پسند نہیں کرے گا اور نہ اس لمحے کو ترک کر کے کوئی اور لمحہ اپنے لیے اختیار کرے گا بلکہ وہ اسے ترجیح دے گا ہر اطاعت اور ہر عبادت پر اس لیے کہ اس میں رب سے بلاواسطہ مناجات ہے تو یہ دیکھو کہ تم اپنے رب کی کتاب اور منشور ولایت کی تلاوت کس انداز میں کر رہے ہو؟ اور اس کے اوامر و نواہی کا جواب کس طرح دے رہے ہو؟ اور اس کے حدود کو کس طور سے اختیار کر رہے ہو اس لیے کہ وہ ایسی بلند و بالا کتاب ہے لَّا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ۖ تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ﴿٤٢﴾ (سورہ فصلت ۴۱ / آیت ۴۲) باطل نہ تو اس کے سامنے سے آسکتا ہے اور نہ ہی اس کے پیچھے

---

(۱) من لایحضرہ الفقیہ، ج ۴، ص ۴۲، ح ۱۳۹۷

(۲) الکافی، ج ۵، ص ۱۲۰، ح ۳ و تہذیب الاحکام، ج ٦، ص ۳۵۷، ح 1022

سے یہ صاحب حکمت اور قابل حمد کی نازل کردہ کتاب ہے تمھیں چاہیے کہ اسے ٹھہر ٹھہر کر خوبصورت انداز میں پڑھو اور اس کے وعدے اور وعید کے پاس رک جاؤ اور اس کے امثال اور مواعظ پر غور و فکر کرو اور اس بات سے بچو کہ کہیں تمھارے رکنے سے اس کے حروف ناخواندہ رہنے کے سبب اس کے حدود ضائع نہ ہو جائیں۔[۱]

امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے آپ نے فرمایا خدا کی قسم اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے کلام کے ذریعے بندوں کو اپنا جلوہ دکھایا لیکن وہ لوگ اسے دیکھ نہیں رہے ہیں۔[۲]

نیز یہ بھی فرمایا جب لوگوں نے ان سے سوال کیا اس حالت کے بارے میں جو نماز پڑھتے ہوئے ہوگئی تھی کہ وہ غش کھا کر گر گئے تھے جب انھیں ہوش آیا تو فرمایا کہ میں مسلسل آیت کو اپنے قلب پر دہراتا اور اپنی سماعت پر تکرار کرتا رہا یہاں تک کہ میں اسے کلام کرنے والے سے خود سنا تو اس وقت میرا جسم اس کی قدرت کو ملاحظہ کرنے کے لیے اپنی جگہ نہیں رہا۔[۳]

میں کہتا ہوں کہ اس کی تلاوت کے لیے دوسرے آداب بھی ہیں ان میں سے ظاہری آداب ہیں طہارت، استفادہ، قرآن کی تعظیم، اور اول و آخر دعا طلب کرنا وغیرہ۔

اور ان میں سے کچھ باطنی آداب ہیں جیسے حضور قلب، تدبر و تعقل اور فہم کی رکاوٹوں کو دور کرنا اور ہر خطاب کو اپنے آپ سے مخصوص سمجھنا اور اپنے دل کو مختلف آثار سے متاثر کرنا اور دل کو اس بلندی پر پہنچا دینا کہ کلام کو خود خدا سے سنے نہ اپنی جانب سے، اپنی قوت و طاقت سے بیزاری کا اظہار کرے اور رضامندی کی آنکھ سے خود کی جانب متوجہ ہو اور اس کے علاوہ کلام اور متکلم کی عظمت کو اپنے دل میں موجود جاننے جیسا کہ ہم نے کچھ کی طرف پہلے اشارہ کیا ہے اور ان سب کو ہم نے بیان کیا ہے اور ان کی وضاحت المحجۃ البیضاء نامی کتاب میں کر دی ہے جو ان سے واقفیت حاصل کرنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ اس کتاب کی طرف رجوع کرے۔[۴]

(۱) مصباح الشریعہ، ص۲۸۔۲۹
(۲) المحجۃ البیضاء، ج۲، ص۲۴۷ و احیاء علوم الدین، ج۱، ص۳۳۹
(۳) المحجۃ البیضاء، ج۲، ص۲۴۸
(۴) المحجۃ البیضاء، ج۲، ص۲۴۷

بارھواں مقدّمہ

ہم نے تفسیر میں جو رویہ اختیار کیا ہے، اس کا بیان۔

جب بھی کسی آیت کی توضیح اور تفسیر کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ اس کے معانی سے مطلوب کو سمجھا جا سکے یا تاویل کی ضرورت پڑتی ہے جب آیات متشابہ ہو یا سبب نزول کو جاننے کی ضرورت ہوتی ہے جس پر اس آیت کا فہم اور قبول کرنا موقوف ہوتا ہے یا منسوخ کو جاننا یا تخصیص کو سمجھنا یا دوسرے اوصاف سے واقفیت حاصل کرنا ہو تو میں مختصر طور پر عرض کر رہا ہوں کہ لفظ کی تشریح اور مفہوم سے اگر کچھ زائد بیان کرنا ہو تو پھر احتیاج ہوتی ہے کہ معصوم سے بات سنی گئی ہو پھر اگر ہم اس کا شاہد محکمات قرآن سے پالیتے ہیں جو اس پر دلالت کرے تو ہم اسے بیان کر دیتے ہیں اس لیے کہ قرآن کی بعض آیتیں بعض کی تفسیر کرتی ہیں اور ہمیں آئمہ حق کی جانب سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم متشابہات قرآن کو محکمات قرآن کی طرف لوٹائیں اگر ہمیں اس میں کامیابی نہیں ہوتی تو ہم حدیثِ معتبر جو اہل بیت علیہم السّلام سے کتب معتبرہ میں ہمارے اصحاب رضوان اللہ علیہم کے سلسلہ روایت سے وارد ہوتی ہیں انھیں پیش کرتے ہیں یا ہم ان روایات کو لاتے ہیں جن کی روایت ائمہ علیہم السّلام سے عامّہ کے ذریعے سے ہوئی ہے اس لیے کہ ان حدیثوں کی نسبت معصوم سے ہے اور کوئی شے اس کے مخالف نہیں ہے۔

اس کی مثال ہمیں احکام میں ملتی ہے جیسا کہ امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جب تمھیں کوئی نیا معاملہ پیش آئے اور ہم سے جو روایات تم تک پہنچی ہیں اس میں اس کے بارے حکم موجود نہ ہو تو یہ دیکھو کہ لوگوں نے حضرت علی علیہ السّلام سے اس بارے میں کیا روایت کی ہے اور اس پر عمل کرو، اسے روایت کیا ہے شیخ طوسی نے عمدہ میں۔

اور اگر ہم ائمہ علیہم السّلام سے اس بارے میں کسی حدیث تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوتے تو ہم ان کے علاوہ دیگر علمائے تفسیر سے جو روایات ہم تک پہنچی ہیں اگر وہ قرآن کے موافق ہوں اور معنی کے اعتبار سے احادیث ائمہ کے مانند ہوں تو انھیں قبول کر لیتے ہیں اگر ہمیں سند کے اعتبار سے ان احادیث پر اعتماد

(۱) عدۃ الاصوال، ج ۱، ص ۳۷۹

نہیں ہوتا تو ہم موافقت مشابہت اور درست روی کے اعتبار سے ان پر اعتماد کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا ہے ہر حق کے اوپر ایک اور حقیقت ہوتی ہے اور ہر درست بات پر ایک نور ہوتا ہے پس جو حدیث کتابِ خدا کے مطابق ہو اسے لے لو اور جو حدیث کتاب اللہ کے مخالف ہو اسے چھوڑ دو۔[۱]

امام صادق علیہ السّلام نے فرمایا اگر کوئی بھی روایت تم تک کسی نیکوکار یا بدکار سے پہنچے تو اگر وہ قرآن کے موافق ہو تو اسے لے لو اور اگر کسی بر و فاسق سے کوئی روایت ملے اور وہ قرآن کے خلاف ہو تو اسے قبول نہ کرو۔[۲]

امام کاظم علیہ السّلام نے فرمایا اگر تم تک دو حدیثیں ایسی پہنچیں جو باہم مختلف ہو تو تم انھیں کتاب اللہ اور ہماری احادیث پر منقسم کردو پس اگر ان دونوں سے مُشابہ ہوں تو درست ہیں اور اگر مشابہت نہ رکھتی ہوں تو باطل ہیں۔[۳]

اور جس آیت کے بارے میں بہت سی احادیث وارد ہوتی ہیں اگر ان میں زیادہ اختلاف نہیں ہے تو ہم نے ان میں سے ان احادیث کا انتخاب کیا ہے جو مجامع (جو سب کا مجموعہ ہو) ہیں اور اس مفہوم کی دیگر احادیث کو ترک کر دیا ہے۔

اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے اور طوالت سے بچتے ہوئے اور جب اعتماد ہمیں مجبور کرتا ہے تو ہم اس کے متعدد ہونے اور بکثرت ہونے کی جانب بھی اشارہ کر دیتے ہیں اور اگر ان میں باہمی اختلاف ہو تو ہم ان میں صحیح ترین، احسن ترین اور جس کا فائدہ عمومی ہوتا ہے اسے نقل کرتے ہیں اور اپنے مقدور بھر اختلاف کے مقامات کی جانب بھی اشارہ کرتے ہیں اور جو لفظ مفہوم اور نکات کی تشریح کے محتاج نہیں ہیں جن کا تعلّق رسمی علوم سے ہے اور جن میں معصوم سے سننے کی چنداں ضرورت نہیں ہے تو ہم نے اس میں مفسرین ظاہرین کے احسن اور مختصر بیان کو لیا ہے، مگر سورہ بقرہ کا ابتدائی حصہ جس میں گائے کا ذکر ہے اس کی اکثر تفسیر ماخوذ ہے اس تفسیر سے جو منسوب ہے مولانا زکی ابی محمد العسکری علیہ السّلام کی طرف جن میں اکثر خود آپ کی بیان کردہ ہے اور کچھ کی روایت وہ اپنے آباؤاجداد سے کرتے ہیں، ہم نے ان میں سے کچھ کو ان کے الفاظ اور عبارات کے ساتھ نقل کیا ہے اور کچھ کے صرف معانی ومفہوم پر اکتفا کیا ہے اور کچھ ہم نے اس کے علاوہ دوسرے مقامات سے ان سے حاصل کی ہیں پھر امام سے ایسی روایات ہیں ہم نے ان کی جانب جن کی نسبت دی ہے اور کچھ کی نسبت امام کی جانب نہیں ہے اور کچھ ایسی احادیث ہیں جن کی نسبت نہ تو امام کی طرف ہے اور نہ ان کے غیر کی طرف تو ایسی حدیثیں آپ سے نادر الوجود ہیں الفاظ کی تشریح کے ساتھ اور اس میں کوئی اختلاف رونما نہیں ہوا اور کلام غیر سے جدا کرنے کے لیے یہ نسبت دی گئی ہے اور اگر قرآن سے جدا ہو تو پھر کوئی نسبت نہیں ہے اور جیسا کہ امام سے اس

---

(۱) الکافی، ج۱، ص۶۹، ح۱ (۲) تفسیر عیاشی، ج۱، ص۸، ح۳ (۳) تفسیر عیاشی، ج۱، ص۹، ح۷

بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ ۲

"کتاب الخصال" میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ نماز میں بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کو بالجہر پڑھنا ضروری ہے۔ ۳

"تفسیر عیاشی" میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے آپ نے فرمایا ان لوگوں کو کیا ہوگیا ہے اللہ انھیں ہلاک کر ڈالے جنھوں نے کتاب اللہ کی سب سے عظیم آیت کے بارے میں یہ گمان کیا کہ اس کا ظاہر کرنا بدعت ہے۔ ۴

امام محمد باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کتاب اللہ کی (سب سے زیادہ نفیس) آیت: بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔ کو چرالیا گیا ہے جب کہ یہ لازم ہے کہ ہر چھوٹے اور بڑے کام کے آغاز کے وقت اسے بابرکت بنانے کے لیے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔ کی تلاوت کی جائے۔ ۵

"کتاب الکافی" میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ ہر کام سے پہلے "بِسۡمِ اللّٰہِ" کہنے کو اپنا معمول بناؤ اور اسے ترک نہ کرو خواہ اس کے بعد شعر ہی کیوں نہ پڑھا جائے۔ ۶

"توحید" ۷ اور "تفسیر امام حسن عسکری علیہ السّلام" میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ ہمارے شیعوں میں سے جو بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کی تلاوت کو ترک کردے گا تو اللہ تعالیٰ کسی ناپسندیدہ چیز کے ذریعے اس کا امتحان لے گا تاکہ اسے شکر وثنا کی جانب متوجہ کیا جائے اور ترکِ بسم اللہ پر جو کوتاہی اس سے سرزد ہوئی ہے اس کی تلافی کردی جائے۔ ۸

امیر المؤمنین علیہ السّلام سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے مجھ سے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے حدیث قدسی میں فرمایا:

كُلُّ اَمۡرٍ ذِیۡ بَالٍ لَمۡ يُذۡكَرۡ فِيۡهِ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ فَهُوَ اَبۡتَرُ۔

کسی بھی اہم کام کے آغاز میں بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نہ کہا جائے تو وہ کام ناقص رہ جائے گا۔ ۱

۲- اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ۔ سب تعریفیں اللہ کے لیے اس انعام کے سبب سے ہیں جو اس نے ہم پر کیا ہے۔ "کتاب عیون" ۲ اور "تفسیر امام حسن عسکری علیہ السّلام" میں امیر المؤمنین سے مروی ہے کہ جب آپ سے اس آیت کی تفسیر کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بعض نعمتوں کا صرف اجمالی تعارف کرایا ہے اس لیے کہ وہ لوگ تمام نعمتوں کے تفصیلی تعارف پر قادر نہیں ہوسکتے کیوں کہ وہ نعمتیں اتنی زیادہ

---

(۲) تفسیر قمّی، ج ۱ ص ۲۸ (۳) الخصال، ص ۶۴ ح ۹ (۴) تفسیر عیاشی، ج ۱ ص ۲۱-۲۲ (۵) تفسیر نور الثقلین، ج ۱ ص ۶
(۶) الکافی، ج ۲ ص ۶۷۲ (۷) التوحید، ص ۲۳۱ ح ۵ (۸) تفسیر امام حسن عسکری علیہ السّلام، ص ۲۲ ح ۷
(۱) البرہان فی تفسیر القرآن، ج ۱ ص ۴۶ (۲) عیون اخبار الرّضا، ج ۱ ص ۲۸۲

سورہ کی تفسیر میں پایا جاتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ (سورہ بقرہ ۲/آیت ۱۱۵)

پھر اللہ کا قول ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى (سورہ بقرہ ۲/آیت ۱۵۹)

سے لے کر

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ (سورہ بقرہ ۲/آیت ۱۸۰)

پھر امام حسن عسکری علیہ السّلام سے ان آیات کی تفسیر کے ضمن میں دیگر آیات کی تفسیر پائی جاتی ہے یا علیٰحدہ ان کی نسبت سے تفسیر ملتی ہے تو ان شاء اللہ ہم ان کے مقام پر ذکر کریں گے۔ یہ تفسیر نہایت عمدہ بالخصوص الفاظ قرآن اور مفہوم قرآن سے متعلّق ہے جسے فہم قرآن میں خاص دخل ہے اگر چہ ہمارے اصحاب کی جماعت اسے قبول نہیں کرتی اور اس کی سندوں میں طعن و تشنیع کرتی ہے۔

اگر ہم آیت یا حدیث کے بارے میں اپنی جانب سے مزید بیان لانا چاہتے ہیں یا بعض اہل علم و معرفت کے قول کو بیان کرنا چاہتے ہیں کہ جس میں کوئی تناقض کا وہم یا اسی جیسا کوئی وہم پایا جاتا ہے ہم اس میں توافق و جمع چاہتے ہیں تو ہم اپنی رائے اپنے قول اَقُول یا قِیْلَ سے کرتے ہیں تاکہ معصوم کے کلام سے جدا ہوجائے یا وہاں ایسا قرینہ موجود ہو جو خود اسے جدا کردے اور جہاں مزید کشف و بیان کی ضرورت نہیں ہوتی یا وضاحت اور معنیٰ کو مستحکم کرنے یا جس کی معرفت ہوچکی جس کی پہلے تفسیر بیان کی جاچکی ہے جو اس تفسیر کی جگہ لے لیتی ہے ہم نے اس کی تفسیر بیان نہیں کی ہے یا ہم انھیں پہلے بیان کرچکے ہیں ہم ان کی نشان دہی کردیتے ہیں۔

اور کبھی کبھی ہم نحو و صرف اور اشتقاق اور اختلاف قرأت جن سے اصل مفہوم میں کوئی فرق نہیں پڑتا پیش کرتے ہیں اس لیے صاحبان عقل کی نظر الفاظ کی بنیاد سے زیادہ معانی کی طرف ہوتی ہے اور اکثر ہم کسی شے کا راز ذکر کرکے مقصود کو مکمل طور سے ،منکشف کرنے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں پس جو اس کا سزاوار نہیں ہے اسے بھی مجال انکار نہیں ہے وہ اسے اس کے اہل کے لیے چھوڑ دیتا ہے اس لیے کہ ہر کام کا کوئی نہ کوئی اہل ہوتا ہے اور یہ بھی ائمہ کرام کا ہی خزانۂ علم ہے ہم نے جن کی عبارتوں سے استفادہ کیا ہے اور ان کا پوشیدہ راز ہے ہم نے جن کے اشارات سے استنباط کیا ہے خلوص ،ولا و محبت سے مغز اور عقل کا رس چوس کر اور اللہ ہی کے لیے ہر طرح کی ہے حمد ہے۔

اور ہم نے اصحاب کی جن کتابوں سے حوالے نقل کیے گئے تو ہم نے بطور اختصار کتابوں کے نام لکھنے میں صرف مضاف کو لے لیا ہے جیسی شیخ ابوعلی طبرسی کی کتابوں کے لیے مجمع اور جوامع اور شیخ صدوق ابی جعفر محمد بن بابویہ قمی کی تصانیف کے نام توحید عیون ،علل ،اکمال ،معانی ،مجالس اور اعتقادات اور جیسے محمد بن شہر آشوب کی

کتاب کے لیے المناقب اور ابوجعفر طوسی کی کتابوں کے نام تہذیب غیبہ اور امالی اور کتاب من لایحضرہ الفقیہ کے لیے صرف فقیہ اور علی بن ابراہیم قمی اور محمد بن مسعود عیاشی کی تفسیر کو تفسیر امام سے تعبیر کیا گیا ہے اور معصوم کی تعبیر کے لیے نام کے بعد لقب کا ذکر تعظیم کے لیے کیا گیا ہے اور چوں کہ بعض کنیتیں مشترک ہیں ان سے بچنے کے لیے نام بھی لیا ہے۔

اور اس کا مقصد اختصار کو بھی ملحوظ رکھنا تھا اور جب ہم معصوم کے قول کے لیے عنہ کی ضمیر استعمال کرتے ہیں تو اس کا مرجع وہ امام ہوتا ہے سابق میں جس کا ذکر کیا جاچکا ہے اور ہم جب بھی کتاب کا نام نہ لیں تو گویا کہ وہ روایت اسی کتاب میں ہے جس کا نام یا مصنف کا نام پہلے مذکور ہو چکا ہے الّا یہ کہ جو حدیث لفظ ''روی'' سے شروع ہوتی ہے قمی کبھی معصوم کی سند بیان کرتے ہیں اور کبھی سند بیان نہیں کرتے اور اکثر یہ کہتے ہیں ''قال'' فرمایا بظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد امام جعفر صادق علیہ السّلام ہیں اس لیے کہ شیخ ابوعلی طبرسی امام صادق علیہ السّلام سے روایت کرتے ہیں جس میں ضمیر لاتے ہیں اور اسے سنداً امام صادق علیہ السّلام تک لے جاتے ہیں اور ہم انھیں کی بیان کردہ ضمیر کے مطابق روایت کرتے ہیں۔

اور ہم نے اسانید مکمل طور پر حذف کر دی ہیں اس لیے کہ اس زمانے میں جو حدیث سے بہت بعد کا دور ہے اختلاف اور اشتباہ کے ساتھ ساتھ لوگوں کو اس علم کی بہت ہی کم معرفت ہے۔

اور دوسری طرف ہم ان احادیث کو جن کی سندیں بیان نہیں کی گئی ہیں بہت کم صحیح سمجھتے ہیں اور ان تمام امور میں اللہ تبارک وتعالیٰ ہی سے مدد کے طلب گار ہیں اور ہم اس کے سوا کوئی اور راستہ اختیار نہیں کرتے۔

تو اے برادران ایمانی!

خُذُوْا مَآ اٰتَیْنٰکُمْ بِقُوَّۃٍ (سورہ بقرہ ۲/آیت ۶۳)

جو کچھ ہم تمھارے پاس لے کر آئے ہیں اسے مضبوطی سے تھام لو!

قَدْ جَآءَتْکُمْ مَّوْعِظَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ (سورہ یونس ۱۰/آیت ۵۷)

تمھارے پاس تمھارے رب کی جانب سے موعظت اور جس میں سینوں کے لیے شفا ہے وہ کتاب آچکی ہے۔

یَھْدِیْ بِہِ اللّٰہُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَہٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَیُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ (سورہ مائدہ ۵/آیت ۱۶)

اللہ اس کتاب کے ذریعے جو اس کی رضا کی اتباع کرتا ہے اسے سلامتی کے راستوں کی جانب ہدایت کرتا ہے اور انھیں اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لے جاتا ہے۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ٥

میں خداوند سمیع و علیم کی پناہ چاہتا ہوں شیطان مردود سے۔

''تفسیر امام حسن عسکری علیہ السّلام'' میں امیر المومنین علیہ السّلام سے مروی ہے کہ:

اَعُوْذُ- یعنی میں حفاظت میں آنا چاہتا ہوں۔

بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ- اس اللہ کی جو منتخب روزگار افراد اور سب کی باتوں کا سننے والا نیز ہر بات کا سننے والا ہے، خواہ وہ علانیہ کہی جائے یا پوشیدہ طور سے کہی جائے۔

الْعَلِیْمِ- جو نیکوکاروں اور بدکاروں کے ہر عمل سے واقف، اور ہر اس بات کو جانتا ہے جو ہو چکی ہے یا ہونے والی ہے اور جو ابھی تک نہیں ہوئی ہے اور اگر ہوگی تو وہ کس طرح ہوگی، اسے ان سب باتوں کا علم ہے۔

مِنَ الشَّیْطَانِ- شیطان سے، جو ہر خیر سے دور ہے۔

الرَّجِیْمِ- جس پر لعنت کی جاتی ہے۔ جسے مقاماتِ خیر سے راندۂ درگاہ کر دیا گیا ہے۔[1]

''معانی الاخبار'' میں امام علیہ السّلام سے مروی ہے کہ ''رجیم'' کے معنی ہیں جس پر لعنت کی جائے، جسے خیر سے دور کر دیا جائے۔ ہر مومن اسے لعنت کے ساتھ یاد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علمِ سابق میں ہے کہ جب حضرت قائم علیہ السّلام کا ظہور ہوگا تو اس وقت ہر مومن شیطان کو سنگسار کرے گا، جس طرح پہلے اس پر لعنت کی جاتی تھی۔[2]

''تفسیر امام حسن عسکری علیہ السّلام'' میں وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر لازم قرار دیا ہے کہ وہ تلاوتِ قرآن کرتے وقت شیطان کے شر سے اللہ کی پناہ طلب کریں۔ ارشادِ ربّ العزت ہے:

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۹۸ اِنَّہٗ لَیْسَ لَہٗ سُلْطٰنٌ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰی رَبِّہِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ ۹۹ اِنَّمَا سُلْطٰنُہٗ عَلَی الَّذِیْنَ یَتَوَلَّوْنَہٗ وَالَّذِیْنَ ہُمْ بِہٖ مُشْرِکُوْنَ ۱۰۰

(۹۸-۱۰۰: النحل-۱۶)

جب تم قرآن کی تلاوت کرنے لگو تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ طلب کیا کرو، کیوں کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور اپنے رب پر توکّل کرتے ہیں، ان پر اس کا زور نہیں چلتا۔ بس اس کا زور تو انھی لوگوں پر چلتا ہے جو اس کی رفاقت کو پسند کرتے ہیں اور جو اللہ کا شریک مقرر کرتے ہیں۔[3]

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ استعاذہ یہ ہے کہ اپنی زبان کو غیر اللہ کے ذکر سے پاک کر کے ذکرِ خداوندی اور تلاوت کے قابل بنایا جائے اور دل کو وسوسے کی آلودگی سے طاہر کیا جائے تا کہ وہ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے قابل ہو اور حلاوت کو محسوس کرے۔

(۱) تفسیر امام حسن عسکریؑ، ص ۱۶ (۲) معانی الاخبار، ص ۱۳۹ (۳) تفسیر امام حسن عسکریؑ، ص ۱۶

سورۂ فاتحہ

سورۂ فاتحہ مکّی سورت ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مدنی سورت ہے، نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ سورت دو مرتبہ نازل ہوئی، ایک مرتبہ مکّے میں، دوسری بار مدینے میں، اس میں سات آیتیں ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۱﴾
اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۲﴾ۙ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۳﴾ۙ مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ ﴿۴﴾ؕ
اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ﴿۵﴾ؕ اِہۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ﴿۶﴾ۙ صِرَاطَ
الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ ۙ۬ غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا الضَّآلِّیۡنَ ﴿۷﴾ ع

بڑے مہربان نہایت مشفق اللہ کے نام سے۔
کُل ''حمد'' اللہ کے لیے مخصوص ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ جو روزِ جزا کا مالک ہے۔ ہم صرف تیری عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔ ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت کرتا رہ، ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا ہے، جن پر غضب نازل نہیں ہوا، اور جو گم راہ نہیں ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○
بڑے مہربان نہایت مشفق اللہ کے نام سے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔ دراصل بِاسم اللہ تھا اس کی کتابت میں الف کو کثرت استعمال کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے اور اس کے بدلے حرفِ ''ب'' کو طویل کر دیا گیا یعنی ''بِسۡمِ اللّٰہِ'' اس طرح لکھا جانے لگا۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ قریش زمانۂ جاہلیت میں بِسۡمِکَ اللّٰھُمَّ لکھا کرتے تھے یہاں تک کہ جب سورہ ہود میں بِسۡمِ اللّٰہِ مَجۡرٖىہَا وَ مُرۡسٰىہَا (۴۱: سورہ ہود۔ ۱۱) کی آیت نازل ہوئی تو آں حضرتؐ نے حکم دیا کہ بِسۡمِ اللّٰہِ لکھا جائے۔

پھر جب اس آیت کا نزول ہوا کہ قُلِ ادۡعُوا اللّٰہَ اَوِ ادۡعُوا الرَّحۡمٰنَ ؕ اَیًّامَّا تَدۡعُوۡا فَلَہُ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰی (۱۱۰: سورہ الاسراء۔ ۱۷) تو آں حضرتؐ نے حکم صادر فرمایا کہ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ لکھا جائے اس کے بعد جب سورۃ النّمل کا نزول ہوا اور یہ آیت نازل ہوئی: اِنَّہٗ مِنۡ سُلَیۡمٰنَ وَ اِنَّہٗ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۳۰﴾۔ (۳۰: النّمل۔ ۲۷) تو پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے یہ حکم جاری فرمایا کہ خطوط اور مراسلات کے آغاز میں بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کی کتابت کی جائے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔ (سوائے سورۂ توبہ کے) ہر سورت کی آیت ہے یعنی اُس سورہ کا جزو ہے۔

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

"توحید"۱ اور "تفسیر امام حسن عسکری علیہ السّلام" میں امیر المومنین علیہ السّلام سے مروی ہے:
اَللّٰہُ: سے مراد وہ ذات ہے جس کی طرف ہر مخلوق اپنی حاجتوں اور مشکلات میں رجوع کرتی ہے، جب اللہ کے سوا ہر طرف سے امیدیں منقطع ہو جاتی ہیں اور سوائے اس کی ذات کے کوئی اور سبب باقی نہیں رہتا تو بندہ کہتا ہے: بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
یعنی میں اپنے تمام امور میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتا ہوں جس کے علاوہ کوئی عبادت کا حق دار نہیں، وہی فریاد رس اور دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے۔۲
میں (فیض کاشانی) ۳ کہتا ہوں:
یَتَاَلَّہُ اِلَیۡہِ کا مفہوم یہ ہے کہ انسان خدا کا خوف رکھتا ہے، اسی کی پناہ چاہتا ہے اور اسی کی ذات میں سکون حاصل کرتا ہے۔
دوسری روایت میں امیر المومنین علیہ السّلام سے مروی ہے کہ بِسۡمِ اللّٰہِ کے معنی ہیں کہ میں اللہ کے نام سے پڑھ رہا ہوں اور اسی کے نام سے اپنے کام کا آغاز کر رہا ہوں۔۴
"عیون اخبار الرضا"۵ اور "معانی الاخبار" میں امام رضا علیہ السّلام سے روایت ہے کہ بِسۡمِ اللّٰہِ کا مفہوم یہ ہے:
اَسِمُ نَفۡسِی بِسِمَۃٍ مِن سماتِ اللّٰہِ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے کسی نشانی سے میں اپنے آپ کو موسوم کرتا ہوں (یعنی اسی کی عبادت کرتا ہوں) جب امام علیہ السّلام سے سِمَۃ کے معنی دریافت کیے گئے تو آپ نے فرمایا اس سے مراد علامت اور نشانی ہے۔۱
"کتاب توحید"۲ اور "تفسیر امام حسن عسکری علیہ السّلام" میں ہے کہ کسی شخص نے امام جعفر صادق علیہ السّلام سے عرض کیا: اے فرزند رسولؐ آپ خداوند عالم کی ذات والا صفات کے بارے میں میری رہنمائی کیجیے

جب ہم کہتے ہیں: بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔ تو اس کا مفہوم ہوتا ہے کہ اَبۡتَدِاُ بِسۡمِ اللّٰہِ اَوۡ اِبۡتِدَائِیۡ بِسۡمِ اللّٰہِ میں بسم اللہ سے آغاز کر رہا ہوں یا اس کام کا آغاز میں بسم اللہ سے کرتا ہوں تو یہ جملہ مبتدائے محذوف کی خبر ہوگی۔

لفظ "اسم" سمو سے مشتق ہے جس کے معنی بلندی اور رفعت کے ہیں اسی سے بنا ہے سَمَا الزَّرۡعُ یعنی کھیتی لہلہانے لگی۔ "سماء" کے معنی آسمان، اس کی بلندی اور رفعت کی وجہ سے ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ یہ لفظ سِمَۃ سے مشتق ہے جس کے معنی علامت ہیں (جب وہ اس کے لیے وضع کی جائے)۔

(۱) التوحید، ص ۲۳۰-۲۳۱ حدیث ۵، باب۔ ۳۱ (۲) تفسیر امام حسن عسکری علیہ السّلام، ص ۲۱-۲۲
(۳) تفسیر صافی کے مصنف کا قول (۴) البرہان فی تفسیر القرآن، جلد۔ ۱، ص۔ ۶۴
(۵) عیون اخبار الرضا، ج ۱ ص ۲۶۰-۲۶۱
(۱) معانی الاخبار ص۔ ۲، والتوحید ص۔ ۲۲۹، باب ۳۱ (۲) التوحید، ص ۲۳۰-۲۳۱ ح ۵ باب ۳۱

کیوں کہ اکثر لوگ اس بارے میں مجھ سے بحث و تمحیص کرتے اور مجھے پریشان کرتے ہیں تو امام علیہ السّلام نے فرمایا: اے عبداللہ! کیا تم کبھی کشتی میں سوار ہوئے ہو؟ تو اس نے جواب دیا: ہاں مولا مجھے کئی بار موقع ملا ہے تو امامؑ نے فرمایا: کیا کبھی ایسا موقع آیا جب تمھیں احساس ہوا ہو کہ نہ تو کشتی ہی تمھیں بچا سکتی ہے اور نہ ہی پَیر کر تم نجات پا سکتے ہو؟ اس نے جواب دیا: ہاں! تو امامؑ نے فرمایا: کیا اس وقت تمھارے دل میں یہ خیال آیا کہ کوئی ایسی طاقت ہے جو اس ہلاکت (مصیبت) سے تم کو نجات دلا سکتی ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ ہاں مولا، ایسا خیال تو آیا ہے تو امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا: وہی اللہ ہے جو نجات دینے پر قدرت رکھتا ہے جب کوئی نجات دہندہ نہ ہو اور فریاد رسی کرتا ہے جب کوئی فریاد رس نہ ہو۔ (۳)

اور اللہ کے مفہوم سے تعلق رکھنے والی ایک اور حدیث اِن شاء اللہ ہم سورۂ اخلاص (توحید) کے ذیل میں بیان کریں گے۔

امیر المومنین علیہ السّلام سے منقول ہے کہ لفظ ''اللہ'' اسماے الٰہی میں اسم اعظم کی حیثیت رکھتا ہے، اس کے غیر کو اس نام سے موسوم نہیں کیا جا سکتا۔ (۴)

الرَّحْمٰنِ – امیر المومنینؑ سے مروی ہے کہ رحمان وہ ذات ہے جو رزق کو وسعت دے کر ہم پر رحم و کرم کرتی ہے (۵)

اور ایک روایت میں ہے کہ اس کا مفہوم ہے کہ وہ رزق عطا کرنے میں اپنی مخلوق پر مہربان ہے۔ یہ لوگ اگر اس کی اطاعت ترک بھی کر دیں تو وہ پھر بھی ان پر رزق کے دروازے بند نہیں کرتا۔ (۶)

الرَّحِيْمِ – یعنی وہ ہم پر مہربان ہے، ہمارے دین، دنیا اور آخرت میں اس نے دین کو ہمارے لیے آسان اور اس پر عمل کرنے کو نہایت سہل قرار دیا ہے۔

اس کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ وہ ہم پر اس طرح مہربان ہے کہ اس نے ہمیں یہ شعور بخشا ہے کہ ہم اس کے دشمن کو پہچان لیں (اور اس سے دور رہیں)۔ (۷)

میں (فیض کا شانی) کہتا ہوں کہ ہر مخلوق کا رزق وہ ہے جس سے اس کے وجود کو استحکام ہو اور ایسا کمال حاصل ہو جس کا وہ سزاوار ہے۔

رحمتِ رحمانیت تمام موجودات کے لیے عام ہے اور اس کی جملہ نعمتوں پر مشتمل ہے جیسا کہ ارشادِ ربّ العزّت ہے: رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى (۵۰: طٰہٰ، ۲۰)

ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر شے کو زیورِ تخلیق سے آراستہ کیا پھر اس کی ہدایت کا سامان فراہم کیا۔

---

(۳) تفسیر امام حسن عسکریؑ ص۔ ۲۲ ح ۶ (۴) التوحید، ص۔ ۲۳۱ ح ۵ (۵) التوحید، ص۔ ۲۳۲ ح ۵
(۶) تفسیر امام عسکریؑ، ص۔ ۳۴ ح ۱۲ (۷) التوحید، ص ۲۳۲ ح ۵

رحمت اور رحیمیّت کے معنی ہیں دینی اور دنیاوی امور میں توفیق عطا کرنا (اسباب فراہم کرنا) اور یہ صفت مومنین کے لیے مختص ہے۔

بعض احادیث سے اس کی صفتِ رحیم میں کافرین کی شمولیت کا جو پتا چلتا ہے تو وہ محض اس لیے کہ انھیں ایمان کی طرف بلایا جائے اور دین کی دعوت دی جائے۔

ائمہؑ کرام علیہم السّلام کے اقوال سے "تفسیر امام حسن عسکری علیہ السّلام" میں یہ روایت موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں پر رحیم (مہربان) ہے یعنی اس نے ان کے لیے عبادات میں تخفیف کردی ہے۔

اور کافروں پر رحیم (مہربان) ہے یعنی دعوتِ دین میں ان سے نرمی کا سلوک اور برتاؤ کیا جائے۔[۱] اسی وجہ سے امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا ہے:

اَلرَّحْمٰنُ اِسْمٌ خَاصٌ لِصِفَةٍ عَامَّةٍ والرَّحِیْمُ اِسْمٌ عَامٌّ لِصِفَةٍ خَاصَّةٍ۔

رحمان اِسم خاص ہے۔ اس کی صفت عام ہے اور رحیم اسم عام ہے اور اس کی صفت خاص ہے۔[۲]

حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السّلام نے فرمایا "الرحمٰن" یعنی دنیا میں مہربان اور "الرحیم" آخرت میں مہربان، یعنی ان امور میں مہربان ہے جن کا تعلق آخرت سے ہے۔

یہ دونوں روایتیں مشہور تفسیر قرآن "مجمع البیان طبرسی" میں موجود ہیں۔[۳]

کتاب "کافی"،[۴] کتاب "توحید"[۵] اور کتاب "معانی الاخبار"[۶] نیز "تفسیر عیاشی" میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ میں "ب" سے مراد بَهَاءُ الله (اللہ کی شان) "س" سے سَنَاءُ الله (اللہ کی عظمت) اور "م" سے مَجْدُ الله (اللہ کی بزرگی) ہے[۷] اور ایک روایت کے مطابق "م" سے مُلْكُ الله (اللہ کی حکمرانی) مراد ہے۔[۸]

اللہ ہر شے کا معبود ہے وہ رحمان ہے اپنی تمام مخلوقات پر اور رحیم ہے صرف مومنین پر[۹] نیز قمّی نے اپنی تفسیر میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے اسی جیسی روایت بیان کی ہے۔[۱]

"مشکوٰۃ المصابیح" میں روایت ہے جسے "مجمع البیان" نے بھی نقل کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس سو رحمتیں ہیں جن میں سے اس نے ایک رحمت کو زمین پر نازل کرکے اسے بندوں میں تقسیم کردیا جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کے ساتھ شفقت و رحمت کا برتاؤ کرتے ہیں اور ۹۹ رحمتوں کو اس نے خود اپنے لیے مخصوص کرلیا ہے جن سے وہ روزِ قیامت اپنے بندوں پر رحم کرے گا۔[۲] اور روایت میں ہے کہ

---

(۱) تفسیر امام حسن عسکریؑ ص ۳۴ ح ۱۲ (۲) مجمع البیان ج ۱-۲ ص ۲۱ (۳) مجمع البیان ج ۱-۲ ص ۲۱
(۴) الکافی، ج ۱ ص ۱۴ (۵) التوحید، ص ۲۳۰ ح ۲ (۶) معانی الاخبار، ص ۳ (۷) تفسیر عیاشی، ج ۱ ص ۲۲ ح ۱۸
(۸) التوحید، ص ۲۳۰ ح ۳ (۹) تفسیر عیاشی، ج ۱ ص ۲۲ ح ۱۸
(۱) تفسیر قمّی، ص ۲۸ (۲) مجمع البیان، ج ۱-۲ ص ۲۱

وہ اس ایک رحمت کو بھی ان سے واپس لے کر اس میں شامل کر دے گا اور اس طرح رحمت کاملہ کے سو حصّوں کے ساتھ وہ روزِ قیامت اپنے بندوں پر رحم کرے گا۔ ۳؎ "تفسیر امام حسن عسکری علیہ السّلام" میں ان دونوں روایتوں کا مفہوم امیر المومنین علیہ السّلام سے بھی منقول ہے۔ ۴؎

ہر سورت کے آغاز میں بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔ اس سورت کی ایک آیت ہے۔ جب بھی کوئی سورت نازل ہوتی اور سورت سے پہلے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔ کی تلاوت کی جاتی تو یہ معلوم ہو جاتا کہ پہلی سورت ختم ہو چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جو بھی آسمانی کتاب نازل کی اس کا آغاز بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔ سے کیا ہے اس روایت کو عیاشی نے اپنی تفسیر میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے نقل کیا ہے۔ ۵؎

حدیث کی مشہور کتاب "الکافی" میں امام محمد باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ آسمان سے نازل شدہ ہر کتاب کے آغاز میں بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ہے، جب تم نے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کی تلاوت کر لی تو پھر اس بات کی فکر نہ کرو کہ تم نے استعاذہ نہیں کیا (یعنی اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ نہیں پڑھا)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔ کی تلاوت کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ آسمان وزمین کے درمیان واقع ہر شے سے تمھاری حفاظت کرے گا۔ ۶؎

"کتاب عیون" میں امیر المومنین علیہ السّلام سے منقول ہے کہ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔ سورۂ فاتحہ کا جزو ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اس آیۂ مبارکہ کی تلاوت فرماتے تھے اور اسے سورۂ فاتحہ کی ایک آیت شمار کرتے تھے وہ فرماتے تھے کہ فاتحۃ الکتاب سبع مثانی ہے (یعنی سات آیتیں جنھیں دو مرتبہ نازل کیا گیا) ۷؎

"کتاب عیون" ۸؎ اور "تفسیر عیاشی" میں امام علی بن موسیٰ الرضا علیہ السّلام سے منقول ہے کہ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم سے اتنا ہی نزدیک ہے جتنی آنکھ کی سفیدی سے اس کی سیاہی قریب ہے۔ ۹؎

نیز حدیث کی مشہور کتاب "تہذیب الاحکام" میں امام صادق علیہ السّلام سے یہی روایت ملتی ہے۔ ۱؎

"تفسیر قمی" میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔ کا حق یہ ہے کہ اسے بالجہر (زور سے) پڑھا جائے اور یہی وہ اہم آیت ہے جس کے بارے میں ارشادِ رب العزت ہے۔

وَاِذَا ذَکَرۡتَ رَبَّکَ فِی الۡقُرۡاٰنِ وَحۡدَہٗ وَلَّوۡا عَلٰۤی اَدۡبَارِہِمۡ نُفُوۡرًا ۔ (۴۶: الاسراء، ۱۷)

(اے رسول) جب تم قرآن میں اپنے رب کا تنہا ذکر کرتے ہو تو یہ کفار الٹے پاؤں نفرت کرتے ہوئے

---

(۳) مجمع البیان، ج ۱۔۲ ص ۲۱ (۴) تفسیر امام حسن عسکریؑ، ص ۳۷ (۵) تفسیر عیاشی، ج ۱ ص ۱۹
(۶) الکافی، ج ۳ ص ۳۱۳ ح ۳ (۷) عیون اخبار الرّضا، ج ۱ ص ۳۰۱
(۸) عیون اخبار الرّضا، ج ۲ ص ۵ (۹) تفسیر عیاشی، ج ۱ ص ۲۱
(۱) تہذیب الاحکام ج ۲ ص ۲۸۹

تعداد میں ہیں جن کا نہ تو احصا ہوسکتا ہے اور نہ ہی ان کی معرفت حاصل کی جا سکتی ہے۔ اس لیے فرمایا .... کہو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔

یعنی تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں ان نعمتوں کے سبب جو اس نے ہمیں عطا کی ہیں۔ ۳

حدیث کی کتاب ''الکافی''۴ میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو چھوٹی یا بڑی ہر طرح کی نعمت عطا کی ہے تو جب اس نے ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ'' کہا تو گویا اس نے شکرِ نعمت کو ادا کر دیا۔ ۴

رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ- تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

''کتاب عیون'' ۵ اور ''تفسیر امام حسن عسکری علیہ السّلام'' میں امیرالمومنین علیہ السّلام سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ جملہ مخلوقات میں سے ہر گروہ کا مالک، اُن کا خالق اور روزی رساں ہے خواہ وہ اس بات کا علم رکھتے ہوں یا اس بات سے بے خبر ہوں۔ وہ جان داروں کو اپنی قدرت کے دائرے میں متحرک رکھتا ہے، اپنے رزق سے اُن کے لیے غذا مہیا کرتا ہے، انھیں اپنی حفاظت اور پناہ میں رکھتا ہے۔ اُن میں سے ہر ایک کا انتظام اور تدبیر اپنی مصلحت کے اعتبار سے کرتا ہے۔ وہ جمادات کو اپنی قدرت سے قبضہ میں رکھے ہوئے ہے اور جو کچھ ان جمادات سے متصل اور ملحق ہے انھیں ریزہ ریزہ ہونے سے بچائے ہوئے ہے۔ آسمان کی مجال نہیں جو اس کی اجازت کے بغیر زمین پر گر جائے۔ یا زمین اس کے امر کے بغیر دھنس جائے۔ ۶

۳- الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ- جو بڑا مہربان نہایت مشفق ہے۔

کہا گیا ہے کہ صفات مذکورہ میں سے ان دو کی تکرار اس لیے کی گئی تا کہ اس امر سے آگاہ کر دیا جائے کہ اللہ تعالیٰ ہی مستحقِ حمد ہے۔ ۷

۴- مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ- جو روزِ جزا کا مالک ہے۔

''تفسیر امام حسن عسکری علیہ السّلام'' میں ہے یعنی وہ روزِ جزا قائم کرنے پر قدرت رکھتا ہے اور وہ اس روز حق، جزا اور حساب کے اعتبار سے فیصلہ کرے گا۔ ۱

اور اس آیت کو دوسری قرأت کے اعتبار سے مَلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ (روزِ جزا کا بادشاہ) بھی پڑھا گیا ہے۔

''تفسیر عیاشی'' نے روایت کی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السّلام اسی قرأت کے مطابق اتنی زیادہ تلاوت فرماتے تھے جس کی تعداد کا احصا ممکن نہیں۔ ۲

اور ''تفسیر امام حسن عسکری علیہ السّلام'' میں نبی اکرمؐ سے مروی ہے کہ سب سے زیادہ عقل مند وہ ہے جو

---

(۳) تفسیر امام حسن عسکری علیہ السّلام، ص ۳۰ (۴) الکافی، ج ۲ ص ۹۶ ح ۱۴

(۵) عیون اخبار رضا ص ۲۸۳-۲۸۲، ح ۱ (۶) تفسیر امام عسکریؑ، ص ۳۰ (۷) روح المعانی، ج ۱ ص ۸۲

(۱) تفسیر الامام العسکریؑ، ص ۳۸ (۲) تفسیر عیاشی، ج ۱ ص ۲۲-۲۳ ح ۲۲

اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور ایسا عمل انجام دے جو مرنے کے بعد کام آئے اور سب سے بڑا بے وقوف وہ ہے جو خواہشاتِ نفسانی کا اتباع کرے اور اللہ تعالیٰ سے بے جا توقعات وابستہ رکھے۔ [۳]

اور دوسری حدیث میں آیا ہے:

حَاسِبُوْا اَنْفُسَکُمْ قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا وَزِنُوْھَا قَبْلَ اَنْ تُوْزَنُوْا۔

تم اپنے نفوس کا خود جائزہ لے لو قبل اس کے کہ ان کا جائزہ لیا جائے اور خود ہی ان کا وزن کر لو قبل اس کے کہ اُن کا وزن کیا جائے۔ [۴]

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ اس حدیث سے پتا چلتا ہے کہ ہر انسان کو چاہیے کہ اپنے عمل کا حساب اور وزن اسی دنیا میں کر لے تاکہ آخرت میں ان کی ضرورت باقی نہ رہے صاحبانِ عقل ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔

۵- اِيَّاكَ نَعْبُدُ- ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔

"تفسیر امام حسن عسکری علیہ السّلام" میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ تم کہو:

قُوْلُوْا يَاأَيُّهَا الْخَلْقُ الْمُنْعَمُ عَلَيْهِمْ اِيَّاكَ نَعْبُدُ اَيُّهَا الْمُنْعِمُ عَلَيْنَا نُطِيْعُكَ مُخْلِصِيْنَ مُوَحِّدِيْنَ مَعَ التَّذَلُّلِ وَالْخُضُوْعِ بِلاَ رِيَاءٍ وَلاَ سُمْعَةٍ-

اے وہ مخلوق جس پر نعمت نازل کی گئی کہو کہ اے نعمت دینے والے ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں، ہم تیری اطاعت کرتے ہیں اخلاص کے ساتھ تجھ کو یکتا مانتے ہوئے خضوع وخشوع کے ساتھ بغیر کسی ریاکاری اور دکھاوے کے۔ [۵]

عامہ کی روایت میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ "اِيَّاكَ نَعْبُدُ" کے معنی ہیں ہم تجھ سے تیرے غیر کو نہیں چاہتے، ہم تیری عبادت کسی معاوضے اور بدلے کے لیے نہیں کرتے جس طرح جہلا تیری عبادت کیا کرتے ہیں جو اپنے آپ کو تجھ سے دور سمجھتے ہیں (جب کہ ہم عبادت کرتے ہیں تو اپنے آپ کو تیری بارگاہ میں حاضر اور موجود پاتے ہیں جبھی تو کہتے ہیں کہ ہم تیری عبادت کر رہے ہیں)

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ بندہ گفتگو کرتے ہوئے غیب سے خطاب کی طرف منتقل ہوا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد اسے بتدریج قربِ الٰہی میسر ہوا یہاں تک کہ وہ تقرب کی اس منزل پر پہنچ گیا کہ علم حقیقت بن گیا، خبر عالمِ شہود میں آگئی اور غیب حضور میں تبدیل ہو گیا۔

وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ- اور ہم تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔

تو ہماری مدد کر اپنی عبادت اور اطاعت کے لیے، دشمنوں کے شر سے محفوظ رہنے اور ان کے مکر وفریب کو دور

(۳) تفسیر الامام العسکریؑ، ص ۳۸ ح ۱۴ (۴) بحار الانوار، ج ۷۰ ص ۷۳، المحجۃ البیضاء، ج ۸ ص ۱۶۵
(۵) تفسیر الامام العسکریؑ، ص ۳۹

کرنے کے لیے۔ ایسا ہی تفسیر امام حسن عسکری علیہ السّلام میں ہے۔[۱]

کہا گیا ہے کہ نَعۡبُدُ اور نَسۡتَعِیۡنُ میں قاری کے ساتھ ساتھ محافظ فرشتے اور جماعت کے حاضرین بھی شامل ہوتے ہیں اسی لیے یہ لفظیں بصورتِ جمع آئی ہیں یا قاری کے ساتھ تمام موحدین اس آیت میں شامل ہیں مومن اپنی عبادات میں دوسرے افراد کو شامل کرتا ہے اور اپنی ضروریات کو ان کی ضروریات کے ساتھ بیان کرتا ہے تاکہ اس کی برکت سے عبادت قبول ہو اور دعا مستجاب ہو جائے۔ ہوسکتا ہے اسی وجہ سے جماعت کا آغاز ہوا ہو۔

لفظ ''اِیَّاکَ'' کو فعل سے مقدم رکھنے کا سبب تعظیم، اہتمام اور حصر کرنا ہے۔

اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۔ (اے اللہ!) تو ہمیں سیدھی راہ پر چلاتا رہ۔

''کتاب معانی''[۲] اور ''تفسیر امام حسن عسکری علیہ السّلام'' میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اے اللہ! تو ہماری رہنمائی کر ایسے راستے پر ثابت قدم رہنے کی جس کی رسائی تیری محبت تک ہو، اور جو راستہ تیری جنت تک پہنچا دے، جو ہمیں خواہشات کی پیروی سے روک دے جن میں ہلاکت ہے یا ہمیں اپنی رائے پر چلنے سے مانع ہو جائے جو تباہی کی باعث ہے۔[۳]

امیر المومنین علیہ السّلام نے فرمایا کہ اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۔ کے معنی ہیں کہ تو اپنی توفیقات کو ہمیشہ ہمارے شاملِ حال رکھ جن کے سبب ہم نے اپنی گذشتہ زندگی میں تیری اطاعت کی ہے اسی طرح ہم آئندہ زندگی میں بھی تیرے اطاعت گذار اور فرماں بردار رہیں۔[۴]

میں (فیض کا شانی) کہتا ہوں کہ جب بندہ اپنے تمام امور میں ہر لمحہ، ہر لحظہ، ہر ثانیہ اور ہر آن ہدایت ورہنمائی کا محتاج ہے تو ہدایت پر باقی رکھنا دراصل پہلی ہدایت کے بعد دوسری ہدایت ہے اس لیے ہدایت کی یہ تفسیر کہ اے اللہ ہمیں سیدھے راستے پر باقی رکھ۔ آیت کے ظاہری مفہوم سے باہر نہیں ہے۔

نیز امیر المومنین علیہ السّلام سے روایت ہے کہ دنیا میں صراطِ مستقیم وہ ہے جو ہمیں غلو سے روکے، (یعنی ہم غالی نہ بنیں) تقصیر سے بالا تر ہو (یعنی ہم مقصر نہ بنیں) اور بالکل سیدھا ہو (اس میں کسی قسم کی کجی نہ ہو) اور آخرت میں صراطِ مستقیم وہ راستہ ہے جو مومنین کو جنت کی طرف لے جائے۔[۱]

''کتابِ معانی'' میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ یہ اللہ کی معرفت کا راستہ ہے اور صراط کی دو قسمیں ہیں: ۱۔ صراطِ دنیا ۲۔ صراطِ آخرت

صراطِ دنیا سے مراد امام ہے جس کی اطاعت فرض قرار دی گئی ہے جس نے دنیا میں امام کی معرفت حاصل کی

---

(۱) تفسیر الامام العسکریؑ، ص ۴۱ ح ۱۸ (۲) معانی الاخبار، ص ۳۳ ح ۳

(۳) تفسیر الامام العسکریؑ، ص ۴۴ ح ۲۰ (۴) تفسیر الامام العسکریؑ، ص ۴۴

(۱) تفسیر الامام العسکریؑ، ص ۴۴

ہو اور اُن کے نقشِ قدم پر چلا ہوگا تو وہ آخرت میں پل صراط سے آسانی سے گزر جائے گا جو جہنم کے اوپر واقع ہے اور جس نے دنیا میں امام کی معرفت حاصل نہیں کی ہوگی تو روزِ آخرت پل صراط سے اس کے قدم ڈگمگا جائیں گے اور وہ جہنم کی آگ میں گر کر ہلاک ہوجائے گا۔ ۲

امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ صراط سے مراد امیرالمومنین حضرت علی علیہ السّلام ہیں۔ ۳ دوسری روایت میں ہے کہ صراط سے مراد ان کی معرفت بھی ہے۔ ۴ ایک روایت کے بموجب صراط سے مراد امام کی معرفت ہے۔ ۵

ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ معصومین فرماتے ہیں نَحْنُ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيْمُ۔ ہم ہی صراطِ مستقیم ہیں۔ ۶

''تفسیر قمی'' میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ صراط بال سے زیادہ باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہے۔ کچھ لوگ اس کے اوپر سے برق کی مانند گزریں گے اور کچھ تیز رفتار گھوڑے کی طرح، کچھ لوگ پیدل چلتے ہوئے، کچھ ایڑیوں کے بل اور کچھ لوگ لٹک کر اس پر سے گزریں گے تو آتشِ جہنم ان میں سے کچھ افراد کو اپنی گرفت میں لے لے گی اور کچھ افراد کو چھوڑ دے گی۔ ۷

دوسری روایت میں ہے کہ صراط پر اندھیرا اور تاریکی ہے لوگ اپنے اپنے نور کے اعتبار سے اس پر سے گزریں گے۔

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ رازہائے سربستہ کے عارفوں کے نزدیک ان تمام افراد کا انجام ایک ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہر فرد کے لیے ابتدائے آفرینش سے لے کر منتہائے حیات تک کمال کی جانب فطری و باطنی نقلِ مکانی ہوتی رہتی ہے اور طبیعی ونفسانی حرکات جاری رہتی ہیں جو اعمال کو بار بار انجام دینے سے جنم لیتی ہیں اور ان سے مقامات اور احوال کی تخلیق ہوتی ہے تو وہ انسان ایک صورت سے دوسری صورت، ایک تخلیق سے دوسری تخلیق، ایک عقیدے سے دوسرے عقیدے، ایک حال سے دوسرے حال، ایک مقام سے دوسرے مقام، ایک کمال سے دوسرے کمال کی جانب منتقل ہوتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ عالمِ عقلی اور مقربین بارگاہِ خداوندی سے متصل ہوجاتا ہے اور اگر توفیق اس کا ساتھ دے دے تو وہ ملاَ اعلیٰ اور سابقین سے ملحق ہوجاتا ہے اور اگر وہ درمیان میں رہ گیا تو کاملین یا اصحابِ یمین کے زمرہ میں شامل ہوجاتا ہے۔

اور اگر فرجامِ کار رسوائی اس کے دامن گیر ہوگئی اور وہ شیطان کی رفاقت میں پھنس گیا تو اس کا حشر شیاطین اور اصحابِ شمال کے ساتھ ہوگا۔

---

(۲) معانی الاخبار، ص ۳۲ ح ۱ (۳) معانی الاخبار، ص ۳۲ ح ۲ (۴) معانی الاخبار، ص ۳۲ ح ۳
(۵) تفسیر قمی، ج ۱ ص ۲۸ (۶) معانی الاخبار، ص ۳۵ ح ۵ (۷) تفسیر قمی، ج ۱ ص ۲۹

یہ صراط کا مفہوم ہے اور یہ مستقیم اس صورت میں ہوگا جب وہ سالک کو جنت تک پہنچا دے یعنی اس کا نام شریعت ہے جیسا کہ ارشادِ ربّ العزت ہے: وَ اِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ (۵۲ شوریٰ ۴۲)

اور اے نبیؐ آپ بلاشبہ یقیناً صراطِ مستقیم کی جانب ہدایت کرتے ہیں یعنی اللہ کے راستے کی جانب جو توحید، معرفت، اخلاق اور اعمالِ صالحہ کو اختیار کرنے کا درمیانی راستہ ہے۔

المختصر یہ کہ یہ ہدایت و رہنمائی کی وہ صورت ہے جسے مومن نے خود اپنے لیے تخلیق کیا ہے جب تک اس دنیا میں ہے وہ اپنے امام کی رہنمائی میں اقتدا کرتے ہوئے راہِ ہدایت پر گامزن رہتا ہے۔ اور وہ راستہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہے۔ اور تاریک ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی بھی اس تک رہنمائی نہیں پاسکتا جب تک اس کے پاس خدائی نور نہ آجائے جس کے سبب وہ انسانوں میں چلنے پھرنے کے قابل ہو اور ہر فرد پل صراط سے اپنے نور کے مطابق عبور کرے گا۔

میں (فیض کا شانی) کہتا ہوں کہ صراط اور اس پر سے گزرنے والا دونوں کی حقیقت ایک ہے۔ ہر گام پر وہ خود اپنے سر پر اپنا قدم رکھتا ہے یعنی نورِ معرفت کے تقاضوں کے مطابق عمل کرتا ہے جو بمنزلہ سر کے ہیں بلکہ وہ اپنا سر اپنے قدم پر رکھتا ہے یعنی اپنی معرفت کی بنیاد اپنے عمل کے نتیجے پر رکھتا ہے جس کی بنیاد اس نے سابقہ معرفت پر رکھی تھی یہاں تک کہ وہ اللہ تک رسائی کے لیے منازل طے کرتا ہے اور سب کی بازگشت اللہ ہی کی طرف ہے۔

اس بات سے وضاحت ہوتی ہے کہ امام ہی صراطِ مستقیم ہے اور یہ کہ وہی حضرات صراطِ مستقیم پر بغیر کسی کجی کے گامزن ہیں اور یہ کہ امام کی معرفت صراطِ مستقیم اور اس پر گامزن ہونے کی معرفت ہے۔ پس جس نے امام کی معرفت حاصل کرلی اور اس کی راہ پر اپنے نور اور معرفت کے اعتبار سے آہستہ یا تیز چلا تو وہ جنت میں داخل ہوکر اور جہنم سے نجات پاکر کامیابی اور کامرانی سے ہم کنار ہوگا اور جسے امام کی معرفت حاصل نہ ہوگی تو وہ نہیں جانے گا کہ وہ کیا کرے اور اس کا قدم پھسل جائے گا اور وہ جہنم میں گر کر ہلاک ہوجائے گا۔

۷- صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔

ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے نعمتیں نازل کی ہیں۔

"کتاب معانی"[۱] اور "تفسیر امام حسن عسکری علیہ السّلام" میں امیر المومنین علیہ السّلام سے مروی ہے کہ اس کا مفہوم ہے: قُوْلُوْا اِهْدِنَا صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ تم کہو ہماری ہدایت فرما ان لوگوں کے راستے کی طرف جن پر تو نے انعام کیا ہے یعنی کہ انھیں دین پر عمل کرنے اور تیری اطاعت کرنے کی توفیق ملی ہے۔

یہاں انعام سے مراد مال و دولت کی فراوانی اور صحت و تندرستی نہیں ہے اس لیے کہ اس میں تو کفّار اور فاسقین بھی شامل ہیں۔ امام علیہ السّلام نے فرمایا کہ: اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں

---

(۱) معانی الاخبار، ص ۳۶ ح ۹

ارشادِ قدرت ہے:

وَ مَنۡ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیۡقِیۡنَ وَ الشُّہَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیۡنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیۡقًا۔ (۶۹ : النساء ۔ ۴)

اور جو اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کرتا ہے پس وہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے جو نبیوں، صدیقین، شہدا اور صالحین میں سے ہیں اور یہ لوگ بہترین رفیق ہیں۔(۱)

غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ - جن پر تیرا غضب نازل نہیں ہوا یعنی جو غیر مغضوب ہیں فرمایا اس سے مراد یہودی ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: مَنۡ لَّعَنَہُ اللّٰہُ وَ غَضِبَ عَلَیۡہِ (۶۰ : مائدہ ۔ ۵) اللہ نے جس پر لعنت کی اور جس پر غضبناک ہوا۔

وَ لَا الضَّآلِّیۡنَ ۔ اور جو گمراہ نہیں ہیں یعنی جو غیر ضالین ہیں۔

فرمایا کہ ضالین سے مراد نصاریٰ ہیں جن کے بارے میں ارشاد فرمایا:

قَدۡ ضَلُّوۡا مِنۡ قَبۡلُ وَاَضَلُّوۡا کَثِیۡرًا (۷۷: مائدہ ۔ ۵)

جو خود بھی پہلے گمراہ ہوئے اور بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا۔

"تفسیر امام حسن عسکری علیہ السّلام" میں مزید یہ جملہ بھی ملتا ہے کہ امیر المومنین علیہ السّلام نے فرمایا کہ جس نے بھی اللہ تعالیٰ کا انکار کیا وہ "مغضوب علیہ" ہے اور راہِ خدا سے بھٹکا ہوا (ضال) ہے۔(۲)

"کتاب معانی" میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے منقول ہے کہ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ سے مراد حضرت علی علیہ السّلام کے شیعہ ہیں یعنی اے اللہ تو نے ان پر ولایتِ علیؑ بن ابی طالبؑ کے ذریعے انعام کیا ہے نہ ان پر غضب نازل ہوا اور نہ وہ گمراہ ہوئے۔(۳)

امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ منعم علیہم (جن پر نعمتیں نازل ہوئیں) سے مراد حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور ان کی ذرّیت ہے۔(۴)

"تفسیر قمی" میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے مغضوب علیہم (جن پر غضب نازل ہوا) سے مراد ناصبی (دشمنِ اہلِ بیتؑ) اور ضالین (گمراہ ہونے والے) سے مراد شک و شبہے والے افراد ہیں جو امام کی معرفت نہیں رکھتے۔(۱)

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ منعم علیہم (جن پر نعمتیں نازل ہوئیں) کے راستے میں ہر وہ شخص داخل ہے جو

(۱) تفسیر الامام العسکریؑ، ص ۴۷-۴۸ ح ۲۲ (۲) تفسیر الامام العسکریؑ، ص ۵۰ ح ۲۳
(۳) معانی الاخبار، ص ۳۶ ح ۸ (۴) معانی الاخبار، ص ۳۶ ح ۷
(۱) تفسیر قمّی، ج ۱ ص ۲۹

درمیانی راہ اختیار کرتا ہے اور اعتقاد و عمل میں ثابت قدم رہتا ہے یہ وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں ارشادِ قدرت ہے : قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا (۳۰ : سورۂ فصلت ۴۱) جنھوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے اور پھر اس بات پر ثابت قدم رہے۔ اور مغضوب علیہم (جن پر غضب نازل ہوا) کے راستے پر ہر تفریط (گھٹانا) اور تقصیر (کوتاہی کرنا) کرنے والا ہے جب کہ وہ عمداً ایسا کرے جیسا کہ یہودیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام، حضرت عیسیٰ علیہ السّلام اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ساتھ کیا ہے۔

اور صراطِ ضالّین (گمراہوں کے راستے) سے مراد ہر اِفراط (بڑھانا) اور غلو کرنے والا ہے خواہ ایسا جہالت ہی کی بنیاد پر کیوں نہ ہو جیسا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے ساتھ کیا ہے اس لیے کہ غضب کا لازمہ دوری اور کنارہ کشی ہے اور مقصّر وہ ہے جو پیٹھ پھرا لے اور رُوگردانی کرے تو اس طرح وہ دور ہو جاتا ہے۔

''ضلال'' کے معنیٰ مطلوب و مقصود سے غیبت اختیار کرنا ہے۔

اور مفرط (گھٹانے والا) وہ ہے جو حد سے تجاوز کر جائے یعنی وہ ایسا شخص ہے جس سے اس کا مطلوب و مقصود اوجھل رہتا ہے۔

اور ''تفسیر عیاشی'' میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے مروی ہے کہ اُمّ الکتاب (سورۂ فاتحہ) افضل ترین سورہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں نازل کیا ہے اس سورہ میں ہر بیماری کی شفا ہے سوائے موت کے۔ ۲

''کتاب کافی'' میں امام محمد باقر علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جسے سورۂ حمد سے شفا نہ ہو اسے کسی شَے سے صحت یابی نہ ہوگی۔ ۳

امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ اگر کسی مُردے پر ستّر بار سورۂ الحمد کی تلاوت کی جائے اور اس میں روح واپس آجائے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ ۴

اور ایک روایت میں ہے کہ سورۂ فاتحہ عرش کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔ ۵ ''کتاب عیون'' ۶ اور ''تفسیر امام حسن عسکری علیہ السّلامؑ'' میں امام جعفر صادق علیہ السّلام اپنے آباؤ اجداد سے اور وہ امیر المومنینؑ سے روایت کرتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: فاتحۃ الکتاب (سورۂ فاتحہ) میرے اور میرے بندے کے مابین منقسم ہے نصف حصّے کا تعلق مجھ سے ہے اور نصف کا تعلق میرے بندے سے ہے اور میرے بندے کو ہر سوال کرنے کا حق دے دیا گیا ہے۔ جب بندہ کہتا ہے بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ۔ تو اللہ جلّ جلالہٗ فرماتا ہے کہ ''میرے بندے نے اپنے کام کا آغاز میرے نام سے

---

(۲) تفسیر عیاشی، ج ۱ ص ۲۰ ح ۹ (۳) الکافی، ج ۲ ص ۶۲۶ ح ۲۲ (۴) الکافی، ج ۲ ص ۶۲۳ ح ۱۶

(۵) تفسیر نور الثقلین، ج ۱ ص ۵-۶، ح ۱۰، مستدرک الوسائل، ج ۴ ص ۱۶۸ ح ۱۶

(۶) عیون اخبار رضا، ج ۱ ص ۳۰۰ ح ۵۹

کیا ہے اس کا مجھ پر حق ہے کہ میں اس کے جملہ امور کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دوں اور اس کے حالات کو بہتر اور بابرکت بنا دوں اور جب بندہ کہتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ تو اللہ عزاسمہٗ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری حمد کی اور اس کو معلوم ہے کہ وہ جن نعمتوں کا مالک ہے وہ سب کی سب میری جانب سے اسے میسر ہوئی ہیں، اور میں نے ہی اس کی تمام پریشانیوں اور مصیبتوں کو دور کیا ہے۔ پس میں اپنے اقتدار و غلبے کی بنیاد پر تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے دنیاوی نعمتوں کے ساتھ ساتھ اس کے لیے اخروی نعمتیں بڑھا دی ہیں اور میں اس سے آخرت کی مصیبتوں کو دور کروں گا جس طرح میں نے اس سے دنیاوی بلاؤں کو دور کیا ہے۔ اور جب بندہ کہتا ہے الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ تو اللہ جل جلالہٗ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میرے رحمٰن ورحیم ہونے کی گواہی دی ہے میں تم سب کو گواہ بنا کر کہتا ہوں میں اس کے لیے اپنی نعمتوں کا وافر حصہ مقرر کرتا ہوں اور اس کے لیے اپنی عطا سے بھرپور حصہ دوں گا۔ اور جب بندہ کہتا ہے مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں تم کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ جس طرح میرے بندے نے اعتراف کیا ہے کہ میں روزِ جزا کا مالک ہوں تو میں روزِ حساب اس کے حساب کو آسان بنا دوں گا، اس کے حسنات کو قبول کروں گا اور اس کی معصیتوں سے درگزر کروں گا۔ جب بندہ کہتا ہے اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے سچ کہا وہ میری ہی عبادت کرتا ہے میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ اس کی عبادت کے عوض اس کو اتنا ثواب عطا کروں گا کہ اس کی عبادت کی مخالفت کرنے والے اس پر رشک کریں گے اور جب بندہ کہتا ہے اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ۔ تو اللہ فرماتا ہے اس نے مجھ سے مدد طلب کی اور میری پناہ میں آیا ہے میں تم کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں اس کے امور میں اس کی مدد کروں گا، اس کی پریشانیوں کو دور کروں گا اور مشکلات کے وقت اس کی دست گیری کروں گا۔

جب بندہ کہتا ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ۙ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّیْنَ ۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ سب کچھ میرے بندے کے لیے ہے اور میرا بندہ جو بھی سوال کرے گا میں اسے پورا کروں گا۔ میں نے اپنے بندے کی دعا کو قبول کیا۔ اس کی ہر آرزو کو پورا کیا اور اسے جس چیز کا ڈر تھا اس سے محفوظ کر دیا۔[۱]

(۱) تفسیر الامام العسکری ؑ ص ۵۸۔۵۹ ح ۳۰

سورۂ بقرہ

مدنی سورہ ہے اور اس میں دو سو چھیاسی آیتیں ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الٓمّٓ ۚ﴿۱﴾ ذٰلِکَ الۡکِتٰبُ لَا رَیۡبَ ۚۖۛ فِیۡہِ ۚۛ ہُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ ۙ﴿۲﴾ الَّذِیۡنَ
یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ وَ یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَ مِمَّا رَزَقۡنٰہُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ ۙ﴿۳﴾ وَ الَّذِیۡنَ
یُؤۡمِنُوۡنَ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ وَ مَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِکَ ۚ وَ بِالۡاٰخِرَۃِ ہُمۡ
یُوۡقِنُوۡنَ ؕ﴿۴﴾ اُولٰٓئِکَ عَلٰی ہُدًی مِّنۡ رَّبِّہِمۡ ٭ وَ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۵﴾

بڑے مہربان نہایت مشفق اللہ کے نام سے۔

۱- الف۔ لام۔ میم

۲- یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں، متقین کے لیے ہدایت ہے۔

۳- جو لوگ غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو رزق ہم نے انھیں عطا کیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

۴- جو کچھ آپ پر نازل کیا گیا اور جو آپ سے پہلے نازل کیا جاچکا ہے ان سب پر ایمان لاتے ہیں اور وہ آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں۔

۵- ایسے ہی لوگ اپنے رب کی جانب سے ہدایت یافتہ ہیں۔ اور وہی کامیاب ترین افراد ہیں۔

اس سورت کی تمام آیات مدنی ہیں سوائے ایک آیت وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْہِ (آیت: ۲۸۱) کے۔ اس سورت میں کل ۲۸۶ آیتیں ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔ کی تفسیر پہلے بیان کی جاچکی ہے۔

۱- الٓمّٓ - ''کتاب معانی'' میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ الف۔ لام۔ میم حرف ہے اُن حروف میں سے جو اللہ کا اسم اعظم ہیں جنھیں قرآنِ مجید میں حروفِ مقطعات کی شکل میں بیان کیا گیا ہے نبی اور امام جب انھیں مرکب کرکے (ان حروف کو ایک دوسرے سے ملاکر) بارگاہِ ربّ العزت میں ان کے واسطے سے

دُعا طلب کرتے ہیں تو وہ دُعا مستجاب ہوتی ہے۔ ۱؎

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں اس سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ حروفِ مقطعات درحقیقت اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسول کے مابین راز ورموز ہیں جنھیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور راسخون فی العلم کے علاوہ کسی اور کو بتانا اور سمجھانا مقصود نہیں ہے۔

حروفِ مقطعات کے ذریعے مخاطب ہونا حبیب اور محبوب کے مابین ایک طریقہ ہے جو جاری وساری ہے گویا وہ حبیب ومحبوب کے درمیان ایک راز ہے جس کا علم رقیب کو نہیں ہوتا۔

بَيْنَ الْمُحِبِّيْنَ سِرٌّ لَيْسَ يُفْشِيْهِ قَوْلٌ وَلَا قَلَمٌ بِالْخَلْقِ يُحْكِيْهِ

مُحبّوں کے درمیان ایک راز سربستہ ہوتا ہے جسے نہ تو قول فاش کرتا ہے اور نہ ہی قلم مخلوقات کو داستان رقم کرکے بتاتا ہے۔

قرآنِ کریم میں اس بات کا ثبوت ملتا ہے ارشادِ ربّ العزت ہے:

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔ (۷/آل عمران ۳)

وہی تو ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی جس کی بعض آیتیں محکم ہیں اور وہی اصل کتاب ہیں اور بعض متشابہ ہیں تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہات کا اتباع کرتے ہیں تا کہ فتنہ برپا کریں اور من مانی تاویلیں کریں حالاں کہ اس کی تاویل اللہ جانتا ہے اور راسخون فی العلم (بحرعلم کے شناور) جو یہ کہتے ہیں ہم ان پر ایمان لائے یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے اور صاحبانِ عقل ہی نصیحت قبول کرتے ہیں۔

''تفسیر امام حسن عسکری علیہ السّلام'' میں ہے کہ الٓمّٓ کے معنیٰ ہیں کہ جو کتاب میں نے نازل کی ہے وہ حروفِ مقطعات پر مشتمل ہے جن میں الف، لام اور میم بھی ہے جو تمھاری زبان اور تمھاری حروفِ تہجی پر مشتمل ہے اگر تم سچے ہو تو اس جیسی کتاب بنا لاؤ۔ ۲؎

''تفسیر مجمع البیان'' میں امیرالمومنین علیہ السّلام سے مروی ہے آپ نے فرمایا ہر کتاب میں ایک برگزیدہ اور پسندیدہ حصّہ ہوتا ہے اور اس کتاب کا برگزیدہ حصّہ حروفِ تہجی ہیں۔ ۳؎

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ ان مقطعات میں جو سربستہ راز ہیں ان میں یہ بھی ہے کہ قرآنِ مجید میں آنے والے جملہ حروفِ مقطعات کو ترتیب دے کر اگر مکرّرات کو حذف کر دیا جائے تو یہ جملہ بنتا ہے عَلِيٌّ صِرَاطُ حَقٍّ نُمْسِكُهُ علی سیدھا راستہ ہیں جنھیں ہم مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں یا صِرَاطُ عَلِيٍّ حَقٌّ نُمَسِّكُهُ۔

---

(۱) معانی الاخبار، ص ۲۳ ج ۲ (۲) تفسیر امام حسن عسکریؑ، ص ۶۲ (۳) مجمع البیان، ص ۳۲ ج ۱۔ ۲

علی کا راستہ سیدھا ہے جس سے ہم چمٹے ہوئے ہیں۔

۲- ذٰلِكَ الْكِتٰبُ-

یہ وہ کتاب ہے

"تفسیر امام حسن عسکری علیہ السّلام" میں ہے جس قرآن کا آغاز الٓمٓ سے ہوا ہے یہ وہی کتاب ہے جس کی خبر حضرت موسیٰ علیہ السّلام اور ان کے بعد تشریف لانے والے انبیائے کرام نے دی ہے اور انھوں نے ہی بنی اسرائیل کو اس بات سے مطّلع کیا ہے کہ "اے محمد! میں عنقریب اس کتاب کو آپ پر نازل کرنے والا ہوں" [1]

لَا رَيْبَ فِيْهِ-

جس میں کوئی شک وشبہہ نہیں ہے

اس بارے میں کسی قسم کا شک نہیں ہے کہ یہ کتاب ان پر ظاہر ہوکر رہے گی۔

کتاب کا اطلاق انسانِ کامل کے لیے، اہل اللہ اور مخصوص اولیا کے نزدیک عام ہے۔ حضرت علی علیہ السّلام نے فرمایا ہے:

دَوَاؤُكَ فِيْكَ وَمَا تَشْعُرُ   وَدَاؤُكَ مِنْكَ وَمَا تُبْصِرُ-

تمھاری دوا خود تمھارے اندر موجود ہے مگر تم کو شعور نہیں تمھاری بیماری خود تمھاری جانب سے ہے مگر تم دیکھتے نہیں۔

وَاَنْتَ الْكِتَابُ الْمُبِيْنُ الَّذِيْ   بِاَحْرُفِهٖ يَظْهَرُ الْمُضْمَرُ-

تم تو وہ روشن کتاب ہو جس کے ہر حرف سے پوشیدہ باتیں ظاہر وآشکار ہوتی ہیں۔

وَتَزْعَمُ اَنَّكَ جِرْمٌ صَغِيْرٌ   وَفِيْكَ انْطَوَى الْعَالَمُ الْاَكْبَرُ-

تم اپنے آپ کو ایک حقیر جرثومہ سمجھتے ہو حالاں کہ تمھارے اندر تو ایک بہت بڑی دنیا پوشیدہ ہے۔ [2]

امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا صورتِ انسانیہ مخلوقاتِ خداوندی پر اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی حجّت ہے اور یہ وہ کتاب ہے جسے باری عزّ اسمہ نے خود اپنے دستِ قدرت سے تحریر کیا ہے۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ-

جو متقین کے لیے ہدایت ہے

متّقی وہ لوگ ہیں جو ہلاکت کی جگہوں اور مہلک چیزوں سے بچتے اور حماقتوں کے غلبے سے اپنے آپ کو محفوظ رکھتے ہیں، جن باتوں کا جاننا ضروری ہے ان چیزوں کا علم حاصل کرتے ہیں، اور ان امور پر عمل کرتے ہیں جو

---

(۱) تفسیر امام حسن عسکریؑ، ص ۶۲ (۲) مراۃ العقول، ص ۳۶۱۔۳۶۲ ج ۱۱ / دیوان امام علی، ص ۴۰ (۳) معانی الاخبار، ص ۲۳
(۴) تفسیر عیاشی، ص ۲۶ ج ۱

رضائے پروردگار کا باعث وموجب ہوں۔

"کتاب معانی"[۱] اور "تفسیر عیاشی" میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ متقین سے مراد ہماری پیروی کرنے والے افراد ہیں۔[۲]

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ متقین کے ساتھ ہدایت کو اس لیے مخصوص کیا گیا ہے کہ وہی لوگ اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں کیوں کہ حقیقی معرفت کے حصول کے لیے تقویٰ کی شرط ہے۔

۳-اَلَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ-

جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں

غیب سے مراد وہ سب کچھ ہے جو حواسِ انسانی سے غائب اور اوجھل ہے جیسے توحید خداوندی، انبیا کی نبوت، قائم آل محمدؐ کا قیام، رجعت، بعثت، حساب، جنت اور جہنم اور وہ تمام امور جن پر ایمان لانا لازمی ولابدی ہے، مشاہدات کے ذریعہ جن کی معرفت حاصل نہیں ہوسکتی بلکہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ دلائل وبراہین کے ذریعہ انھیں جانا اور پہچانا جا سکتا ہے۔

وَ یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ-

اور نماز قائم کرتے ہیں۔

یعنی نماز کو رکوع وسجود کے ساتھ مکمّل کرتے ہیں، وقت کی پابندی کا لحاظ رکھتے اور اس کے حدود کا خیال کرتے ہیں، اور ایسے امور سے نماز کو محفوظ رکھتے ہیں جن سے وہ فاسد ہوجاتی ہے یا اس میں کسی قسم کا نقص واقع ہوجاتا ہے۔

وَ مِمَّا رَزَقۡنٰھُمۡ -

جو کچھ ہم نے انھیں عطا کیا ہے۔

از قسم مال ومتاع، قوت وطاقت، جسم وجسمانیات، عزّت ومرتبت اور علم وعقل۔

یُنۡفِقُوۡنَ-

وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

یعنی وہ صدقہ دیتے ہیں، یتیموں کو سہارا دیتے ہیں، مستحقین کے حقوق ادا کرتے ہیں، لوگوں کو قرض دیتے ہیں، حاجت مندوں کی حاجت روائی کرتے ہیں، کمزوروں کی دستگیری کرتے ہیں، تنگ دستوں کی مدد کرتے ہیں اور انھیں ہلاکت سے بچاتے ہیں، ان کے اخراجات کی کفالت کرتے ہیں، پیدل چلنے والوں کے لیے سواریاں مہیّا کرتے ہیں، جو شخص ایمان میں ان سے بہتر ہوتا ہے وہ اسے اپنے مال اور اپنی جان کے ذریعہ اپنے نفس پر

(۱) معانی الاخبار، ص ۲۳ (۲) تفسیر عیاشی، ص ۲۶ ج ا

ترجیح دیتے ہیں۔ اور جو ان کے مساوی ہوتا ہے تو اس سے برابری کا سلوک کرتے ہیں اور جو اکتساب علم کی اہلیت رکھتے ہیں انھیں دولت علم سے نوازتے ہیں۔ اپنے دوستوں، محبّوں اور ہدایت کے طلب گاروں سے فضائل اہل بیت علیہم السّلام کی روایات بیان کرتے ہیں۔

''کتاب معانی'' [۱] ''تفسیر مجمع البیان'' [۲] اور ''تفسیر عیاشی'' میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جو کچھ ہم نے انھیں سکھایا ہے وہ اسے نشر کرتے ہیں۔ [۳]

۴ - وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ -

اور جو لوگ ایمان رکھتے ہیں (اس پر) جو آپ پر نازل کیا گیا

یعنی قرآن اور شریعت پر ان کا ایمان ہے۔

وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ -

اور جو کچھ آپ سے پہلے نازل کیا جا چکا ہے

یعنی ان کا ایمان ہے توریت، زبور، انجیل، صُحُفِ ابراہیم اور جملہ کتبِ سماوی پر جو اللّٰہ کی جانب سے نازل ہوئی ہیں۔

وَبِالْاٰخِرَةِ - اور آخرت پر

آخرت سے مراد وہ گھر ہے جو دنیا کے بعد ہوگا جس میں اعمالِ صالحہ کی جزا ان کے عمل سے بہتر دی جائے گی اور برے اعمال کی سزا ان کے عمل کے مطابق ملے گی۔

هُمْ يُوْقِنُوْنَ -

وہ کامل یقین رکھتے ہیں۔

یعنی آخرت کے ہونے پر کسی قسم کا شک نہیں کرتے۔

۵ - اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ -

وہ لوگ اپنے رب کی جانب سے ہدایت یافتہ ہیں

یعنی جس بات کا انھیں حکم دیا گیا ہے اسے واضح انداز میں صحیح طور پر اور علم کے مطابق بجالاتے ہیں۔

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ -

اور وہی کامیاب ترین افراد ہیں۔

جس بات کا انھیں خوف ہے اس سے نجات پانے والے ہیں، اور جس بات کی امید لگائے بیٹھے ہیں اس میں کامیاب وکامران ہیں۔

---

(۱) معانی الاخبار، ص ۲۳ (۲) مجمع البیان، ص ۳۹ ج ۱-۲ (۳) تفسیر عیاشی، ص ۲۶ ج ۱

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا
يُؤْمِنُونَ ۝٦ خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ ۖ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ
غِشَاوَةٌ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝٧

ع ۱ وقف لازم

۶- جن لوگوں نے انکار کردیا (اے پیغمبر) اُن کے لیے یکساں ہے خواہ آپ انھیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ماننے والے نہیں ہیں۔

۷- اللہ نے اُن کے دلوں اور اُن کے کانوں پر مہر لگا دی ہے اور اُن کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے اور اُن کے لیے بہت بڑی سزا مقرر ہے۔

۶- إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا-

جن لوگوں نے انکار کیا

اللہ تبارک وتعالیٰ کا اور ان چیزوں کا جن پر یہ مومنین ایمان لائے ہیں۔

سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ -

اے پیغمبرؐ ان کے لیے برابر ہے خواہ آپ انھیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کی بنیاد پر ان کفار کے بارے میں اطلاع دی ہے کہ یہ ایمان قبول کرنے والے نہیں ہیں۔

۷- خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ-

اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس قسم کی مہر لگائی ہے جسے مرضیٔ الٰہی سے صرف فرشتے اور اولیا اللہ ہی پہچان سکتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان نہیں لائے۔

''کتاب عیون'' میں حضرت امام رضا علیہ السّلام سے روایت ہے کہ ''ختم'' کے معنی ہیں کفر کی سزا کے طور پر کفّار کے دلوں پر مہر لگانا جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ۔ (۱۵۵:النسا ۴)

بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کے سبب ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے مگر بہت کم۔[۱]

(۱) عیون اخبار الرّضا ص ۱۲۳ ج ۱

وَعَلَىٰٓ اَبۡصَارِهِمۡ غِشَاوَةٌ –

اوران کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے

اس لیے کہ جن امور کا انھیں مکلّف بنایا گیا تھا اس سے انھوں نے رُوگردانی اختیار کی اور جس بات کا ان سے مطالبہ کیا گیا تھا اسے پورا کرنے سے وہ عاجز رہے۔ ایمان جن امور کا متقاضی تھا یہ ان سے جاہل رہے تو گویا ایسے ہوگئے جیسے کسی کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہو اور وہ سامنے کی چیز نہ دیکھ سکتا ہو۔

اللہ تعالیٰ فتنہ وفساد سے بالاتر ہے اور یہ کہ وہ اپنے بندوں سے ایسے امور کا مطالبہ نہیں کرتا جسے اس نے قہراً روک دیا ہو۔

وَّلَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ –

اوران کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔

یعنی اس عذاب کا تعلق آخرت سے ہے، اور کافروں کے لیے دنیا میں بھی عذاب ہے جس کا نام ''عذابِ استصلاح'' ہے تاکہ اس عذاب کے ذریعے ان کافروں کی اصلاح ہو اور انھیں اطاعت کی جانب متوجہ کیا جاسکے۔

دوسرے عذاب کا نام ''عذاب اصطلام'' ہے اس عذاب کے ذریعے کافروں کو عدل وحکمت کی جانب مائل کرنا مقصود ہے۔

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں، ''اصطلام'' کے معنی ہیں: بیخ کنی اور جڑ سے اکھاڑ دینا اور ''استصلاح'' کے معنی ہیں: درستی چاہنا، اصلاح کرنا۔ یہ اس کے لیے صحیح ہوگا جن کے دلوں پر نہ تو مہر مستحکم ہو اور نہ ہی آنکھوں پر گہرا پردہ ہو، جس سے بعد میں خیر کی امید کی جائے یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے جانب سے ایک طرح کی تنبیہ اور اِتمامِ حجّت ہے خواہ وہ اس سے فائدہ نہ اٹھائیں۔

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ مَا هُمْ
بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸﴾ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَ مَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ
وَ مَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹﴾ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ
اَلِيْمٌ ۙ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۱۰﴾

۸- انسانوں میں سے کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر، حالاں کہ درحقیقت وہ مومن نہیں ہیں۔

۹- وہ لوگ اللہ اور مومنین کے ساتھ دھوکے بازی کر رہے ہیں، مگر دراصل وہ اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہیں اور انھیں اس کا شعور نہیں ہے۔

۱۰- ان کے دلوں میں بیماری ہے۔ اللہ نے ان کی بیماری کو بڑھا دیا ہے اور ان کے لیے دردناک سزا ہے کیوں کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں۔

۹- وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ- (الف)

اور انسانوں میں سے وہ بھی ہے جو کہتا ہے کہ ہم اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لے آئے۔

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں، اس آیت کے مصداق ابنِ اُبی اور اس کے ساتھی ہیں اور اسی قسم کے دوسرے منافقین ہیں جن کا کفر اتنا بڑھا کہ جیسے ان کے دلوں پر مہر لگ گئی ہو ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا ہو اور وہ نفاق میں گھر گئے ہوں۔

اس آیت میں قیامت تک آنے والا ہر وہ شخص داخل ہے جو دین میں نفاق پیدا کرتا ہے۔ خواہ اس کا نفاق گذشتہ منافقین سے کم ہو۔

امام محمد باقر علیہ السّلام نے فرمایا: حکم بن عُتیبہ اس آیت کا مصداق اور اہل ہے۔ [۱]

وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ-

حالاں کہ وہ ایمان نہیں رکھتے۔

بلکہ انھوں نے اس بات پر ایکا کرلیا ہے کہ اگر انھیں اس بات پر قدرت حاصل ہو جائے تو اے نبیؐ وہ آپ کو

(الف) مجاہد نے کہا کہ سورۂ بقرہ کی ابتدائی چار آیتیں مومنین کے بارے میں نازل ہوئیں اس کے بعد دو آیتیں کفار کے بارے میں نازل ہوئیں اور اس کے بعد تیرہ آیتیں منافقین کے لیے نازل ہوئیں۔

(۱) الکافی، ص ۳۹۹ ج ۱

اور آپ جس سے محبت کرتے ہیں اس کو اور جو آپ سے محبت کرتا ہے ان سب کو ہلاک کرڈالیں اور انھوں نے احکامِ خداوندی سے سرتابی اور سرکشی اختیار کی ہے۔

ایک قول کے مطابق ان کے ایمان کی نفی کر کے ان افراد کو مومنین کی جماعت سے خارج قرار دیا گیا ہے۔[۱]

۱۹- يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا-

یہ لوگ (اپنے خیال میں) اللہ تعالیٰ اور مومنین کو دھوکا دیتے ہیں

وہ رسول اللہ کو دھوکا دینے کا یہ طریقہ اختیار کرتے ہیں کہ ان کے دل میں کچھ اور ہوتا ہے اور اس کے برخلاف وہ ظاہر کچھ اور کرتے ہیں۔ ان کے ظاہر و باطن میں اختلاف ہوتا ہے۔

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ مُخادعۂ الرَّسُول کی اضافت اللہ کی طرف اس لیے ہے کہ رسولِ اکرمؐ سے فریب کرنا درحقیقت اللہ سے فریب کرنا ہے جیسا کہ ارشادِ ربّ العزّت ہے:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ- (۸۰: النساء۔ ۴)

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے گویا کہ اللہ کی اطاعت کی۔

اور فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ- (۱۰: الفتح۔ ۴۸)

بلاشبہہ جو لوگ آپ کی بیعت کررہے ہیں وہ درحقیقت اللہ کی بیعت کررہے ہیں۔

اور فرمایا:

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى- (۱۷: انفال۔ ۸)

اے محمدؐ! جس وقت آپ نے کنکریاں پھینکی تھیں تو وہ آپ نے نہیں پھینکی تھیں بلکہ اللہ نے پھینکی تھیں۔

تم پر لازم ہے کہ یہ کہو يُخٰدِعُوْنَ کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دھوکے کا معاملہ کرتے ہیں اس مفہوم پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جسے عیاشی نے اپنی تفسیر میں امام جعفرصادق علیہ السّلام سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے سوال کیا گیا کہ کل بروزِ قیامت کس طرح نجات ملے گی تو آں حضرتؐ نے فرمایا کہ تمھاری نجات اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دھوکا دینے کی کوشش نہ کرو اس لیے کہ وہ تمھارے دھوکے کا جواب دے گا کیوں کہ اللہ کو دھوکا دینے والا درحقیقت اپنے آپ کو دھوکا دیتا ہے اور اس وقت اس کا ایمان اس سے رخصت ہو جاتا ہے۔ عرض کی گئی، یارسولؐ اللہ وہ کیسے دھوکا دیتا ہے تو آں حضرتؐ نے فرمایا کہ وہ حکم خداوندی کے مطابق عمل کرتا ہے مگر اس کا مقصود غیرُ اللہ ہوتا ہے۔ تم اللہ کے ساتھ ریاکاری کرنے سے بچو کیوں کہ ریاکاری درحقیقت اللہ کے ساتھ شرک کرنا ہے۔[۲]

---

(۱) بیضاوی تفسیر انوار التنزیل، ص ۲۲ ج ۱ (۲) تفسیر عیاشی، ص ۲۸۳ ج ۱

وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ -

اور وہ دھوکا نہیں دیتے ہیں مگر اپنے آپ کو

وہ لوگ اس مکاری سے خود اپنی ذات کو نقصان پہنچاتے ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کو نہ ان کی پروا ہے اور نہ ہی ان کی مدد کی ضرورت ہے اور اگر اللہ انھیں مہلت اور ڈھیل نہ دیتا تو وہ فجور اور سرکشی میں سے کسی بات پر بھی قدرت نہیں رکھتے تھے۔

وَمَا يَشْعُرُوْنَ -

لیکن وہ اس بات کا شعور نہیں رکھتے۔

کہ معاملہ یہاں تک پہنچ چکا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبی کو ان لوگوں کے نفاق، جھوٹ اور کفر سے مطّلع کردیا اور نبیِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو حکم دیا ہے کہ ظالمین کے ساتھ ساتھ ان لوگوں پر بھی لعنت بھیجا کریں۔

۱۰ – فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ -

ان کے دلوں میں بیماری ہے

کہا گیا ہے کہ مَرَض سے مراد نفاق اور شک کی بیماری ہے۔[۱] اس لیے کہ ان منافقین کے دل نبی، ان کے وصی اور مومنین کے خلاف کینے، حسد، غصّے اور غضب سے ابل رہے ہیں (پیچ وتاب کھا رہے ہیں)

مَرَض کو نکرہ لانے کا سبب اور جملے کو ظرفیہ قرار دینا اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ یہ بات ان کے دلوں میں راسخ اور جاگزیں ہوچکی ہے ورنہ یہ کہا جاتا کہ قُلُوبُهُم مَرضیٰ (ان کے دل بیمار ہیں)

فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا -

اللہ نے ان کی بیماری کو بڑھا دیا ہے

یہ بیماری اس طرح بڑھی ہے کہ ان کے دل اللہ سے برگشتہ ہوگئے ہیں۔

وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ -

اور ان کے لیے دردناک سزا ہے کیوں کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں۔

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں، اس سے مراد ایسا دردناک عذاب ہے جس کی تکلیف اور اذیّت انتہا کو پہنچی ہوئی ہو اور یہ عذاب ان کے جھوٹ کی وجہ سے ہوگا ایک قول کے مطابق بِسَبَبِ كِذْبِهِمْ اَوْ تَكْذِيْبِهِمْ یعنی ان کے جھوٹ بولنے یا جھٹلانے کے سبب سے۔

عذاب کی صفت اَلیم مبالغے کے لیے ہے کیوں کہ جو عذاب منافقین کے لیے مہیّا کیا گیا ہے وہ کافرین کے عذاب سے سخت ہوگا اس لیے کہ منافقین جہنم کے آخری طبقے میں ہوں گے۔

---

(۱) مجمع البیان، ص ۴۸ ج ۱۔۲

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ⑪
اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَ لٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ⑫ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا
كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ
السُّفَهَآءُ وَ لٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ⑬

۱۱- اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد برپا نہ کرو تو وہ کہتے ہیں، ہم تو اصلاح کر رہے ہیں۔
۱۲- خبردار، یہی لوگ فسادی ہیں مگر انھیں شعور نہیں ہے۔
۱۳- اور جب کبھی ان سے کہا گیا کہ تم اسی طرح ایمان لے آؤ جس طرح دوسرے لوگ ایمان لائے ہیں تو وہ کہنے لگے کیا ہم بے وقوفوں کی طرح ایمان لے آئیں، درحقیقت یہی لوگ بے وقوف ہیں لیکن یہ جانتے نہیں۔

۱۱- وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ-

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد برپا نہ کرو

اللہ کے ان بندوں کے سامنے جنھیں دنیا میں کمزور بنا دیا گیا ہے اپنے نفاق کا اظہار کر کے یہ لوگ دین کے معاملے میں ان کو اذیّت پہنچاتے تھے اور مذہب کے بارے میں انھیں پریشان کیا کرتے تھے۔

قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ -

تو وہ کہتے ہیں، ہم تو اصلاح کر رہے ہیں۔

اس لیے کہ ہم دین کے بارے میں اعتقاد نہیں رکھتے کہ جس سے ظاہری طور پر ہم حضرت محمدؐ کو راضی رکھیں اور باطنی طور سے اپنے نفوس کو ان کی غلامی سے آزاد کر دیں۔ اور اسی میں ہمارے حال کی درستی اور اصلاح ہے۔

۱۲- اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَ لٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ-

حالاں کہ درحقیقت یہی لوگ فسادی ہیں مگر انھیں شعور نہیں ہے۔

اپنے اس عمل کی وجہ سے جو انھوں نے انجام دیا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ان کے نفاق سے آگاہ کر دیا تھا اور وہ ان لوگوں پر لعنت بھیجتے ہیں اور مسلمانوں کو بھی لعنت کا حکم دیتے ہیں اور مومنین کے دشمن بھی ان پر اعتماد نہیں کرتے، کیوں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ ان سے بھی منافقت کا برتاؤ کریں گے جس طرح انھوں نے مومنین سے منافقت کا سلوک کیا ہے تو اس طرح وہ منافقین کفّار کی نگاہ میں بھی بلند مرتبہ نہیں ہو سکتے لہٰذا اللہ تبارک وتعالیٰ نے نہایت بلیغ انداز میں منافقین کی اس بات کو رد کیا ہے کہ وہ صلح جو اور آشتی پسند ہیں اور یہ واضح کر دیا کہ ان کا مقصد تو معاشرے میں فساد پھیلانا اور اسے تباہ و برباد کرنا ہے۔

۱۳- وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا-

اور جب ان سے کہا گیا، تم ایمان لاؤ۔

جب ان سے مومنین کے منتخب افراد نے کہا، تم ایمان لاؤ، یعنی یہ ایک طرح کی نصیحت، ہدایت اور رہنمائی ہے اس لیے کہ کمالِ ایمان کی منزل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان لَا تُفْسِدُوْا سے جو مراد ہے اس سے رُوگردانی کرنا اور ربّ العزّت کے قول اٰمِنُوْا سے جو مقصود ہے اسے بجا لانا۔ ۱؎

كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ-

جس طرح دوسرے لوگ ایمان لے آئے ہیں

''النّاس'' سے مراد مومنین ہیں، جیسے سلمان، مقداد، ابوذر اور عمّار۔ ایک قول کے مطابق ''اٰمَنَ النَّاسُ'' سے مراد وہ افراد ہیں جو انسانیت میں کامل ہوں، عقل کے مطابق عمل کرتے ہوں، یعنی ان کا ایمان مبنی بر اخلاص اور نفاق کے شائبے سے مبرّا اور منزّہ ہو چوں کہ یہ منافقین مومنین کو کھلّم کھلا جواب دینے کی ہمّت نہیں رکھتے تھے اس لیے جن افراد پر ان کے نفوذ و اثرات تھے ان سے خطاب کر کے جواباً کہا۔ ۲؎

قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ-

انھوں نے کہا، کیا ہم بے وقوفوں کی طرح ایمان لے آئیں؟

ان کے خیال میں ''سُفَهَاءُ'' سے مراد وہ لوگ ہیں جو حضرت محمدؐ کے پیروکار اور متبع ہیں۔

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ-

درحقیقت یہی لوگ بے وقوف ہیں

ان کے عقل اور شعور پر پردہ پڑا ہوا ہے یہ لوگ صحیح معنیٰ میں غور و فکر نہیں کر رہے ہیں ورنہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی نبوت کو پہچان لیتے اور انھیں امرِ رسالت کے استحکام کا پتا چل جاتا اور آں حضرتؐ نے آخری دنوں میں اپنے وصی کے لیے دین و دنیا کے حوالے سے جو فرمایا تھا، اس کی صحت ان کو معلوم ہو جاتی۔ یہ لوگ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور ان کے اصحاب سے ہراساں ہیں، نیز ان کے مخالفین سے بھی ڈرتے ہیں۔ ان لوگوں کو اس بات کا یقین نہیں ہے کہ ان میں سے کون غالب آئے گا (تو کہیں وہ اس کے ساتھ ہلاک نہ ہو جائیں) اس لیے دونوں گروہ اپنے اپنے نفاق کو ایک دوسرے سے مخفی رکھے ہوئے ہیں۔

وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ- لیکن یہ جانتے نہیں۔

وہ معاملے کی نوعیت سے آگاہ نہیں ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو ان لوگوں کے راز ہائے سربستہ سے مطّلع کر دیتا تو وہ انھیں اپنی نظروں سے گرا دیتے اور انھیں اپنی بزم سے ہٹا دیتے۔

---

(۱) بیضاوی تفسیر انوار التنزیل، ص ۲۴ ج ۱ (۲) بیضاوی تفسیر انوار التنزیل، ص ۲۴ ج ۱

وَ اِذَا لَقُوا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قَالُوۡۤا اٰمَنَّا ۚۖ وَ اِذَا خَلَوۡا اِلٰی شَیٰطِیۡنِہِمۡ ۙ قَالُوۡۤا اِنَّا
مَعَکُمۡ ۙ اِنَّمَا نَحۡنُ مُسۡتَہۡزِءُوۡنَ ﴿۱۴﴾ اَللّٰہُ یَسۡتَہۡزِئُ بِہِمۡ وَ یَمُدُّہُمۡ فِیۡ
طُغۡیَانِہِمۡ یَعۡمَہُوۡنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ اشۡتَرَوُا الضَّلٰلَۃَ بِالۡہُدٰی ۪ فَمَا
رَبِحَتۡ تِّجَارَتُہُمۡ وَ مَا کَانُوۡا مُہۡتَدِیۡنَ ﴿۱۶﴾

۱۴– اور جب یہ مومنین سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں، ہم ایمان لے آئے اور جب علاحدگی میں اپنے شیطانی ٹولے سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تو تمھارے ساتھ ہیں، ہم تو ان لوگوں سے مذاق کرر ہے ہیں۔

۱۵– اللہ ان کے مذاق کا جواب دے رہا ہے۔ اور ان کی رسّی دراز کیے جا رہا ہے اور وہ اپنی سرکشی میں اندھوں کی طرح بھٹک رہے ہیں۔

۱۶– یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلے میں گمراہی خرید لی ہے نہ تو ان کی تجارت منفعت بخش ہے اور نہ ہی یہ لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

۱۴– وَ اِذَا لَقُوا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قَالُوۡۤا اٰمَنَّا–

اور یہ لوگ جب مومنین سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے

ان کے مذہب اور نفاق کی تمہید کو بیان کرنے کے بعد مومنین اور کفار سے ان کے برتاؤ اور سلوک کا بیان ہو رہا ہے، اس لیے کہ وہ اپنا ایمان سلمان، مقداد، ابوذر اور عمّار کے سامنے ظاہر کر رہے تھے۔

وَ اِذَا خَلَوۡا اِلٰی شَیٰطِیۡنِہِمۡ–

اور جب علاحدگی میں اپنے شیطانی ٹولے سے ملتے ہیں

شیاطین سے مراد ان کے وہ ساتھی ہیں جو منافق تھے اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو جھٹلانے میں ان کے شریکِ کار تھے۔

قَالُوۡۤا اِنَّا مَعَکُمۡ– تو کہتے ہیں ہم تو تمھارے ساتھ ہیں۔

یعنی ہم حسبِ سابق دین اور اعتقادات میں تمھارے ہم نوا اور تمھارے ساتھ ہیں۔

اِنَّمَا نَحۡنُ مُسۡتَہۡزِءُوۡنَ– ہم تو ان لوگوں سے مذاق کر رہے ہیں۔

۱۵– اَللّٰہُ یَسۡتَہۡزِئُ بِہِمۡ–

اللہ ان کے مذاق کا جواب دے رہا ہے۔

اللہ تعالٰی استہزا کرنے والے کے مطابق اس کو جزا دے گا۔ دنیا میں جزا کی صورت یہ ہوگی کہ ان پر

مسلمانوں کے احکام جاری کردیے جائیں گے۔ اور دوسرے پر بات ڈال کر امرِ رسول انھیں اس طرح بتایا جائے گا کہ اس تعریض (دوسرے پر ڈال کر بات کرنے) کا مقصد واضح ہو جائے۔

اور آخرت میں جزا اس طرح ملے گی جیسا کہ روایت میں ہے کہ جب وہ جہنّم میں ہوں گے تو ان کے لیے جنّت کا ایک دروازہ کھول دیا جائے گا اور وہ لوگ نہایت تیزی سے اس طرف دوڑیں گے اور جب اس کے قریب پہنچیں گے تو وہ دروازہ ان کے لیے بند کر دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے قول: ''فَالْيَوْمَ الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُونَ'' سے یہی مراد ہے: (۳۴:مطففین ۸۳) تو آج کے دن مومنین کافروں کی ہنسی اڑائیں گے۔ [1]

وَ يَمُدُّهُمْ- اور ان کی رسّی دراز کیے جا رہا ہے

یعنی انھیں مہلت دیتا رہے گا اور ان سے نرمی کا برتاؤ جاری رکھے گا۔ انھیں توبہ کی دعوت دے گا اور جب وہ توبہ کرنا چاہیں تو ان سے مغفرت کا وعدہ بھی کرے گا۔

فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ- وہ اپنی سرکشی میں اندھوں کی طرح بھٹک رہے ہیں

''طغیان'' کے معنی ہیں: مقرر کردہ حد سے تجاوز کر جانا۔

''یعمھون'' کے معنی ہیں: حیران بھٹکتے پھرنا۔ عمہ دراصل عَمَهُ الْقَلْب سے ہے۔ [2] جس کے معنی ہیں: کسی امر میں حیران و ششدر ہو جانا۔ [3] اور ایک قول کے مطابق یہ تعمی قلوبھم سے ہے، یعنی ان کے دل اندھے ہو گئے ہیں۔ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ وہ لوگ برائیوں سے باز نہیں آتے اور آں حضرت کو اذیت دینا ترک نہیں کرتے۔

۱۶- أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ-

یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلے میں گمراہی خرید لی ہے۔

یعنی ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کو بیچ ڈالا اور اس کے عوض میں اللہ کا انکار کر دیا۔

فَمَا رَبِحَتْ تِجَارَتُهُمْ- نہ تو ان کی تجارت منفعت بخش ہے

یعنی ان کی تجارت آخرت میں نقصان دہ ثابت ہوئی، کیوں کہ انھوں نے جہنّم اور طرح طرح کے عذاب کو خرید لیا ایسی جنت کے بدلے میں جو ایمان قبول کرنے کی صورت میں ان کے لیے مہیّا اور موجود ہوتی تو اس طرح انھوں نے خسارے کا سودا کیا۔

وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ- اور نہ ہی وہ لوگ ہدایت پر ہیں۔

یعنی وہ حق، درست اور صحیح بات کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں، وہ تجارت سے نابلد تھے اس لیے انھوں نے خسارے کا سودا کیا ورنہ تجارت میں اصل سرمائے کے محفوظ رہتے ہوئے منفعت حاصل کرنا ہی کامیابی کی دلیل ہے۔ انھوں نے اصل سرمائے کو، جو فطرتِ سلیم کی صورت میں ان کے پاس تھا، برباد کر دیا اور گمراہ کن معتقدات کی وجہ سے انھیں نقصان اٹھانا پڑا۔

(۱) درمنثور، ص ۳۱ ج ۱ و انوار التنزیل، ص ۲۶ ج ۱ (۲) بیضاوی تفسیر انوار التنزیل، ص ۲۶ ج ۱ (۳) بیضاوی تفسیر انوار التنزیل، ص ۲۶ ج ۱

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ أَضَآءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَٰتٍ لَّا يُبْصِرُونَ ﴿١٧﴾ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿١٨﴾

۱۷- ان لوگوں کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے آگ جلائی اور جب ہر طرف روشنی پھیل گئی تو اللہ نے ان کے نور کو سلب کرلیا اور انھیں گھٹاٹوپ اندھیروں میں چھوڑ دیا جہاں انھیں کچھ سجھائی نہیں دیتا۔

۱۸- یہ سب بہرے، گونگے اور اندھے ہیں، یہ اب پلٹ کر آنے والے نہیں۔

۱۷- مَثَلُهُمْ- ان لوگوں کی مثال

یعنی ان لوگوں کی عجیب و غریب حالت اور کیفیت کو بیان کیا جارہا ہے کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی کتابوں میں انسانوں کے لیے مثال اس وجہ سے بیان کرتا ہے کہ بات کو اچھی طرح سمجھایا اور واضح کیا جاسکے۔ اس لیے کہ مثال کے ذریعے بات دل نشیں ہوجاتی ہے اور ضدی دشمن کا منہ بند کردیتی ہے کیوں کہ وہ تخیّلات کو حقیقت اور معقولات کو محسوسات کے روپ میں دیکھتا ہے۔ [۱]

كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا- ایسے شخص کی مانند ہے جس نے آگ روشن کی

''اسْتَوْقَدَ نَارًا'' کے معنی ہیں کہ اس نے چاہا کہ آگ کے شعلے بلند ہوں تاکہ اردگرد کی ہر چیز اسے دکھائی اور سجھائی دینے لگے۔

فَلَمَّآ أَضَآءَتْ مَا حَوْلَهُ- جب اس کا ماحول (اردگرد) روشن ہوگیا

کہا گیا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آگ ہر طرف پھیل گئی یا آگ نے اپنے گردوپیش کی اشیا کو روشن کردیا کیوں کہ روشنی آگ کا خاصّہ ہے۔ [۲]

ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ- اللہ تعالیٰ نے ان کے نور کو سلب کرلیا

یعنی ہوا کے جھونکوں یا بارش کے ذریعے اس آگ کو بجھا ڈالا۔ یہ بات اس طرح ہے کہ انھوں نے اپنے ظاہری ایمان سے حق و ہدایت کو دیکھا اور انھیں مسلمانوں کے احکام عطا کیے گئے جیسے جان کی حفاظت اور مال کی سلامتی وغیرہ، پس جب ان کے ایمانِ ظاہر نے ماحول کو روشن و فروزاں کردیا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں موت سے ہمکنار کردیا اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے اُخروی عذاب کی ظلمتوں میں گم ہوگئے۔ نہ اس عذاب سے نکلنا ممکن ہے اور نہ اس سے کنارہ کشی اختیار کرنا ان کے بس میں ہے۔

(۱) بیضاوی تفسیر انوار التنزیل، ص ۲۷ ج ۱ (۲) انوار التنزیل، ص ۲۷ ج ۱

وَ تَرَكَهُمْ فِیْ ظُلُمٰتٍ لَّا یُبْصِرُوْنَ۔

اور انھیں ایسے گھٹاٹوپ اندھیروں میں چھوڑ دیا جہاں انھیں کچھ سجھائی نہیں دیتا۔

''کتاب عیون'' میں امام رضا علیہ السّلام سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت خلق کرنا ہے، ترک کرنا نہیں، لیکن جب ان کے عمل سے یہ ظاہر ہوگیا کہ وہ لوگ کفر اور گمراہی سے باز آنے والے نہیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد اور عنایت سے ہاتھ روک لیا۔ اور انھیں ان کی مرضی پر چھوڑ دیا۔ (۱)

۱۸ – صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ – وہ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں

یعنی آخرت میں اللہ تعالیٰ ان کو اس طرح محشور کرے گا جیسا کہ ارشادِ ربّ العزّت ہے:

وَ نَحْشُرُهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْیًا وَّ بُكْمًا وَّ صُمًّا (۹۷:اسراء۔۱۷)

اور ہم ان کو قیامت کے دن اوندھے مُنہ اندھے، گونگے اور بہرے (بنا کر) اٹھائیں گے۔

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ دنیا کے بہت سے ایسے علوم و معارف ہیں جن کا تعلق آخرت سے ہے اور اسی سبب سے انھیں روزِ قیامت ایسا محشور کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ بِهَا٘ وَ لَهُمْ اَعْیُنٌ لَّا یُبْصِرُوْنَ بِهَا٘ وَ لَهُمْ اٰذَانٌ لَّا یَسْمَعُوْنَ بِهَا۔ (۱۷۹:اعراف۔۷)

ان کے پاس دل و دماغ ہیں مگر وہ ان سے سمجھتے نہیں، ان کے پاس آنکھیں ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں ان کے پاس کان ہیں مگر وہ ان سے سنتے نہیں۔

یعنی وہ دنیا میں ایسے مگن ہیں کہ امورِ آخرت کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتے۔

نیز فرمایا:

فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَ لٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ۔ (۴۶:حج۔۲۲)

آنکھیں اندھی نہیں بلکہ درحقیقت وہ دل اندھے ہیں جو سینوں میں ہیں۔

نیز فرمایا:

وَ تَرٰىهُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ وَ هُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ۔ (۱۹۸:اعراف۔۷)

تم انھیں اپنی طرف دیکھتے ہوئے پاؤ گے لیکن وہ حقیقت میں نہیں دیکھتے۔

فَهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ۔

پس وہ لوٹنے والے نہیں ہیں۔

یعنی گمراہی سے ہدایت کی طرف واپس نہیں آئیں گے

(۱) عیون اخبار الرضا ص ۱۲۳ ج ۱

اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيهِ ظُلُمٰتٌ وَّ رَعْدٌ وَّ بَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ
اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ؕ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌ ۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾ يَكَادُ الْبَرْقُ
يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ؕ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ۙ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ؕ
وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۰﴾ ع ۲ ۳

۱۹- یا ان کی مثال ایسی ہے جیسی آسمان سے بارش ہو رہی ہے جس میں تاریکی، گرج اور چمک (سب کچھ) ہے، یہ موت کے خوف سے کڑک کے مارے اپنے کانوں میں انگلیاں رکھ لیتے ہیں اور اللہ ان منکرینِ حق کو گھیرے میں لیے ہوئے ہے۔

۲۰- قریب ہے کہ بجلی ان کی بصارت کو اچک لے جائے۔ جب بجلی چمکتی ہے تو یہ اس کی روشنی میں چلنے لگتے ہیں اور جب اندھیرا چھا جاتا ہے تو رک جاتے ہیں۔ اگر اللہ چاہتا تو ان کی سماعت اور بصارت بالکل ختم کر دیتا۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

۱۹- اَوْ كَصَيِّبٍ -

یا بارش کی مثال ہے

کہا گیا ہے کہ ان لوگوں سے حق و ہدایت کی جو بات کی گئی ہے اس کی مثال بارش سے دی گئی ہے۔ اس لیے کہ اس بات سے دلوں کی حیات مربوط ہے جس طرح بارش سے زمین کی زندگی وابستہ ہے۔ [۱]

مِّنَ السَّمَآءِ فِيهِ ظُلُمٰتٌ -

آسمان سے جس میں تاریکیاں (اندھیرے) ہیں

''سَمَآءٌ'' سے مراد بلندی ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے: كُلُّ مَا عَلَاكَ فَهُوَ سَمَآءٌ جو بھی تمھارے سر کے اوپر (بلند) ہو، وہ آسمان ہے۔

ظُلُمَاتٌ، ظُلْمَةٌ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں تاریکی آیت میں شکوک و شبہات اور مصائب و آلام کو ظلمات سے تعبیر کیا گیا ہے۔

وَّ رَعْدٌ وَّ بَرْقٌ -

اور گرج اور چمک ہے

''رَعد'' اور ''برق'' کے الفاظ کو ڈرانے اور دھمکانے کے لیے بطورِ مثال بیان کیا گیا ہے نیز یہ دونوں روشن

(۱) الکشاف، ص ۷۹ ج ۱ و انوار التنزیل، ص ۲۹ ج ۱

نشانیاں دیکھنے سمجھنے اور سیدھی راہ اختیار کرنے کے لیے ہیں۔

يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ۔

وہ لوگ اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال لیتے ہیں، کڑک سے ڈر کر موت کے خوف سے۔

تا کہ گرج ان کے دلوں کو ان سے جدا نہ کردے یا بجلی کڑک کے ساتھ نازل ہو کر انھیں موت سے ہمکنار نہ کردے۔ یہ منافقین اپنے کفر ونفاق کی وجہ سے ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں پیغمبرِ اکرمؐ ان کے کفر ونفاق سے مطلع ہو کر انھیں قتل نہ کردیں، انھیں نیست و نابود نہ کردیں، جب انھیں معلوم ہوا کہ پیغمبرِ اکرمؐ نے بیعت توڑنے والوں پر لعنت بھیجی ہے تو انھوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں تا کہ لعنت کے الفاظ سن کر ان کے چہرے کا رنگ متغیر نہ ہو اور مومنین کو پتا نہ چل جائے کہ یہی گمراہ لوگ ہیں۔

وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ –

اور اللہ کافروں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

یعنی اللہ اس امر پر قدرت رکھتا ہے کہ اگر چاہے تو ان منافقین کے نفاق کو اے نبی، آپ پر ظاہر کردے، ان کے راز کو فاش کردے۔ اور یہ حکم دے دے کہ آپ منافقین کو قتل کر کے انھیں کیفرِ کردار تک پہنچا دیں۔

۲۰ – يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ۔

قریب ہے کہ بجلی ان کی بصارت کو ختم کردے

درحقیقت یہ اس قوم کی مثال ہے جس کی آزمائش برق (بجلی) کے ذریعے سے کی گئی، ان لوگوں نے بجلی کی طرف دیکھنا شروع کیا اور اپنی نگاہیں اس سے نہیں ہٹائیں اور نہ ہی اپنا چہرہ اس سے چھپایا کہ وہ اس کی چمک دمک سے اپنی آنکھوں کو محفوظ رکھ سکیں اور وہ لوگ بجلی کی روشنی میں چل کر جس راستے سے نجات حاصل کرنا چاہتے تھے انھوں نے وہ راستہ بھی اس کی روشنی میں نہیں دیکھا۔

یہی وہ منافقین ہیں جو قرآنِ مجید کی ان آیاتِ محکمات کا مشاہدہ کرنے کے باوجود جو نبیؐ اکرمؐ کی صداقت پر دلالت کرتی ہیں انھیں نظر انداز کر دیتے ہیں اور ان میں بیان شدہ حق بات کو جھٹلا دیتے ہیں۔ اس طرح وہ لوگ جن امور کی معرفت رکھتے ہیں اور ان پر عمل پیرا بھی ہوئے تھے وہ سب کے سب کالعدم ہو گئے۔

جو شخص کسی ایک حق بات کا منکر ہوتا ہے تو یہ بات اسے اس حد تک پہنچا دیتی ہے کہ وہ ہر حق بات کا انکار کرنے لگتا ہے تو یہ منکرِ حق دیگر جملہ حقوق کے بُطلان میں ایک ایسے ناظر (دیکھنے والے) کی طرح ہے جو آنکھوں کا نور ختم ہو جانے کے بعد بھی سورج کے گولے کی طرف دیکھتا رہے۔

كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ۔

جب بھی وہ (بجلی) ان کے لیے چمکتی ہے

تو ان پر ظاہر اور آشکار ہو جاتا ہے کہ وہ جن باتوں کا اعتقاد رکھتے تھے، وہی حجّت ہے۔

مَّشَوْا فِیْهِ -

تو وہ اس کی روشنی میں چلنے لگتے ہیں

یہ منافقین جب وہ چیزیں دیکھتے ہیں جو دنیا میں انھیں محبوب تھیں تو وہ اپنی بیعت پر خوش ہوتے ہیں اور اپنی اطاعت کے اظہار کی تمنا کرتے ہیں۔

وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا -

اور جب ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے تو وہ ٹھہر جاتے ہیں

''قاموا'' کے معنیٰ ہیں کہ وہ لوگ رک جاتے ہیں، حیران ہوتے ہیں۔ اور یہ منافقین جب دنیاوی زندگی میں ناپسندیدہ چیزیں دیکھتے ہیں تو ٹھہر جاتے ہیں اور اپنی کی ہوئی بیعت کو منحوس قرار دیتے ہیں۔

کہا گیا ہے کہ راہِ ہدایت پا لینے کی خوشی اور کُمک کے نظر آ جانے کی مثال بجلی کی روشنی میں ان کے چلنے سے دی گئی ہے، جب وہ ان کے لیے چمکے اور ان کی حیرانی اور توقف کی مثال اندھیرے سے دی گئی ہے جب وہ کسی شبہے میں پڑ جائیں یا کسی مصیبت میں گھر جائیں۔ [1]

اللہ تعالیٰ نے اَضَاءَ کے ساتھ کُلَّمَا کا لفظ استعمال کیا ہے اور اِظلام کے ساتھ اِذ کا لفظ لایا گیا ہے۔

اس لیے کہ وہ منافقین چلتے وقت گُریز کرنے کے بہت زیادہ شوقین ہوتے تھے اس لیے جیسے ہی اس کا موقع پاتے، اس سے فائدہ اٹھاتے تھے لیکن رکنے میں ایسا نہیں تھا (کہ وہ اس سے دل برداشتہ ہوں)

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ -

اور اگر اللہ چاہتا تو ان کی سماعت اور بصارت کو بالکل ختم کر دیتا

تا کہ ان کے لیے بچ نکلنا ممکن نہ رہتا اس طرح کہ اے رسول، آپ اور آپ کے اصحاب ان کے کفر سے واقف ہو جاتے جو اُن کے قتل کا سبب بن جاتا اور وہ نیست و نابود ہو جاتے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ -

بلاشبہہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

یعنی کوئی چیز اسے عاجز نہیں کر سکتی۔

---

(۱) بیضاوی انوار التنزیل، ص ۱۳ ج ۱

يَاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ
تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۠ وَّاَنْزَلَ مِنَ
السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا
وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾

۲۱- اے انسانو! تم اپنے پروردگار کی عبادت کرو جس نے تمھیں اور تم سے پہلے والے لوگوں کو پیدا کیا ہے تاکہ تم متقی بن جاؤ۔

۲۲- جس نے تمھارے لیے زمین کا فرش بچھایا، آسمان کی چھت بنائی اور آسمان سے پانی برسایا۔ پھر اس کے ذریعے تمھارے لیے پھلوں کا رزق مہیا کیا۔ جب تم یہ جانتے ہو تو پھر کسی اور کو اللہ کا مدِ مقابل قرار نہ دو۔

۲۱- يَاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ-

اے لوگو! تم اپنے ربّ کی عبادت کرو جس نے تمھیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تاکہ تم متّقی بن جاؤ۔

کہا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مکلّفین کے مختلف گروہوں کا تذکرہ کیا، ان کی خصوصیات کو بیان کیا اور ان کے امور کا جائزہ لیا تو اب التفات کی روش پر خطاب کیا گیا تاکہ سامع کو محظوظ کیا جائے اور اس کے لیے سامانِ نشاط فراہم کیا جائے اور امرِ عبادت کو مُہتم بالشّان طریقے سے بیان کیا جائے۔ اس طرح عبادت کی تکلیف کا جبران بھی ہے اور مخاطب کی لذّت کا اہتمام بھی۔ [۱]

امام حسن عسکری علیہ السّلام کی تفسیر میں ہے کہ اس کی دو وجہیں ہیں:

پہلی وجہ یہ ہے کہ تمھیں اور تم سے پہلے والوں کو اس لیے خلق فرمایا کہ تم متّقی بن جاؤ۔

جیسا کہ ارشاد فرمایا: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (۵۶:الذاریات۔۵۱)

میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا نہیں کیا مگر محض اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ: اُعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ۔

تم اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلے والوں کو پیدا کیا ہے۔

یعنی اس کی عبادت کرو تاکہ جہنم کی آگ سے بچ سکو۔

(۱) بیضاوی انوار التنزیل، ص ۳۱، ج ۱

لفظ "لَعَلَّ" کی نسبت اللہ تعالیٰ کی جانب ہو تو وہ وجوب پر دلالت کرتا ہے اس لیے کہ اس کی ذات اس بات سے بلند و بالا ہے کہ وہ بغیر کسی منفعت کے اپنے بندے کو مشقت میں ڈالے اور جب بندہ فضل خداوندی کی توقع رکھتا ہو تو ایسے عالم میں وہ اسے ناکام و نامراد لوٹا دے۔ [1]

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں، لَعَلَّكُمْ کا لفظ پہلی وجہ کے مطابق خَلَقَكُمْ سے متعلق ہے اور تقویٰ سے مراد عبادت ہے اور دوسری وجہ کے مطابق اُعْبُدُوا سے متعلق ہے اور تقویٰ سے مراد خوف ہے۔

امام علیہ السّلام نے لَهَا وَجْهَان کہہ کر اس بات کی جانب توجہ مبذول کرائی ہے کہ قرآن کے بے شمار رُخ ہیں اور اس کی نظیریں ائمہ علیہم السّلام کے کلام میں ملتی ہیں۔ اور کلام کا (ذو وجوہ) مختلف رُخوں والا ہونا اس کی بلاغت ولطافت میں چار چاند لگاتا ہے۔

۲۲- الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا -

جس نے تمھارے لیے زمین کو فرش بنایا

اللہ وہ ہے جس نے زمین کو تمھارے مزاج کے مطابق بنایا ہے، تمھارے جسم کے موافق بنایا ہے، کھیتی باڑی کے قابل، مکانات بنانے کے لائق، مُردوں کو دفن کرنے کے لیے موزوں، نہ تو اسے اتنا گرم بنایا کہ تمھیں جلا ڈالے اور نہ اتنا سرد قرار دیا کہ جما ڈالے، نہ اتنا خوشبودار بنایا کہ دردِ سر بن جائے اور نہ بدبودار بنایا کہ ہلاک کر ڈالے، نہ پانی کی طرح نرم بنایا جو ڈبو دے اور نہ اتنا سخت بنایا کہ کھیتی باڑی، تعمیرات اور مُردوں کو دفن کرنا دشوار ہو جائے۔ بلکہ اس میں اتنی پائیداری اور مضبوطی رکھ دی کہ تم اس سے فائدہ اٹھا سکو، اسی سے متصل رہو، تمھارے اجسام اور تمھاری عمارتیں اس سے متصل رہیں اور اس میں نرمی رکھ دی تا کہ تمھارے گھروں اور قبروں کی تعمیر کے لیے تمھاری مطیع ومنقاد رہے۔ اور بھی بے شمار فوائد اس میں ودیعت کر دیے ہیں۔ [2]

وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً -

اور آسمان کو چھت قرار دیا۔

یعنی یہ آسمان تمھارے اوپر ایک مضبوط چھت کی طرح ہے جس میں سورج، چاند اور تارے تمھارے فائدے کے لیے رواں دواں ہیں۔ [3]

وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً -

اور آسمان سے پانی نازل کیا

---

(۱) تفسیر امام حسن عسکریؑ، ص ۱۴۰۔۱۴۲ (۲) تفسیر امام العسکریؑ ص ۱۴۲

(۳) تفسیر امام العسکریؑ، ص ۱۴۳

''مَآءً'' سے مراد بارش ہے اور ''سَمَآء'' سے مراد بلندی ہے یعنی بلندی سے بارش برسائی تاکہ پہاڑوں کی چوٹیاں، ٹیلے اور اونچی نیچی زمینیں سیراب ہوں۔ پھر بارش کو کبھی بوندا باندی، موسلا دھار، مسلسل اور لگاتار اور کبھی وقفے وقفے سے نازل کیا تاکہ زمین پانی کو جذب کرے اور یک بارگی اور ایک دم اس لیے نازل نہ کیا کہ زمین، درخت، کھیتی باڑی اور پھل وغیرہ فاسد نہ ہو جائیں۔[1] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ بارش کے ہر قطرے کے ساتھ فرشتہ نازل ہوتا ہے جو اسے اس جگہ پر رکھ دیتا ہے جس جگہ رکھنے کا حکم اس کے رب نے اسے دیا ہے۔[2]

فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ۔

پھر اس کے ذریعے پھلوں کا رزق تمھارے لیے مہیّا کیا

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ تمھاری خوراک، مشروبات، ملبوسات اور جملہ منفعت بخش اشیا پیدا کیں۔

فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا ۔

کسی اور کو اللہ کا شریکِ کار اور مدِّ مقابل قرار نہ دو

یعنی اللہ تعالیٰ کو بتوں کے مشابہ قرار نہ دو جو نہ سنتے ہیں نہ سمجھتے ہیں نہ دیکھتے ہیں اور نہ ہی کسی چیز پر قدرت رکھتے ہیں۔[3]

وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۔

جب کہ تم علم رکھتے ہو۔

کہ وہ اصنام ان بیش بہا نعمتوں میں سے کسی پر بھی قدرت نہیں رکھتے جو تمھارے رب نے تمھیں عطا کی ہیں۔[4]

(۱) تفسیر امام العسکریؑ ص ۱۴۳ (۲) بحار الانوار ص ۹۹ ج ۷۲ و تفسیر امام العسکریؑ ص ۱۵۰
(۳) تفسیر امام العسکریؑ ص ۱۴۳ (۴) تفسیر امام العسکریؑ ص ۱۴۳

وَ اِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ رَيۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰى عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ ۖ وَادۡعُوۡا شُهَدَآءَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَلَنۡ تَفۡعَلُوۡا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىۡ وَقُوۡدُهَا النَّاسُ وَالۡحِجَارَةُ ۖۚ اُعِدَّتۡ لِلۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۲۴﴾

۲۳- اور جو کتاب ہم نے اپنے بندے پر اتاری ہے اگر اس بارے میں تم لوگوں کو کسی قسم کا شک ہو تو اس جیسی ایک سورت بنالاؤ اور اللہ کے علاوہ جو تمھارے مددگار ہیں انھیں بلالو! اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔

۲۴- اگر تم نے ایسا نہیں کیا اور ہرگز ایسا نہ کرسکو گے تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن انسان اور پتھر بنیں گے۔ جو کافروں کے لیے مہیا کی گئی ہے۔

۲۳- وَ اِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ رَيۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰى عَبۡدِنَا -

اور جو کتاب ہم نے اپنے بندے پر اتاری ہے اگر اس بارے میں کسی قسم کا شک ہو۔

تاکہ اس شک کی بنیاد پر انکار نہ کر بیٹھو کہ محمدؐ اللہ کے رسول نہیں ہیں اور یہ کہ جو قرآن ان پر نازل ہوا وہ میرا کلام نہیں ہے حالاں کہ میں نے مکہ مکرمہ میں اس بات کو واضح نشانیوں سے تم پر ظاہر کردیا تھا۔ جیسے بادل کا آں حضرتؐ پر سایہ فگن ہونا اور جمادات کا انھیں سلام کرنا وغیرہ وغیرہ۔

فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ -

تو تم اس جیسی ایک سورت بنالاؤ

یعنی کیا تمھارے درمیان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم جیسا کوئی فرد ہے جو نہ پڑھنے لکھنے میں مصروف تھا نہ ہی اس نے کوئی کتاب پڑھی اور نہ ہی کسی عالم کے پاس گیا اور نہ کسی کی شاگردی اختیار کی تم ان کے سفر وحضر سے واقف ہو کہ چالیس برس اسی طرح گزرے پھر انھیں ''جَوَامِعُ الۡعِلۡم'' تمام علوم کا مجموعہ عطا ہوا یہاں تک کہ انھوں نے اوّلین وآخرین کا علم جان لیا۔

کیا اس قرآن کی مثال کتب سابقہ میں ملتی ہے جس میں ایسی بلاغت اور نظم وترتیب ہو۔

حدیث کی مشہور کتاب ''کافی'' میں امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام سے روایت ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اس دور کے افراد خطابت اور گویائی میں سب پر غالب تھے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے ذریعہ ایسے مواعظ واحکام عطا کیے جس نے ان کے قول کو باطل کردیا اور اس طرح ان پر حجّت ثابت کردی۔ جس طرح موسیٰ علیہ السّلام اپنی

قوم کے پاس وہ چیزیں لے کر آئے جس نے جادو کو باطل کردیا کیوں کہ اُن کے دور میں جادو کا غلبہ تھا اور عیسیٰ علیہ السّلام اپنی قوم کی طرف طب وحکمت لے کر آئے اور انھوں نے مردوں کو جلایا، اندھوں کو بینائی عطا کی اور کوڑھیوں کو صحت بخشی کیوں کہ اس دور میں طب کا زور تھا۔ [۱]

وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔

تم اللہ کے علاوہ اپنے تمام (حمایتیوں) مددگاروں کو بلا لو

اے مشرکو! تم اپنے بتوں کو بلالو اور اے یہود ونصاریٰ تم اپنے شیطانوں کو پکارو اور اے منافقو! اور آل محمدؐ سے دشمنی رکھنے والو! تم اپنے مُلحد ساتھیوں کو آواز دو جو تمھارے خیال میں تمھاری گواہی دیں گے کہ تم حق پر ہو اور تم جن کے بارے میں یہ سمجھتے ہو کہ وہ رب العالمین کے حضور تمھاری عبادت کے گواہ بنیں گے اور وہ خداوند عالم سے تمھاری شفاعت کرکے تمھارے حق میں گواہی دیں گے کہ جو کچھ تم لائے ہو وہ قرآن کی مثل ہے۔ [۲]

اور ایک قول کے مطابق آیت کا مفہوم یہ ہے کہ وہ تمھاری نصرت کریں گے کہ تم قرآن کے مقابلے پر کوئی اور کتاب بنالاؤ جیسا کہ ارشاد رب العزت ہے:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا۔
(۸۸: اسراء۔ ۱۷)

(اے پیغمبرؐ) آپ ان سے کہہ دیجیے کہ اگر تمام انسان اور جنات یکجا ہوجائیں اور اس قرآن کی مثال لانا چاہیں تو وہ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر رہیں گے خواہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوجائیں۔ لفظ شہید کے معنی ہیں رہنما، ناصر اور گواہی پر باقی رہنے والا۔

اور یہ جو گواہوں کو بلانے کی بات کہی گئی ہے تو یہ حسّی یا خیالی ہوسکتی ہے۔ [۳]

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔

اگر تم (اپنے دعوے میں) سچے ہو۔

جیسا کہ تمھارا نظریہ ہے کہ حضرت محمدؐ نے اس قرآن کو خود گڑھ لیا ہے، اللہ نے اس قرآن کو ان پر نازل نہیں کیا ہے۔

۲۴ – فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا۔

اگر تم نے ایسا نہیں کیا

جس بات کے لیے میں نے تم کو للکارا ہے (تحدّی کی ہے) تو اے رب العالمین کی حجّت کا انکار کرنے والو!

---

(۱) الکافی ص ۲۴۔۲۵ ج ۱ (۲) اقتباس از تفسیر امام عسکریؑ ص ۱۵۴ (۳) انوار التنزیل، ص ۳۵ ج ۱

وَلَنۡ تَفۡعَلُوۡا –

اور تم ہرگز ایسا نہ کرسکو گے۔

یہ تم سے کبھی نہ ہوسکے گا اور نہ ہی تم اس بات پر قدرت رکھتے ہو۔

فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیۡ وَقُوۡدُهَا النَّاسُ وَالۡحِجَارَةُ –

تو تم جہنم کی اس آگ سے بچو! انسان اور پتھر جس کے ایندھن ہوں گے

حجارۃ سے مراد گندھک کا پتھر ہے کیوں کہ اس میں سب سے زیادہ گرمی ہوتی ہے۔ کتاب ''احتجاج'' طبرسی میں امیرالمومنین علیہ السّلام سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ساتھ ایک پہاڑ کے قریب سے گزرے تو دیکھا کہ کچھ پتھر رو رہے ہیں تو آں حضرتؐ نے ان سے دریافت کیا کہ رونے کا سبب کیا ہے؟ تو ان پتھروں نے جواب دیا کہ اے رسول اللہ! حضرت عیسٰی علیہ السّلام میرے پاس سے گزرے تھے اور وہ لوگوں کو جہنم کی آگ سے ڈرایا کرتے تھے کہ انسان اور پتھر اس کے ایندھن ہوں گے تو میں ڈرتا ہوں کہ کہیں وہ پتھر میں تو نہیں تو آں حضرتؐ نے فرمایا تم ڈرو نہیں وہ گندھک کا پتھر ہے۔ یہ سن کر اس پتھر کو سکون وقرار نصیب ہوا۔ [1]

اور کہا گیا ہے کہ اس پتھر سے مراد وہ بت ہیں جنھیں ان مشرکین نے تراشا، ان کی قربت حاصل کی اور شفاعت کی لالچ میں ان کی عبادت کرتے رہے جیسا کہ ارشاد رب العزت ہے:

اِنَّكُمۡ وَمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنۡتُمۡ لَهَا وٰرِدُوۡنَ ۔ (۹۸: الانبیاء۔ ۲۱)

اے کافرو! تم اور اللہ کے سوا تم جن (چیزوں) کی عبادت کرتے ہو، (وہ سب) دوزخ کا ایندھن ہوں گے اور تم (سب کے سب) اس میں داخل ہوکر رہو گے۔ [2]

''تفسیر قمّی'' میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ یہ دنیاوی آگ آتش جہنم کے ستّر حصّوں میں سے ایک حصّہ ہے جسے ستّر مرتبہ پانی سے بجھایا جاچکا ہے اس کے بعد یہ شعلے بھڑک رہے ہیں اگر ایسا نہ ہوتا تو کوئی شخص بھی اس کے بجھانے پر قدرت نہ رکھ سکتا تو اس دنیاوی آگ کو لاکر روزِ قیامت جہنم کی آگ پر رکھ دیا جائے گا تو وہ آگ ایسی چیخ مارے گی جسے سن کر خوف کے مارے کوئی مقرّب فرشتہ اور کوئی نبی مرسل ایسا نہ ہوگا جو گھٹنے کے بل نہ بیٹھ جائے۔ [3]

اُعِدَّتۡ لِلۡكٰفِرِيۡنَ –

وہ آگ کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

کافر سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ کے کلام اور اللہ کے نبی کی تکذیب کرتے ہیں۔

---

(۱) الاحتجاج، ص ۳۲۶ ج ۱ (۲) بیضاوی، ص ۳۶ ج ۱ (۳) تفسیر قمی، ص ۳۶۶ ج ۱

وَ بَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙۗ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾

۲۵- اور اے نبی آپ ان لوگوں کو خوش خبری سنا دیں جو اس کتاب پر ایمان لائے اور اعمال صالحہ بجالائے کہ ان کے لیے بہشت کے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ جب بھی انھیں وہاں کے پھلوں کو بطور رزق دیا جائے گا تو وہ کہہ اٹھیں گے یہ پھل تو ہم پہلے بھی کھاتے رہے ہیں۔ درحقیقت انھیں (دنیاوی پھلوں سے) ملتے جلتے پھل دیے جائیں گے۔ اور وہاں پر ان کے لیے پاک وپاکیزہ بیویاں ہوں گی اور وہ لوگ ان باغات میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

۲۵- وَ بَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ-

(اے نبی) آپ خوش خبری سنا دیں ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور اعمالِ صالحہ بجالائے کہ ان کے لیے بہشت کے باغات ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔

''تَحْتِهَا'' کے معنی اس آیت میں یہ ہیں کہ درختوں اور مکانات کے نیچے۔

روایت ہے کہ یہ آیت حضرت علی علیہ السّلام، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ، حضرت عبیدہ بن الحارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی۔ (۱)

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں یہ حدیث حکم عمومی کے منافی نہیں جیسا کہ روایت سے پتا چلتا ہے۔

كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ-

جب بھی انھیں وہاں کے پھلوں کو بطور رزق دیا جائے گا تو وہ کہہ اٹھیں گے یہ پھل تو ہم پہلے بھی کھاتے رہے ہیں۔

جب ان لوگوں کو جنت کے میوے کھانے کو ملے تو وہ کہنے لگے یہ تو ویسے ہی پھل ہیں جو ہم نے دنیا میں کھائے تھے۔ چوں کہ پھلوں کے نام وہی تھے اور ان میں کچھ فرق نہ تھا اس لیے وہ لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ وہی دنیاوی پھل ہیں لیکن اس کی خوشبو مختلف تھی اور ذائقہ بھی جدا تھا ان پھلوں کو کھانے کے بعد فضلہ، صفرا، سودا اور خون کچھ نہیں بنتا سوائے اس پسینے کے جو جسم سے خارج ہوگا جس کی خوشبو مشک جیسی ہوگی۔

(۱) تفسیر فرات کوفی ص ۵۳

وَأُتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا-

اور در حقیقت انھیں دنیاوی پھلوں سے ملتے جلتے پھل دیے جائیں گے

یعنی وہ پھل ایک دوسرے سے مشابہت رکھتے ہوں گے۔ وہ سب کے سب پھل منتخب ہوں گے ان میں کوئی بھی غیر معیاری نہ ہوگا۔ ان پھلوں کی جملہ اقسام نہایت خوش بو دار اور ذائقے دار ہوگی، وہ دنیاوی پھلوں جیسے نہ ہوں گے جن میں کچھ تو کچے ہیں اور کچھ زیادہ پکے ہوئے اپنی کھٹاس اور کڑواہٹ کی وجہ سے گلنے سڑنے کے نزدیک بلکہ ہر اعتبار سے گئے گزرے۔

مشابہات کا مفہوم ہے جن کا رنگ ایک جیسا لیکن ان کا ذائقہ مختلف ہو۔

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ دنیا میں کسی شے کی معرفت آخرت میں اس کے مشاہدے کا وسیلہ وذریعہ ہے تو پھر جائز ہوگا کہ هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ۔ سے اہل معرفت کے لیے اشارہ کیا گیا ہو ان کے ان علوم ومعارف کی جانب جو ان کی نگاہوں کے سامنے اور ان کے مشاہدے میں آجائیں۔

وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ -

اور اس (جنت) میں ان کے لیے پاک وپاکیزہ بیویاں ہوں گی

یعنی وہ بیویاں حیض ونفاس، تمام غلاظتوں اور نجاستوں سے پاک وپاکیزہ ہوں گی، نہ تو لگائی بجھائی کرنے والی، نہ مکاری کرنے، ٹوہ لگانے اور دھوکا دینے والی اور نہ ہی متلوّن مزاج اور نہ اپنے شوہروں کو غصّہ دلانے، چیخ وپکار کرنے اور کچوکے لگانے والی بلکہ ہر عیب اور نقص سے منزّہ اور مُبرّا ہوں گی۔

کتاب فقیہ میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ نہ تو ان عورتوں کو حیض آئے گا اور نہ ہی بول وبراز ہوگا (پیشاب پیخانہ وغیرہ)۔[۱]

وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ -

اور وہ لوگ اس (جنت) میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

اس لیے کہ دنیاوی زندگی میں ان کی نیت یہ تھی کہ اگر وہ اس میں زندہ رہتے تو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہتے تو اسی نیت کے سبب انھیں جنت میں دوام نصیب ہوا۔

اور کتاب ''علل الشرائع ''میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے اسی مفہوم کی روایت موجود ہے۔[۲]

---

(۱) من لا یحضرہ الفقیہ ص ۵۰ ج ۱ (۲) علل الشرائع ص ۵۲۳

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِ أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ
آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ ۖ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا
أَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا ۚ وَمَا يُضِلُّ
بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ﴿٢٦﴾ الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَ
يَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللّٰهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ ۚ أُولٰئِكَ هُمُ
الْخَاسِرُونَ ﴿٢٧﴾

وقف لازم

۲۶- اللہ اس بات میں شرم محسوس نہیں کرتا کہ وہ مچھر یا اس سے بھی بڑھ کر کسی اور چیز کی مثال بیان کرے۔ جو لوگ صاحبانِ ایمان ہیں وہ جان لیتے ہیں کہ یہ سب ان کے پروردگار کی جانب سے برحق ہے۔ اور جنھوں نے کفر اختیار کیا ہے، وہ یہ کہتے ہیں کہ: ''اللہ ان مثالوں کو کس مقصد کے لیے بیان کرتا ہے؟ وہ اس کے ذریعہ بہت سے لوگوں کو گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے اور بہت سے لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے۔'' حالاں کہ گمراہی میں وہی مبتلا رہتے ہیں جو فاسق ہیں۔

۲۷- جو اللہ سے مضبوط عہد کرنے کے بعد بھی اسے توڑ دیتے ہیں، اور اللہ نے جسے جوڑنے کا حکم دیا ہے اسے کاٹ دیتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں بس یہی لوگ خسارے میں ہیں۔

۲۶- إِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِ أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا -

بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس بات سے نہیں شرماتا کہ مثال بیان کرے مچھر کی بلکہ اس سے بھی بڑھ کر کسی اور چیز کی۔

تاکہ وہ مثالوں کے ذریعہ اپنے مومن بندوں کے لیے حق کی وضاحت کر دے۔

''ما'' سے مراد ہر طرح کی مثال یا ''ما'' ابہام کو بڑھانے اور نکرہ کو عام کرنے کے لیے آیا ہے۔

''ما فوقھا'' سے مراد مکھی ہے اس مثال کے ذریعہ درحقیقت ان لوگوں کو جواب دینا مقصود ہے جو قرآن مجید میں بیان کردہ مثالوں پر طعن و تشنیع کیا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے مکھی، مکڑی، بھڑکتی ہوئی آگ، بارش اور بادل کی مثال قرآن میں کیوں بیان کی ہے۔

''تفسیر مجمع البیان'' میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مچھر کی مثال اس لیے بیان کی ہے کہ اگرچہ یہ جسم میں چھوٹا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے ہاتھی جیسے بڑے جانور کو جو اعضا عطا کیے ہیں وہ سب

کے سب مچھر میں موجود ہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ مومنین کو اپنی اس عجیب اور لطیف تخلیق سے آگاہ کرنا چاہتا ہے۔ ۱؎

فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا فَیَعۡلَمُوۡنَ اَنَّهُ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّهِمۡ -

مومن یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے رب کی جانب سے یہی حق (بات) ہے۔

یعنی جو مثال بیان کی گئی ہے وہ ان کے رب کی جانب سے حق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس کے ذریعہ حق کی وضاحت کی ہے اور صداقت کو بیان کرنا چاہا ہے۔

میں (فیض کاشانی) یہ کہتا ہوں کہ مومنین جانتے ہیں کہ مثال کے لیے ضروری ہے کہ وہ چھوٹائی، بڑائی، بے وقعتی اور شرف میں مُمَثَّل (جس سے مثال دی جائے) کے مطابق ہو۔

اور یہ مثال ان کی نگاہوں کے سامنے مُمَثَّل سے کمتر اور بے وقعت نظر آئے۔

وَاَمَّا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فَیَقُوۡلُوۡنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا -

اور جو لوگ کافر ہو گئے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ نے اس مثال کے ذریعہ کیا مراد لیا ہے۔

یعنی اس مثال کو بیان کرنے سے اللہ کا مقصود کیا ہے؟

یُضِلُّ بِهٖ کَثِیۡرًا ۙ وَّ یَهۡدِیۡ بِهٖ کَثِیۡرًا -

وہ (اللہ) ان مثالوں کے ذریعہ بہت سے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہت سوں کی ہدایت کرتا ہے۔

کہا گیا ہے یہ ''ماذا'' کا جواب ہے یعنی انکار کے سبب بہت سے گمراہ ہوتے ہیں اور قبول کرنے کی وجہ سے بہت سے ہدایت یافتہ تو وہ گویا دونوں سابقہ جملوں کا بیان ہے۔ یعنی دونوں فریق کا وصف کثرت ہے اور اسی سبب سے دونوں کی نسبت اس کی طرف دی گئی۔ ۲؎

امام حسن عسکری علیہ السّلام کی تفسیر میں ہے کہ کفار یہ کہتے ہیں کہ یہ مثال لایعنی ہے۔ اگر ایک طرف یہ ہدایت حاصل کرنے والوں کو فائدہ پہنچاتی ہے تو دوسری طرف گمراہ ہوجانے والوں کے لیے نقصان دہ ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بات کو اپنے اس قول سے رد کردیا ہے۔ ۳؎ اور فرمایا:

وَمَا یُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الۡفٰسِقِیۡنَ -

کہ اس (مثال) سے گمراہ نہیں ہوتے مگر وہ لوگ جو فاسق ہیں۔

فاسقین سے مراد دین سے خارج، غور وفکر ترک کرکے اپنے نفوس پر ظلم ڈھانے والے اور اللہ کے امر کے خلاف عمل کرنے والے افراد ہیں۔

---

(۱) مجمع البیان، ص ۶۷ ج ۱-۲ (۲) بیضاوی، ص ۴۱ ج ۱ (۳) تفسیر امام عسکریؑ، ص ۲۰۶

۲۷- الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ-

جولوگ اللہ سے کیا ہوا وعدہ توڑ ڈالتے ہیں

یعنی اللہ تعالیٰ کی ربوبیت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی نبوت ورسالت حضرت علیؑ کی امامت اور ان کے پیروکاروں کی کرامت کا انکار کردیتے ہیں۔

وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ-

اور وہ ان سے قطع رحمی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جن کی صلۂ رحمی کا حکم دیا ہے

یعنی رشتے داروں اور قرابت داروں سے جو معاہدہ کیا ہے وہ اسے پورا کریں اور ان کے حقوق ادا کریں۔ اور بہترین خاندان اور واجب ترین حق محمدؐ وآل محمدؑ کا ہے جس طرح انسان کے قریبی رشتے داروں میں ماں باپ کا حق سب سے زیادہ ہے بلکہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا حق تو والدین کے حق سے بھی بڑھ کر ہے اور اسی طرح ان کے خاندان اور اہل بیت کا حق بھی سب سے بڑھ کر ہے اور ان سے قطع تعلق کرلینا بہت برا اور باعث رسوائی ہے۔ [1]

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ ''وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ'' کے ذیل میں انبیائے کرام اور کتب آسمانی میں تفریق کرنا ہے مومنین سے موالات ترک کردینا، جمعہ اور جماعت کی نماز چھوڑ دینا ہے اور ان تمام باتوں سے قطع تعلق کرلینا ہے جو سراسر خیر ہیں اور ان امور کو بجالانا ہے جو محض شر ہیں۔ اس لیے کہ شرکی وجہ سے اللہ اور بندوں کے مابین تعلّقات منقطع ہوجاتے ہیں جب کہ ہر وصل (ملاپ) اور فصل (علاحدگی) کے مقابلے میں اس سے تعلقات کو استوار رکھنا مقصود بالذّات ہے۔

وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ-

اور وہ لوگ زمین میں فساد برپا کرتے ہیں۔

اس چیز سے رشتہ ناتا توڑ کر جس سے رشتہ جوڑنے میں نظامِ کائنات کی فلاح وصلاح مضمر ہے۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ-

یہی لوگ خسارے میں ہیں۔

یعنی یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے خود اپنا نقصان کیا ہے اسی وجہ سے جہنم کی طرف جارہے ہیں اور جنّت سے محروم ہیں ہائے افسوس اس خسارے پر جس کی وجہ سے انھیں دائمی عذاب نصیب ہوا اور انھیں ابدی نعمتوں سے محروم کردیا گیا۔

---

(۱) تفسیر امام عسکریؑ، ص ۲۰۶

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ
اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۗ ثُمَّ اسْتَوٰٓى
اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۹﴾ ع

۲۸- تم بھلا اللہ کا انکار کیسے کر سکتے ہو؟ جب کہ تم بے جان تھے اللہ نے تمھیں زندگی بخشی، پھر وہ تمھیں موت سے ہم کنار کرے گا، پھر تمھیں زندگی عطا کرے گا اس کے بعد تم اس کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔

۲۹- وہی تو ہے جس نے تمھارے لیے زمین کی ساری چیزیں پیدا کی ہیں پھر اس نے آسمان کی جانب توجہ کی تو انھیں سات آسمانوں کی شکل میں استوار کیا اور وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔

۲۸- كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ-

تم اللہ کا کس طرح انکار کر سکتے ہو

اس آیت میں کفارِ قریش اور یہودیوں سے خطاب ہے۔

وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ-

جب کہ تم مردہ تھے تو اس نے تمھیں حیات عطا کی

یعنی تم باپ کے صُلب اور ماں کے رحم میں بے جان تھے اللہ تعالیٰ نے تمھارے اندر روح ڈال کر تمھیں شِکمِ مادر سے زندہ باہر نکالا۔

ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ-

پھر اس نے تمھیں موت دی اور پھر تمھیں حیات عطا کرے گا

یعنی اس دنیا میں موت کا مزا چکھ کر تم قبروں میں چلے جاؤ گے اس کے بعد پھر وہ قبروں میں تمھیں زندگی عطا کرے گا جس میں مومنین کو نعمتیں عطا ہوں گی اور کافرین کو عذاب ملے گا۔

ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ-

پھر تم اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

اس واپسی کا تعلق آخرت سے ہے۔ یعنی ایسا ہوگا کہ روزِ قیامت تمھیں دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا تا کہ تم سے جو وعدہ کیا گیا ہے، "اطاعت پر ثواب دینے کا اور گناہوں پر عذاب دینے کا" اسے پورا کیا جا سکے۔

۲۹ – هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا –

اللہ وہ ہے جس نے سب چیزیں جو زمین میں ہیں تمھارے لیے پیدا کیں

امیرالمومنین علیہ السّلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب چیزوں کو اس لیے خلق فرمایا کہ تمھارے لیے باعث عبرت بنیں ۔ رضائے خداوندی کے حصول کا سبب اور عذاب جہنم سے بچنے کا ذریعہ ہوں ۔ [۱]

ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ –

پھر وہ (اللہ) آسمانوں کی طرف متوجہ ہوا

یعنی اس کی تخلیق کا آغاز کیا اور اسے استحکام بخشا۔

فَسَوَّاهُنَّ –

پھر انہیں درست کیا

کہا گیا ہے کہ اس لفظ کا مفہوم یہ ہے کہ آسمانوں کو کجی اور فتور سے محفوظ بنایا ہے۔ ''هُنَّ'' کی ضمیر مبہم ہے بعد میں آنے والی آیت اس کی تفسیر کر رہی ہے۔ [۲]

سَبْعَ سَمَاوَاتٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ –

سات آسمان (کی صورت میں) اور وہ ہر شے کا جاننے والا ہے۔

اس لیے حکمت کے تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس نے پیدا کیا جو پیدا کیا اور جس طرح پیدا کیا ان سب میں تمھاری بھلائی مدِّنظر تھی۔

---

(۱) عیون اخبار الرضا، ص ۱۲ ۔ ۱۳ ج ۲ (۲) بیضاوی، ص ۴۴ ج ۱

وَ اِذۡ قَالَ رَبُّكَ لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَةً ؕ قَالُوۡۤا
اَتَجۡعَلُ فِیۡهَا مَنۡ یُّفۡسِدُ فِیۡهَا وَ یَسۡفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَ نَحۡنُ نُسَبِّحُ بِحَمۡدِكَ
وَ نُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۰﴾ وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ كُلَّهَا
ثُمَّ عَرَضَهُمۡ عَلَی الۡمَلٰٓئِكَةِ ۙ فَقَالَ اَنۡۢبِـُٔوۡنِیۡ بِاَسۡمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ اِنۡ كُنۡتُمۡ
صٰدِقِیۡنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوۡا سُبۡحٰنَكَ لَا عِلۡمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ
الۡعَلِیۡمُ الۡحَكِیۡمُ ﴿۳۲﴾ قَالَ یٰۤاٰدَمُ اَنۡۢبِئۡهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ ۚ فَلَمَّاۤ اَنۡۢبَاَهُمۡ
بِاَسۡمَآئِهِمۡ ۙ قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّكُمۡ اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ غَیۡبَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۙ
وَ اَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ وَ مَا كُنۡتُمۡ تَكۡتُمُوۡنَ ﴿۳۳﴾

۳۰- (اے رسول! اس وقت کو یاد کرو) جب تمھارے رب نے فرشتوں سے کہا تھا میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ انھوں نے عرض کی کیا تو اسے زمین میں خلیفہ مقرر کرے گا جو وہاں پر فساد برپا کرے گا۔ اور خوں ریزی کرے گا۔ حالاں کہ ہم تیری تسبیح وتقدیس بیان کررہے ہیں۔ تو ارشاد فرمایا کہ میں جو کچھ جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔

۳۱- اور اللہ نے آدم کو تمام اسما کا علم سکھا دیا۔ اور پھر ان سب کو ملائکہ کے سامنے پیش کر کے کہا ذرا ان کے نام تو بتاؤ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔

۳۲- انھوں نے کہا تیری ذات پاک اور منزّہ ہے ہمارے پاس تو بس وہی علم ہے جسے تو نے ہمیں سکھایا ہے بے شک تو سب کچھ جاننے والا اور سمجھنے والا ہے۔

۳۳- اللہ نے آدم سے کہا! اے آدم اِن فرشتوں کو ذرا ان ہستیوں کے نام تو بتادو پس جب آدم نے فرشتوں کو ان ہستیوں کے ناموں سے آگاہ کیا تو اللہ نے فرمایا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمان وزمین کی تمام مخفی باتوں کو جانتا ہوں۔ اور جو کچھ تم ظاہر کرتے اور جو کچھ تم چھپاتے ہو میں ان تمام باتوں سے باخبر ہوں۔

۳۰- وَ اِذۡ قَالَ رَبُّكَ لِلۡمَلٰٓئِكَةِ -

وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا

یہ خطاب ان فرشتوں سے ہے جو زمین پر رہا کرتے تھے جہاں ابلیس بھی ان کے ساتھ ساتھ تھا، ان فرشتوں نے جھگڑنے اور عبادت کو خفیف سمجھنے کی وجہ سے جنوں کی اولاد کو جنوں سے علاحدہ کر دیا تھا۔ اور ذمّے داریوں کی وجہ سے ان کی عبادت میں تخفیف بھی کردی گئی تھی۔

''تفسیر قمی'' میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ ابلیس ملائکہ کے درمیان تھا اور آسمان میں رہ کر اللہ کی عبادت کیا کرتا تھا اور فرشتے یہی سمجھتے تھے کہ وہ انھیں میں سے ہے حالاں کہ وہ ان میں سے نہیں تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السّلام سے قبل ایک مخلوق پیدا کی تھی اور ابلیس اس پر حکومت کرتا تھا، انھوں نے زمین میں فساد برپا کیا، نافرمانی کی اور ناحق ایک دوسرے کا خون بہانے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف فرشتوں کو بھیجا جنھوں نے ان کو قتل کیا اور ابلیس کو قید کرکے اپنے ساتھ آسمان پر لے گئے۔ ابلیس فرشتوں کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتا رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا کیا پس جب اللہ نے فرشتوں کو آدمؑ کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا تو ابلیس کا حسد اور غرور ظاہر ہوگیا اور فرشتوں کو پتا چل گیا کہ ابلیس کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ اللہ نے جب فرشتوں کو سجدۂ آدم کا حکم دیا تو اس حکم میں ابلیس فرشتوں کی قربت کی وجہ سے داخل ہے ایسا نہیں ہے کہ وہ فرشتوں کی جنس میں سے ہے۔ ۱

''تفسیر عیاشی'' میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ امام علیہ السّلام سے ابلیس کے بارے میں سوال کیا گیا کہ کیا وہ ملائکہ کی جنس میں سے تھا یا امر آسمانی میں سے کسی کا حاکم تھا؟ تو امامؑ نے جواب دیا نہ تو وہ فرشتوں میں سے تھا نہ ہی کوئی امرِ آسمانی اسے تفویض کیا گیا تھا۔ وہ جنوں میں سے تھا اور ملائکہ کے ساتھ رہا کرتا تھا، فرشتے یہی سمجھتے تھے کہ وہ ان ہی میں سے ہے اور اللہ کے علم میں تھا کہ وہ فرشتوں میں سے نہیں ہے تو جب اللہ تعالیٰ نے سجدہ کا حکم دیا تو اس کی حقیقت ظاہر ہوگئی۔ ۲

''کتاب کافی'' میں امام صادق علیہ السّلام سے اسی جیسی روایت ہے یہاں تک کہ آپ نے فرمایا کہ وہ امرِ آسمانی میں سے کسی شے کا حاکم نہ تھا نیز روایت کے مزید الفاظ یہ ہیں کہ وہ آسمان پر کسی بھی شرف اور فضیلت کا مالک نہ تھا۔ ۳

اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَةً -

میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔

تمھاری جگہ پر، اور تم سے خلافت کی ذمّے داری اٹھائے لیتا ہوں، یہ بات ان کے لیے بہت سخت تھی اس لیے کہ آسمان پر واپس آنے کے بعد ان پر عبادت کا بوجھ بھی بڑھ گیا تھا۔ ۴

---

(۱) تفسیر قمی، ص ۳۵۔۳۶ ج ۱ (۲) تفسیر عیاشی، ص ۳۴ ج ۱ (۳) الکافی ص ۲۷۴ ج ۸ (۴) تفسیر امام عسکریؑ ص ۲۱۵

اور ایک روایت میں ہے کہ اس سے مراد ہے کہ ایسا خلیفہ بناؤں گا جو میری زمین پر میری مخلوقات میں میری حجّت بنے گا۔ ۱؎

قَالُوٓا اَتَجۡعَلُ فِيۡهَا مَنۡ يُّفۡسِدُ فِيۡهَا وَيَسۡفِكُ الدِّمَآءَ –

انھوں (فرشتوں) نے کہا کہ کیا تو اسے زمین میں خلیفہ بنائے گا جو اس میں فساد پھیلائے گا اور خوں ریزی کرے گا

جیسا کہ جن کی اولاد کے ساتھ جنوں نے کیا تھا انھیں ہم نے اس زمین سے ہٹا دیا تھا۔

وَنَحۡنُ نُسَبِّحُ بِحَمۡدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ –

حالاں کہ ہم تیری تسبیح وتقدیس کرتے ہیں

یعنی ہم تجھے ایسی صفات سے متصف نہیں کرتے جو تیرے لیے سزاوار نہیں ہیں اور ہم تیری زمین کو تیرے نافرمان بندوں سے پاک کرتے ہیں۔

قَالَ اِنِّىۡۤ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ –

تو اللہ نے کہا جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔

کہ (آدم کے خلیفہ بنانے میں) اس میں کیا بہتری پوشیدہ ہے۔ اور وہ ابلیس لعنۃ اللہ جو تمھارے ساتھ رہتا ہے اس کے باطن میں کتنا کفر موجود ہے۔

''تفسیر قمّی'' میں امام محمد باقر علیہ السّلام اپنے آباواجداد سے اور وہ امیر المومنینؑ سے روایت کرتے ہیں۔ ۲؎ اور تھوڑے سے لفظی اختلافات کے ساتھ یہ روایت ''عِلَلُ الشرائع'' میں بھی امیر المومنینؑ سے موجود ہے کہ انھوں نے فرمایا:

کہ جن اور خنّاس کی تخلیق کے سات ہزار سال بعد جب اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ اپنے ہاتھ سے کسی مخلوق کو بنائے تو اس نے آسمانی حجابات کو ہٹا دیا اور فرشتوں کو حکم دیا کہ زمین کے باشندوں جن اور خنّاس کی طرف نظر کرو فرشتوں نے جب انھیں گناہ کرتے خون بہاتے اور زمین پر ناحق فساد کرتے ہوئے دیکھا تو ان پر یہ بات بہت شاق گزری، فرشتوں کو اہلِ زمین کے بارے میں بہت افسوس ہوا اور وہ اللہ کی خاطر غیظ وغضب سے بھر گئے اور اپنے غصّہ پر قابو نہ رکھتے ہوئے انھوں نے عرض کی اے ہمارے پروردگار تو غالب، قادر اور صاحب عظمت وجلالت ہے اور تیری یہ مخلوق پست اور حقیر ہے وہ تیری نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں،

عافیت سے بہرہ ور ہیں، تیرے زیرنگیں ہیں لیکن اس قسم کے گناہوں کے سبب تیری نافرمانی کر رہے ہیں اور زمین میں فساد برپا کر رہے ہیں، لیکن تو نہ تو ان پر غضب ناک ہوتا ہے اور نہ ان سے انتقام لیتا ہے، تو ان کی

---

(۱) تفسیر قمّی، ص ۲۶ ج ۱ (۲) تفسیر قمّی، ص ۳۶ ج ۱

باتوں کو سن بھی رہا ہے اور ان کے عمل کو دیکھ بھی رہا ہے، ہم پر یہ بات بہت شاق ہے اور تیری کبریائی سے بھی بعید ہے۔

تو رب العزت نے جواب دیا: اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔ جو میری زمین پر میری مخلوق کے لیے میری جانب سے حجت ہوگا تو فرشتوں نے کہا کیا تو اسے خلیفہ بنائے گا جو اسی طرح فساد کرے گا جیسے یہ لوگ فساد کر رہے تھے اور اسی طرح خوں ریزی کرے گا جیسے یہ کر رہے تھے اور یہ کہ وہ باہمی حسد کریں گے اور بغض کریں گے تو ہم میں سے کسی کو اپنا خلیفہ بنا کیوں کہ ہم نہ تو حسد کرتے ہیں اور نہ بغض اور نہ ہی ہم نے کسی کا خون بہایا ہے۔ اور ہم تیری تسبیح وتقدیس بھی کرتے ہیں تو ارشاد باری ہوا قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ۔ میں جو کچھ جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے ہو۔

میں چاہتا ہوں کہ اپنے دست قدرت سے ایک مخلوق بناؤں اور اس کی ذریت میں نبیوں، رسولوں، صالح بندوں اور ہدایت یافتہ اماموں کو خلق کروں اور انھیں اپنی زمین میں اپنی مخلوقات کے لیے خلیفہ مقرر کروں جو میری اطاعت کی طرف اس مخلوق کی ہدایت کریں، اور میری معصیت سے لوگوں کو باز رکھیں اور عذر وخوف کے وقت میں انھیں اپنی حجت قرار دوں اور خنّاس کو اپنی زمین سے ہٹا دوں اور زمین کو ان کے وجود سے پاک کردوں نیز سرکش اور نافرمان جنوں کو اپنی بہترین مخلوق کی ہم نشینی سے منتقل کر کے ہواؤں اور ویران زمینوں میں بسا دوں تا کہ وہ میری اس مخلوق کے پڑوس میں نہ رہیں میں جنوں اور اپنی اس مخلوق کے مابین حجاب ڈال دوں گا اور میری مخلوق میں سے جو بھی میرے مصطفیٰ اور منتخب بندوں کی نافرمانی کرے گا میں انھیں نافرمانوں کی بستیوں میں بساؤں گا۔ اور وہ جس جگہ کے لائق ہیں انہیں وہاں پہنچا دوں گا۔

تو فرشتے بول اٹھے پروردگار! ہم تو وہی جانتے ہیں جو تو نے ہمیں سکھایا ہے۔ امامؑ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان فرشتوں کو عرش سے پانچ سو سال کے فاصلے پر دور کردیا تو انھوں نے عرش سے پناہ چاہی اور انگلیوں سے اس جانب اشارہ کیا تو رب جلیل نے ان کی طرف رحمت کی نظر کی اور رحمت نازل کی اور ان کے لیے بیت المعمور بنا دیا اور فرمایا کہ تم اس کا طواف کرو اور عرش سے مدد طلب کرو کیوں کہ اسی میں میری خوشنودی ہے تو انھوں نے بیت المعمور کا طواف کیا جس جگہ روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں اور وہ دوبارہ اس کی طرف نہیں آتے اور اللہ تعالیٰ نے آسمان والوں کے لیے بیت المعمور کو جائے توبہ بنایا ہے جس طرح زمین والوں کے لیے خانہ کعبہ کو توبہ کی جگہ قرار دیا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ (۲۸: الحجر۔ ۱۵)

میں خمیر کی ہوئی کھنکھناتی مٹی سے ایک بشر پیدا کر رہا ہوں۔

امامؑ نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آدمؑ کی تخلیق سے قبل ایک اعلان تھا اور جنوں اور فرشتوں کے لیے

اس کی جانب سے گویا احتجاج تھا۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آبِ شیریں سے ایک چلّو پانی لیا اور مٹی کو گوندھا پھر وہ خشک ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تجھ سے نبیوں، رسولوں، صالح بندوں، اماموں، جنت کی طرف بلانے والوں اور ان کی پیروی کرنے والوں کو قیامت تک پیدا کرتا رہوں گا۔ میں جو کر رہا ہوں اس کے لیے میں کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہوں بلکہ وہ لوگ جواب دہ ہوں گے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے نمکین پانی کا چلّو بھرا اور اس سے (کچھ) مٹی کو گوندھا پھر وہ جم گئی تو اس نے فرمایا کہ میں تجھ سے فراعنہ، جبابرہ، برادرانِ شیطانی، نافرمانوں، جہنم کی جانب بلانے والوں اور ان کے پیروکاروں کو قیامت تک پیدا کرتا رہوں گا۔ میں اپنے عمل کا جواب دہ نہیں ہوں بلکہ وہ لوگ جواب دہ ہوں گے۔ (الف)

پھر دونوں پانیوں کو ملا کر اس مٹی کو گوندھا اور اسے عرش کے سامنے رکھ دیا وہ درحقیقت مٹی کا جوہر تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے شمالی، جنوبی، مشرقی اور مغربی ہوا کے فرشتوں کو حکم دیا کہ مٹی کے اس جوہر کو جولانی دیں جسے میں نے خلق کیا ہے اور اس کے ٹکڑے کر کے اسے الگ الگ کر دیں اور اس میں چاروں اخلاط سودا، صفرا، بلغم اور خون کو جاری کر دیں ملائکہ نے اسے جولانی دی اور اس میں چاروں اخلاط جاری کر دیں، خون مشرقی ہوا سے، بلغم شمالی ہوا سے، صفرا جنوبی ہوا سے اور سودا مغربی ہوا سے تو جب اس میں سانس آنے لگی اور بدن مکمل ہوگیا تو ہوا سے عورتوں کی محبت، آرزوئیں اور حرص و ہوس ملا اور بلغم سے کھانے، پینے کی محبت، نیکی، بردباری اور نرمی ملی۔ سودا وصفرا سے غضب، حماقت، شیطنیت، تکبّر، سرکشی اور عجلت پسندی نے جنم لیا۔ اور خون سے فساد اور لذات کی محبت، فعل حرام اور نفسانی خواہشات کا ارتکاب کرنا آیا۔ امام باقر علیہ السلام نے فرمایا ہم نے کتاب امیر المومنین میں ایسا ہی پایا ہے۔ [۱]

''تفسیر عیاشی'' میں ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی عبادت کر کے گویا احسان جتلا رہے تھے اسی لیے اللہ نے ان سے رخ پھیر لیا۔ فرشتوں نے سجدہ کی حالت میں اپنے آپ سے کہا ہم نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسی مخلوق پیدا کرے گا جو اس کے نزدیک ہم سے زیادہ محترم ہو، ہم اللہ کے امانت دار اور اس کی بارگاہ سے نزدیک ہیں، جب انھوں نے سجدے سے سر اٹھایا تو اللہ نے فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ تم جواب دے کر کیا ظاہر کرنا چاہتے ہو اور اپنے اس خیال میں تم جو کچھ چھپا رہے ہو کہ میں ایسی مخلوق پیدا نہیں کروں گا جو تم سے زیادہ محترم ہوگی۔

جب فرشتوں کو یہ احساس ہوا کہ ان سے ترکِ اولیٰ سرزد ہوا ہے تو انھوں نے عرش الٰہی سے پناہ طلب کی، دراصل یہ ملائکہ کا ایک گروہ تھا تمام فرشتے اس میں شریک نہ تھے۔ [۲]

(الف) حاشیہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اس حدیث میں لفظ ''ید'' ہاتھ اور چلو صرف بطور استعارہ استعمال کیا گیا ہے اللہ جسم وجسمانیات سے منزہ ہے۔

(۱) علل الشرائع ص ۱۰۴۔۱۰۶ باب ۹۶ ح ۱ (۲) تفسیر عیاشی، ص ۳۰۔۳۱ ج ۱

امام محمد باقر علیہ السّلام سے روایت ہے کہ فرشتوں کا یہ عمل ایسا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اور ان کے درمیان سات سال تک حجاب ڈال دیا تو انھوں نے عرش کے ذریعہ پناہ طلب کی وہ کہہ رہے تھے:

لَبَّيْكَ ذَاالْمَعَارِجِ لَبَّيْكَ ہم حاضر ہیں اے صاحب عظمت ہم حاضر ہیں یہاں تک کہ ان کی توبہ قبول ہوئی اور جب آدم سے ترکِ اولیٰ ہوا تو انھوں نے خانہ کعبہ کا طواف کیا یہاں تک کہ اللہ نے ان سے درگزر کیا۔ [۱]

''کتاب کافی'' [۲] اور ''تفسیر عیّاشی'' میں امام باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ اللہ فرشتوں پر غضب ناک ہوا پھر انھوں نے توبہ کرنی چاہی تو اللہ نے حکم دیا کہ وہ بیت المعمور کا طواف کریں تو وہ سات سال تک اس کا طواف اور استغفار کرتے رہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کی اور ان سے راضی ہوا۔ دراصل سب سے پہلے طواف کی جگہ بیت المعمور تھا پھر اللہ تعالیٰ نے بیت الحرام کو اس کے محاذی قرار دیا تاکہ اولاد آدم میں اگر کسی سے گناہ سرزد ہو تو یہ اس کے لیے جائے توبہ اور سبب طہارت بن جائے۔ [۳]

کتاب ''علل الشرائع'' میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے فرشتوں کو سات ہزار سال تک اپنے نور سے محجوب (پوشیدہ) رکھا پھر وہ سات ہزار سال تک عرش سے چمٹے رہے تو اللہ کو ان پر رحم آیا اور اس نے ان کی توبہ قبول کرلی اور ان کے لیے بیت المعمور بنایا جو چوتھے آسمان پر ہے اور اس گھر کو ان کے لیے جائے پناہ اور جائے امن قرار دیا، طواف کے لیے سات چکر لازم ہوئے گویا ہر ہزار سال کی جگہ ایک چکر واجب قرار دیا گیا۔ [۴]

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ سات سال اور سات ہزار سال جو روایتوں میں آئے ہیں ان میں کوئی منافات نہیں ہے کیوں کہ سال اور دنوں کی مدت تخلیقی اعتبارات اور جہانوں کے اختلافات کے سبب سے مختلف ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ۔ (۴:المعارج۔۷۰)

ایک دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہے۔

اور فرمایا:

وَإِنَّ يَوْمًا عِندَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ۔ (۴۷:حج۔۲۲)

اور ایک دن تمھارے رب کے نزدیک ہزار سال کے برابر ہے جس کا تم شمار کرتے ہو تو جائز ہے کہ ایک مرتبہ تخلیقی سن کا شمار ہو اور دوسری مرتبہ دوسرا سال شمار کیا جائے۔

---

(۱) تفسیر عیاشی، ص ۲۹۔۳۰ ج ۱ (۲) الکافی، ص ۱۸۸ ج ۴ (۳) تفسیر عیاشی، ص ۳۰ ج ۱

(۴) علل الشرائع، ص ۴۰۶۔۴۰۷ باب ۱۴۳ ح ۱

۳۱- وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ كُلَّهَا-

اور اللہ نے آدم کو تمام اسما سکھا دیے

''تفسیر قمی'' میں امام حسن عسکری علیہ السّلام سے روایت ہے کہ پہاڑوں، دریاؤں، وادیوں، نباتات اور حیوانات کے نام سکھائے۔ [۱]

تفسیر ''مجمع البیان'' [۲] اور ''تفسیر عیاشی'' میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ آپ سے سوال کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو کیا سکھایا تھا تو امامؑ نے فرمایا: زمینوں، پہاڑوں، گھاٹیوں اور وادیوں کے نام پھر آپ نے نیچے زمین کی طرف نظر کی اور فرمایا کہ زمین کے بارے میں معلومات فراہم کیں۔ یعنی ''علم الارض'' دیا گیا۔ [۳]

تفسیر امام حسن عسکری علیہ السّلام میں امام سجادؑ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السّلام کو ہر شے کے اسما کی تعلیم دی اور اس میں یہ بھی ہے کہ انبیا اور اولیا اللہ کے اسما نیز نافرمانوں اور دشمنوں کے نام بھی سکھائے۔ [۴]

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ امام کی دونوں روایات اس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ ہم اس کی تشریح کریں اور اسرار سے پردہ اٹھائیں۔ تو ہم کہتے ہیں اور اللہ سے توفیق کے طلب گار ہیں۔

تعلیم اسما سے مراد صرف الفاظ اور ان کے معانی کی تعلیم نہیں ہے جو ''علم اللسان'' پر منتہی ہوتا ہے، اور یہ ایسا علم نہیں ہے جس کی بنیاد پر فرشتوں کے مقابل فخر کیا جائے اور ان پر فضیلت کا باعث ہو بلکہ اسما سے مراد عالم جبروت کی تمام موجود مخلوقات کے حقائق ہیں جو ایک گروہ کے نزدیک کلمات، دوسرے کے نزدیک اسما اور تیسرے کے نزدیک عقول کہلاتے ہیں۔

گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ اسما سے مراد وجود خلائق کے اسباب وانواع ہیں جن کے ذریعہ تخلیق عمل میں آئی، ان کی بقا کا سامان فراہم ہوا اور انہیں رزق مہیا کیا گیا، یہ سب اسمائے خدائے ذوالجلال ہیں کیوں کہ یہ مظاہر کے ذریعہ ظہور کا پتہ دیتے ہیں گویا کہ یہ اسم کی دلالت مسمّٰی پر ہے۔ دلالت جس طرح الفاظ کے ذریعہ ہوتی ہے اسی طرح ذوات کے ذریعہ سے بھی ہوتی ہے جب ہم ان کے مفہوم کی طرف واپس آتے ہیں تو ہمیں ان کے درمیان کوئی فرق نظر نہیں آتا اور اللہ تعالیٰ کے اسما مخلوقات کے ناموں سے مشابہت نہیں رکھتے۔ حدیث میں کبھی ان اسما کو جملہ مخلوقات عالم کی جانب نسبت دی گئی ہے اس لیے کہ یہ سب کے سب اس کی صفات کے مظہر ہیں، جن کے ذریعہ اس کی صفتیں الگ الگ ظاہر ہوتی ہیں اور کبھی ان کی اضافت اولیا (دوستوں) اور اعدا (دشمنوں) کی طرف ہوتی ہے ان مظاہر کے وسیلے سے اس کی صفت اجتماعی طور سے ظاہر ہوتی ہے، لطف کی تمام صفتیں اولیا میں

(۱) تفسیر قمی، ص ۴۵ ج ۱ (۲) مجمع البیان، ص ۷۶ ج ۱۔ ۲ (۳) تفسیر عیاشی، ص ۳۲ ج ۱ (۴) تفسیر امام عسکریؑ، ص ۲۱۷

اور قہر کی جملہ صفات اعدا میں ظاہر ہوتی ہیں اور اسی امر کی طرف حدیث قدسی میں اشارہ کیا گیا ہے جس کی تفسیر اس آیت کے ذیل میں بیان ہوگی جس میں ملائکہ کو سجدے کا حکم دیا گیا ہے۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا: میں اسما سے مراد وہ ہستیاں ہیں جن کے بارے میں خداوند عالم نے فرمایا تھا اے آدمؑ یہ میری افضل ترین مخلوق ہے، یہ محمدؐ ہیں اور میں حمید ہوں اور اپنے ہر عمل میں محمود، میں نے ان کا نام اپنے نام سے مشتق کیا ہے یہ علیؑ ہیں اور میں علی عظیم ہوں میں نے ان کا نام بھی اپنے ہی نام سے مشتق کیا ہے اور اسی طرح آخری ناموں تک تذکرہ ہوا۔ [1]

اس مقام پر اشتقاق کے معنی صفات کا ظاہر ہونا اور ظاہر کے ذریعہ مظہر سے آگاہ کرنا ہے آدمؑ کو اسما کی تعلیم سے مراد انھیں مختلف اجزا اور متضاد قوتوں سے خلق کرنا ہے تاکہ ان میں مدرکات (قابل ادراک اشیا) کے ادارک کی استعداد پیدا ہوجائے خواہ ان کا تعلق معقولات و محسوسات سے ہو یا متخیلات و موہومات سے۔

الہام سے مراد حقیقت اشیا اور ان کے خواص کی معرفت، علم کے اصول، کسی شے کو بنانے کے قوانین آلات کی کیفیت اولیا اللہ (اللہ کے دوستوں) اور اعدا اللہ (اللہ کے دشمنوں) کے مابین تمیز کا علم ہے ان تمام چیزوں کی معرفت کے بعد اسے اللہ تعالیٰ کے اسماحسنیٰ کی مظہریت حاصل ہوجائے گی اور وہ ''اَحَدِیَّةُ الجمع'' کی منزل تک پہنچ جائے گا جس کے ذریعہ وہ جملہ اقسام موجودات پر فوقیت لے جائے گا۔ اور جس جگہ سے آیا تھا اور جہاں کے لیے منتخب ہوا تھا وہاں واپس پہنچ جائے گا یعنی اللہ کی کتاب عظیم کی طرف جسے عالم اکبر کہتے ہیں امیرالمومنین علیہ السّلام نے فرمایا ہے: وفیك انطوی العالم الاکبر [2] تمھارے اندر تو ایک عالم اکبر موجود ہے۔

اگر تم کہو کہ ''ہم تو آپ کی بات نہ سمجھ سکے'' تو میں (فیض کاشانی) واضح کرتا ہوں کہ اسما سے مراد حقائق ہیں اب اگر تمھارا اعتراض یہ ہوا کہ آدمؑ کو مخلوقات کے اسما سکھانا، اور انھیں مختلف قوتوں اور اجزا سے خلق کرنا اور حقائق اشیا کی معرفت عطا کرنا اور اولیا اللہ و اعدا اللہ میں فرق کرنے کی قوت بخشنا۔ ان باتوں میں باہمی کیا ربط ہے کیا تمھارے پاس اس کی کوئی تبیان یا سلطان ہے جس سے تم اس پہیلی اور چیستان کو حل کرسکو اور اس کے ذریعہ بصیرتوں کو گمراہی اور اندھے پن سے منجلی کرسکو۔ تو میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ ہم نے اس کتاب کے مقدمۂ چہارم میں متشابہ اور اس کی تاویل کی جو وضاحت کی تھی شاید وہ تمھارے ذہن سے محو ہوگئی اس لیے دوبارہ اسے واضح کررہا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے توفیق کا طالب ہوں۔

اسم وہ ہے جو مسمّٰی پر دلالت کرتا ہے اور اس کی تفہیم کی علامت ہے، کچھ اسما کا اعتبار اس صفت کی وجہ سے ہوتا ہے جو مسمّٰی میں پائی جاتی ہے اور اسی اعتبار سے اس کا اطلاق ہوتا ہے اور کچھ اسما وہ ہیں جن میں صفت کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔

---

(۱) بحار الانوار، ص ۱۵۱ ج ۱۱ (۲) دیوان علیؑ، ص ۴۵

پہلا مفہوم دلالت کرتا ہے اس ذات پر جسے کسی معینہ صفات کے ساتھ متصف کیا گیا ہو جیسے لفظ رحمٰن اس ذات پر دلالت کرتا ہے جو صفت رحمت سے متصف ہو اور لفظ قہار ایسی ذات پر دلالت کرتا ہے جو صفت قہر سے متصف ہو۔

صفت سے متصف ہونے کے اعتبار سے اس معنی میں اسم کا اطلاق صفت ذات کے مظاہر پر ہوتا ہے جیسے نبی جو ہدایت خداوندی کا مظہر ہے تو وہ نام ہے اللہ کے اس اسم ہادی کا جو بندگان خدا کی ہدایت کا فریضہ انجام دیتا ہے اور اس اعتبار سے جو نام ملفوظی صورت میں ہوتا ہے وہ اسماء الاسماء (ناموں کے نام) ہیں۔

امام علی رضا علیہ السّلام سے جب اسم کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ موصوف کی صفت ہے۔[1] اور اس لفظ کا اطلاق دو معانی پر ہے لفظ اور مظہر مظہر کے ذریعہ اس لفظ کا زیادہ ظہور ہوتا ہے لفظ کے بولنے سے جو مفہوم سمجھ میں آتا ہے اسم کا اطلاق اس پر ہوتا ہے یعنی "معنی ذھنی" اور اسی بارے میں امام جعفر صادق علیہ السّلام کا قول وارد ہوا ہے کہ جس نے توہّم (شک وشبہہ میں مبتلا ہو کر) کے ساتھ عبادت کی وہ کافر ہو گیا اور جس نے اسم اور اس کے معنی دونوں کی عبادت کی تو وہ مشرک بن گیا۔

اور جس نے معنیٰ کی عبادت کی ان صفات سے مطابقت کر کے جن سے اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو متصف کیا ہے تو اگر یہ بات اس کے دل میں جاگزیں ہو چکی ہے اور زبان بھی پوشیدہ اور علانیہ طور سے اس کا ورد کرتی ہے تو یہی افراد درحقیقت مومن کہلانے کے حق دار ہیں۔[2] تو یہاں پر اسم سے مراد لفظ کا مفہوم ہے نہ کہ لفظ کیوں کہ لفظ کی عبادت ممکن نہیں اور معنی سے مراد وہ ہے لفظ جس کی تصدیق کرے تو گویا اسم "معنی ذہنی" ہے اور معنی "موجود عینی" جسے ہم مسمّٰی کہتے ہیں اور اسم مسمّٰی کا غیر ہوتا ہے مثلاً اگر ذہن میں انسان کا تصور ہو تو اس سے مراد نہ تو انسان ہے (گوشت پوست والا) نہ جسم، نہ حیات، نہ حس وحرکت اور نہ ہی گویائی اور نہ ہی کوئی ایسی شے جس میں انسانی خصوصیات ہوں اگر تم اس بات پر غور کرو تو حدیث کے معنی سمجھ میں آجائیں گے اور اگر سمجھنے کے لیے آمادہ ہو گے تو اعانت الٰہی بھی تمھارے شامل حال ہو گی۔

جان لو! کہ اللہ تعالیٰ کے الٰہی ناموں میں سے ہر نام کا مظہر موجودات میں پایا جاتا ہے۔ وہ اسم جس صفت پر مشتمل ہو تو باعتبار غلبہ اسی صفت کا ظہور ہوتا ہے۔ وہ درحقیقت اللہ ہی کا نام ہے اور اس صفت سے متصف ہونے کی وجہ سے وہ اللہ پر دلالت کرتا ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنی جملہ اور ہر قسم کی مخلوق کی تخلیق اور تدبیر اپنے کسی نام سے کرتا ہے۔

اور اس طرف اہل بیت علیہم السّلام کے کلام میں جو بصورت دعا ہے اشارہ کیا گیا ہے وہ فرماتے ہیں:

اے اللہ! تجھے اس نام کا واسطہ جس سے تو نے عرش کو پیدا کیا۔ اور اس نام کا واسطہ جس سے تو نے کرسی کو پیدا کیا، اور اس نام کا واسطہ جس سے تو نے ارواح کو خلق فرمایا اور اسی قبیل کے دوسرے اسماء۔[3]

---

(۱) معانی الاخبار، ص ۲ ج ۱ (۲) الکافی، ص ۸۷ ج ۱ (۳) بحار الانوار، ص ۴۰۵ ج ۹۵

امام جعفر صادق علیہ السّلام فرماتے ہیں : نَحْنُ وَاللهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی خدا کی قسم ہم ہی اسمائے حسنیٰ ہیں ہماری معرفت کے بغیر اللہ اپنے بندے کے کسی عمل کو قبول نہیں کرتا۔(۱) اس لیے کہ ائمہ کرام علیہم السّلام اللہ تعالیٰ کی ذات کو پہچاننے کا وسیلہ اور اس کی صفات کے ظہور کا واسطہ ہیں اور مختلف النوع مخلوقات کے مُربّی ہیں اور کسی کو بھی اس کے جملہ اسما کا علم حاصل نہیں ہوسکتا جب تک وہ اُن اسما کا مظہر نہ ہو، اور وہ ان تمام اسما کا مظہر اس وقت تک نہیں بن سکتا جب تک اس کی جبلّت (طبیعت) میں ان کو قبول کرنے کی صلاحیت نہ ہو ہم اسی بات کو واضح کرنا چاہتے تھے۔ تم پر لازم ہے کہ اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو اِن شاء اللہ تعالیٰ ہدایت پا جاؤ گے۔

ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ-

پھر ان ہستیوں کو ملائکہ کے سامنے پیش کیا

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ مخلوقات کی شبیہوں کو عالم ملکوت میں فرداً فرداً پیش کیا گیا جس کا نام ایک گروہ کے نزدیک عالَمِ روحانیات ہے۔ اسما کا ذکر کرکے جس جانب رہنمائی کی گئی ہے۔ اس لیے کہ وہ شبیہیں تمام اسما یا ان میں سے بعض کی مظہر ہیں اور اسی لیے ذوی العقول کی ضمیر ''ھم'' استعمال کی گئی اس لیے کہ وہ سب کے سب ذوی العقول تھے۔

اور دوسری روایت میں ہے کہ ان شبیہوں کو پیش کیا گیا جو سایوں میں نورانی حیثیت کے حامل تھے۔ ہم نے اس سے قبل جو بات بیان کی ہے یہ روایت اس کی وضاحت کررہی ہے۔

فَقَالَ اَنْۢبِــُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ-

تو اللہ نے کہا اے فرشتو! تم مجھے ان (ہستیوں) کے نام بتاؤ

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ:

اللہ تعالیٰ کے وہ نام بتاؤ جن سے ان اشباح (ہستیوں) کو خلق کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ وہ اشباح مکمل طور سے ارضی فرشتوں سے مخفی تھے، بس ہر صنف کی ایک نوع کو ظاہر کیا گیا تھا سوائے انبیا اور اولیا کے انھیں جملہ مخلوقات سے مخفی رکھا گیا تھا۔

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ-

اگر تم دعوے میں سچے ہو۔

یہ کہ تم آدمؑ سے زیادہ خلافت کے حق دار ہو اور یہ کہ تم تسبیح وتقدیس کرتے ہو اس لیے کہ خلافت مل جانے کے بعد جو اعتراض اور اشکال تمھیں درپیش ہوگا اس سے بہتر یہ ہے کہ تم خلافت کا خیال ہی دل سے نکال

(۱) الکافی، ص ۱۴۳۔۱۴۴ ج ۱

دو جو (شیطان) تمھارے درمیان رہ رہا ہے اور تم اسے پہچانتے بھی ہو جب تمھیں اس کا علم نہیں ہے، تو مناسب یہی ہے کہ اس غیب کو جاننے کی کوشش نہ کرو جو ابھی واقع نہیں ہوا۔

۳۲- قَالُوۡا سُبۡحٰنَکَ لَا عِلۡمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَلِیۡمُ الۡحَکِیۡمُ-

تو فرشتے کہنے لگے پروردگار! تو پاک ہے ہمارے پاس تو بس اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہمیں سکھایا ہے، بے شک تو علیم اور حکیم ہے۔

''عَلِیۡمٌ''، یعنی ہر شے کا جاننے والا۔ ''حَکِیۡمٌ''، یعنی ہر عمل کی تہہ تک پہنچ جانے والا۔

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ جب فرشتوں پر آدم کی فضیلت اور ان کی تخلیق کی حکمت واضح ہوگئی تو انھوں نے عاجزی اور کوتاہی کا اعتراف کرلیا اور وہ فرشتے اپنی حیثیت کو پہچان گئے، ان کا علم ان کے لیے ناکافی ہوا، ان کے جبروت کی کشتی شکستہ ہوگئی اور وہ عاجزی کے سمندر میں ڈوب گئے اسی لیے انھوں نے علم وحکمت کی نسبت اللہ کی طرف دے دی اور وہ جملہ اشیا کی کَمَا حَقُّہٗ معرفت حاصل کرنے سے قاصر رہے ان اشیا کے باہمی اختلافات اور تضادات اور اپنی صفت فردانیت کی وجہ سے اس لیے کہ ان کی سرشت میں مخلوط ومرکب ہونا نہیں ہے ان میں سے ہر گروہ صرف ایک فعل انجام دیتا ہے جو رکوع میں ہے وہ ہمیشہ حالتِ رکوع میں رہتا ہے اور جو سجدہ ریز ہے وہ حالت سجدہ میں نظر آتا ہے اور جو حالت قیام میں ہے وہ سدا اسی حالت میں رہتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کو بیان فرمایا ہے۔

وَمَا مِنَّاۤ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعۡلُوۡمٌ- اور ہم میں سے ہر ایک کا مقررہ مقام ہے (۱۶۴ الصافات، ۳۷)

اسی سبب سے ان میں نفسانیت اور بغض وعناد نہیں ہے بلکہ ان کی مثال حواس کی طرح ہے جس طرح بصارت آوازوں کے سننے میں سماعت کے لیے رکاوٹ نہیں بنتی اور نہ ہی قوت شامّہ (سونگھنے کی قوت) بصارت وسماعت کے لیے رکاوٹ بنتی ہے۔ اور نہ ہی یہ دونوں قوّتیں شامّہ کے لیے مانع بنتی ہیں وہ فرشتے ہر حال میں فطرت کے تقاضوں کے مطابق مطیع ومنقاد ہیں ان کے لیے معصیت کی کوئی گنجائش نہیں، اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ جو حکم دیا جاتا ہے اسے فوراً بجالاتے ہیں۔ (۶۶ تحریم، ۶)

رات دن تسبیح میں مصروف رہتے ہیں اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتے۔ (۲۱ الانبیا ۲۰)

ان فرشتوں میں سے ہر صنف اسمائے اِلٰہیہ میں سے ایک اسم کا مظہر ہے اور وہ اسی پر باقی رہتا ہے۔

نتیجۂ گفتگو یہ ہے کہ آدم علیہ السّلام اپنی معرفت کاملہ اور مظہریت شاملہ کی وجہ سے فرشتوں سے آگے بڑھ گئے اور ان پر فوقیت لے گئے۔

۳۳- قَالَ یٰۤاٰدَمُ اَنۡۢبِئۡهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ-

اللہ نے کہا! اے آدم! تم ان (فرشتوں) کو ان کے نام بتلا دو۔

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں نام بتلانے سے مراد ہے کہ ان کو پوشیدہ حقائق سے آگاہ کردو اور معرفت کے جو ابواب ان کی نگاہوں سے اوجھل ہیں انھیں آشکار کردو۔ تاکہ اے آدم یہ تمھاری جامعیت اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کو جان لیں کہ اس نے ایک مخلوق میں متبائن صفات، متناقص اسما اور ان کے مظاہر کو کیسے یکجا کردیا ہے جب کہ ان میں باہمی تضاد پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے:

لَیْسَ عَلَی اللہِ بِمُسْتَنْکِرٍ اَنْ یَّجْمَعَ الْعَالَمَ فِی وَاحِدٍ۔

اللہ تعالیٰ کے لیے یہ امر دشوار نہیں ہے کہ وہ ایک (فرد) میں پورے عالم کو جمع کردے۔

فَلَمَّآ اَنْۢبَاَھُمْ بِاَسْمَآىِٕہِمْ۔

پس جب آدمؑ نے فرشتوں کو ان (ہستیوں کے) ناموں سے آگاہ کردیا

یعنی فرشتوں نے ان ہستیوں کو پہچان لیا تو آدم علیہ السّلام نے ان فرشتوں سے انبیا اور اولیا پر ایمان لانے کا عہدو پیمان لیا اور یہ واضح کردیا کہ انبیا و اولیا فرشتوں سے افضل ہیں تو اس وقت اللہ نے فرمایا:

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۔

اللہ نے فرمایا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمان وزمین کے غیب کو جانتا ہوں اور وہ بھی جانتا ہوں جسے تم ظاہر کرتے اور چھپاتے ہو۔

اس آیت میں غیب السمٰوٰت والارض سے مراد آسمان وزمین کے رازہائے سربستہ ہیں۔

اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ سے مراد ہے کہ میں وہ بھی جانتا ہوں جو تم نے میری بات کو رد کرکے ظاہر کردیا۔

وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ کا مفہوم یہ ہے کہ اور جن باتوں کو تم چھپائے ہوئے تھے یعنی تمھارا یہ اعتقاد کہ کوئی شخص ایسا نہیں آسکتا جو تم سے افضل ہو۔

اور ابلیس نے یہ عزم کر رکھا تھا کہ اگر آدمؑ کی اطاعت کا حکم دیا گیا تو وہ اسے ماننے سے انکار کردے گا تو اسی وجہ سے اللہ نے آدمؑ کو ان (فرشتوں) پر حجت قرار دیا۔

وَ اِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ اِبۡلِیۡسَ ؕ اَبٰی
وَ اسۡتَکۡبَرَ ٭۫ وَ کَانَ مِنَ الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۳۴﴾
وَ قُلۡنَا یٰۤاٰدَمُ اسۡکُنۡ اَنۡتَ وَ زَوۡجُکَ الۡجَنَّۃَ وَ کُلَا مِنۡهَا رَغَدًا حَیۡثُ
شِئۡتُمَا ۪ وَ لَا تَقۡرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَۃَ فَتَکُوۡنَا مِنَ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۳۵﴾
فَاَزَلَّهُمَا الشَّیۡطٰنُ عَنۡهَا فَاَخۡرَجَهُمَا مِمَّا کَانَا فِیۡهِ ۪ وَ قُلۡنَا اهۡبِطُوۡا بَعۡضُکُمۡ
لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ ۚ وَ لَکُمۡ فِی الۡاَرۡضِ مُسۡتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰی حِیۡنٍ ﴿۳۶﴾

۳۴- اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے جھک جاؤ تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔

۳۵- اور ہم نے کہا اے آدم، تم اور تمھاری بیوی دونوں جنت میں رہو اور اس میں اطمینان کے ساتھ جو چاہے کھاؤ پیو۔ خبردار اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم دونوں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

۳۶- آخرکار ان دونوں کو شیطان نے ترغیب دے کر ہمارے حکم کی پیروی سے ہٹا دیا۔ اور انھیں وہاں سے نکلوا دیا جس عیش و آرام میں وہ تھے۔ پس ہم نے حکم دیا تم سب نیچے جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اب زمین میں تمھارے لیے رہائش اور ایک خاص وقت تک سامانِ حیات مہیا رہے گا۔

۳۴- وَ اِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ-

اور یاد کرو! جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ "آدم کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤ۔

ہم نے فرشتوں کو سجدہ آدمؑ کا حکم اس لیے دیا کہ ان کے صلب میں ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰؐ اور ان کے اہل بیت کے انوار تھے۔ اور انھیں ملائکہ پر اس لیے فضیلت دی گئی کہ انھوں نے پروردگار کی جناب میں نہایت زحمتیں برداشت کیں تو فرشتوں نے سجدہ تعظیمی و تکریمی اللہ تعالیٰ کی بندگی اور آدمؑ کی اطاعت کے لیے کیا تھا۔

امام زین العابدین علیہ السّلام نے فرمایا مجھ سے بیان کیا میرے والد گرامی نے اور انھوں نے اپنے والد سے اور انھوں نے رسول اللہؐ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا اے اللہ کے بندو! جب اللہ تعالیٰ نے ہماری اشباح کو کنگرہ عرش سے آدمؑ کی پشت میں منتقل کر دیا تو انھوں نے اپنی صلب سے ساطع ہونے والے نور کو دیکھا لیکن انھیں صورتیں نظر نہ آئیں تو انھوں نے کہا اے میرے پروردگار یہ انوار کیسے ہیں؟ تو خداوند عالم نے فرمایا یہ ان اشباح

(ہستیوں) کے انوار ہیں جنھیں میں نے اپنے عرش کی بلندی سے تمھاری پشت میں منتقل کردیا ہے۔ اور اسی سبب سے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ تمھارے سامنے سجدہ ریز ہوں۔ تم گویا ان اشباح کے لیے بمنزلہ ظرف کے ہو۔ آدم نے عرض کی پروردگار! ان کی صورتیں مجھے دکھا دے تو ارشاد باری ہوا اے آدم تم عرش کی بلندی پر نظر کرو تو وہاں ہمارے نور کی وہ صورتیں منقش نظر آئیں جو نور صلب آدم میں تھا۔

جب آدم نے ہماری صورتوں کو دیکھا تو دریافت کیا پروردگار! یہ کس کی صورتیں ہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدمؑ یہ میرے افضل ترین مخلوق کی صورتیں ہیں یہ محمدؐ ہیں اور میں اپنے افعال میں حمید ومحمود ہوں۔ میں نے ان کے نام کو اپنے نام سے مشتق کیا ہے یہ علیؑ ہیں اور میں العلی العظیم ہوں میں نے ان کے نام کو بھی اپنے نام سے مشتق کیا ہے۔ یہ فاطمہؑ ہیں اور میں فاطر یعنی آسمان وزمین کا خلق کرنے والا ہوں۔ یہ میرے دشمنوں کو روزِ جزا میری رحمت سے ہٹائیں گی اور میرے اولیا (دوستوں) کو ایسی باتوں سے بچائیں گی جو ان کے لیے باعثِ ننگ وعار ہوں میں نے فاطمہؑ کا نام بھی اپنے نام سے مشتق کیا ہے۔ یہ حسنؑ اور یہ حسینؑ ہیں اور میں مُحسن اور مجمل (مہربان) ہوں میں نے ان کے اسما بھی اپنے ناموں سے مشتق کیے ہیں۔ یہ میری پسندیدہ، منتخب اور اعلیٰ خلوق ہے۔ انہی کے سبب، میں مواخذہ کروں گا، عطا کروں گا، عذاب وثواب دوں گا۔ اے آدم جب تمھیں کسی مصیبت کا سامنا ہو تو ان ہی ہستیوں کو وسیلہ بنانا اور اپنا شفیع قرار دینا میں نے قسم کھائی ہے کہ جو ان ہستیوں سے امید رکھے گا میں اسے مایوس نہیں کروں گا اور جو ان سے کسی امر کا سوال کرے گا اسے اپنی بارگاہ سے خالی نہیں لوٹاؤں گا۔

جب آدم علیہ السّلام سے ترک اولیٰ (الف) ہوا تو انھوں نے ان ہستیوں کے واسطے سے اللہ تعالیٰ سے دعا طلب کی ان کی توبہ قبول ہوئی اور انھیں معاف کر دیا گیا۔[۱]

فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ اِبۡلِيۡسَ-

تو سب (ملائکہ) نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔

''کتاب معانی'' میں امام رضا علیہ السّلام سے روایت ہے کہ ابلیس کا اصلی نام حارث تھا، رحمت الٰہی سے دور ہونے کے سبب وہ ابلیس کہلایا۔[۲]

اَبٰى وَاسۡتَكۡبَرَ ۖ وَكَانَ مِنَ الۡكٰفِرِيۡنَ -

اس نے انکار کیا، تکبر کیا وہ تو تھا ہی کافروں میں سے۔

---

(۱) بحار الانوار، ص ۱۵۰۔۱۵۱ ج ۱۱ 	(۲) معانی الاخبار، ص ۱۳۸

(الف) حاشیہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ترک اولیٰ یعنی بہتر تھا کہ وہ عمل انجام نہ دیتے ترک اولیٰ گناہ نہیں ہے انبیا معصوم ہوتے ہیں اور ان سے گناہ سرزد نہیں ہوتا۔

یعنی اس کے دل میں جو حسد بھرا ہوا تھا اس نے اسے ظاہر کردیا۔

''کتاب عیون'' میں امیر المومنین علیہ السّلام سے روایت ہے کہ شیطان پہلا فرد تھا جس نے کفر کو اختیار کیا اور کفر کی داغ بیل ڈالی۔ ۱

''تفسیر عیاشی'' میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے بھی ایسی ہی روایت منقول ہے۔ ۲

''تفسیر قمّی'' میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پہلی نافرمانی جو کی گئی اس کا نام استکبار (تکبر کرنا، بڑا سمجھنا) ہے۔ امام علیہ السّلام نے فرمایا ابلیس نے کہا پروردگار! مجھے آدم کو سجدہ کرنے سے مستثنیٰ قرار دے میں اس کے بدلے میں تیری ایسی عبادت کروں گا جو نہ کسی نبی مرسل نے کی ہوگی اور نہ کسی مَلَکِ مقرّب نے تو اللہ تعالیٰ نے جواب دیا، مجھے تیری عبادت کی کوئی ضرورت نہیں میں ویسی عبادت چاہتا ہوں جو میری مرضی کے مطابق ہو نہ کہ تیری مرضی کے مطابق۔ ۳

۳۵ – وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ –

اور ہم نے کہا اے آدم، تم اور تمھاری زوجہ دونوں جنت میں رہو۔

''کتاب کافی'' ۴ ''علل الشرائع'' ۵ اور ''تفسیر قمّی'' میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے یہ دنیاوی جنت تھی جس میں سورج اور چاند نکلتے تھے اگر خُلد کی جنت ہوتی تو حضرت آدمؑ اس میں سے کبھی بھی باہر نہ آتے۔

''تفسیر قمّی'' نے اس روایت میں ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے ''اور نہ ہی ابلیس اس میں داخل ہوسکتا۔'' ۶

وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۠ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ –

اور تم دونوں آزادی کے ساتھ یہاں پر جو چاہے کھاؤ اور دیکھو تم اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوجاؤ گے۔

''تفسیر عیاشی'' میں امام محمد باقر علیہ السّلام سے روایت ہے کہ لَا تَقْرَبَا کا مفہوم ہے کہ اس درخت میں سے مت کھاؤ۔ ۷

ایک قول کے مطابق قرب جو کھانے کا مقدمہ ہے اس کے ساتھ حرف نفی کو اس لیے لایا گیا ہے تاکہ اس امر کی حرمت کو بیان کیا جائے اور اس سے اجتناب کو واجب قرار دیا جائے نیز یہ بتلانا مقصود ہے کہ کسی شے کی قربت دل میں ایک میلان اور خواہش پیدا کردیتی ہے اور عقل وشریعت کے تقاضوں سے غافل بنا دیتی ہے۔ ۸

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ ایک روایت میں ہے کہ یہ حسد کا درخت تھا۔ ۹ دوسری روایت کے مطابق

---

(۱) عیون اخبار الرضاص ۲۴۴ ج ۱ (۲) تفسیر عیاشی، ص ۳۴ ج ۱ (۳) تفسیر قمی، ص ۴۲ ج ۱
(۴) الکافی، ص ۲۴۷ ج ۳ (۵) علل الشرائع ص ۶۰۰ (۶) تفسیر قمی، ص ۴۳ ج ۱
(۷) تفسیر عیاشی، ص ۳۵ ج ۱ (۸) بیضاوی، ص ۴۹ (۹) تفسیر امام عسکریؑ ص ۲۲۲ و بحار الانوار، ص ۱۸۷ ج ۱۱

یہ کافور کا درخت تھا۔ ۱

''کتاب العیون'' نے اپنی سند سے عبدالسّلام بن صالح الھروی کی یہ روایت نقل کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام رضا علیہ السّلام سے دریافت کیا فرزند رسول مجھے اس درخت کے بارے میں بتایئے جس کا پھل آدم وحوا نے کھایا تھا وہ کون سا درخت تھا؟ لوگوں کا اس بارے میں کافی اختلاف ہے، کسی نے کہا وہ گیہوں کا درخت تھا، کسی نے روایت کی وہ انگور کا درخت تھا اور کسی کے نزدیک وہ حسد کا درخت تھا تو امامؑ نے جواب دیا کہ یہ سب باتیں درست ہیں تو میں نے پوچھا پھر اختلاف کس وجہ سے ہے؟ تو آپ نے فرمایا اے ابوصلت جنت کے درخت میں مختلف طرح کے پھل لگتے ہیں وہ درحقیقت گیہوں کا درخت تھا جس میں انگور کی بیل لگی ہوئی تھی یہ درخت دنیاوی درختوں کی مانند نہ تھا۔

جب اللہ تعالیٰ نے آدم کو عزت بخشی، فرشتوں سے سجدہ کرایا، انھیں جنت میں رکھا تو ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسا بشر خلق فرمایا ہے جو مجھ سے افضل ہو؟ اللہ کو ان کے دل کی بات کا پتا چل گیا تو اس نے آواز دی اے آدم اپنا سر اٹھاؤ اور ستون عرش پر نظر کرو آدم نے سر اٹھا کر جب ستون عرش پر نظر کی تو دیکھا کہ اس پر یہ لکھا ہوا ہے: لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَعَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَزَوْجَتُهٗ فَاطِمَةُ سَيِّدَةُ نِسَاءِ الْعَالَمِيْنَ وَالْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ۔ (نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے، محمد اللہ کے رسول ہیں، اور علی ابن ابی طالب امیرالمومنین ہیں، اور ان کی زوجہ فاطمہ عالمین کی عورتوں کی سردار ہیں اور حسن وحسین جوانان جنت کے سردار ہیں۔)

تو آدم نے عرض کی بارِ الہا! یہ ہستیاں کون ہیں جن کے یہ نام ہیں تو خداوند عالم نے فرمایا یہ تمھاری ذریت میں سے ہیں، تم سے اور تمام مخلوقات سے افضل ہیں اگر یہ نہ ہوتے تو نہ تم کو خلق کرتا اور نہ ہی جنت وجہنم اور زمین وآسمان کو پیدا کرتا۔ دیکھو خبردار انھیں حسد کی نگاہ نہ دیکھنا ورنہ تمھیں اپنے قرب سے محروم کردوں گا۔ ۲

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں جس طرح بدن انسانی کی غذا پھل اور اناج ہے اسی طرح انسانی روح کی غذا علوم ومعارف ہیں۔ جیسے جسمانی غذا کے لیے درختوں میں پھل اگتے ہیں اسی طرح روحانی غذا کا درخت بھی پھل دار ہوتا ہے۔ اور ان میں سے ہر صنف کو اس کی مناسبت سے غذا ملتی ہے۔ کچھ انسان ایسے ہیں جن کی روح پر بدن کا حکم چلتا ہے اور کچھ اس کے برعکس ہیں کہ ان کے بدن پر روح کی حکمرانی ہے۔ اور اس کے مختلف مدارج ہیں جن کی وجہ سے بعض انسانوں کو بعض پر فضیلت حاصل ہے۔ اور بلند درجات والوں کے لیے وہ سب کچھ ہوتا ہے جو پست درجات والوں کے لیے ہوتا ہے۔ اور عالم جسمانی میں پائے جانے والے ہر پھل کی مثال عالم روحانی کی مطابقت سے موجود ہے جیسا کہ اس تفسیر کے چوتھے مقدمہ میں ہم نے اشارہ کیا ہے۔ اس لیے شجرہ کو

(۱) مجمع البیان، ص ۸۵ ج ۱۔ ۲ (۲) عیون اخبار الرضا، ص ۳۰۶۔ ۳۰۷ ج ۱

شجرۃ الفواکہ (پھلوں کا درخت) سے تعبیر کیا گیا اور کبھی شجرۃ العلوم (علوم کا درخت) سے اور شجرۂ علم محمدؐ اشارہ ہے محبوبیت کاملہ کی طرف جو تمام کمالات انسانی کے لیے مفید ہے اور توحید محمدیؐ کا متقاضی ہے جو فنا فی اللہ (اللہ میں فنا ہوجانا) اور بقاء باللہ (اللہ کے سبب باقی رہنا) کی منزل ہے جس کی طرف نبی اکرمؐ کے اس قول سے اشارہ ملتا ہے: لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِی فِیْہِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ۔

(میرے لیے اللہ کے ساتھ معینہ وقت ہے جس تک نہ تو ملک مقرب پہنچ سکتا ہے اور نہ ہی کسی نبی مرسل کی اس تک رسائی ہوسکتی ہے۔)[۱] اس جملہ میں معارف کے ثمرات موجود ہیں اور "کافور" اشارہ ہے یقین کی ٹھنڈک کی طرف جو سبب ہے اطمینان کامل کا اور مستلزم ہے خُلُقِ عَظِیْم کا جو نبی اکرمؐ اور ان کے اہل بیتؑ میں بدرجہ اتم موجود تھا توان روایات اور اقوال اہل تاویل کے مابین کوئی منافات نہیں کہ یہ خواہشات اور فطرت کا درخت تھا کیوں کہ اس کی قربت ہوا وہوس اور فطری خواہشات کے سبب تھی اور یہی مفہوم ہے اس روایت کا جس میں "شجرۃ" سے مراد حسد کا درخت ہے اس لیے کہ حسد بھی خواہشات سے وجود میں آتا ہے۔

فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔

اور تم دونوں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوجاؤ گے۔

ترک اولیٰ (جس امر کا چھوڑ دینا بہتر ہو) کی وجہ سے اور اس لیے بھی کہ تم لوگوں نے حکم خداوندی کے خلاف اس منزلت کی خواہش کی جس پر تمھارے غیر کو ترجیح دی گئی ہے۔

۳۶- فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا۔

شیطان نے ان دونوں کو وہاں سے ہٹا دیا۔

اپنے وسوسہ، مکر، وہم، عداوت اور دھوکا دہی سے۔ جب شیطان نے آدم کے سامنے آکر کہا کہ اللہ نے تم کو اس درخت کے قریب جانے سے اس لیے روکا ہے کہ کہیں تم اس کا پھل کھا کر فرشتے نہ بن جاؤ، تمھیں علم غیب نہ مل جائے، تمھیں ان امور پر قدرت حاصل نہ ہوجائے جن پر رب کے مخصوص افراد قدرت رکھتے ہیں، یا تم دونوں کو دائمی زندگی نہ مل جائے جس کے بعد موت کا کوئی تصور بھی نہیں۔ اور شیطان نے آدم وحواؑ کے سامنے قسم کھائی، حلف اٹھایا کہ وہ تو محض ان دونوں کا بہی خواہ ہے۔ اور شیطان سانپ کے منہ میں بیٹھ کر جنت میں داخل ہوا تھا۔ آدم یہ سمجھتے رہے کہ سانپ ان سے مخاطب ہے، ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ابلیس سانپ کے منہ میں چھپا ہوا ہے۔ آدم نے سانپ کو جواب دیا کہ اے سانپ یہ ابلیس کا دھوکا ہے۔ ہمارا رب ہم سے کیسے خیانت کر سکتا ہے؟

تم خود قسم کھا کر کس طرح عظمت الٰہی کا اظہار کر رہے ہو اور پھر اس کی طرف خیانت اور نظر بد کی نسبت بھی

(۱) بحار الانوار، ص ۲۴۳ ج ۸۲ و مفاتح الغیب ص ۴۰

دے رہے ہو، حالاں کہ وہ اللہ سب سے زیادہ قابل تکریم ہے۔ میں کیسے اس چیز کے قریب جاؤں جس کے بارے میں میرے رب نے مجھے روک دیا ہے۔

جب ابلیس مایوس ہو گیا کہ آدم اس بات کو قبول نہیں کریں گے تو وہ دوبارہ سانپ کے منہ میں بیٹھ کر آیا اور حوّا سے خطاب کیا اور یہ تاثر دیا گویا سانپ ہی ان سے مخاطب ہے۔ اس نے کہنا شروع کیا کہ اے حوّا کیا تمھیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر جس شجرہ کو حرام قرار دیا تھا تمھاری حسنِ اطاعت اور تعظیم خداوندی کو دیکھ کر اس نے تمھارے لیے اسے حلال کر دیا ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ فرشتے جو اس درخت کی حفاظت پر مامور ہیں اور حربے (دور کرنے کا آلہ) سے تمام حیوانات جنت کو اس سے دور کر دیتے ہیں جب تم اس درخت کے قریب جاؤ گی تو وہ تمھیں اس سے دور نہیں کریں گے۔ اسی بات سے تم کو پتا چل جائے گا کہ اللہ نے اسے تمھارے لیے جائز کر دیا ہے اور خوش خبری یہ ہے کہ اگر تم آدم سے پہلے اس درخت کا پھل کھا لوگی تو تمھیں ان پر غلبہ حاصل ہو جائے گا۔ اور تم ان پر حکم چلاؤ گی۔ حوّا نے کہا کہ میں اس کا تجربہ کروں گی۔ تو وہ اس ارادے سے درخت کی جانب بڑھیں جب فرشتوں نے حسب معمول انھیں بھی حربہ سے ہٹانا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ انھیں بتایا کہ حربے سے اسے ہٹانا ہے جس کے پاس روک ٹوک کرنے والی عقل نہیں ہے لیکن میں نے جس کو تمیز بخشی ہے، قدرت عطا کی ہے اور اختیار دیا ہے پس اگر اس نے عقل کی موجودگی میں، جسے میں نے حجّت قرار دیا ہے اسے استعمال کر کے اطاعت کرے گا تو میرے ثواب کا مستحق قرار پائے گا اور اگر نافرمانی کرے گا اور میرے امر کی مخالفت کرے گا تو وہ میرے عذاب اور جزا کا مستحق قرار پائے گا فرشتوں نے اس بنا پر حوّا سے کوئی تعرض نہ کیا حوّا یہ سمجھیں عدمِ تعرض کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے انھیں اس درخت کے قریب جانے سے نہیں روکا گیا گویا حرام کرنے کے بعد اسے حلال کر دیا گیا ہے۔ تو حوّا نے اپنے دل میں کہا کہ سانپ نے سچ کہا تھا۔ وہ یہ سمجھ رہی تھیں کہ ان سے گفتگو کرنے والا سانپ تھا اور اس طرح انھوں نے پھل کھا لیا اور اسے کھاتے وقت کسی قسم کی اجنبیت محسوس نہیں کی اور انھوں نے اس بات کا ذکر آدمؑ سے کیا وہ کہنے لگیں کہ کیا آپ کے علم میں نہیں ہے کہ جو شجر اللہ نے حرام قرار دیا تھا اب وہ ہمارے لیے جائز ہو گیا ہے، میں نے اس درخت کا پھل کھا لیا ہے اور مجھے نہ تو فرشتوں نے اس بات سے روکا اور نہ ہی اس پھل کے کھانے سے کسی قسم کی اجنبیت محسوس ہوئی آدمؑ ان کی بات میں آ گئے اور انھوں نے بھی پھل کھا لیا۔[۱]

فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ-

پس اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو اپنی نعمتوں سے دور کر دیا۔

وَقُلْنَا-

اور ہم نے کہا! (اے آدم، اے حوّا اور اے ابلیس)

(۱) تفسیر امام عسکریؑ، ص ۲۲۲۔ ۲۲۴

اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ -

تم سب اس جگہ سے نیچے چلے جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو۔

یعنی آدمؑ، حوّا اور ان کی اولاد، سانپ اور ابلیس کی دشمن ہے سانپ اور ابلیس آدمؑ و حوا اور ان کی اولاد کے دشمن ہیں۔ آدمؑ، حوا اور سانپ جنت سے زمین پر آئے تھے سانپ بہت خوبصورت جانور تھا۔ اور ابلیس کا بسیرا ابھی ان کے قریب ہی تھا کیوں کہ اس کا جنت میں جانا منع تھا۔[۱]

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ ابلیس کا علانیہ جنت میں داخلہ ممنوع تھا البتہ مشہور یہ ہے کہ وہ سانپ کے منہ میں چھپ کر جنت میں داخل ہوا تھا تاکہ آدم اور حوا کو بہکائے جیسا کہ دوسری روایت میں وارد ہوا ہے۔ اس طرح دونوں روایتوں میں منافات ختم ہو جاتی ہے کہ اگر وہ جنت خُلد ہوتی تو ابلیس وہاں پر داخل نہ ہوسکتا جب وہ سانپ کے منہ میں داخل ہوا تھا غور کرو۔

وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ إِلَىٰ حِيْنٍ -

اور تمھارے لیے زمین میں جائے قرار اور مقررہ وقت تک کے لیے فائدہ ہے۔

''مستقر'' کے معنی ہیں گھر، رہائش گاہ اور جائے معاش۔

''متاع'' منفعت۔ ''الی حین'' مرتے دم تک۔

اسی زمین میں سے اللہ تعالیٰ تمھارے لیے اناج، سبزیاں اور پھل اگائے گا، اور اسی سے تمھیں عمدہ آب و ہوا اور وافر نعمتیں ملیں گی۔ اور یہیں پر مصائب کے ذریعہ تمھارا امتحان ہوگا۔

کبھی تو تمھیں دنیاوی لذتیں عطا ہوں گی تاکہ تم اس کے ذریعہ آخرت کی خالص نعمتوں کو یاد کرو اور دنیاوی نعمتوں کو ہیچ اور بے حقیقت سمجھو اور اس سے بے رغبتی اور حقارت پیدا ہو جائے اور کبھی تمھارا امتحان مصائب وآلام دنیا کے ذریعہ سے ہوگا جن میں زحمتیں اور دگنی سزائیں ہوں گی اور عافیت کا شائبہ تک نہ ہوگا تاکہ تمھیں ابدی عذابِ آخرت سے ڈرایا جائے۔

اور تفسیر قمی کی روایت میں ہے کہ الی حین سے مراد ہے روزِ قیامت تک۔[۲]

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ دونوں روایتوں میں کوئی منافات نہیں ہے اس لیے کہ اکثر لوگوں کے نزدیک موت قیامتِ صغریٰ ہے اور کچھ اسے قیامتِ کبریٰ سمجھتے ہیں اسی لیے حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص مرگیا اس کی قیامت کا آغاز ہوگیا۔[۳]

(۱) تفسیر امام عسکریؑ ص ۲۲۲۔ ۲۲۴ (۲) تفسیر قمی ص ۴۳ ج ۱ (۳) بحار الانوار ص ۷ ج ۶۱

فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾
قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا
خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۹﴾ ع ۴

۳۷- آدم نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ (کر توبہ کی) تو اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی۔ بے شک وہ توبہ کا قبول کرنے والا اور مہربان ہے۔

۳۸- ہم نے کہا تم سب یہاں سے اتر جاؤ پس جب تمھارے پاس میری جانب سے کوئی ہدایت آئے تو جو لوگ میری ہدایت کا اتباع کرتے رہیں گے انھیں کسی قسم کا خوف اور حزن نہ ہوگا۔

۳۹- اور جو اس کو قبول کرنے سے انکار کریں گے اور ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے وہ جہنم کے ساتھی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

۳۷- فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ-

آدمؑ نے اپنے رب سے کلمات سیکھ لیے۔

یعنی اللہ بتاتا گیا اور وہ کہتے گئے۔

فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ-

اللہ نے ان کلمات کے ذریعہ (آدم کی) توبہ قبول کی بے شک وہ توبہ کا قبول کرنے والا اور مہربان ہے۔

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں توبہ کے معنی ہیں رجوع، واپسی۔ جب توبہ کی نسبت اللہ کی طرف ہو تو علیٰ سے تعدیہ آتا ہے اور اگر اس کی نسبت بندہ کی جانب ہو تو تعدیہ الیٰ سے آتا ہے۔

جس تعدیہ کی نسبت اللہ کے طرف ہے اس میں شفقت اور عنایت کا مفہوم شامل ہوتا ہے اور عبد کی طرف سے توبہ کا مفہوم ہے نافرمانی کے بعد اطاعت کرنا اور فرماں برداری کے ساتھ اللہ کی طرف واپس آنا۔

اور اس کا مفہوم اللہ کی جانب سے یہ ہے کہ اپنے بندے کی طرف مہربانی کے ساتھ رجوع کرنا پہلے تو اسے توبہ کی توفیق دے کر اور پھر توبہ کو شرف قبولیت بخش کر۔ یعنی اللہ کی جانب سے دو توبہ ہیں جب کہ بندہ کی طرف سے صرف ایک توبہ ہے۔

ارشاد ربانی ہے: ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ (۱۱۸: توبہ۔ ۹)

یعنی ان کو توبہ کی توفیق عطا کی تا کہ وہ اللہ کی طرف واپس آئیں پھر جب وہ واپس آگئے تو ان کی توبہ قبول کرلی۔ اس لیے کہ وہ توبہ کا قبول کرنے والا اور مہربان ہے۔ اس آیت کا دوسرا مفہوم ان شاء اللہ سورہ توبہ میں بیان کریں گے۔

کتاب ''الکافی'' میں دواماموں میں سے ایک سے مروی ہے کہ آدم علیہ السّلام کو جو کلمات سکھائے گئے تھے وہ یہ تھے:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ عَمِلْتُ سُوْءً اَ وَظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْلِيْ وَاَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِيْنَ۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ عَمِلْتُ سُوْءً اَ وَظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ اِنَّكَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ عَمِلْتُ سُوْءً اَ وَظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَتُبْ عَلَيَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۔[۱]

نہیں ہے کوئی معبود سوائے تیرے، پاک ہے تو اے اللہ اور سب حمد تیرے ہی لیے ہے میں نے برائی کی اور اپنے نفس پر ظلم کیا ہے، میری مغفرت فرما تو بہترین مغفرت فرمانے والا ہے۔ تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔

نہیں ہے کوئی معبود سوائے تیرے، تو پاک ہے، اے اللہ سب حمد تیرے ہی لیے ہے میں نے برائی کا ارتکاب کیا ہے اور اپنے نفس پر ظلم ڈھایا ہے میری توبہ قبول کرلے بے شک تو ہی توبہ کا قبول کرنے والا ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ آدم نے ان کلمات کے ذریعہ سے توبہ کی:

بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَعَلِيٍّ وَفَاطِمَةَ وَالْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ۔

اے اللہ محمدؐ، علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ کے واسطے سے میری توبہ قبول کرلے۔[۲]

دوسری روایت میں ہے:

بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ۔

(اے اللہ) محمدؐ و آل محمدؐ کے واسطے سے دعا قبول کر۔[۳]

اور ''تفسیر امام حسن عسکری علیہ السّلام'' میں ہے کہ جب آدم علیہ السّلام نے ترک اولیٰ کا ارتکاب کیا اور خداوند عالم سے معذرت طلب کی اور کہا ''یا رَبِّ تُبْ عَلَيَّ'' اے میرے پروردگار تو میری توبہ اور میری معذرت کو قبول کرلے، مجھے میرا رتبہ لوٹا دے، اپنے نزدیک میرا درجہ بلند کردے۔ اب تو میرے جملہ اعضا اور میرے بدن سے غلطی اور عاجزی کا اظہار ہو رہا ہے۔ تو اللہ نے فرمایا اے آدم! کیا تمھیں میرا وہ حکم یاد نہیں رہا کہ میں نے کہا تھا

(۱) الکافی، ص ۳۰۴۔۳۰۵ ج ۸ (۲) الکافی، ص ۳۰۵ ج ۸ (۳) تفسیر امام عسکریؑ، ص ۳۹۱

''اے آدم تم جب بھی کبھی پریشانی میں مبتلا ہو، سختیوں کا سامنا ہو، بلاؤں کا نزول ہو تو محمدؐ و آل محمدؐ کے واسطے سے دعا طلب کیا کرو'' تو آدم علیہ السّلام نے جواب دیا بے شک اے پروردگار تو ارشاد باری ہوا اے آدم، تم محمدؐ، علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ کے واسطے سے دعا طلب کرو میں تمھاری دعا قبول کروں گا اور تمھاری تمناؤں سے زیادہ تمھیں عطا کروں گا تو آدمؑ نے کہا! اے پروردگار! اے میرے معبود! ان ہستیوں کی تیرے نزدیک ایسی عظیم منزلت ہے کہ تو ان کے توسل سے میری توبہ قبول کرے گا۔ اور میری خطاؤں سے درگزر کرے گا جب کہ میں وہ ہوں تو نے جس کے سامنے فرشتوں کو سجدہ کرایا، جنت میں رہنے کے لیے جگہ دی، اپنی کنیز حوا سے شادی کرادی اور مکرم ومحترم فرشتوں کو خدمت پر مامور کر دیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم! میں نے فرشتوں کو تمھارے سامنے سجدۂ تعظیمی کے لیے اس لیے حکم دیا تھا کہ تم ان انوار کے لیے ایک ظرف تھے اگر تم ترک اولیٰ سے قبل ان کے واسطے سے مجھ سے سوال کرتے تو تم کو ترک اولیٰ سے بچالیتا اور تم کو ابلیس کی تلبیس (بہکانے) سے بھی محفوظ رکھتا لیکن جو کچھ میرے علم میں تھا وہی ہوا۔ اب تم ان ہستیوں کے واسطے سے دعا کرو میں اسے قبول کروں گا تو آدمؑ نے عرض کی اے اللہ! محمدؐ، علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ، حسینؑ اور ان کے آل اطہار کے واسطے میری توبہ قبول فرما، میری لغزش سے درگزر کر اور میری (گم شدہ) عظمت ومنزلت مجھے لوٹا دے تو اللہ نے فرمایا میں نے تمھاری توبہ قبول کرلی، اپنی رضامندی تمھیں عطا کردی اور اپنی نعمتیں اور کرامتیں تمھیں لوٹا دیں اور اپنی رحمت کا وافر حصہ تمھیں بخش دیا اسی لیے فرمایا:

فَتَلَقّٰۤی اٰدَمُ مِنۡ رَّبِّہٖ کَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیۡہِ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیۡمُ۔

آدم نے اپنے رب سے کلمات سیکھ لیے اور ان کلمات کے واسطے سے اللہ نے ان کی توبہ قبول کرلی بے شک وہ توبہ کا قبول کرنے والا اور مہربان ہے۔[1]

۳۸۔ قُلۡنَا اہۡبِطُوۡا مِنۡہَا جَمِیۡعًا ۔

ہم نے کہا تم سب اس جگہ سے اتر جاؤ

سب سے پہلے بلندی سے نیچے اتر جانے کا حکم ہوا اور دوسرے یہ کہ سب ایک ساتھ اتریں کوئی تقدم وتاخر نہ ہو۔

فَاِمَّا یَاۡتِیَنَّکُمۡ مِّنِّیۡ ہُدًی فَمَنۡ تَبِعَ ہُدَایَ فَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ۔

جب تمھارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے (تو اس کی پیروی کرنا) کہ جنھوں نے میری ہدایت کی پیروی کی ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ ہی کسی قسم کا حزن وملال ہوگا۔ کہا گیا ہے کہ اِمَّا میں ''مَا'' شرط کی تاکید کے لیے بڑھایا گیا اور اسی وجہ سے ''یَاۡتِیَنَّ'' میں نون تاکید لایا گیا ہے جب کہ اس میں طلب کے معنی نہیں ہیں اور شرطِ ثانی اس کے جواب کے ساتھ شرط اول کا بھی جواب ہے۔[2]

(۱) تفسیر امام عسکریؑ، ص ۲۲۵۔۲۲۶ (۲) انوار التنزیل، ص ۵۰ ج ۱

۳۹- وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔

اور جولوگ کافر ہو گئے اور انھوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلا دیا، وہ جہنمی ہیں اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہیں گے۔

عیاشی نے اپنی تفسیر میں ایک طولانی حدیث بیان کی ہے جس میں ترک اولیٰ کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے آدم کے مکالمہ کا ذکر کیا گیا ہے۔۔۔۔ جس کے اختتام پر آدمؑ نے کہا اے پروردگار! تیری سب دلیلیں ہمارے خلاف جاتی ہیں ۔۔۔۔ ہم نے اپنے نفوس پر ظلم کیا اور عصیان سے کام لیا اگر تو نے ہماری مغفرت نہ کی اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوں گے۔[۱]

''تفسیر قمی'' میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ آدم علیہ السّلام ''صفا'' کی پہاڑی پر اترے اور حضرت حوا ''مروہ'' کی پہاڑی پر، آدمؑ چالیس روز تک سجدے میں گر کر اپنی غلطی اور فراق جنت پر گریہ کرتے رہے۔

امام نے فرمایا کہ اس کے بعد جبریلؑ حضرت آدمؑ کے پاس آئے اور فرمایا!

اے آدم! کیا اللہ نے آپ کو اپنے دست قدرت سے خلق نہیں کیا اور اپنی روح نہیں پھونکی اور اپنے فرشتوں کو آپ کے سامنے سجدہ ریز نہیں کیا۔ آدمؑ نے کہا، ہاں، جبریل نے کہا! اور آپ کو حکم دیا کہ اس درخت میں سے نہ کھائیں تو آپ نے کیوں عصیان کیا؟ تو آدم نے جواب دیا اے جبریل ابلیس نے اللہ کی قسم کھا کر کہا کہ وہ مجھے نصیحت کر رہا ہے اور میں نہیں سمجھتا تھا کہ اللہ جس کا خالق ہے وہ اسی اللہ کی جھوٹی قسم کھائے گا۔ تو جبریل نے کہا! اے آدم آپ اللہ تعالیٰ سے توبہ کریں۔[۲]

''کتاب عیون'' میں امام علی رضا علیہ السّلام سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ وحوا سے کہا کہ تم دونوں اس درخت کے قریب نہ جانا اور اشارہ کیا درختِ گندم کی طرف اور یہ نہیں کہا کہ اس درخت اور اسی جیسے دوسرے درخت سے کچھ نہ کھانا۔ وہ دونوں اس درخت کے قریب نہیں گئے اور نہ ہی اس میں سے کچھ کھایا البتہ شیطان کے بہکانے پر کسی دوسرے درخت کا پھل کھالیا۔ پھر امامؑ نے فرمایا کہ آدم سے یہ عمل ان کی نبوت سے قبل سرزد ہوا تھا اور یہ کوئی گناہ کبیرہ نہ تھا کہ جس کے سبب وہ جہنم کے مستحق قرار پاتے بلکہ یہ ''صغیرہ موہوبہ'' تھا۔ انبیائے کرام کو وحی نازل ہونے سے قبل جس کی اجازت ہوتی ہے۔

جب اللہ نے انھیں منتخب کرلیا اور انھیں نبوت عطا کی تو اس وقت وہ معصوم تھے نہ ان سے گناہ کبیرہ سرزد ہوسکتا تھا اور نہ ہی گناہ صغیرہ۔

اللہ تبارک تعالیٰ نے فرمایا:

وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ﴿۱۲۲﴾ (۱۲۱ - ۱۲۲: سورۂ طٰہٰ - ۲۰)

(۱) تفسیر عیاشی، ص ۳۵ ج ۱ (۲) تفسیر قمی، ص ۴۳ - ۴۴ ج ۱

اور آدم نے اپنے پروردگار کے حکم کو نہ مانا تو اپنے مقصد سے دور ہوگئے۔ پھر اس کے بعد ان کے رب نے ان کو نوازا اور منتخب کرلیا، ان کی توبہ قبول کی اور انھیں سیدھی راہ دکھائی۔

اور فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿۳۳﴾ (۳۳: آل عمران ۔ ۳)

بلاشبہہ اللہ نے چن لیا آدم، نوح آل ابراہیم اور آل عمران کو دنیا کے تمام لوگوں پر۔[۱]

اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو اپنی زمین پر حجّت اور خلیفہ کی حیثیت سے خلق کیا تھا انھیں جنت میں رہنے کے لیے خلق نہیں کیا گیا تھا اور آدمؑ سے ترک اولیٰ کا عمل جنت میں ہوا تھا نہ کہ زمین پر تا کہ امر الٰہی میں جو باتیں پوشیدہ ہیں ان کی تکمیل ہوجائے جب اللہ تعالیٰ نے آدم کو زمین پر اتارا اور انھیں اپنی حجّت اور خلیفہ بنایا تو اپنے اس قول : إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿۳۳﴾ سے ان کی عصمت پر مہر تصدیق ثبت کردی۔[۲]

(۱) عیون اخبار الرضا ص ۱۹۶ باب ۱۵ ج ۱ (۲) عیون اخبار الرضا ص ۱۹۲۔ ۱۹۳ ج ۱ باب ۱۴

يٰبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِىْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّاىَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۴۰﴾

وَ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۖ وَ لَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِىْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّاِيَّاىَ فَاتَّقُوْنِ ﴿۴۱﴾

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾

وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾

۴۰ – اے بنی اسرائیل، یاد کرو وہ نعمت جو میں نے تمھیں دی تھی اور تم وہ عہد پورا کرو جو مجھ سے کیا تھا، میں وہ عہد پورا کروں گا جو میں نے تم سے کیا تھا اور مجھی سے ڈرتے رہو۔

۴۱ – اور جو کچھ میں نے نازل کیا ہے اس پر ایمان لے آؤ، جو کچھ تمھارے پاس ہے یہ قرآن اس کی تصدیق کرتا ہے، لہٰذا سب سے پہلے تم ہی اس کے منکر نہ بن جاؤ اور تھوڑی سی قیمت پر میری آیتوں کو فروخت نہ کرو، اور صرف مجھی سے ڈرتے رہو۔

۴۲ – اور باطل کا رنگ چڑھا کر حق کو مشتبہ نہ بناؤ اور نہ ہی جان بوجھ کر حق کو چھپانے کی کوشش کرو۔

۴۳ – نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

۴۰ – يٰبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ –

اے اولادِ اسرائیل یعنی یعقوبؑ کی اولاد

کتاب ''عِلل الشرائع'' میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ یعقوبؑ درحقیقت اسرائیل ہیں اور اسرائیل کے معنی ہیں عبداللہ۔ اس لیے کہ ''اسراء'' کے معنی عبد اور ''ایل'' اللہ کو کہتے ہیں۔(۱) اور ایک روایت میں ہے کہ ''اسراء'' کے معنی ہیں طاقت اور ''ایل'' اللہ کو کہتے ہیں یعنی ''قوتِ خداوندی'' ۔(۲)

اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ –

تم یاد کرو میری ان نعمتوں کو جو میں نے تمھیں عطا کی ہیں

یہاں تک کہ محمدؐ کو تمھاری طرف مبعوث کیا اور انھیں تمھارے شہر میں جاگزین کیا تمھیں ان تک پہنچنے کے لیے نہ تو کوئی مشقت برداشت کرنی پڑی اور نہ ہی ہجرت کی صعوبت اٹھانی پڑی ان کی نبوت کی نشانیوں کو واضح

(۱) علل الشرائع ص ۴۳ (۲) علل الشرائع ص ۴۳

اور سچائی کے دلائل کو ایسا روشن بنا دیا کہ تمھیں ان کے بارے میں کسی قسم کا شک وشبہہ باقی نہ رہے اور ان کا حال تم پر مشتبہ نہ رہے۔

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ۔

تم مجھ سے کیا ہوا وعدہ وفا کرو

یعنی جو وعدہ تمھارے اسلاف سے ان کے نبیوں نے لیا تھا اور انھیں حکم دیا تھا کہ اسے اپنی اولاد تک پہنچا دینا تاکہ وہ لوگ محمدؐ عربی، قرشی، ہاشمی پر ایمان لے آئیں آیات کے ذریعہ جن کے نبوت ورسالت کو واضح کیا گیا ہے اور معجزات کے ذریعہ ان کی رسالت کی تائید کی گئی ہے آں حضرتؐ کی نشانیوں میں سے ان کے دربار میں ان کے برادر اور ان کے رفیق علی بن ابی طالب علیہ السّلام بھی ہیں اِن کی عقل اُن کی عقل سے، اِن کا علم اُن کے علم سے، اِن کا حلم اُن کے حلم سے ہے۔ حضرت علی وہ ہیں جنھوں نے پیغمبر اکرمؐ کے لائے ہوئے دین کی مدد اپنی تلوار سے کی ہے۔

اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ۔

میں تم سے کیا ہوا وعدہ وفا کروں گا۔

یعنی میں نے آخرت میں عزت وشرافت کے گھر میں تمھارے لیے ابدی اور دائمی نعمت واجب کر دی ہے۔

وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ۔

اور خاص طور سے مجھی سے ڈرتے رہو۔

یعنی حضرت محمدؐ کی مخالفت کرتے وقت مجھ سے ڈرتے رہو میری موافقت وحمایت میں جو تم سے عداوت کرے گا تو میں اس مصیبت کو دور کرنے پر قدرت رکھتا ہوں اور اگر تم نے میری مخالفت کو ترجیح دی تو تمھارے ہم نوا میرے انتقام کو دور کرنے کی قدرت نہیں رکھتے۔

''تفسیر عیاشی'' میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جب ان سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ تم ولایت علی کے بارے میں اپنا وعدہ وفا کرو جو اللہ کی طرف سے فرض ہے میں تمھارے لیے وعدۂ جنت کو وفا کروں گا۔[۱]

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ اس قول کا اطلاق ہر شخص پر اور اللہ تعالیٰ سے کیے گئے ہر وعدہ پر ہوتا ہے۔

''تفسیر قمّی'' میں ہے کہ ایک شخص نے امام جعفر صادق علیہ السّلام سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

اُدْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ۔

(تم مجھ سے دعا کرو میں اسے قبول کروں گا)

ہم اللہ سے دعا مانگتے ہیں مگر ہماری دعا قبول نہیں ہوتی تو امامؑ نے جواب دیا کہ تم اللہ سے کیے گئے وعدے

(۱) تفسیر عیاشی، ص ۴۲ ج ۱

کو پورا نہیں کرتے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاَوْفُوْا بِعَھْدِیْٓ اُوْفِ بِعَھْدِكُمْ۔

(تم مجھ سے کیا ہوا وعدہ پورا کرو، میں تم سے کیے ہوئے وعدے کو پورا کروں گا)

امامؑ نے فرمایا خدا کی قسم تم اللہ سے کیا ہوا وعدہ پورا کرو اللہ اپنا وعدہ پورا کرے گا۔ ۱

۴۱- وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ۔

اور جو کچھ میں نے نازل کیا ہے اس پر ایمان لاؤ

یعنی جو کتاب میں نے محمدؐ پر نازل کی ہے اس پر ایمان لاؤ، اس کتاب (قرآن) میں آں حضرتؐ کی نبوت اور ان کے بھائی علیؑ اور اولادِ علیؑ کی امامت کا ذکر موجود ہے۔

مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ -

جو کچھ تمھارے پاس ہے یہ کتاب اس کی تصدیق کرتی ہے

اس لیے کہ تمھاری کتاب میں بھی اس قسم کے تذکرے موجود ہیں۔

وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ۔

اور تم اس کے پہلے انکار کرنے والے نہ بنو

کہا گیا ہے کہ اس آیت میں تعریض (یعنی دوسرے پر بات ڈال کر کہنا) ہے اس لیے کہ ان پر واجب تھا کہ وہ لوگ سب سے پہلے آں حضرتؐ پر ایمان لاتے کیوں کہ وہ آں حضرتؐ کے معجزات کا بغور مشاہدہ کر چکے تھے اور آپ کی منزلت سے آشنا تھے۔ ان لوگوں کو نبی اکرمؐ کی کامیابی کی خبر اور زمانۂ بعثت کی خوش خبری دی جا چکی تھی۔ ۲

''تفسیر امام حسن عسکری علیہ السّلام'' میں ہے کہ یہ مدینہ کے یہودی تھے جنھوں نے حضرت محمدؐ کی نبوت کا انکار کیا اور آپ سے خیانت کی اور یہ کہا کہ ہم جانتے ہیں کہ محمدؐ نبی اور علیؑ اُن کے وصی ہیں لیکن آپ لوگ وہ نہیں جن کا ہمیں انتظار ہے وہ تو ہمارے پانچ سو سال بعد آئیں گے۔ ۳

وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِىْ ثَمَنًا قَلِيْلًا -

اور تم ہماری آیتوں کو تھوڑی سی قیمت کے عوض مت بیچو

وَاِيَّاىَ فَاتَّقُوْنِ - اور مجھی سے ڈرتے رہو۔

یعنی محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی نبوت اور ان کے وصی کی امامت کو نہ چھپاؤ۔

۴۲- وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ۔

اور تم حق کو باطل سے مشتبہ نہ کرو

(۱) تفسیر قمی، ص ۴۶ ج ۱ (۲) بیضاوی، ص ۵۳ ج ۱ (۳) تفسیر امام عسکریؑ، ص ۲۳۰

یعنی ایک حیثیت سے اس کا اقرار کرلو اور دوسرے اعتبار سے اس کا انکار کر دو۔

وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ -

اور نہ ہی حق کو چھپاؤ جب کہ تم اس سے باخبر ہو

اس آیت میں حق سے مراد آں حضرت کی نبوت اور حضرت علیؑ کی امامت بھی ہے تم اپنے علم اور عقل کے باوجود حق کو پوشیدہ رکھتے ہو اور اسے ظاہر نہیں کرتے۔

۴۳ – وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ – اور تم نماز قائم کرو

اس آیت میں صلوٰۃ کے دو معنیٰ ہیں پہلے یہ کہ آں حضرتؐ نے تمھیں جو واجب نمازیں سکھائی ہیں انھیں پابندی سے بجالاؤ دوسرے یہ کہ محمدؐ اور ان کی پاک آل پر درود بھیجتے رہو۔

وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ – اور تم زکوٰۃ ادا کرو

یعنی جب تم پر واجب ہو تو مویشی اور جائداد کی زکوٰۃ ادا کرو اور چھوٹی زرہ کی زکوٰۃ جب تم پر لازم ہو اور جنگی کشتی کی زکوٰۃ جب تم سے طلب کی جائے۔

کتاب ''کافی'' میں امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام سے روایت ہے کہ آپ سے صدقۂ فطرہ کے بارے میں سوال کیا گیا کہ آیت : وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ میں کیا زکوٰۃ سے مراد صدقۂ فطرہ ہے؟ تو امام علیہ السّلام نے جواب دیا ہاں! اس سے مراد صدقۂ فطرہ ہے۔ ۱

''تفسیر عیاشی'' میں بھی امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام سے ایسی ہی روایت موجود ہے۔ ۲

امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا ''زکوٰۃ'' سے مراد فطرہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مومنین پر فرض قرار دیا ہے۔ ۳

اور ایک روایت میں ہے کہ جب زکوٰۃ کی آیت نازل ہوئی تو اس وقت لوگوں کے پاس مویشی تو موجود نہیں تھے البتہ فطرہ تھا۔ ۴

وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ – اور تم رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی عظمت کے لیے اولیا اللہ کی پیروی کرتے ہوئے متواضعین کے ساتھ مل کر تواضع کرو۔ تواضع کے معنیٰ ہیں عاجزی، انکساری، فروتنی اور خاکساری وغیرہ۔

اور ایک قول کے مطابق اس کا مفہوم یہ ہے کہ نماز باجماعت ادا کرو۔ ۵

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ دونوں مفاہیم میں کوئی فرق نہیں ہے اس لیے کہ دونوں معانی کا مقصد ایک ہے۔

(۱) تہذیب الاحکام، ص ۸۹ ج ۴ (۲) تفسیر عیاشی، ص ۴۲ ج ۱ (۳) تفسیر عیاشی، ص ۴۲ ج ۱
(۴) تفسیر عیاشی، ص ۴۳ ج ۱ (۵) بیضاوی، ص ۵۳ ج ۱

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنفُسَكُمْ وَأَنتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۴۴﴾
وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ۚ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ ﴿۴۵﴾
الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلَاقُو رَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴿۴۶﴾

ع ۵

۴۴- کیا تم دوسروں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو حالاں کہ تم کتاب کی تلاوت بھی کرتے ہو کیا تم عقل سے بالکل کام نہیں لیتے؟

۴۵- صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو بے شک نماز ایک مشکل اور دشوار عمل ہے مگر ان کے لیے نہیں جو فرماں بردار بندے ہیں۔

۴۶- جو یہ سمجھتے ہیں کہ اپنے پروردگار سے ملاقات کریں گے اور اسی کی طرف پلٹ کر جائیں گے۔

۴۴- أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ- کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو؟

بِر سے مراد ہے صدقات اور امانتیں یعنی یہ کہ تم لوگوں کو صدقہ دینے اور امانتیں ادا کرنے کا حکم دیتے ہو۔

وَتَنسَوْنَ أَنفُسَكُمْ وَأَنتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ-

اور تم اپنے آپ کو بھلا دیتے ہو جب کہ تم کتاب کی تلاوت بھی کرتے ہو

اس آیت میں کتاب سے مراد توریت ہے، جو تم کو نیکیوں کا حکم دیتی ہے اور برائیوں سے روکتی ہے۔

أَفَلَا تَعْقِلُونَ- کیا تم عقل نہیں رکھتے ہو

کہ تم پر محض اس وجہ سے عذاب ہوگا کہ تم جس بات کا حکم دیتے ہو خود اس پر عمل نہیں کرتے اور جن امور سے دوسروں کو روکتے ہو ان کو خود بجالاتے ہو۔

یہ آیت علمائے یہود اور ان کے افراد کے بارے میں نازل ہوئی جو سرکش اور منافق تھے، فقرا کا مال ہڑپ کر جانے والے، دولت مندوں کی خاطر تواضع کرنے والے، لوگوں کو خیر کا حکم دے کر خود عمل نہ کرنے والے اور برائیوں سے منع کر کے خود ان برائیوں کا ارتکاب کرنے والے۔

''تفسیر قمی'' میں ہے کہ یہ آیت خطیبوں اور قصّہ گو افراد کے لیے نازل ہوئی جیسا کہ امیر المومنین علیہ السّلام کا قول ہے کہ ہر منبر پر ان لوگوں میں سے ایسا فصیح و بلیغ خطیب ہوگا جو اللہ اس کے رسول اور اس کی کتاب کے بارے میں کذب بیانی سے کام لے گا۔ (الف) (یعنی ان کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کرے گا) [۱]

(الف) حاشیہ۔۔۔۔۔۔ ''مجمع البیان'' میں انس بن مالک سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اکرمؐ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

(۱) تفسیر قمی، ص ۴۶ ج ۱

کتاب ''مصباح الشریعہ'' میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جو شخص اپنے خیالات کے حصار سے باہر نہیں آئے گا، اپنے نفس کے آفات اور اس کی خواہشات سے نجات نہیں پائے گا اور شیطان کو شکست نہیں دے گا اور اللہ تعالیٰ کے حفظ وامان اور اس کی پناہ میں نہیں جائے گا تو ایسا شخص امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے کے لیے اہل نہیں ہے اس لیے کہ اگر اس میں یہ خوبیاں نہیں ہوں گی تو جو کچھ وہ ظاہر کرے گا وہ صرف اس کے لیے حجّت ہوگا دوسروں کو اس سے کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ (کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنی ذات کو بھول جاتے ہو) اور اس سے کہا جائے گا اے خائن کیا تم میری مخلوق سے ایسے امر کا مطالبہ کرتے ہو،تم نے اپنے نفس سے جس کی خیانت کی ہے۔ اور اپنی لگام کو اس پر ڈھیلا چھوڑ دیا ہے۔ ۲

۴۵ - وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ -

اور تم مدد طلب کرو صبر اور نماز سے

تم صبر سے مدد طلب کرو کہ امانتوں کی ادائیگی میں تم سے حرام سرزد نہ ہو اور حق کے اعتراف، مغفرت ورضائے رب اور جنت کی نعمتوں کے استحقاق کے لیے ریاست باطلہ (باطل کی سرداری) پر صبر سے استعانت چاہو۔

کتاب ''کافی''، ''فقیہ'' اور ''تفسیر عیاشی'' میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ اس آیت میں صبر سے مراد ''روزہ'' ہے۔ ۳

کتاب ''کافی'' اور ''فقیہ'' میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جب کسی شخص پر شدید مصیبت آئے تو اسے چاہیے کہ وہ روزہ رکھے کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ -

(تم روزہ اور نماز سے مدد طلب کرو) ۴

''تفسیر عیاشی'' میں امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام سے بھی ایسی روایت مروی ہے۔ ۵

''وَالصَّلٰوةِ'' سے مراد پنج گانہ نمازیں، نبی اکرمؐ اور ان کی آلؑ پر درود ہے۔

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ صلوٰۃ سے مراد ہر فرض اور نافلہ نماز ہے جیسا کہ تفسیر ''مجمع البیان'' اور

نے فرمایا جس رات مجھے معراج ہوئی تو میرا گزر ایسے افراد کی طرف ہوا جو اپنے ہونٹ آگ کی قینچی سے کاٹ رہے تھے میں نے دریافت کیا جبریل یہ کون لوگ ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ دنیا کے وہ خطبا ہیں جو لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے تھے اور اپنے آپ کو بھول جاتے تھے۔ (مجمع البیان ج ۱۔ ۲ ص ۹۸

(۲) مصباح الشریعہ، ص ۱۸ (۳) الکافی، ص ۶۳ ج ۴ و من لایحضرہ الفقیہ، ص ۴۵ ج ۲ و تفسیر عیاشی، ص ۴۳ ج ۱

(۴) الکافی، ص ۶۳ ج ۴ و من لایحضرہ الفقیہ، ص ۴۵ ج ۲ (۵) تفسیر عیاشی، ص ۴۳ ج ۱

''تفسیر عیاشی'' میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ تمھیں اس امر میں کیا چیز مانع ہے؟ تم میں سے جس پر جب بھی دنیاوی غم والم کا حملہ ہو اسے چاہیے کہ وہ وضو کر کے مسجد میں جائے اور دو رکعت نماز ادا کر کے اللہ تعالیٰ سے دعا طلب کرے (اس کی تمام پریشانیاں دور ہو جائیں گی) کیا تم نے نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ۔ (تم روزہ اور نماز سے مدد طلب کرو) ۱

کتاب ''کافی'' میں امام صادق علیہ السّلام سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ علی علیہ السّلام کو جب بھی کوئی دشوار گزار امر درپیش ہوتا تھا تو آپ نماز سے مدد لیتے تھے اس کے بعد آپ نے وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ- کی تلاوت فرمائی۔ ۲

وَ اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ -

اور بے شک یہ کام دشوار ہے

''تفسیر قمی'' میں ہے کہ اس سے مراد نماز ہے (یعنی نمازوں کا پابندی سے ادا کرنا دشوار ہے) ۳ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ نماز اور روزے سے مدد طلب کرنا دشوار ہے۔ ۴

''تفسیر امام حسن عسکری علیہ السّلام'' میں ہے کہ ''اِنَّها'' سے مراد پنج گانہ نمازیں، محمدؐ و آل محمدؐ پر درود، ان کے احکام کی پیروی کرنا اور ان کی تمام پوشیدہ اور علانیہ باتوں پر ایمان لانا۔ اور ''کیوں اور کیسے'' جیسے الفاظ سے ان پر اعتراض نہ کرنا۔ ۵

لَكَبِيْرَةٌ یقیناً دشوار ہیں۔

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ اس کے معنی وزنی، دشوار اور مشکل کے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ۔ (۱۳: الشوریٰ - ۴۲)

آپ جس چیز کی طرف انھیں دعوت دے رہے ہیں وہ مشرکین کے لیے دشوار ہے۔

اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ -

سوائے خشوع کرنے والوں کے۔

خاشعین کا مفہوم ہے عذاب الٰہی سے ڈرنے والے یعنی ان پر جو عظیم فرائض عائد کیے گئے ہیں ان میں اللہ تعالیٰ کی مخالفت نہ ہونے پائے۔

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ خاشعین وہ ہیں جن کے نفوس اس قسم کی باتوں کے عادی ہیں، ایسے امور کا سامنا کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں جن کی وجہ سے دشواریاں آسانیوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں اور پریشانیاں

(۱) مجمع البیان، ص ۱۰۰ ج ۱۔ ۲ و تفسیر عیاشی، ص ۴۳ ج ۱ (۲) الکافی، ص ۴۸۰ ج ۳
(۳) تفسیر قمی، ص ۴۶ ج ۱ (۴) بیضاوی، ص ۵۴ ج (۵) تفسیر امام عسکریؑ، ص ۲۳۸

سببِ لذت بن جاتی ہیں جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا ہے:

جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ۔ نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک قرار دی گئی ہے۔ ۱

اور آں حضرتؐ فرمایا کرتے تھے: رَوِّحْنَا أَوْ أَرِحْنَا يَا بِلَالُ۔

اے بلال (اذان کے ذریعہ) تم ہمیں خوش کرو یا راحت پہونچاؤ۔ ۲

۴۶۔ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلَاقُوا رَبِّهِمْ۔

جو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ سے ملاقات کرنے والے ہیں

''کتاب توحید''، ''احتجاج'' اور ''تفسیر عیاشی'' میں امیر المومنینؑ سے مروی ہے انھیں اس بات کا یقین ہے کہ انھیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ اس لیے کہ لفظ ظن کے معنی ان کی جانب سے یقین کے ہیں۔ ۳ اور توحید واحتجاج میں امام علیہ السّلام سے مروی ہے کہ اس آیت میں ''لِقَاء'' کے معنی ہیں مبعوث ہونا اور ''ظن'' کے معنی ہیں یقین کرنا۔ ۴ اور امام حسن عسکری علیہ السّلام کی تفسیر میں ہے کہ وہ سمجھتے ہیں اور یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے ملاقات کریں گے۔ وہ ملاقات جو بندوں کے لیے ایک عظیم کرامت وفضیلت ہے۔ ۵

وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ –

اور وہ (سب) اسی کی جانب پلٹنے والے ہیں۔

یعنی وہ پلٹنے والے ہیں اس کی عنایات اور جنت کی نعمتوں کی طرف اور لفظ ''يَظُنُّونَ'' (وہ گمان کرتے ہیں) سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ وہ نہیں جانتے کہ ان کا خاتمہ کس طرح ہوگا اس لیے کہ انجام ان کی نظروں سے پوشیدہ ہے انھیں یقینی طور سے اس کا علم نہیں ہے انھیں مستقبل کی کسی تبدیلی اور تغیر کا علم نہیں آں حضرتؐ نے فرمایا ہے: لَا يَزَالُ الْمُؤْمِنُ خَائِفاً مِنْ سُوءِ الْعَاقِبَةِ وَلَا يَتَيَقَّنُ الْوُصُولَ إِلَىٰ رِضْوَانِ اللّٰهِ حَتّٰى يَكُوْنَ وَقْتَ نَزْعِ رُوْحِهٖ وَظُهُوْرَ مَلَكِ الْمَوْتِ لَهٗ۔ مومن ہمیشہ اپنے برے انجام سے خوف زدہ رہتا ہے اور جاں کنی کے وقت سے ملک الموت کے نظر آنے تک اللہ کی خوشنودی تک پہنچنے کا اسے یقین نہیں ہوتا۔ ۶

اس حدیث کا بقیہ حصہ ہم ان شاء اللہ سورہ حٰم السجدہ (۴۱) میں إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا۔ کی تفسیر کرتے ہوئے بیان کریں گے۔ (۳۰: سورہ فصلت حٰم السجدہ۔ ۴۱)

---

(۱) الکافی، ص ۲۱۳ ج ۵ والکشاف، ص ۱۳۴ ج ۱ (۲) الکشاف، ص ۱۳۴۔۱۳۵ ج ۱

(۳) التوحید، ص ۲۶۷ والاحتجاج، ص ۲۷۳ ج ۱ وتفسیر عیاشی، ص ۴۴ ج ۱

(۴) التوحید، ص ۲۶۷ والاحتجاج، ص ۲۷۳ ج ۱ (۵) تفسیر امام عسکریؑ، ص ۲۳۸

(۶) تفسیر امام عسکری، ص ۲۳۸۔۲۳۹

يٰبَنِىٓ اِسۡرَآءِيۡلَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِىَ الَّتِىۡٓ اَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ وَاَنِّىۡ فَضَّلۡتُكُمۡ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۴۷﴾

وَاتَّقُوۡا يَوۡمًا لَّا تَجۡزِىۡ نَفۡسٌ عَنۡ نَّفۡسٍ شَيۡـــًٔا وَّلَا يُقۡبَلُ مِنۡهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤۡخَذُ مِنۡهَا عَدۡلٌ وَّلَا هُمۡ يُنۡصَرُوۡنَ ﴿۴۸﴾

۴۷- اے بنی اسرائیل تم میری اس نعمت کو یاد کرو جس سے میں نے تمھیں نوازا تھا۔ اور میں نے تمھیں دنیا کی ساری قوموں پر فضیلت عطا کی تھی۔

۴۸- اور اس دن سے ڈرو جب کوئی کسی کے کام نہ آئے گا اور نہ ہی اس کی طرف سے سفارش قبول کی جائے گی اور نہ ہی فدیہ لے کر چھوڑا جائے گا اور نہ انھیں کہیں سے مدد مل سکے گی۔

۴۷- يٰبَنِىٓ اِسۡرَآءِيۡلَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِىَ الَّتِىۡٓ اَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ-

اے اولاد اسرائیل (یہودیو) تم یاد کرو میری ان نعمتوں کو جو میں نے تمھیں عطا کی ہیں

جب ہم نے موسیٰ اور ہارون علیہما السّلام کو تمھارے اسلاف (آباو اجداد) کی طرف نبی بنا کر بھیجا تھا اور انھوں نے نبوتِ محمدؐ وصایت علیؑ اور امامت عترت کی جانب ان لوگوں کی رہنمائی کی تھی اور ان سے اس بارے میں عہد و پیمان لیا تھا کہ اگر وہ اپنے عہد کو پورا کرتے رہے تو جنت میں شاہانہ ٹھاٹ باٹ سے رہیں گے۔

وَاَنِّىۡ فَضَّلۡتُكُمۡ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ-

اور بلاشبہ میں نے تم لوگوں کو عالمین پر فضیلت عطا کی ہے۔

یعنی میں نے تمھارے اسلاف کے ساتھ یہ فضل کیا ہے کہ انھیں محمدؐ وآل محمدؐ کی ولایت کو قبول کرنے کی وجہ سے دینی اعتبار سے افضل قرار دیا ہے۔

اور دنیا میں انھیں فضیلت بخشی ہے، بادلوں کا سایہ کر کے، منّ وسلویٰ کو نازل کر کے پتھر سے آب شیریں کے چشمے جاری کر کے، سمندر میں اُن کے لیے راستے بنا کر، انھیں نجات دے کر اور ان کے دشمنوں کو غرق کر کے۔ میں نے ان کے زمانے میں انھیں تمام دنیا والوں سے جنھوں نے ان کے مسلک کی مخالفت کی تھی یا ان کی راہوں سے منحرف ہو گئے تھے افضل قرار دیا ہے۔

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہودیوں کے اسلاف سے جو سلوک کیا تھا اور انھوں نے جو خیر یا شر کے کام کیے تھے اس کا تذکرہ ان کے اخلاف (اولاد) سے مخاطب ہو کر کیا ہے۔

اس لیے کہ قرآن لغت عرب میں نازل ہوا ہے اور ان لوگوں کا طرز تخاطب ایسا ہی ہوا کرتا ہے ایک شخص

کسی تمیمی سے جس کی قوم نے کسی شہر پر حملہ کر کے وہاں کے باشندوں کو قتل کر دیا تھا مخاطب ہو کر یہ کہتا ہے کہ ''تم نے فلاں شہر پر حملہ کیا، تم نے یہ کیا یہ کیا، تم نے وہاں کے باشندوں کو قتل کر ڈالا'' اگر چہ وہ تمیمی ان لوگوں کے ساتھ حملے کے وقت موجود نہ تھا۔ یہاں معاملہ اس کے برعکس ہے کیوں کہ ان یہودیوں کے اسلاف کے ساتھ جو سلوک روا رکھا گیا وہ اس سے راضی ہیں اور ان کے عمل سے بھی خوش ہیں۔

امام حسن عسکری علیہ السّلام کی تفسیر میں حضرت سجادؑ سے یہ روایت موجود ہے جس کی تحقیق اس تفسیر کے تیسرے مقدمہ میں پیش کی جا چکی ہے۔ ۱

۴۸ - وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّ لَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّ لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ-

اور تم ڈرو اس دن سے جب کوئی کسی کا بدل نہ بن سکے گا اور نہ ہی کسی کی سفارش قبول ہوگی اور نہ ہی کوئی معاوضہ لیا جائے گا اور نہ ہی ان کی مدد کی جائے گی۔

''یوم'' سے مراد جاں کنی کا وقت ہے۔

لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ کے معنیٰ ہیں کہ جو جس عذاب کا مستحق ہے کوئی اُسے عذاب سے دور نہ کر سکے گا۔

یہاں '' شفاعۃ'' کے معنیٰ ہیں موت کو ٹالنے کی سفارش

يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ - کے معنیٰ ہیں کسی کو اس کی جگہ فدیہ بنا کر مار دیا جائے اور صاحبِ معاملہ کو چھوڑ دیا جائے۔

''تفسیر امام حسن عسکری علیہ السّلام'' میں ہے یہ موت کا دن ہے جس روز شفاعت اور فدیہ کوئی فائدہ نہ دے گا۔

لیکن بروز قیامت ہم اور ہمارے اہل بیتؑ اپنے شیعوں کے لیے ہر جزا دینے کے لیے تیار ہوں گے۔ ہم جنت وجہنم کے درمیان مقام اعراف پر ہوں گے۔ محمدؐ، علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ اور ان کی آل اطہارؑ سب کے سب اعراف پر ہوں گے۔ ہم اپنے کچھ شیعوں کو عرصۂ محشر میں دیکھیں گے تو جو لوگ ان میں کوتاہی کرنے والے یا تکالیف میں مبتلا ہوں گے تو ان کی مدد کے لیے ہم اپنے منتخب شیعوں مثلاً سلمان، مقداد، ابوذر اور عمار اور ان ہی جیسے دوسرے افراد کو اس زمانے میں جو اس سے ملا ہوا ہے پھر قیامت تک ہر زمانے میں بھیجتے رہیں گے۔ ۲

---

(۱) تفسیر امام حسن عسکریؑ، ص ۲۷۲ (۲) تفسیر امام عسکریؑ، ص ۲۴۱-۲۴۲

وَ اِذْ نَجَّیْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَ یَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَ فِیْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِیْمٌ ﴿۴۹﴾
وَ اِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَیْنٰكُمْ وَ اَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۰﴾

۴۹ – اور یاد کرو جب ہم نے تمھیں فرعونیوں سے نجات دی انھوں نے تم کو سخت عذاب میں مبتلا کر رکھا تھا وہ تمھارے بیٹوں کو ذبح کر ڈالتے تھے اور بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے اور اس میں تمھارے رب کی جانب سے تمھاری بڑی آزمائش تھی۔

۵۰ – یاد کرو وہ وقت جب ہم نے سمندر کو پھاڑ کر تمھارے لیے راستہ بنایا تھا تمھیں نجات دی اور تمھاری نظروں کے سامنے فرعونیوں کو غرقاب کر دیا۔

۴۹ – وَ اِذْ نَجَّیْنٰكُمْ۔

اور یاد کرو جب ہم نے تم کو نجات دی

یعنی یاد کرو جب ہم نے تمھارے آبا و اجداد کو نجات دی تھی۔

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَ اَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ کے ذیل میں جو بات اجمالاً بیان کی گئی تھی یہاں اس کا تفصیلی ذکر کیا جا رہا ہے۔

مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ –

آل فرعون سے

آل فرعون سے مراد وہ لوگ ہیں جو قرابت داری اور دین و مذہب کے اعتبار سے فرعون کے نزدیک تھے۔

یَسُوْمُوْنَكُمْ –

وہ تم پر عذاب ڈھا رہے تھے

''یَسُوْمُ'' کے معنی ہیں عذاب ڈھانا۔

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں ''یَسُوْمُوْنَكُمْ'' کے معنی ہیں کہ وہ تم کو عذاب میں مبتلا کر رہے تھے۔ سَامَهُ الامر کے معنی ہیں اسے اس بات کے لیے مجبور کر دینا اور اکثر اس لفظ کا استعمال عذاب اور شر کے لیے ہوتا ہے۔

سُوْٓءَ الْعَذَابِ –

سخت ترین عذاب

اس سے مراد ہے شدید عذاب، عذاب شدید یہ تھا کہ فرعون ان بنی اسرائیل کو تعمیری کام میں مصروف رکھتا

تھا اور ڈرتا تھا کہ وہ کہیں کام چھوڑ کر بھاگ نہ جائیں اس لیے انھیں پابند سلاسل کر دیا تھا وہ مٹی کو سیڑھیوں کے ذریعہ چھتوں تک پہنچاتے تھے اگر ان میں سے کوئی گر جاتا یا مفلوج ہو جاتا تو وہ ان پر آنسو بھی نہیں بہا سکتے تھے۔

يُذَبِّحُونَ اَبْنَآءَكُمْ -

وہ تمھارے بیٹوں کو ذبح کر دیتے تھے

اس کا سبب یہ تھا کہ فرعون کو یہ بتایا گیا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہوگا جس کے ہاتھوں تمھاری ہلاکت اور تمھاری حکومت کی بربادی ہوگی۔ تو اس نے ان کے بیٹوں کو ذبح کرنے کا حکم دے دیا تھا۔[۱]

وَيَسْتَحْيُونَ نِسَآءَكُمْ -

اور تمھاری بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے

یعنی ان کو باقی رہنے دیتے تھے اور انھیں کنیزیں بنا لیتے تھے۔

وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ -

اور اس میں تمھارے پروردگار کی طرف سے بڑی سخت آزمائش تھی

۵۰ - وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ -

اور یاد کرو کہ جب ہم نے تمھارے لیے سمندر کو شگافتہ کر دیا اس طرح تمھیں نجات دی اور فرعون کے پیروکاروں کو تمھاری نگاہوں کے سامنے غرق کر دیا۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السّلام سمندر (بحر احمر) کے قریب پہنچے تو اللہ نے وحی کی اے موسیٰ بنی اسرائیل سے کہہ دو کہ میری وحدانیت کی تجدید کریں، اور سید الانبیا حضرت محمدؐ کا دل و جان سے اقرار کریں نیز اپنے دلوں میں حضرت محمدؐ کے بھائی علیؑ اور ان کی پاکیزہ آل کی ولایت کا اعادہ کریں اور کہیں: اَللّٰهُمَّ جَوِّزْنَا عَلٰى مَتْنِ هٰذَا الْمَاءِ (یا اللہ ہمیں اس سطحِ آب سے پار لگا دے) تو پانی تمھارے لیے زمین میں تبدیل ہو جائے گا۔ جب حضرت موسیٰ نے ان سے یہ کہا تو انھوں نے جواب دیا آپ ہم پر ناپسندیدہ بات مسلّط کر رہے ہیں۔ ہم نے محض موت کے ڈر سے فرعون سے راہ فرار اختیار کی اب آپ یہ چاہتے ہیں کہ ان کلمات کے ذریعہ ہم گہرے پانی میں چلے جائیں جب کہ ہمیں یہ بھی نہیں معلوم کہ ہمارا حشر کیا ہونے والا ہے۔

تو کالب بن یوحنّا نے حضرت موسیٰ سے دریافت کیا (وہ اپنی سواری پر تھا اور خلیج چار فرسخ چوڑی تھی) کہ اے اللہ کے نبی کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دیا ہے کہ یہ الفاظ کہہ کر ہم خلیج میں داخل ہو جائیں؟ تو حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے جواب دیا بے شک یہ اللہ کا فرمان ہے تو اس نے پوچھا کیا آپ مجھے اس بات کا حکم دیتے ہیں؟ تو موسیٰ نے جواب دیا ہاں یقیناً تو اس نے ٹھہر کر اپنے دل میں اللہ کی توحید، حضرت محمدؐ کی نبوت اور

(۱) تفسیر امام عسکریؑ ص ۲۴۳

علیؑ اور ان کے اہلبیتؑ کی ولایت کو دہرایا اور پھر گویا ہوا "یا اللہ! تجھے ان ہستیوں کی عظمت کا واسطہ مجھے اس پانی پر سے عبور کرادے، پھر اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور پانی میں گھس گیا، تو گھوڑا سطحِ آب پر اس طرح چلنے لگا گویا وہ زمین پر چل رہا ہے اسی طرح وہ خلیج کے آخری حصے پر پہنچ کر دوبارہ تیزی سے واپس آیا اور بنی اسرائیل سے کہا اے اولاد اسرائیل تم حضرت موسیٰؑ کی اطاعت کرو۔ یہ دعا تو جنت کے دروازوں کی کنجی ہے، اس دعا سے جہنم کے دروازے بند ہوجائیں گے، رزق میں برکت ہوگی اور بندگان وکنیزان خدا کو خدائے مہربان کی رضامندی حاصل ہوگی انھوں نے انکار کیا اور کہا کہ یہ پانی اگر زمین بن جائے تو ہم اس پر چلنے کے لیے تیار ہیں تو اللہ نے حضرت موسیٰؑ پر وحی کی:

اَنِ اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْبَحْرَ وَقُلِ اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهِ الطَّيِّبِيْنَ لمّا فلقته-

اے موسیٰ اپنا عصا سمندر کی سطح پر مارو اور کہو "اے اللہ! تو رحمت بھیج محمدؐ وآل محمدؐ پر جو پاک وپاکیزہ ہیں اور اس پانی کو شگافتہ کردے۔ اس دعا کی برکت سے سمندر پھٹ گیا اور خلیج کے آخری حصے تک زمین ظاہر ہوگئی تو موسیٰؑ نے بنی اسرائیل سے کہا آؤ اب اس میں داخل ہوجاؤ۔ انھوں نے جواب دیا! ابھی زمین میں کیچڑ ہے ہمیں ڈر ہے کہ ہم اس میں دھنس نہ جائیں تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اے موسیٰ تم کہو:

اللّٰهُمَّ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَاٰلِهِ الطَّيِّبِيْنَ جَفِّفْهَا-

یا اللہ تجھے محمدؐ اور ان کی پاک آل کا واسطہ اس زمین کو خشک کردے۔

حضرت موسیٰ نے یہ دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے بادِ صبا چلا کر زمین کو خشک کرڈالا۔ تو حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل سے کہا آؤ چلو داخل ہوجاؤ انھوں نے جواب دیا کہ اللہ کے نبی ہمارے بارہ قبیلے ہیں اور ہم بارہ آبا کی اولاد ہیں۔ اب اگر ہم داخل ہوں گے تو ہم میں سے ہر فریق اپنے اپنے ساتھیوں (ہمراہیوں) کو مقدم رکھنا چاہے گا جو ہمارے مابین نزاع کا باعث ہوسکتا ہے۔ اور اگر ہم میں سے ہر فریق (قبیلہ) کے لیے علیحدہ راستہ ہوگا تو ہم جس بات سے ڈر رہے ہیں اس سے امن نصیب ہوگا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو حکم دیا کہ قبائل کی تعداد کے مطابق سمندر میں بارہ مرتبہ اپنے عصا کو پانی کے اوپر مختلف مقامات پر ماریں جو ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو ہوں اور یہ کہیں:

اللّٰهُمَّ بِجَاهِ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهِ الطَّيِّبِيْنَ بَيِّنْ لَنَا الْاَرْضَ وَاَمِطِ الْمَاءَ عَنَّا-

(یا اللہ! محمدؐ وآل محمدؐ کی عظمت کا واسطہ زمین کو ہم پر ظاہر کردے اور پانی کو ختم کردے)

تو اس طرح بارہ مختلف راستے بن گئے۔ سمندر کی تہہ بادِ صبا سے خشک ہوگئی تو حضرت موسیٰ نے ان سے کہا تم لوگ اس میں داخل ہوجاؤ تو وہ بولے اگر ہم میں سے ہر ایک ان سیدھے راستوں میں سے کسی میں داخل ہوجائے گا تو اسے دوسروں پر گزرنے والے واقعات کا علم نہ ہوگا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ ان راستوں کے

درمیان جو موجِ آب کی پہاڑیاں ہیں ان پر ضرب مارو تو حضرت موسٰی نے ایسا ہی کیا اور کہا:

اَللّٰهُمَّ بِجَاهِ مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ الطَّيِّبِيْنَ لَمَّا جَعَلْتَ فِي هٰذِهِ الْمَاءِ طِبْقَاناً وَاسِعَةً يَرىٰ بَعْضُهُم بَعْضاً۔

(یا اللہ تجھے حضرت محمدؐ اور ان کی پاک آل کا واسطہ ان پانیوں میں وسیع سوراخ بنا دے تا کہ یہ لوگ ایک دوسرے کو دیکھ سکیں) جب ایسا ہو گیا تو بنی اسرائیل ان گزرگاہوں پر چلنے لگے۔ جب یہ لوگ سمندر کے دوسرے کنارے تک پہنچے تو فرعون اپنے لشکر سمیت آ پہنچا اور کچھ لوگ سمندر میں داخل ہو گئے اور جب ان کا آخری آدمی بھی داخل ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے سمندر کو حکم دیا اور موجیں باہم مل گئیں اور اس طرح وہ سب کے سب اصحاب موسٰی کی نگاہوں کے سامنے سمندر میں غرق ہو گئے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے عہد محمدؐ کے بنی اسرائیل سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمدؐ کی برکت اور حضرت موسیٰؑ کی دعا اور توسّل سے تمھارے اسلاف پر یہ احسان کیا کہ انھیں فرعون سے نجات دلائی تو یہ بات تمھاری سمجھ میں کیوں نہیں آتی کہ تم حضرت محمدؐ کی نبوت پر ایمان لے آؤ جو تمھاری نگاہوں کے سامنے ہیں اور تمھارے درمیان رہ رہے ہیں۔ [1]

---

(۱) تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام ص ۲۴۵ ۔ ۲۴۷

وَ اِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰۤى اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۱﴾

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۲﴾

وَ اِذْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ الْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۵۳﴾

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْۤا اِلٰى بَارِىٕكُمْ فَاقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِىٕكُمْ ؕ فَتَابَ عَلَیْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ﴿۵۴﴾

۵۱- اور یاد کرو جب ہم نے موسٰی سے چالیس راتوں کا وعدہ لیا تھا تو تم نے ان کے جانے کے بعد بچھڑے کو اپنا معبود بنا لیا اس وقت تم نے بہت بڑی زیادتی کی تھی۔

۵۲- مگر اس کے باوجود ہم نے تمھیں معاف کر دیا کہ شاید اب تم شکر گزار بن جاؤ۔

۵۳- اور یاد کرو جب ہم نے موسٰی کو کتاب اور فرقان عطا کیا تا کہ تم اس کے ذریعہ سے راہ ہدایت پا سکو۔

۵۴- اور یاد کرو جب موسٰی نے اپنی قوم سے کہا اے لوگو! تم نے گو سالہ پرستی کر کے اپنے نفسوں پر ظلم ڈھایا ہے تم اپنے خالق کے حضور توبہ کرو اپنی جانوں کو ہلاک کر ڈالو اسی میں تمھارے خالق کے نزدیک تمھاری بہتری ہے پھر اس نے تمھاری توبہ قبول کر لی۔ بے شک وہی توبہ کا قبول کرنے والا اور مہربان ہے۔

۵۱- وَ اِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰۤى اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ۔

اور جب ہم نے موسٰی سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا تو تم نے ان کے چلے جانے کے بعد بچھڑے کو معبود مقرر کر لیا اور تم ظلم کر رہے تھے۔

حضرت موسٰی علیہ السلام بنی اسرائیل سے یہ کہا کرتے تھے کہ جب اللہ تعالٰی تمھیں فرعون سے نجات دیگا اور تمھارے دشمنوں کو ہلاک کر ڈالے گا تو میں تمھارے رب کی جانب سے ایک کتاب لے کر آؤں گا جو اوامر اور نواہی، مواعظ، عبرتوں اور امثال پر مشتمل ہوگی۔ جب اللہ تعالٰی نے بنی اسرائیل کو نجات دے دی تو اللہ تعالٰی نے حضرت موسٰی سے کہا کہ وہ اپنے میعاد (وعدہ گاہ) پر آئیں اور تیس دن روزہ رکھیں۔ حضرت موسٰی میقات پر

تشریف لے گئے اور روزے رکھے جب شام کے وقت افطار سے قبل انھوں نے مسواک کی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی طرف وحی کی اے موسیٰ کیا تمھیں نہیں معلوم روزے دار کے منہ کی خوشبو میرے نزدیک مشک سے زیادہ پسندیدہ ہے، اس لیے مزید دس روزے رکھو اور افطار سے قبل مسواک نہ کرو حضرت موسیٰ نے ایسا ہی کیا اللہ تعالیٰ نے چالیس راتوں کے بعد کتاب دینے کا جو وعدہ کیا تھا وہ پورا ہوگیا اور انھیں کتاب مل گئی سامری نے آکر بنی اسرائیل کے مستضعفین (کمزور افراد) کوشک وشبے میں مبتلا کردیا اور کہا کہ موسیٰ نے وعدہ کیا تھا کہ وہ چالیس راتوں کے بعد تمھارے پاس واپس آئیں گے دیکھو بیس دن اور بیس راتیں مل کر چالیس ہوگئے حضرت موسیٰ نے خطا کی اس لیے واپس نہیں آئے اب تمھارا رب خود تمھارے پاس آیا ہے وہ یہ دکھانا چاہتا ہے کہ وہ خود تم لوگوں کو اپنی جانب بلانے پر قدرت رکھتا ہے۔ اس نے موسیٰ کو اپنی کسی ذاتی غرض سے نہیں بھیجا تھا سامری نے اپنا بنایا ہوا بچھڑا لوگوں کے سامنے ظاہر کردیا تو لوگوں نے کہا کہ یہ بچھڑا ہمارا معبود کیسے ہوسکتا ہے؟ تو سامری نے کہا تمھارا رب اس بچھڑے کے ذریعہ تم سے ہم کلام ہوگا جس طرح اس نے درخت کے ذریعہ حضرت موسیٰ سے گفتگو کی تھی تو جس طرح درخت میں خدا تھا اسی طرح اس بچھڑے میں خدا ہے۔ وہ اس بات سے خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ تو حضرت موسیٰ نے بچھڑے سے مخاطب ہوکر کہا کہ اے بچھڑے! کیا تیرے اندر رب نے حلول کیا ہے جیسا یہ لوگ سمجھ رہے ہیں تو بچھڑا قدرتِ خدا سے گویا ہوا اور اس نے کہا کہ ہمارا رب اس سے بلند وبالا ہے کہ وہ بچھڑے میں آجائے یا درخت پر ہو یا کسی جگہ میں سما جائے اے موسیٰ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ لیکن سامری نے یہ چال چلی کہ بچھڑے کا پچھلا حصّہ ایک دیوار میں نصب کردیا اور دوسرے جانب زمین میں ایک گڑھا کھود کر اس میں کسی شخص کو بٹھا دیا وہی اس کے سوراخ پر منہ رکھ کر جو چاہتا ہے باتیں کرتا ہے اور کہتا ہے یہ تمھارا اور موسیٰ کا الٰہ ہے۔ (۱)

"تفسیر قمی" میں ہے کہ جب حضرت موسیٰ میقات پر تشریف لے گئے تا کہ بنی اسرائیل کے لیے توریت کی الواح لے کر آئیں اور انھوں نے تیس دن کے بعد واپسی کا وعدہ کیا تھا۔ تو جب تیس دن گزر گئے اور حضرت موسیٰ ان کے پاس واپس نہیں آئے تو ابلیس ایک بزرگ شخص کی صورت میں نمودار ہوا اور کہنے لگا حضرت موسیٰ نے راہِ فرار اختیار کرلی۔ وہ اب کبھی واپس نہ آئیں گے۔ تم اپنے زیورات جمع کرکے لاؤ تا کہ میں تمھارے لیے خدا بنا دوں جس کی تم عبادت کرو۔ جس دن اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کے ساتھیوں کو غرق کیا تھا سامری حضرتِ موسیٰ کے ساتھ پیش پیش تھا وہ حضرت موسیٰ کے منتخب افراد میں سے تھا تو سامری نے جبریل امین کو دیکھا کہ وہ خاکستری رنگ کے گھوڑے پر سوار ہیں اور جب وہ اپنا کھر زمین پر مارتا ہے تو وہ جگہ حرکت میں آجاتی ہے تو سامری نے جبریل کی سواری کے کھر کے نیچے کی مٹی اٹھا لی اور اسے ایک تھیلی میں محفوظ کرلی اور اس بنا پر وہ بنی

(۱) تفسیر امام عسکریؑ، ص ۲۴۸۔ ۲۵۲

اسرائیل کے سامنے فخر کیا کرتا تھا۔ جب ابلیس نے ان کے لیے بچھڑا تیار کرلیا تو سامری سے کہا کہ وہ مٹی لاؤ جو تمھارے پاس ہے۔ جب سامری مٹی لے آیا تو شیطان نے وہ مٹی بچھڑے کے اندر ڈال دی تو وہ بچھڑا حرکت کرنے لگا اور اس نے منہ سے آواز نکالی اور اس کے جسم پر پشم اور بال اُگ گئے تو بنی اسرائیل اس کے سامنے سجدے میں گر پڑے سجدہ کرنے والوں کی تعداد ستر ہزار تھی۔[۱]

۵۲- ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ-

پھر اس کے بعد ہم نے تم کو معاف کر دیا تاکہ تم شکر ادا کرو۔

یعنی جو لوگ تم سے پہلے گزرے ہیں ہم نے ان کی گو سالہ پرستی سے درگزر کیا تاکہ اے بنی اسرائیل تم لوگ جو حضرت محمدؐ کے زمانہ نبوت میں زندگی گزار رہے ہو اپنے اسلاف کی اس نعمت کا شکر ادا کرو جو اللہ نے پہلے انھیں عطا کی اور بعد میں تم کو بھی نوازا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی مغفرت کردی اس لیے کہ انھوں نے حضرت محمدؐ اور ان کی آل کے واسطے سے دعا طلب کی تھی اور محمدؐ و آل محمدؐ کے ولایت کی تجدید کی تھی تو اس وقت اللہ نے ان پر مہربانی کی اور انھیں معاف کر دیا۔[۲]

۵۳- وَ اِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ-

اور ہم نے موسٰی کو کتاب دے دی

اور اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے موسٰی کو توریت دی تھی تم سے جس پر ایمان لانے کا عہد لیا گیا تھا اور جو چیزیں واجب ہیں ان کی اتّباع کا وعدہ لیا گیا تھا۔

وَالْفُرْقَانَ-

اور فرقان (معجزات) عطا کیے۔

ہم نے موسٰی کو فرقان بھی دیا جو حق و باطل کو الگ الگ کر دیتا تھا اور جو لوگ حق اور جو باطل پر تھے انھیں بھی جدا جدا کر دیتا تھا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جس وقت اللہ تعالیٰ نے کتاب اور اس پر ایمان لانے کے ذریعہ انھیں مکرّم و محترم کیا اللہ نے حضرت موسٰی کی طرف کتاب بطور وحی بھیجی تھی جس کا ان لوگوں نے اقرار کرلیا۔ اب فرقان رہ گیا تھا جو مومنین اور کافرین کے مابین فرق قائم کیا کرتا تھا تو اللہ نے اس عہد کی تجدید کی۔

فَاِنِّي اٰلَيْتُ عَلٰى نَفْسِيْ قَسَماً حَقّاً اَنْ لَا اَتَقَبَّلَ مِنْ اَحَدٍ اِيْمَاناً وَلَا عَمَلاً اِلَّا بِهٖ-

میں نے حق کے ساتھ یہ قسم کھائی ہے کہ اس کے بغیر میں کسی کے ایمان اور عمل کو قبول نہیں کروں گا۔ حضرت موسٰی نے عرض کی اے میرے پروردگار وہ کیا ہے۔ تو اللہ نے فرمایا اے موسٰی تم ان سے یہ عہد لو کہ حضرت محمد

(۱) تفسیر قمی، ص ۶۱۔ ۶۲ ج ۲ (۲) تفسیر امام عسکریؑ، ص ۲۵۲

مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم تمام انبیا میں سب سے بہتر اور رسولوں کے سردار ہیں اور ان کے بھائی اور وصی علیؑ بہترین وصی ہیں۔ اوران کے قائم مقام جو اولیا ہیں وہ مخلوقات کے سردار ہیں۔ علیؑ اور ان کے جانشینوں کی اطاعت کرنے والے شیعہ فردوس اعلیٰ کے درخشاں ستارے اور جنّت عدن کے بادشاہ ہیں۔ فرمایا کہ موسیٰ نے ان سے یہ عہد و پیمان لیا ان میں سے کچھ افراد نے صحیح معنی میں دل سے اس عہد کو تسلیم کیا اور کچھ نے صرف زبان سے اس کا اقرار کیا۔

فرمایا فرقان سے مراد وہ نور ہے جو ان افراد کی پیشانیوں پر نمودار ہوگا جو محمدؐ وعلیؑ ان کی عترت اور ان کے پیروکاروں پر ایمان لائے ہیں۔ اور جس نے اس عہد کا اقرار صرف زبان سے کیا ہے اس کی پیشانی اس نور سے عاری ہوگی۔ [1]

لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ -

تاکہ تم راہ ہدایت پا جاؤ۔

تاکہ تمھیں پتا چل جائے کہ جو امر بندے کو اللہ کے نزدیک شرف عطا کرتا ہے وہ ولایت کا اعتقاد ہے جس کے سبب تمھارے اسلاف کو شرف حاصل ہوا تھا۔

ایک قول کے مطابق کتاب سے مراد توریت اور فرقان سے مراد وہ معجزات ہیں جو دعوائے نبوت کے وقت صاحبان حق اور صاحبان باطل کو جدا جدا کرتے ہیں۔

''ہدایت'' سے مراد کتاب میں غور وخوض کرنا اور آیات میں تفکر کرنا ہے۔ [2]

۵۴- وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ -

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ بھائیو! تم نے گوسالہ پرستی کر کے بڑا ظلم کیا ہے۔ تو اپنے پیدا کرنے والے کے آگے توبہ کرو۔

اے بنی اسرائیل یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی اس قوم سے کہا تھا جو گوسالہ کو معبود بنائے ہوئے تھے کہ اے میری قوم کے لوگو! تم نے بچھڑے کو خدا بنا کے بہت بڑا ظلم کیا ہے۔

''برأ'' کے معنی ہیں خلق کرنا، تصویر بنانا۔

کہا گیا ہے کہ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ کا مفہوم ہے کہ توبہ کا ارادہ کرلو اور اپنے خالق کی طرف واپس آجاؤ۔ [3]

فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ -

تم اپنے تئیں ہلاک کر ڈالو

تم میں سے بعض بعض کو قتل کر ڈالے، جس نے بچھڑے کی عبادت نہیں کی وہ اسے قتل کر ڈالے جو بچھڑے کی

(۱) تفسیر امام عسکریؑ، ص ۲۵۲-۲۵۳ (۲) البیضاوی، ص ۵۶ ج ۱ (۳) بیضاوی، ص ۵۶-۵۷ ج ۱

عبادت کر رہا تھا۔

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ۔

تمھارے خالق کے نزدیک تمھارے حق میں یہی بہتر ہے

یعنی ایک دوسرے کو قتل کرڈالنا تمھارے حق میں بہتر ہے۔ یہ قتل دراصل تمھارے غلط عمل کا کفارہ بن جائے گا یہ تمھارے حق میں اس لیے بہتر ہے کہ اگر تم زندہ رہے تو مرکر ہمیشہ کے لیے جہنم میں جاؤ گے۔

فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۚ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ۔

پھر اس نے تمھارا قصور معاف کردیا، بے شک وہ معاف کرنے والا اور مہربان ہے۔

یعنی پوری جماعت کے قتل ہونے سے پہلے، اور سب پر اس حکم کا اطلاق ہونے سے قبل اللہ تعالیٰ نے تمھاری توبہ قبول کرلی۔ تمھیں توبہ کرنے کی مہلت دی اور تمھیں اطاعت کرنے کے لیے باقی رکھا۔

واقعہ اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے ہاتھوں گوسالہ کے معاملہ کو باطل کردیا، اور بچھڑے کو قوت گویائی عطا کرکے سامری کی جعل سازی کو طشت از بام کردیا (ظاہر کردیا) اور موسیٰ علیہ السّلام نے حکم دیا کہ جس نے گوسالہ کی عبادت نہیں کی وہ لوگ گوسالہ کی عبادت کرنے والوں کو قتل کردیں۔ ان میں سے اکثر لوگوں نے بیزاری ظاہر کی اور کہا "ہم نے بچھڑے کی عبادت نہیں کی" اور بعض نے بعض کی چغلی کھائی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام سے کہا کہ لوہے سے اس سونے کے بچھڑے کو ٹکڑے ٹکڑے کرڈالو پھر اسے دریا میں پھیلا دو پس جو بھی اس کا پانی پیے گا اگر وہ سفید فام ہوگا تو اس کے ہونٹ اور ناک کا رنگ کالا ہوجائے گا اور اگر پینے والا سیاہ فام ہوگا تو ہونٹ اور ناک کا رنگ سفید ہوجائے گا اور اس طرح اس کا گناہ ظاہر ہوجائے گا۔ ایسا ہی ہوا اس طرح بچھڑے کی عبادت کرنے والوں کا پتا چل گیا تو اللہ نے بارہ ہزار افراد کو حکم دیا کہ وہ بقیہ ماندہ (گوسالہ پرستش کرنے والے) افراد پر تلواریں سونت کر نکل پڑیں اور انھیں قتل کرڈالیں اور منادی نے ندا دی خبردار! اگر کوئی انھیں اپنے ہاتھ یا پاؤں سے بچانے کی کوشش کرے گا تو اس پر اللہ کی لعنت ہوگی اور اللہ کی لعنت ہے اس پر بھی جو مقتول کے بارے میں متردّد ہو کہ میں اسے کیسے قتل کردوں یہ تو میرا گہرا دوست اور قریبی رشتے دار ہے اور اسے دوسرے کے سپرد کردے۔

جب مقتولین (قتل ہونے والے افراد) نے سر تسلیم خم کردیا تو قتل کرنے والوں نے کہا ہم تو بری مصیبت میں پھنس گئے چوں کہ ہم نے بچھڑے کی پرستش نہیں کی تھی اس لیے ہم اپنے ہاتھوں سے اپنے والدین، اولاد، بھائیوں اور قرابت داروں کو قتل کردیں۔ تو اس طرح مصیبت کے معاملے میں ہم (قاتل) اور وہ (مقتول) دونوں برابر ہوجائیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ پر وحی کی کہ اے موسیٰ ہم نے اس طرح ان کا امتحان لیا تھا اس

لیے کہ ان کے بھائی بندوں نے جب گو سالہ پرستی شروع کی تو انھوں نے نہ تو ان سے علاحدگی اختیار کی، نہ ان کا ساتھ چھوڑا اور نہ ہی ان سے دشمنی کا ثبوت دیا۔ [۱]

تفسیر قمیؒ میں روایت ہے کہ حضرت موسٰیؑ جب میقات سے واپس آئے تو قوم نے گو سالہ پرستی شروع کردی تھی۔ حضرت موسٰی علیہ السّلام نے ان پر غضب ناک ہونے اور ناراضی کا اظہار کرنے کے بعد ان سے کہا تم اپنے خالق سے توبہ کرو اور اپنے نفوس کو قتل کرڈالو انھوں نے دریافت کیا کہ ہم اپنے نفسوں کو کیسے قتل کریں، تو حضرت موسیٰؑ نے فرمایا کہ تم میں ہر ایک بیت المقدس تک پہنچ جائے اور اس کے پاس تلوار یا چھری ہونی چاہیے۔ میں جب منبر کے اوپر چلا جاؤں تو تم چہرے پر نقاب ڈالے ہوئے ایسے سامنے آنا کہ اپنے ساتھی کو نہ پہچان سکو اور پھر ایک دوسرے کو قتل کردینا بچھڑے کی عبادت کرنے والے جمع ہوئے ان کی تعداد ستر ہزار تھی۔ موسٰیؑ نے ان کے ساتھ نماز پڑھی اور منبر کی بلندی پر تشریف لے گئے۔ تو انھوں نے ایک دوسرے کو قتل کرنا شروع کردیا۔ یہاں تک کہ وحی نازل ہوئی اے موسٰی آپ ان لوگوں سے فرما دیجیے کہ قتل کو روک دو، اللہ نے تمھاری توبہ قبول کرلی ہے ان میں سے دس ہزار افراد کو قتل کردیا گیا۔ [۲]

---

(۱) تفسیر امام عسکریؑ ص ۲۵۴ ۔ ۲۵۵ (۲) تفسیر قمیؒ ص ۴۷ ج ۱

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۵﴾

ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾

۵۵- اور یاد کرو وہ وقت جب تم نے کہا تھا اے موسیٰ ہم تمھاری بات کا یقین نہ کریں گے جب تک خدا کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں۔ تو تمھارے دیکھتے ہی دیکھتے بجلی نے تم کو آلیا۔

۵۶- ہم نے تمھاری موت کے بعد تمھیں دوبارہ زندہ کیا کہ شاید تم شکر گزار بن جاؤ۔

۵۷- اور ہم نے تم پر ابر کا سایہ کیا، اور تم پر منّ وسلوٰی نازل کیا اور تم سے کہا جو پاک چیزیں ہم نے تمھیں بخشی ہیں ان میں سے کھاؤ۔ تمھارے اسلاف نے ہمارا کچھ نہیں بگاڑا، بلکہ درحقیقت وہ خود اپنے اوپر ظلم ڈھارہے تھے۔

۵۵- وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ-

اور یاد کرو وہ وقت جب تم نے کہا تھا اے موسیٰ ہم تمھاری بات کا یقین نہ کریں گے جب تک خدا کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں تمھارے دیکھتے ہی دیکھتے بجلی نے تم کو آلیا۔

وَاِذْ قُلْتُمْ سے مراد ہے کہ تمھارے اسلاف نے حضرت موسیٰؑ سے کہا تھا:

اَخَذَتْكُمْ یہاں اَخَذَتْهُمْ کے معنیٰ دے رہا ہے یعنی انھیں آلیا۔

وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ یعنی جب کہ وہ لوگ یہ دیکھ رہے تھے کہ بجلی ان کی طرف آرہی ہے۔

۵۶- ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ-

پھر موت آجانے کے بعد ہم نے تم کو (از سرِ نو) زندہ کردیا۔

یعنی بجلی نازل ہونے کے سبب انھیں موت آگئی تھی اللہ نے انھیں پھر دوبارہ زندہ کیا۔

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ لفظ ''بعث'' کے ساتھ موت کی قید اس لیے ہے کہ ''بعث'' (دوبارہ اٹھایا جانا) بے ہوشی اور نیند کے بعد بھی ہوتا ہے۔ اس آیت سے رَجْعَت کے جواز پر واضح رہنمائی ملتی ہے۔ جیسا کہ ہمارے اصحاب نے ائمہ کرامؑ سے نقل کرتے ہوئے کہا ہے۔ اور ''ابن الکوّا'' کے سامنے امیر المومنین علیہ

السّلام نے اسی آیت کو بطور حجّت پیش کیا جب اس نے رجعت کا انکار کیا تھا، ''اَصْبَغْ بن نباتہ'' نے امیر المومنین علیہ السّلام سے اس کی روایت کی ہے۔ [۱]

''تفسیر قمّی'' میں ہے کہ یہ آیت امّت محمدی میں رجعت کی دلیل ہے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس آیت کا تعلق تو بنی اسرائیل سے ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ آں حضرتؐ نے فرمایا:

لَمْ تَكُنْ فِيْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ شَيْءٌ اِلاَّ وَفِيْ اُمَّتِيْ مِثْلُهٗ۔

''بنی اسرائیل میں جو کچھ ہو چکا ہے میری امّت میں بھی ویسا ہی ہوگا۔''

یہ قول رسولؐ رجعت کے واقع ہونے کی واضح دلیل ہے۔ [۲]

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ -

تا کہ تم احسان مان لو۔

کہ تمھارے اسلاف اس زندگی کا شکر ادا کریں، جس میں وہ توبہ کر رہے تھے شکست خوردہ تھے اور اپنے رب کی جانب واپس آ رہے تھے ان کی یہ موت اگر دائمی ہو جاتی تو وہ سیدھے جہنم کی طرف چلے جاتے اور اس میں ہمیشہ کے لیے پڑے رہتے۔

''کتاب العیون'' میں امام رضا علیہ السّلام سے مروی ہے کہ یہ ستّر افراد تھے حضرت موسیٰ نے جنھیں منتخب کیا تھا، وہ حضرت موسیٰ کے ساتھ پہاڑ کی جانب روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر انھوں نے حضرت موسیٰ سے کہا موسیٰ آپ نے خدا کا مشاہدہ کیا ہے۔ جس طرح آپ نے اسے دیکھا ہے ہمیں بھی اس کا دیدار کرا دیجیے۔ حضرت موسیٰ نے انھیں جواب دیا میں نے خدا کو نہیں دیکھا ہے، تو انھوں نے کہا کہ جب تک ہم اپنی آنکھوں سے اسے اپنے سامنے نہ دیکھ لیں ہم ہرگز آپ پر ایمان نہ لائیں گے۔ [۳] پورا قصّہ ان شاء اللہ ہم سورۂ اعراف کے ذیل میں بیان کریں گے۔

انھوں نے کہا ہم آپ کی بات نہیں مانیں گے کہ یہ آپ کے رب کا حکم ہے جب تک ہم اللہ کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں اور وہ خود ہمیں اس سے مطلع نہ کرے دیکھتے دیکھتے انھیں بجلی نے آ گھیرا، پھر حضرت موسیٰ نے بجلی کی زد سے باقی بچ جانے والے افراد سے کہا کیا تم اس بات کو مانتے ہو اور اس امر کا اعتراف کرتے ہو یا پھر ان لوگوں کے ہمراہ جانا چاہتے ہو۔ وہ کہنے لگے ہمیں نہیں معلوم ان پر کیا بیتی۔ آپ اپنے رب سے محمدؐ و آل محمدؐ کے وسیلے سے سوال کیجیے کہ انھیں دوبارہ زندہ کر دے تا کہ ہم ان سے دریافت کریں کہ ان پر جو مصیبت آئی وہ کیوں آئی تو حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے اللہ سے دعا طلب کی اور اللہ نے ان لوگوں کو زندہ کر دیا۔ جب ان سے سوال کیا تو ان لوگوں نے جواب دیا۔ ہم نے اپنی اس موت کے بعد اپنے رب کی بادشاہت کو اس کے آسمانوں،

(۱) البرہان فی تفسیر القرآن، ص ۱۰۰ ج ۱ (۲) تفسیر قمّی، ص ۴۷ ج ۱ (۳) عیون اخبار الرضا، ص ۲۰۰ ج ۱

حجابوں، عرش، کرسی، جنتوں اور جہنموں میں ہر طرف دیکھا۔لیکن ہم نے ان تمام ممالک میں محمدؐ وعلیؑ ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ سے زیادہ کسی اور کا حکم نافذ ہوتے ہوئے نہیں دیکھا اور نہ ہی ہمیں کسی کا ایسا اقتدار نظر آیا۔ اس بجلی کی وجہ سے جب ہمیں موت آگئی اور ہم جہنّم کی طرف جانے لگے تو حضرت محمدؐ اور حضرت علیؑ نے لے جانے والے فرشتوں سے کہا تم ان لوگوں سے اپنے عذاب کو روک لو اس لیے کہ انھیں اس دعا کے سبب دوبارہ زندگی ملے گی، جب دعا کرنے والا ہمارے رب سے ہماری اور ہماری آل کے توسّط سے دعا طلب کرے گا تو رب العزت نے آں حضرت کے دور کے افراد سے مخاطب ہوکر کہا جب محمدؐ وآل محمدؐ کے توسّل سے دعا طلب کی گئی تو تمھارے اسلاف (آباؤ اجداد) کے ظالمین کو جنھیں بجلی نے آلیا تھا دوبارہ حیات مل گئی۔لہٰذا تمھیں چاہیے کہ ان کے سامنے ایسا مطالبہ نہ کرو جس میں تمھاری ہلاکت وبربادی ہو، جس طرح تمھارے آباؤ اجداد کو ان کے غلط مطالبے پر ہلاک کر کے دوبارہ زندہ کیا گیا۔ [۱]

۵۷- وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ-

اور ہم نے تم پر بادل کا سایہ کیے رکھا

اور تم پر بادلوں کا اس وقت سایہ کیے رکھا جب تم بے آب وگیاہ چٹیل میدان میں تھے تاکہ تمھیں دن کے وقت سورج کی تپش اور رات کے وقت چاند کی خنکی سے محفوظ رکھا جاسکے۔

وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى-

اور تمھارے لیے مَنّ وسلوٰی اتارتے رہے

''مَنّ'' کے معنی ہیں ''تُرَنْجَبِیْن'' ایک قسم کا میٹھا گوند جو کھانے میں نہایت لذیذ اور شیریں تھا وہ درخت پر گر کر جمع ہوجاتا تھا اور یہ لوگ اسے نہایت شوق سے کھاتے تھے۔

''سلوٰی'' کے معنی ہیں بٹیر ایک نفیس پرندہ جو وہاں پر چھوڑ دیا جاتا تھا جسے وہ شکار کرتے تھے۔

كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ-

کہ جو پاکیزہ چیزیں ہم نے عطا کی ہیں انھیں کھاؤ (پیو)

یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مکمل غذا فراہم کردی تھی۔

تفسیر قمّی میں ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ انھیں سمندر کے اس پار لے گئے تو وہ ایک بیابان میں پہنچے، انھوں نے کہا اے موسیٰ تم نے ہمیں ہلاک کرڈالا آبادی سے نکال کر ویرانے میں لے آئے یہاں پر نہ سایہ ہے نہ درخت اور نہ ہی پانی تو اسی لیے دن کے وقت بادل سایہ فگن ہوکر انھیں سورج کی تمازت سے بچاتا تھا اور رات کے وقت ان کے لیے ''مَنّ'' (میٹھی غذا) نازل ہوتی تھی جو نباتات، درخت اور پتھر پر گرتی تھا اور ان کی غذا بنتی تھی۔ اور

(۱) تفسیر امام عسکریؑ، ص۲۵۶۔۲۵۷

عشا کے وقت بھنا ہوا پرندہ ان کے دسترخوان پر آکر گر پڑتا تھا اور حضرت موسٰی کے پاس ایک پتھر تھا جسے وہ لشکر کے وسط میں رکھ دیتے تھے پھر اس پر عصا سے ضرب لگاتے تھے تو اس میں سے بارہ چشمے ابلتے تھے اور اس کا پانی ہر قبیلہ والوں کی طرف چلا جاتا تھا وہ کل بارہ قبیلے تھے۔ جب اس طرح کافی طویل عرصہ گزر گیا تو وہ تھک گئے اور حضرت موسٰی سے مخاطب ہوکر کہنے لگے : یٰمُوْسٰی لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ۔ اے موسٰی ہم اب ایک کھانے پر گزارا نہیں کرسکتے۔ [1]

وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ -

اور انھوں نے ہمارا کچھ نہیں بگاڑا بلکہ وہ خود اپنا ہی نقصان کررہے تھے۔

جب انھوں نے ان احکام میں تغیر وتبدل کردیا جو انھیں دیے گئے تھے اور انھوں نے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا نہیں کیا تو اس میں ہمارا کچھ نقصان نہ تھا اس لیے کہ (انکار کرنے والوں کا انکار)، کافروں کا کفر ہماری بادشاہت کو مجروح نہیں کرسکتا جس طرح کسی مومن کا ایمان ہماری سلطنت میں اضافہ کا باعث نہیں ہوتا۔

''یَظْلِمُوْنَ'' کے معنی اس آیت میں ہیں نقصان پہنچانا یعنی وہ اپنے کفر اور تبدیلی کے سبب خود اپنے آپ کو نقصان پہنچا رہے تھے۔

کتاب ''کافی'' میں امام محمد باقر علیہ السّلام سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول ''وَمَا ظَلَمُوْنَا'' کے بارے میں آپ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ اَعْظَمُ وَاَعَزُّ وَاَجَلُّ وَاَمْنَعُ مِنْ اَنْ يَظْلِمَ۔

اللہ عظیم و برتر اور بلند و بالا تر ہے اس بات سے کہ وہ کسی پر ظلم کرے۔ [2]

---

(۱) تفسیر قمی، ص۴۸ ج۱ (۲) الکافی، ص۱۴۶ ج۱

وَ اِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا
الْبَابَ سُجَّدًا وَّ قُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾
فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ
ع ۶ ۱۳ ۶ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾ ع

۵۸- اور یاد کرو جب ہم نے کہا تھا کہ تم اس بستی میں داخل ہو جاؤ اور اس میں جس طرح چاہو مزے سے کھاؤ پیو۔ اور بستی کے دروازے سے سجدہ ریز ہوتے ہوئے داخل ہو جاؤ اور حِطّہ کہتے ہوئے (آنا)، ہم تمھاری خطاؤں کو معاف کر دیں گے اور نیکو کاروں کو مزید فضل و کرم سے نوازیں گے۔

۵۹- مگر وہ بات جو اُن سے کہی گئی تھی ظالموں نے اسے بدل دیا آخر کار ہم نے ظلم کرنے والوں پر ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے آسمان سے عذاب نازل کیا۔

۵۸- وَ اِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ-

اور جب ہم نے ان سے کہا کہ اس قریہ میں داخل ہو جاؤ

یعنی ہم نے بنی اسرائیل سے کہا کہ تم یاد کرو جب ہم نے تمھارے اسلاف سے کہا تھا کہ اس قریہ میں داخل ہو جاؤ اس قریہ کا نام ''اَرِیحا'' تھا جو ملک شام میں واقع ہے وہ لوگ ''تیہ'' سے نکل کر اسی جگہ آئے تھے۔

فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا-

اور اس میں جہاں سے چاہو خوب کھاؤ (پیو)

''رَغَدًا'' کے معنی ہیں وسیع بغیر کسی زحمت کے۔

وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا-

اور دروازے سے سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو جاؤ

وَّ قُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ-

اور لفظ ''حِطّۃ'' کہو ہم تمھارے گناہ معاف کر دیں گے، اور نیکی کرنے والوں کو اور زیادہ دیں گے۔

نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ- ہم تمھاری سابقہ غلطیوں سے درگزر کریں گے اور تمھارے پچھلے گناہوں کو تمھارے نامۂ اعمال سے مٹا دیں گے۔

وَ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ- اور ہم نیکو کاروں کو مزید فضل و کرم سے نوازیں گے۔

آیت کے اس حصے میں محسنین سے مراد وہ شخص ہے جس نے کسی گناہ کا ارتکاب نہ کیا ہو اور ولایت کے عہد پر قائم رہتے ہوئے وہ ثواب کی امید رکھتا ہو۔

۵۹- فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ-

تو جو لوگ ظالم تھے انھوں نے اس لفظ کو جس کا ان کو حکم دیا گیا تھا بدل کر اس کی جگہ اور لفظ کہنا شروع کیا یعنی نہ تو انھوں نے سجدہ کیا اور نہ ہی وہ لفظ زبان سے ادا کیا جس کا انھیں حکم دیا گیا تھا بلکہ وہ اپنی پُشت کی جانب سے داخل ہوئے (یعنی الٹے چل کر آئے) اور انھوں نے ''حِنطه'' کہا جس کا مفہوم ''گندم سرخ'' تھا کہ اس گندم سے ہم قوت حاصل کرتے ہیں اور وہ ہمیں اس قول و فعل سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ [۱]

دوسری جگہ ''تفسیر امام حسن عسکری علیہ السّلام'' میں ہے کہ ان کی مخالفت یہ تھی کہ جب دروازے پر پہنچے تو دیکھا کہ وہ اونچا دروازہ ہے تو وہ کہنے لگے اب ہمیں اس دروازے سے داخل ہونے کے لیے جھکنے کی کوئی ضرورت نہیں ہم سمجھ رہے تھے کہ دروازہ نیچا ہے جس میں سے جھک کر گزرنا ہوگا، اور یہ تو بلند دروازہ ہے، یہ لوگ کب تک ہم سے مذاق کرتے رہیں گے (ان کی مراد حضرت موسٰی علیہ السّلام اور ان کے بعد یوشعؑ بن نون تھے) اور ہمیں باطل چیزوں کے سامنے جھکاتے رہیں گے، انھوں نے اپنی پشت دروازے کی جانب رکھی اور ''حِطَّةٌ'' کے بجائے ''حِنْطَةٌ حَمْرَاءُ'' کہا جس کے معنی ''گندم سرخ'' کے ہیں۔ تبدیلی سے یہ مراد ہے۔ [۲]

فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ-

پس ہم نے ان ظالموں پر آسمان سے عذاب نازل کیا کیوں کہ یہ نافرمانیاں کیے جارہے تھے۔

''ظَلَمُوْا'' کے معنی ہیں جو کچھ ان سے کہا گیا تھا اسے بدل دیا۔

لفظ ''ظَلَمُوْا'' کو مکرر لانے کا سبب ان کی برائی کو ظاہر کرنا اور یہ بتانا ہے کہ ان پر عذاب ان کے ظلم کے سبب سے ہوا یعنی انھیں جس چیز کا حکم دیا گیا تھا اس کی جگہ انھوں نے کسی اور چیز کو رکھ دیا یا انھوں نے اپنے نفس پر ظلم ڈھایا یعنی جو چیز انھیں نجات دیتی اسے چھوڑ کر انھوں نے اپنی ہلاکت کا سامان اختیار کر لیا۔ [۳]

''رِجْز'' یعنی وہ عذاب جو ان کے لیے مقرر ہو چکا تھا یہ لفظ رِجس (پلیدی) کی طرح ہے دونوں قریب المخرج ہیں۔ [۴]

''یَفْسُقُون'' کے معنی ہیں اللہ کے حکم اور اطاعت سے نکل جانا اور جو عذاب ان پر نازل ہوا وہ یہ تھا کہ کسی دن طاعون کی وبا سے ان میں سے ایک سو بیس ہزار (ایک لاکھ بیس ہزار) افراد ہلاک ہو گئے۔ اور یہ وہ لوگ تھے جن کے بارے میں علم الٰہی میں تھا کہ وہ ایمان قبول نہیں کریں گے اور نہ ہی توبہ کریں گے اور اُن افراد پر عذاب نازل نہیں ہوا جن کے بارے میں علم تھا کہ وہ توبہ کر لیں گے اور ان کے صلب سے پاک نسل آگے بڑھے گی۔

---

(۱) تفسیر امام عسکریؑ، ص ۲۶۰ (۲) تفسیر امام عسکریؑ، ص ۵۴۵ (۳) بیضاوی، ص ۵۸ ج ۱ (۴) بیضاوی، ص ۵۸ ج ۱

وَ اِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَ لَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۶۰﴾

۶۰ – اور یاد کرو وہ وقت جب موسٰی نے اپنی قوم کے لیے پانی طلب کیا تو ہم نے ان سے کہا کہ اپنا عصا پتھر پر مارو، چناں چہ اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے ہر قبیلے کو اپنے اپنے گھاٹ کا علم تھا۔ (ہم نے کہا) تم اللہ کے رزق میں سے کھاؤ، پیو اور زمین میں فساد پھیلاتے نہ پھرو۔

۶۰ – وَ اِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا۔

اور جب موسٰی نے اپنی قوم کے لیے (اللہ سے) پانی طلب کیا تو ہم نے کہا کہ اپنی لاٹھی پتھر پر مارو (انھوں نے لاٹھی ماری) تو پھر اس میں سے بارہ چشمے جاری ہو گئے۔

بنی اسرائیل سے کہا جا رہا ہے کہ اس وقت کو یاد کرو جب ''تیہ'' میں پیاسے ہوئے تو بلبلا کر رونے لگے حضرت موسٰی کو ان کی حالتِ زار پر رحم آیا اور انھوں نے محمدؐ و آل محمدؐ کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ سے دعا طلب کی اور پتھر پر عصا مارتے ہی بارہ چشمے جاری ہو گئے۔

تفسیر ''مجمع البیان'' اور ''تفسیر عیاشی'' میں امام باقر علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جنت سے تین پتھر نازل ہوئے تھے وہ پتھر جس پر کھڑے ہو کر ابراہیمؑ نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی، وہ پتھر جو بنی اسرائیل کے لیے نازل ہوا اور حجر اسود۔ [۱]

قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَ لَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ۔

اور تمام لوگوں نے اپنا اپنا گھاٹ معلوم کر لیا۔ ہم نے حکم دیا خدا کی عطا کی ہوئی روزی میں سے کھاؤ اور پیو، مگر زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرنا

''اُنَاسٍ'' سے مراد اولادِ یعقوب کے سلسلۂ پدری میں آنے والے تمام قبائل ہیں۔

''مَّشْرَبَهُمْ'' ہر شخص اپنے اپنے گھاٹ سے پانی پیے اور دوسرے قبائل کے لیے کسی قسم کی رکاوٹ نہ ڈالے۔

كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے تمھیں جو رزق عطا کیا ہے اس میں سے خوب کھاؤ پیو

(۱) مجمع البیان، ص ۲۰۳ ج ۱۔ ۲/ تفسیر عیاشی، ص ۵۹ ج ۱

رزق سے مراد مَنّ وسلوٰی اور پانی ہے۔ [۱]

وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ -

یعنی تم نافرمانی کے سبب زمین میں فساد نہ پھیلاتے رہنا۔ ایک قول کے مطابق یہ لفظ ''تعثو'' ''عَثُوٌّ'' سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں حد سے تجاوز کر جانا۔ لفظ ''عیث'' قریب المعنی ہے یعنی فساد پھیلانا لیکن اغلب طور پر اس کا استعمال ان چیزوں پر ہوتا ہے جن کا ادراک محسوسات سے کیا جائے۔

(۱) زمخشری تفسیر کشاف، ص ۱۴۴ ج ۱

وَ اِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ
لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَ قِثَّآئِهَا وَ فُوْمِهَا وَ عَدَسِهَا
وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا
مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۗ وَ
بَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ
ع ۲ يَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۶۱﴾

۶۱- اور یاد کرو جب تم نے موسیٰ سے کہا تھا کہ ہم ایک طرح کے کھانے پر صبر نہیں کر سکتے اپنے رب سے دعا مانگیے کہ وہ ہمارے لیے زمین سے اُگنے والی چیزیں پیدا کر دے جیسے ساگ پات، کھیرا ککڑی (گیہوں) لہسن، مسور اور پیاز وغیرہ تو موسیٰ نے کہا کہ تم ایسی چیز کو جو ہر طرح بہتر ہے ادنیٰ چیز سے بدلنا چاہتے ہو...... کسی شہری آبادی میں جا رہو تم نے جو کچھ مانگا ہے وہاں مل جائے گا اور آخر کار انھیں ذلت، پستی اور بدحالی میں گرفتار کر دیا گیا اور وہ لوگ اللہ کے غضب میں گھر گئے یہ سب اس لیے ہوا کہ وہ لوگ اللہ کی نشانیوں کا انکار کر رہے تھے اور انبیا کو ناحق قتل کر رہے تھے۔ یہ ان کی نافرمانیوں اور حدودِ شرع سے تجاوز کرنے کا نتیجہ تھا۔

۶۱- وَ اِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ-

یاد کرو جب تم نے کہا تھا اے موسیٰ ہم ایک ہی کھانے پر صبر نہیں کریں گے۔

اے بنی اسرائیل یاد کرو جب تمھارے اسلاف نے حضرت موسیٰ سے کہا تھا کہ ہم صرف ایک کھانے یعنی ''مَنٌّ وسَلوىٰ'' پر صبر نہیں کر سکتے اس کے ساتھ ہمیں کچھ اور قسم کے کھانے بھی چاہئیں۔

فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَ قِثَّآئِهَا وَ فُوْمِهَا وَ عَدَسِهَا وَ بَصَلِهَا-

آپ اپنے پروردگار سے دعا کیجیے کہ ساگ پات، کھیرا ککڑی، لہسن (گیہوں) مسور اور پیاز وغیرہ جو چیزیں زمین سے اُگتی ہیں ہمارے لیے پیدا کر دے۔

تفسیر ''مجمع البیان'' اور ''تفسیر قمی'' میں امام محمد باقر علیہ السّلام سے روایت ہے کہ ''ثوم'' سے مراد ''گیہوں'' ہے۔[۱] اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ''لہسن'' ہے۔[۲]

(۱) مجمع البیان، ص ۱۲۲ ج ۱۔ ۲ و تفسیر قمی، ص ۴۸ ج ۱ (۲) الکشاف، ص ۱۴۵ ج ۱

قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَ ضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَ الْمَسْكَنَةُ ۗ وَ بَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ

انھوں نے کہا کہ بھلا عمدہ چیزیں چھوڑ کر ان کے عوض ناقص چیزیں کیوں چاہتے ہو اگر یہی چیزیں مطلوب ہیں تو کسی شہر میں چلے جاؤ وہاں جو چاہتے ہو مل جائے گا اور آخر کار ذلت اور رسوائی اور محتاجی ان سے چمٹا دی گئی اور وہ خدا کے غضب میں گرفتار ہو گئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے ان پر واضح کر دیا کہ وہ اعلیٰ چیزوں کو چھوڑ کر ادنیٰ چیزوں کو ان کا بدل کیوں بنانا چاہتے ہیں۔ اور ان سے کہہ دیا کہ اپنے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ''تیہ'' کو چھوڑ کر کسی شہر میں جانا پڑے گا اور اس عمل کے نتیجے میں ذلت وفقر وفاقہ سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اور دوسری طرف اللہ کے غضب اور لعنت میں گرفتار ہو جاؤ گے۔

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ ''بَآءُوْ'' کے معنیٰ ہیں ''رَجَعُوْا'' یعنی اس حال میں واپس لوٹے کہ ان پر غضب الٰہی نازل ہو چکا تھا اس کی مثال اسی سورہ میں بیان کی گئی ہے۔ اور خلاصہ کے طور پر غضب کے سبب کا بھی اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر کیا ہے:

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَ یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا یَعْتَدُوْنَ۔

یہ اس لیے کہ وہ خدا کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور اس کے نبیوں کو ناحق قتل کر دیتے تھے (یعنی) یہ سب اس لیے تھا کہ وہ نافرمانی کیے جا رہے تھے اور حد سے بڑھتے چلے جا رہے تھے۔

یعنی کہ انھوں نے امر الٰہی کو چھوڑ کر امر ابلیس کو اختیار کر رکھا تھا۔

اس کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ نافرمانی اور ظلم وتعدی نے انھیں آیات الٰہی کے انکار اور نبیوں کو قتل کرنے کی منزل پر پہنچا دیا، اس لیے کہ چھوٹے گناہ انسانوں کو بڑے گناہوں تک لے جاتے ہیں۔ جس طرح چھوٹی چھوٹی اطاعتیں بڑی اطاعتوں کا پیش خیمہ ہوا کرتی ہیں۔[۱]

امام حسن عسکری علیہ السّلام کی تفسیر میں نبی اکرمؐ سے ایک روایت ہے: ''اے اللہ کے بندو! تم گناہوں میں منہمک ہونے اور اسے معمولی سمجھنے سے ڈرتے رہو کیوں کہ معصیتیں گناہ گاروں پر ذلت اور رسوائی کو مسلط کر دیتی ہیں، یہاں تک کہ وہ اس سے زیادہ بڑے گناہوں کا ارتکاب کر لیتا ہے، اسی طرح وہ نافرمانی کرتا ہے'' اسے معمولی سمجھتا اور رسوائی سے دوچار ہوتا ہے اور اس سے زیادہ بڑے گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے[۲]

کہا گیا ہے کہ ''آیات اللہ'' سے مراد معجزات، نازل شدہ کتابیں اور اس میں بیان شدہ آں حضرتؐ کی

(۱) انوار التنزیل، ص ۶۰ ج ۱ (۲) تفسیر امام عسکریؑ ص ۲۶۴

تعریف وتوصیف ہے۔

اور قتل انبیا سے مراد حضرت شعیبؑ، حضرت زکریاؑ اور حضرت یحییٰؑ وغیرہ کا قتل ہے۔[1]

کتاب ''کافی'' اور ''تفسیر عیاشی'' میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ انھوں نے اس آیت کی تلاوت فرمائی اور بیان کیا کہ ان لوگوں نے انبیا کو خود اپنے ہاتھوں سے نہیں مارا اور نہ ہی اپنی تلواروں سے قتل کیا بلکہ اُن کی باتیں سُن کر انھیں نشر کردیا اسی بنیاد پر انبیا کو پکڑ کر قتل کردیا گیا تو اس طرح انبیا کا قتل ان لوگوں کے ظلم وتعدی اور نافرمانی کے سبب سے ہوا۔[2]

(۱) بیضاوی، ص ۶۰ ج ۱ (۲) الکافی، ص ۳۷۱ ج ۲ وتفسیر عیاشی، ص ۴۵ ج ۱

ع إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۶۲﴾

۶۲- یقین جانو کہ جو لوگ نبی اکرمؐ پر ایمان لائے اور یہودی، نصاریٰ اور ستارہ پرست ان میں سے جو بھی اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لائے گا تو ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور انھیں نہ تو خوف ہوگا اور نہ ہی وہ لوگ محزون ہوں گے۔

۶۲- إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا-

سے مراد وہ لوگ ہیں جن کا اللہ پر ایمان ہے اور اس ایمان لانے سے ان پر جو ذمّے داریاں عائد ہوتی ہیں۔

وَالَّذِينَ هَادُوا-

سے مراد یہودی ہیں (جنھوں نے عُزیر کو خدا کا بیٹا کہا)

وَالنَّصَارَىٰ-

وہ (عیسائی) جن کا خیال یہ ہے کہ وہ اللہ کے دین میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔

کتاب عیون میں امام رضا علیہ السّلام سے مروی ہے کہ انھیں ''نصاریٰ'' اس لیے کہتے ہیں کہ ان کا تعلق ملک شام کے ایک شہر ''نَاصِرَة'' سے تھا، حضرت عیسیٰ اور حضرت مریمؑ نے مصر سے واپسی پر وہاں قیام کیا تھا۔[۱]

وَالصَّابِئِينَ-

(ستارہ پرست) جو سمجھتے ہیں کہ وہ دوسرے دین کو چھوڑ کر اللہ کے دین کی طرف آئے ہیں حالاں کہ وہ جھوٹے ہیں۔

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں ''صَبَوْا'' اگر بغیر ہمزہ کے ہو تو اس کے معنی ہیں: وہ مائل ہوئے، وہ راغب ہوئے۔ اور اگر ''صَبَؤا'' ہمزہ کے ساتھ ہو تو اس کے معنی ہیں وہ خارج ہوگئے۔

''تفسیر قمّی'' میں ہے ان کا تعلق اہل کتاب سے نہیں ہے بلکہ یہ ستاروں کی پرستش کیا کرتے تھے۔[۲]

(۱) عیون اخبار الرضا، ص۷۹ ج۲ (۲) تفسیر قمّی، ص۴۸ ج۱

مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔

یعنی یہودیوں، نصاریٰ اور ستارہ پرستوں میں سے جو بھی اپنے مذہب کو ترک کردے گا، کفر سے علاحدگی اختیار کرے گا اور ایمان کو صدقِ دل سے قبول کرلے گا تو ایسے افراد پر آخرت میں کوئی خوف نہ ہوگا جب کہ فاسقین خوف زدہ ہوں گے اور نہ ہی ان لوگوں کے لیے حزن وملال ہوگا جب کہ مخالفین ملول وحزین ہوں گے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۴﴾

۶۳ – اور اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا اور کوہِ طور کو تمھارے اوپر بلند کر دیا کہ جو کچھ ہم نے تمھیں دیا ہے اسے مضبوطی سے تھامے رکھنا اور اس میں مندرج احکام کو یاد رکھنا ہو سکتا ہے اس طرح تم پرہیز گار بن جاؤ۔

۶۴ – مگر اس کے بعد تم اپنے عہد سے پھر گئے۔ (اس کے باوجود) اگر تم پر اللہ کا فضل اور رحمت نہ ہوتی تو تم نقصان اُٹھانے والوں میں ہوتے۔

۶۳ – وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ –

اور یاد کرو جب ہم نے تم سے عہد لیا تھا اور کوہِ طور کو تم پر بلند کر دیا تھا۔

بنی اسرائیل کو عہد و پیمان یاد دلایا جا رہا ہے کہ ہم نے تم سے عہد لیا تھا کہ تم توریت اور فرقان میں جو کچھ ہے اس پر عمل کرو اس لیے کہ ہم نے حضرت موسیٰ کو کتاب کے ساتھ یہ سب باتیں بتا دی تھیں اور توریت میں حضرت محمدؐ کی نبوت اور ان کے وصی علیؑ اور ان کی پاک و پاکیزہ آل کے بارے میں بتا دیا گیا تھا اور تم سے یہ پیمان لیا تھا کہ ان باتوں کو اپنی اولاد اور نسل تک عہد بعہد پہنچا دینا تو تم نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور تکبر سے کام لیا۔

وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ –

اور ہم نے طور کے پہاڑ کو تمھارے اوپر اس طرح بلند کیا کہ جبریل کو حکم دیا کہ فلسطین کے پہاڑ سے ایک ٹکڑا کاٹ کر لاؤ جو تمھارے اسلاف کے لشکر کے برابر تھا یعنی ایک فرسخ چوڑا اور ایک فرسخ لمبا، جبریل پہاڑ کا ٹکڑا کاٹ کر یہاں لائے اور اسے ان کے سروں پر بلند کر دیا۔

خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ –

(اور حکم دیا کہ) جو کتاب ہم نے تمھیں دی ہے اسے پوری طاقت کے ساتھ پکڑے رہو۔

موسیٰ علیہ السّلام نے ان سے کہا کہ یا تو تم ان تمام احکام کو تسلیم کر لو جو توریت کے ذریعہ تمھیں بتائے

گئے ہیں یا میں اس پہاڑ کو تمھارے اوپر گراتا ہوں۔ سب نے مجبوراً اس بات کو مانا سوائے ان لوگوں کے جو کفر وعناد سے محفوظ تھے انھوں نے برضا ورغبت ان احکام پر سر تسلیم کو خم کیا جب حضرت موسٰی کی بات مان کر انھوں نے سجدہ کیا اور خاک پر سر رکھ دیا تو ان میں سے اکثر نے خاک پر اپنے رخساروں کو خضوع کے لیے نہیں رکھا بلکہ وہ پہاڑ کی طرف دیکھ رہے تھے کہ وہ گر رہا ہے یا نہیں۔

''بِقُوَّةٍ'' سے مراد ہے دل وجان سے توریت کو مان لو۔

کتاب ''محاسن'' اور ''تفسیر عیاشی'' میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جب آپ سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا گیا کہ:۔

''اس سے کیا جسمانی طاقت مراد ہے یا دلوں کی قوت ہے'' تو امام علیہ السّلام نے جواب دیا کہ: اس سے مراد دونوں قوتیں ہیں۔[۱]

وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ-

اور تم اس بات کو یاد رکھو کہ توریت کے احکام پر عمل کرنے میں بے پناہ ثواب ہے اور انکار کرنے پر ہماری طرف سے زبردست عذاب ہوگا۔

تفسیر ''مجمع البیان'' میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے یہ روایت بیان ہوئی ہے کہ تم یاد رکھو کہ احکام کو چھوڑ دینے پر کیسا دردناک انجام ہوتا ہے۔[۲]

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ-

تاکہ تم اس کی مخالفت سے باز رہو جس کی وجہ سے عذاب آئے گا۔ اور اس طرح تم ثواب کے حق دار بن جاؤ گے۔

۶۴ – ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ – تو تم اس کے بعد اپنے عہد سے پھر گئے۔

یعنی تمھارے اسلاف سے جو عہد و پیمان لیا تھا اس پر باقی رہنے اور اسے وفا کرنے سے برگشتہ ہو گئے۔

فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ –

اور اگر تم پر خدا کا فضل اور اس کی مہربانی نہ ہوتی تو تم خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جاتے یعنی اگر اللہ تعالیٰ تمھیں توبہ کی مہلت نہ دیتا اور تمھیں اللہ تک واپس آنے کا موقع نہ ملتا تو تم سب کے سب نقصان اٹھانے والوں اور دھوکا کھانے والوں میں سے ہو جاتے۔

(۱) المحاسن، ص ۲۰۷ ج ۱ و تفسیر عیاشی، ص ۴۵ ج ۱ (۲) مجمع البیان، ص ۱۲۸ ج ۱۔۲

وَلَقَدۡ عَلِمۡتُمُ الَّذِيۡنَ اعۡتَدَوۡا مِنۡكُمۡ فِى السَّبۡتِ فَقُلۡنَا لَهُمۡ كُوۡنُوۡا قِرَدَةً خٰسِـِٕيۡنَ ﴿۶۵﴾

فَجَعَلۡنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهَا وَمَا خَلۡفَهَا وَمَوۡعِظَةً لِّلۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۶۶﴾

۶۵- تم اپنی قوم کے اُن لوگوں کے بارے میں تو جانتے ہی ہو جنھوں نے سَبْت کا قانون توڑا تھا، تو ہم نے انھیں حکم دیا "تم ذلیل وخوار بندر بن جاؤ"

۶۶- اس طرح ہم نے اُن کے انجام کو اس زمانے کے لوگوں اور بعد میں آنے والی نسلوں کے لیے سامانِ عبرت، اور تقویٰ اختیار کرنے والوں کے لیے نصیحت بنادیا۔

۶۵- وَلَقَدۡ عَلِمۡتُمُ الَّذِيۡنَ اعۡتَدَوۡا مِنۡكُمۡ فِى السَّبۡتِ فَقُلۡنَا لَهُمۡ كُوۡنُوۡا قِرَدَةً خٰسِـِٕيۡنَ۔

اور تم اُن لوگوں کو خوب جانتے ہو جو تم سے "ہفتہ" کے دن (مچھلی کا شکار کرنے) میں حد سے تجاوز کر گئے تھے تو ہم نے اُن سے کہا کہ ذلیل وخوار بندر بن جاؤ۔

انھیں بروز ہفتہ مچھلی کا شکار کرنے سے روک دیا گیا تھا لیکن وہ نہ مانے اور انھوں نے اس دن شکار کرلیا تو ہم نے کہا کہ تم بندر ہو جاؤ۔

"خٰسِـِٕيۡنَ" کے معنٰی ہیں ہر خیر سے دور رہنے والے

۶۶- فَجَعَلۡنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهَا وَمَا خَلۡفَهَا وَمَوۡعِظَةً لِّلۡمُتَّقِيۡنَ۔

ہم نے ان لوگوں کو اس زمانے کے افراد اور بعد میں آنے والوں کے لیے عبرت اور پرہیزگاروں کے لیے نصیحت بنادیا۔

"جعلناھا" میں "ھا" سے مراد وہ مسخ شدہ افراد ہیں جنھیں اللہ تعالٰی نے انسان سے بندر بنا کر رسوا اور قابلِ لعنت بنادیا۔

تفسیر "مجمع البیان" میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ "جعلناھا" میں "ھا" سے مراد "امّت" ہے۔[1]

"نکالاً" کے معنی ہیں عبرت ناک سزا ان لوگوں کی عبرت کے لیے جو مسخ شدہ افراد کے سامنے تھے جنھیں ان کے مہلک گناہوں کی وجہ سے عذاب کا مستحق قرار دیا گیا تھا اور ان لوگوں کو روکنے کے لیے جنھوں نے مسخ ہونے کے بعد انھیں دیکھا تھا، اور ان افراد کے لیے جنھوں نے بعد میں ان کا قصّہ سنا تاکہ وہ سب اس قسم کی حرکتوں سے باز رہیں اور اُن لوگوں جیسے امور انجام نہ دیں۔ اور ان شاء اللہ ان کا پورا واقعہ ہم سورۂ اعراف میں بیان کریں گے۔

---

(۱) مجمع البیان، ص ۱۳۰ ج ۱-۲

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖۤ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْۤا
اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۶۷﴾
قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ یُبَیِّنْ لَّنَا مَا هِیَ ؕ قَالَ اِنَّهٗ یَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا
فَارِضٌ وَّ لَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَیْنَ ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۸﴾

۶۷- پھر وہ واقعہ یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ تم ایک گائے ذبح کرو۔ وہ کہنے لگے کیا آپ ہم سے مذاق کررہے ہیں۔ موسیٰ نے کہا میں اللہ کی پناہ طلب کرتا ہوں کہ میں جاہلوں میں سے ہو جاؤں۔

۶۸- انھوں نے کہا آپ اپنے رب سے دُعا کیجیے کہ وہ ہمیں گائے کی حقیقت بتائے موسیٰ نے کہا اللہ فرماتا ہے ایسی گائے چاہیے جو نہ بوڑھی ہو نہ بچھیا بلکہ اس کے درمیان ادھیڑ عمر کی ہو اب تمھیں جو حکم دیا گیا ہے اس پر عمل کرو۔

۶۷- وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖۤ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً-

اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا، کہ اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو اور گائے کے ایک حصے سے مقتول کو مارو جو تمھارے سامنے پڑا ہے تاکہ وہ اللہ کے حکم سے زندہ ہو کر اپنے قاتل کا پتا بتادے۔ واقعہ کو یاد کرو کہ جب مقتول کو تمھارے سامنے لاکر ڈال دیا گیا تھا تو حضرت موسیٰ نے قبیلہ والوں کو اللہ کے حکم سے پابند کیا کہ پچاس سر برآوردہ افراد قوی و شدید اللہ کے نام سے (جو بنی اسرائیل کا بھی خدا ہے) یہ حلف اٹھائیں کہ ہم نے اسے قتل نہیں کیا اور نہ ہی ہمیں اس کے قاتل کا کچھ علم ہے اگر وہ یہ حلف اٹھالیں تو ان پر (ان کی شریعت کے قانون کے مطابق) مقتول کی دیت کا جرمانہ عائد کیا جائے گا۔ اور اگر وہ اس بات سے پیچھے ہٹ جائیں تو انھیں چاہیے کہ قاتل کی نشان دہی کریں یا قاتل خود اقرار کرلے تاکہ اس سے قتل کا بدلہ لیا جائے اور اگر انھوں نے ایسا نہیں کیا تو انھیں تکلیف دہ قید خانے میں قید کردیا جائے گا یہاں تک کہ وہ حلف اٹھالیں یا اقرار کرلیں یا قاتل کے بارے میں گواہی دیں تو انھوں نے جواب دیا اے اللہ کے نبی کیا ہمارا حلف اٹھانا ہمارے مال کی حفاظت نہیں کرے گا؟ اور کیا ہمارا مال ہمیں حلف اٹھانے سے نہیں بچائے گا۔ تو حضرت موسیٰ نے فرمایا نہیں یہ اللہ کا حکم ہے۔

قصہ یہ تھا کہ ایک حسین وجمیل عورت جو تخلیق میں کامل، بہترین فضیلت اور اعلیٰ نسب سے تعلق رکھنے

والی اور شرم و حیا کا پیکر تھی اس کے نکاح کے بہت سے پیغام آئے تھے اور اس کے تین چچا زاد بھائی تھے وہ اُن میں سے ایک سے شادی کرنے پر راضی ہوگئی جو ان سب میں علم کے اعتبار سے افضل اور باحیا تھا اس بات پر اس کے چچا کے دوسرے بیٹے حسد کرنے لگے اور وہ اپنے اس عم زاد پر رشک کرنے لگے کہ اس دوشیزہ نے انھیں چھوڑ کر صرف اس کا انتخاب کیا ہے اس پر اس کے چچا زاد بھائیوں نے اسے مدعو کیا اور اُسے قتل کر کے رات کے وقت اس کی لاش ایسے محلّے میں ڈال دی جہاں بنی اسرائیل کے اکثر قبائل رہا کرتے تھے۔ بنی اسرائیل کے لوگ جب صبح کو بیدار ہوئے تو انھوں نے اپنے محلّے میں اس لاش کو دیکھا۔ اتنے میں مقتول کے دونوں چچا زاد جنھوں نے اسے قتل کیا تھا گریبان چاک کر کے سر پر خاک ڈالے ہوئے وہاں آگئے اور بنی اسرائیل کے خلاف مدد طلب کی۔ حضرت موسیٰ نے انھیں بلایا اور ان سے استفسار کیا انھوں نے اس بات سے انکار کیا کہ نہ انھیں اس قتل کا علم ہے اور نہ ہی قاتل کے بارے میں کچھ پتا ہے۔ تو حضرت موسیٰ نے کہا کہ حکم خداوندی یہی ہے کہ اگر تمھیں معلوم نہیں ہے کہ یہ قتل کس نے کیا ہے تو تم حلف اٹھائے اور جرمانہ ادا کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ انھوں نے جواب دیا اے موسیٰ ہماری قسم کا کیا فائدہ جو ہم سے بھاری جرمانے کو نہ ہٹا سکے یا ہمارے جرمانے کا کیا فائدہ جو ہم سے قسم کو دور نہ کر سکے۔

تو حضرت موسیٰ نے کہا کہ ہر طرح کا فائدہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور جس کام کا حکم دیا ہے اسے بجا لانے اور جس بات سے روکا ہے اس سے رُک جانے میں ہے۔ تو انھوں نے کہا اے اللہ کے نبی ہم پر بھاری جرمانہ ہے جب کہ ہمارا کوئی قصور نہیں اور ایسی سخت قسم ہے جب کہ ہماری گردن پر کسی کا حق نہیں۔ کاش ایسا ہو جائے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں کسی طرح قاتل سے متعارف کر دے تاکہ ہم اس کے اخراجات دینے سے بچ جائیں۔ آپ اپنے رب سے ہمارے لیے دُعا کریں کہ وہ ہمیں اس قاتل کے بارے میں بتا دے تاکہ وہ جس سزا کا حق دار ہے وہ اسے مل جائے اور اس کا معاملہ صاحبان عقل پر ظاہر ہو جائے۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے میں واضح احکام بیان کر دیے ہیں۔ میرے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ میں اُس کے فیصلے کے خلاف کسی اور بات کا مطالبہ کروں اور اس نے جو حکم دیا ہے اس پر اعتراض کروں۔ کیا تم اس بات پر توجہ نہیں دیتے کہ جب اُس نے بروز ہفتہ کام کو حرام قرار دیا اور اونٹ کے گوشت کو حرام کر دیا تو ہمیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ ہم اس سے استدعا کریں کہ وہ اپنے حکم کو تبدیل کر دے بلکہ ہمیں چاہیے کہ اس کے حکم کو تسلیم کر لیں اور اس نے ہم پر جس چیز کو لازم قرار دیا ہے اسے مان لیں۔ حضرت موسیٰ نے یہ چاہا کہ اس قسم کے معاملات میں ان لوگوں کے لیے بھی وہی فیصلہ کر دیں جو اُن کے غیر کے لیے ہوا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے وحی کی اے موسیٰ ان کے سوالوں کا جواب دے دو اور مجھ سے استفسار کرو تاکہ میں اُن لوگوں پر قاتل کا نام ظاہر کر دوں تاکہ وہ قتل کر دیا جائے اور دوسرے افراد تہمت اور جرمانے سے بچ جائیں۔ تو موسیٰ نے عرض کی

پروردگار! ہمیں قاتل کا پتا بتادے تو اللہ تعالیٰ نے اُن پر وحی کی کہ تم بنی اسرائیل سے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ قاتل کو اس طرح واضح کرے گا کہ وہ حکم دیتا ہے کہ تم ایک گائے ذبح کرو اور اس کے ایک حصّے سے مقتول کے جسم پر مارو تو وہ زندہ ہوکر قاتل کے بارے میں بتادے گا۔ کیا تم پروردگارِ عالم کی اس بات کو تسلیم کرتے ہو ورنہ اس مسئلہ سے باز رہو اور میں نے جو حکم دیا ہے اس پر عمل کرو۔

وَ اِذۡ قَالَ مُوۡسٰی لِقَوۡمِہٖۤ اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُکُمۡ اَنۡ تَذۡبَحُوۡا بَقَرَۃً ؕ

(اور یاد کرو اس وقت کو جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تمھیں حکم دینے والا ہے کہ تم ایک گائے ذبح کرو)۔

اس آیت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کو واضح کرنا چاہا کہ اللہ تعالیٰ عنقریب تمھیں حکم دینے والا ہے کہ تم ایک گائے ذبح کرڈالو اگر تم قاتل کے بارے میں جاننا چاہتے ہو۔[۱]

''تفسیر قمی'' میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مَروی ہے کہ بنی اسرائیل کے منتخب شخص اور علما میں سے ایک نے کسی عورت کا رشتہ طلب کیا تو اس عورت نے وہ رشتہ منظور کرلیا، اور اس شخص کے چچا زاد بھائی نے بھی اسی عورت سے شادی کرنا چاہی یہ مرد فاسق تھا اس لیے عورت نے انکار کردیا تو اس کے عم زاد نے حسد کی بنیاد پر اس مردِ عاقل و عالم کو قتل کرڈالا اور اس کی لاش اٹھا کر حضرت موسیٰؑ کے پاس لے آیا اور کہا اے اللہ کے نبی میرے چچا کا بیٹا قتل ہوگیا حضرت موسیٰ نے سوال کیا کس نے قتل کیا تو اس نے جواب دیا میں نہیں جانتا اور بنی اسرائیل میں کسی کا قتل ہو جانا بڑی اہم بات تھی حضرت موسیٰؑ نے بھی اس شخص کے قتل کو بہت اہمیّت دی۔ بنی اسرائیل اُن کے پاس جمع ہوئے اور کہنے لگے اے اللہ کے نبی اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس کے پاس ایک گائے تھی اور اس کا ایک نیکوکار بیٹا تھا جس کے پاس کچھ سامانِ تجارت تھا کچھ لوگ وہ سامان لینے کی غرض سے اس کے پاس آئے اور اس وقت گودام کی کنجی اس کے والد کے سرھانے تھی اور وہ سو رہا تھا، بیٹے نے یہ مناسب نہ جانا کہ اسے بیدار کرکے اس کی نیند اُچاٹ کرے لوگ واپس چلے گئے اور اس کا سامانِ تجارت نہیں خریدا، جب باپ بیدار ہوا تو اُس نے دریافت کیا بیٹے تمھارے سامانِ تجارت کا کیا ہوا؟ اس نے جواب دیا وہ ابھی موجود ہے میں نے اسے فروخت نہیں کیا کیوں کہ کنجی آپ کے سرھانے تھی اور میں نے آپ کو نیند سے بیدار کرنا اور بے آرام کرنا مناسب نہیں سمجھا تو اس کے والد نے کہا، تمھاری تجارت کے نقصان کے عوض اور ایک بیٹے نے اپنے باپ سے جو بہترین سلوک کیا ہے اس کے اور بیٹے کی اطاعت پر شکرِ رب ادا کرتے ہوئے میں نے یہ گائے تمھارے حوالے کردی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ پر وحی کی کہ بنی اسرائیل کو حکم دے دیں کہ وہ صرف وہی گائے ذبح کریں تاکہ اس مردِ صالح کے قاتل کو معلوم کرسکیں۔ جب بنی اسرائیل

(۱) تفسیر امام عسکریؑ، ص ۲۷۳۔۲۷۵

حضرت موسیٰ کے گرد جمع ہوئے اور رونے گڑگڑانے لگے تو حضرت موسیٰ نے اُن سے کہا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ تم ایک گائے ذبح کرو انھیں اس حکم سے حیرانی ہوئی اور وہ کہنے لگے اے موسیٰ آپ ہم سے مذاق کیوں کررہے ہیں ہم مقتول کو لے کر آتے ہیں اور آپ فرماتے ہیں کہ "تم گائے ذبح کرو" ۱؎

قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا -

وہ بولے کیا آپ ہم سے ہنسی کرتے ہیں (ہمارا مذاق اڑاتے ہیں)

اے موسیٰ آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ نے حکم دیا ہے کہ ہم گائے ذبح کریں اور اس کے بے جان گوشت کا ایک ٹکڑا لے کر بے جان پر ماریں تو اس بے جان کے ملنے سے اللہ اُن میں سے ایک کو زندہ کردے گا یہ بھلا کیوں کر ممکن ہے۔

قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ -

حضرت موسیٰ نے کہا میں خدا کی پناہ چاہتا ہوں کہ نادانوں میں سے ہو جاؤں

یعنی میں اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی بات منسوب کردوں جو اللہ نے مجھے نہیں بتائی، اور اللہ تعالیٰ کے قول اور حکم کو قیاس سے کام لیتے ہوئے اپنے مشاہدے کی بنیاد پر رد کردوں۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السّلام نے فرمایا:

کیا مرد کی منی اور عورت کا مادّہ دونوں مردار نہیں ہیں۔ اسی طرح جب دونوں مردار ملتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان دونوں مردار کے ملنے سے ایک زندہ مستوی الخلقت انسان کو خلق فرماتا ہے۔

وہ بیج جسے تم زمین میں بوتے ہو وہ زمین میں رہ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے اور اس میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے اور یہ بشکل مردار ہوتا ہے پھر اُس سے خوب صورت اور دِل رُبا بالیاں نکلتی ہیں اور یہ اونچے اونچے درخت بہار دکھلاتے ہیں۔ جب موسیٰ نے انھیں دلائل سے قائل کردیا تو وہ بولے۔ ۲؎

۶۸ - قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ -

انھوں نے کہا (اے موسیٰ) آپ اپنے رب سے دُعا کریں کہ وہ ہم پر واضح کرے کہ وہ گائے کیسی ہونی چاہیے۔

یعنی اس گائے کے اوصاف ہمیں بتادے تا کہ ہم اس سے واقف ہو جائیں "تفسیر قمی" کی روایت میں ہے کہ وہ یہ سمجھے کہ یہ پوچھ کر انھوں نے غلطی کی ہے۔ ۳؎

حضرت موسیٰ نے اپنے رب سے سوال کیا تو جواب قدرت اس طرح آیا:

قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ط عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ط فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ -

موسیٰ نے کہا پروردگار فرماتا ہے کہ وہ گائے نہ تو بوڑھی ہو اور نہ بچھیا بلکہ ان کے درمیان میں ہو سو جیسا تم کو حکم دیا گیا ہے اُسے بجالاؤ۔

---

(۱) تفسیر قمی، ص ۴۹ ج ۱ (۲) تفسیر امام عسکریؑ ص ۲۷۵ - ۲۷۶ (۳) تفسیر قمی ص ۴۹ ج ۱

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿۶۹﴾

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ؕ وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۷۰﴾

قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ؕ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ؕ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۱﴾ ع ۸/۱۰

۶۹ – وہ کہنے لگے اپنے رب سے پوچھیے کہ اس کا رنگ کیسا ہو؟ موسیٰ نے کہا وہ فرماتا ہے زرد رنگ کی گائے ہو اس کا رنگ ایسا شوخ ہو کہ دیکھنے والوں کو بھلی معلوم ہو۔

۷۰ – وہ کہنے لگے اے موسیٰ اپنے رب سے وضاحت طلب کریں کہ کیسی گائے چاہیے؟ کیوں کہ اس کی شناخت میں ہمیں اشتباہ ہو گیا ہے۔ اللہ نے چاہا تو اب ہم اس گائے کو تلاش کر لیں گے۔

۷۱ – موسیٰ نے کہا اللہ فرماتا ہے کہ وہ ایسی گائے ہے جس سے نہ خدمت لی جاتی ہے، نہ وہ زمین جوتی ہے اور نہ ہی کھیتوں کو سیراب کرتی ہے، صحیح و سالم اور بے داغ ہے وہ لوگ کہنے لگے اب آپ نے ٹھیک ٹھیک پہچان بتائی ہے۔ پھر انھوں نے اُسے ذبح کیا حالاں کہ وہ ایسا کرنے والے نہیں تھے۔

۶۹ – قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ –

انھوں نے کہا اپنے پروردگار سے درخواست کیجیے کہ ہمیں یہ بتادے کہ اس گائے کا رنگ کیسا ہے؟ تو موسیٰ نے کہا پروردگار فرماتا ہے کہ اس کا رنگ گہرا زرد ہو کہ دیکھنے والوں کو اس کا رنگ خوش کر دے۔

"لَوْنُهَا" سے مراد ہے گائے کا رنگ جس کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

"فَاقِعٌ لَّوْنُهَا" کے معنی جس کی زردی میں حُسن ہو نہ ایسا کم ہو کہ سفیدی مائل ہو اور نہ ایسا گہرا کہ کالے کا گمان ہو بلکہ اس کا حسن، دل فریبی، اور چمک دمک دیکھنے والوں کو مسرور و شاداں کر دے۔

۷۰ – قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ؕ وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ –

انھوں نے کہا آپ اپنے رب سے دُعا کیجیے کہ ہم پر واضح کردے کہ وہ گائے کس طرح کی ہو۔ کیوں کہ ہر گائے ہمیں ایک جیسی نظر آتی ہے اور ہم ان شاء اللہ اب کی بار ہدایت پا جائیں گے۔

یعنی انھوں نے اللہ سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ اس گائے کے اوصاف اور زیادہ واضح طور سے بتا دے۔ حدیث نبوی کے الفاظ ہیں کہ اگر یہ لوگ اِن شاء اللہ نہ کہتے تو قیامت تک اُن پر گائے کی حقیقت واضح اور آشکار نہ ہوتی۔[1]

۷۱- قَالَ اِنَّہٗ یَقُوْلُ اِنَّھَا بَقَرَۃٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِیْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِی الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَۃٌ لَّا شِیَۃَ فِیْھَا-

موسیٰ نے کہا کہ خدا فرماتا ہے کہ وہ گائے کام میں لگی ہوئی نہ ہو، وہ نہ زمین جوتنے کا کام کرتی ہو اور نہ کھیتی کو پانی دیتی ہو، صحیح و سالم ہو اس میں کسی طرح کا داغ نہ ہو۔

یعنی اس سے ہل چلانے اور زمین کی کھدائی کا کام نہ لیا گیا ہو اور نہ ہی اس کے ذریعہ ڈول سے پانی نکلوا کر زمین کو سیراب کیا گیا ہو۔ اور نہ ہی رہٹ چلانے کا کام لیا گیا ہو اسے ان تمام کاموں سے مستثنیٰ رکھا گیا ہو۔ وہ ہر عیب سے مبرّا اور صحیح و سالم ہو۔

''کتاب عُیُون'' اور تفسیر عیاشی میں امام رضا علیہ السّلام سے مروی ہے کہ وہ لوگ جس گائے کو بھی ذبح کر دیتے اُن کے لیے کافی تھا لیکن انھوں نے سختی سے کام لیا تو اللہ نے بھی اُن سے سختی کا برتاؤ کیا۔[2]

اور ''تفسیر امام حسن عسکری علیہ السّلام'' میں ہے کہ جب انھوں نے اِن صفات کے بارے میں سُنا تو بولے اے موسیٰ کیا ہمارے رب نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ ان خوبیوں والی گائے ذبح کریں تو حضرت موسیٰ نے جواب دیا ہاں! حضرت موسیٰ نے شروع میں یہ نہیں کہا تھا کہ اللہ نے تمھیں یہ حکم دیا ہے بلکہ فرمایا تھا کہ وہ حکم دینے والا ہے اس لیے کہ اگر حضرت موسیٰ نے کہا ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دے دیا ہے تو پھر اس سوال کی ضرورت نہ تھی جو انھوں نے کیا تھا کہ: اُدْعُ لَنَا رَبَّکَ یُبَیِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُھَا (کہ آپ اپنے رب سے ہمارے لیے دُعا کریں کہ وہ بتا دے کہ گائے کیسی ہو اور اُس کا رنگ کیسا ہو) بلکہ حضرت موسیٰ جواب دیتے کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیا ہے تو جس پر بھی گائے کے نام کا اطلاق ہوتا ہو اسے ذبح کر دو اور حکم خدا کو بجا لانے والے کہلاؤ۔

بہر حال جب امر اُن پر واضح ہو گیا اور انھوں نے اس قسم کی گائے کو تلاش کیا تو اسے بنی اسرائیل کے ایک جوان کے پاس پایا جسے اللہ تعالیٰ نے خواب میں حضرت محمدؐ، حضرت علیؑ اور اُن کی پاکیزہ آل کی زیارت کرادی تھی انھوں نے اس جوان سے خواب میں یہ کہا تھا کہ اگر تو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہماری افضلیت کا قائل ہے تو ہم یہ چاہتے ہیں کہ تجھے دنیا میں ہی کچھ بدلہ عطا کر دیں جب یہ لوگ گائے خریدنے کے لیے

(۱) مجمع البیان، ص ۱۳۵ ج ۱-۲ (۲) عیون اخبار الرضا، ص ۱۳ ج ۲ و تفسیر عیاشی، ص ۴۶ ج ۱

آئیں تو اسے اپنی والدہ کی اجازت کے بغیر فروخت نہ کرنا اللہ تعالیٰ تمھاری ماں کے دل میں ایسی بات ڈال دے گا جس سے تم اور تمھاری اولاد مستغنی ہو جائے گی۔ یہ جوان خوش ہو گیا۔ اور لوگ اس کی گائے کی تلاش میں آئے اور اس سے سوال کیا کہ یہ گائے کتنے میں بیچو گے اس نے کہا کہ اس کی قیمت دو دینار ہے لیکن اس کا اختیار میری ماں کو ہے انھوں نے کہا کہ ہم ایک دینار دینے کو تیار ہیں جب اس کی والدہ سے دریافت کیا تو اس نے چار دینار قیمت بتائی انھوں نے دو دینار قیمت لگائی تو اُس کی ماں نے کہا اب اس کی قیمت آٹھ دینار ہوگی جتنی اس کی ماں بتاتی یہ لوگ اس کے نصف پر راضی ہوتے اور جب اس کی ماں سے وہ قیمت بتاتے تو وہ اس قیمت کو دوگنا کر دیتی۔ یہاں تک کہ اس کی قیمت اتنی ہوگئی کہ وہ دینار بیل کی کھال میں بھر جائیں اس پر ان کا سودا ہو گیا اور انھوں نے گائے خرید لی اور اسے ذبح کر ڈالا۔[۱]

قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ - (اور انھوں نے کہا کہ اب آپ نے حق بات بیان کی ہے) کی تفسیر کے ذیل میں تفسیر قمی میں یہ روایت ہے کہ ہم نے پہچان لیا کہ یہ فلاں شخص کی گائے ہے تو وہ اسے خریدنے کے لیے گئے تو اس کے مالک نے کہا میں اسے فروخت نہیں کروں گا مگر یہ ہے کہ اس کی کھال میں بھر کر سونا دو وہ لوگ حضرت موسیٰؑ کے پاس گئے اور انھیں اس بات کی اطّلاع دی تو حضرت موسیٰؑ نے فرمایا تمھیں بعینہ وہی گائے ذبح کرنی ہے تو انھوں نے وہ گائے اس کی کھال میں سما جانے والے سونے کے عوض میں خرید لی۔[۲]

امام حسن عسکری علیہ السّلام کی تفسیر میں روایت ہے کہ وہ پانچ سو ہزار (پانچ لاکھ) دینار تھے۔[۳]

فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ -

پھر انھوں نے اُسے ذبح کر ڈالا حالاں کہ وہ ایسا کرنے والے نہیں تھے۔ گائے کی زیادہ قیمت کے سبب انھوں نے ایسا نہ کرنے کا ارادہ کر لیا تھا لیکن وہ اپنی ضد، بحث نیز ان پر جو قتل کا الزام تھا اس کی وجہ سے مجبوراً گائے ذبح کرنے پر تیار ہو گئے۔

(۱) تفسیر امام عسکریؑ، ص ۲۷۷-۲۷۸ (۲) تفسیر قمی، ص ۵۰ ج ۱ (۳) تفسیر امام عسکریؑ، ص ۲۷۹

وَ اِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِیْهَا ؕ وَ اللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۷۲﴾ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ یُحْیِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَ یُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۳﴾

۷۲- اور یاد کرو جب تم نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا اور اس کے قاتل کے بارے میں جھگڑنے لگے۔اور اللہ نکال کر رہے گا جس بات کو تم چھپا رہے ہو۔

۷۳- پھر ہم نے کہا اس گائے کا کوئی ٹکڑا لے کر مقتول کے جسم پر مارو، دیکھو، اللہ اس طرح مردوں کو حیات بخشتا ہے اور تمھیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم سمجھو۔

۷۲- وَ اِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِیْهَا-

جب تم نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا پھر اس بارے میں اختلاف کرنے لگے یعنی تم لوگوں نے آپس میں اختلاف کیا اور ایک دوسرے پر قتل کا الزام عائد کرنے لگے اور خود اپنے آپ کو اور اپنے رشتے داروں کو اس سے بری قرار دینے لگے۔

وَ اللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ -

اور جن باتوں کو تم چھپا رہے تھے اللہ انھیں ظاہر کرنے والا تھا، یعنی تمھیں قاتل کا علم تھا جسے تم چھپا رہے تھے، اور حضرت موسیٰ پر سوالات کی بوچھار کر کے تم انھیں جھٹلانا چاہ رہے تھے اور تم یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ اللہ حضرت موسیٰ کو ان کے سوالوں کا جواب نہیں دے گا۔

۷۳- فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا-

ہم نے کہا کہ گائے کے ایک ٹکڑے سے مقتول کے جسم کو مارو۔

یعنی اللہ نے اُن لوگوں سے کہا کہ اس گائے کے ایک ٹکڑے سے مقتول کے مُردہ جسم کو ماریں تاکہ وہ زندہ ہو جائے اور اس کے بعد اس سے سوال کریں بتاؤ کس نے قتل کیا تھا؟ پس انھوں نے گائے کی دُم اٹھائی اور اس سے مقتول پر ضرب لگائی۔

''تفسیر عیاشی'' میں امام رضا علیہ السّلام سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں کسی بھی گائے کو ذبح کرنے کا حکم دیا تھا اور اُن کو صرف اُس کی دُم چاہیے تھی۔ جب انھوں نے اس معاملہ میں سخت رویہ اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ نے اُن پر اور سختی کر دی۔[1]

---

(۱) تفسیر عیاشی، ص ۷۴ ج ۱

"تفسیر قمی" کی روایت ہے کہ اس نے زندہ ہو کر کہا کہ مجھے میرے چچا زاد بھائیوں میں سے فلاں بن فلاں نے قتل کیا تھا اور وہی میری لاش یہاں لایا تھا۔۱

كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى-

"اسی طرح اللہ مردوں کو زندہ کرتا ہے۔"

دنیا اور آخرت دونوں میں اللہ تعالیٰ اسی طرح مردوں کو زندہ کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔ جس طرح دنیا میں مرد کا پانی عورت کے پانی سے ملتا ہے تو جو کچھ اصلاب و ارحام میں ہوتا ہے اللہ اُسے زندگی بخش دیتا ہے۔

اسی طرح آخرت میں جب صور پھونکا جائے گا تو کائنات کو حیات مل جائے گی۔

وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ-

"اور اللہ تمھیں اپنی قدرت کی نشانیاں دکھلاتا ہے۔"

یعنی اپنی توحید، حضرت موسیٰؑ کی نبوت اور تمام مخلوقات پر محمدؐ وآل محمدؐ کی فضیلت کو ظاہر کرکے ان نشانیوں کے علاوہ اللہ دوسری نشانیاں بھی دکھلا رہا ہے۔

لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ-

"تاکہ تم عقل سے کام لو۔"

یعنی تم سمجھو اور غور کرو کہ وہ اللہ ہی ہے جو اس قسم کے عجائب روزگار امور انجام دیتا ہے اور اپنی مخلوقات کو جو حکم دیتا ہے وہ حکمت پر مبنی ہوتا ہے اور اس نے محمد وآل محمد علیہم السّلام کو اسی لیے منتخب فرمایا کہ یہ ہستیاں صاحبانِ عقل میں سب سے افضل ہیں۔۲

"لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ" کا ایک مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ تمھاری عقل مکمل ہو جائے اور یہ جان لو کہ جو ذات ایک فرد کو زندہ کرنے پر قدرت رکھتی ہے وہ تمام نفوس کو زندگی عطا کر سکتی ہے۔۳

---

(۱) تفسیر قمی، ص ۵۰ ج ۱ (۲) تفسیر امام عسکریؑ، ص ۲۸۲-۲۸۳ (۳) بیضاوی، ص ۶۳ ج ۱

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾

---

۷۴ - پھر اس کے بعد تمھارے دل سخت ہو گئے۔ پتھروں کی طرح بلکہ ان سے بھی بڑھ کر سخت۔ اس لیے کہ پتھروں میں ایسے پتھر بھی ہیں جن سے نہریں جاری ہوتی ہیں، اور کوئی پتھر شگافتہ ہوتا ہے تو اس میں سے پانی نکل آتا ہے اور کوئی پتھر خوفِ خدا سے لرزہ براندام ہو کر گر پڑتا ہے اور اللہ تمھاری حرکتوں سے غافل نہیں ہے۔

---

۷۴ - ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ -

"پھر اس کے بعد تمھارے دل سخت ہو گئے۔"

اے یہودیو! حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے زمانے میں جو روشن نشانیاں ظاہر ہوئیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ذریعہ جن معجزات کا تم نے مشاہدہ کیا اس کے بعد بھی تمھارے دل خیر و رحمت کے لیے سخت ہو گئے، ان میں تازگی باقی نہ رہی اور وہ خشک ہو گئے۔

فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً -

"گویا وہ پتھر ہیں یا اُن سے بھی زیادہ سخت"

تو وہ ایسے خشک پتھر کی طرح ہو گئے جس سے نہ تو رطوبت نکلتی ہے اور نہ ہی کوئی ایسی چیز اُگتی ہے جس سے فائدہ حاصل کیا جا سکے۔ تم لوگ نہ تو حقوقِ خداوندی ادا کرتے ہو اور نہ ہی اپنے اموال اور مویشیوں میں سے کچھ بطورِ صدقہ دیتے ہو، نہ ہی نیکی کی قدر دانی اور سخاوت کرتے ہو اور نہ ہی مہمان نوازی، تم لوگ نہ تو کسی مظلوم کی فریاد رسی کرتے ہو اور نہ ہی انسانیت کی بھلائی کا کوئی کام انجام دیتے ہو۔

اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً - (یا اس سے بھی زیادہ سخت)

اللہ تعالیٰ نے پہلے تو ابہام کے انداز سے گفتگو کی پھر اُن پر واضح کر دیا کہ ان کے دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو گئے ہیں۔

وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ -

''اور بعض پتھر تو ایسے ہوتے ہیں جن سے نہریں جاری ہوتی ہیں۔'' یعنی وہ پتھر اولاد آدمؑ کے لیے خیر و برکت اور تر و تازگی لے کر آتا ہے۔

وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ -

''اور بعض پتھر ایسے ہوتے ہیں کہ شق ہو جاتے ہیں اور اُن میں سے پانی نکلنے لگتا ہے''

نہروں کے علاوہ ان پتھروں سے پانی ٹپکتا رہتا ہے لیکن تمھارے دل ایسے ہو گئے ہیں کہ ان سے خیر کی بالکل توقع نہیں ہے نہ کم نہ زیادہ۔

وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ -

''اور بعض پتھر ایسے ہیں جو خوفِ خدا سے گر پڑتے ہیں''

یعنی جب پتھروں کے سامنے اللہ کے نام اور اولیا اللہ محمدؐ، علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ، حسینؑ اور اُن کی پاک و پاکیزہ آل کی قسم کھائی گئی تو خوفِ الٰہی سے پتھروں میں بھی ارتعاش پیدا ہو گیا۔

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ -

''اور تمھارے کسی عمل سے اللہ غافل نہیں ہے۔''

بلکہ اللہ تعالیٰ ہر ایک عمل سے باخبر ہے اور وہ عدل کے مطابق تمھیں اس عمل کی جزا دے گا۔

اَفَتَطۡمَعُوۡنَ اَنۡ یُّؤۡمِنُوۡا لَکُمۡ وَ قَدۡ کَانَ فَرِیۡقٌ مِّنۡهُمۡ یَسۡمَعُوۡنَ کَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ یُحَرِّفُوۡنَهٗ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا عَقَلُوۡهُ وَهُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۷۵﴾

وَ اِذَا لَقُوا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قَالُوۡۤا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَا بَعۡضُهُمۡ اِلٰی بَعۡضٍ قَالُوۡۤا اَتُحَدِّثُوۡنَهُمۡ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَیۡکُمۡ لِیُحَآجُّوۡکُمۡ بِهٖ عِنۡدَ رَبِّکُمۡ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۷۶﴾

اَوَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ اَنَّ اللّٰهَ یَعۡلَمُ مَا یُسِرُّوۡنَ وَمَا یُعۡلِنُوۡنَ ﴿۷۷﴾

---

۷۵ - اے مومنو! کیا تم امید لگائے بیٹھے ہو کہ یہ تمھاری بات مان لیں گے حالاں کہ ان میں سے کچھ لوگ کلام خدا کو سنتے ہیں پھر اس کو سمجھ لینے کے بعد جان بوجھ کے اس میں تحریف کردیتے ہیں۔

۷۶ - اور جب یہ لوگ مومنین سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں اور جس وقت آپس میں ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ جو بات خدا نے تم پر ظاہر فرمائی ہے تم انھیں اس لیے بتادیتے ہو کہ وہ اس کے ذریعہ تم کو تمھارے پروردگار کے سامنے موردِ الزام ٹھہرائیں۔ کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟

۷۷ - کیا وہ نہیں جانتے ہیں کہ جو کچھ وہ چھپاتے ہیں یا جس بات کو ظاہر کرتے ہیں خدا کو وہ سب معلوم ہے؟

---

۷۵ - اَفَتَطۡمَعُوۡنَ اَنۡ یُّؤۡمِنُوۡا لَکُمۡ -

"مومنو! کیا تم امید رکھتے ہو کہ یہ تمھارے دین کے قائل ہوجائیں گے"

اے محمدؐ! آپ اور آپ کے اصحاب کیا یہ امید لگائے بیٹھے ہیں کہ یہ یہودی آپ حضرات کی بات مان کر صدقِ دل سے آپ کی تصدیق کریں گے۔

وَقَدۡ کَانَ فَرِیۡقٌ مِّنۡهُمۡ یَسۡمَعُوۡنَ کَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ یُحَرِّفُوۡنَهٗ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا عَقَلُوۡهُ وَهُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ -

"حالاں کہ اُن میں سے کچھ لوگ کلامِ خدا (توریت) کو سنتے ہیں پھر اس کو سمجھ لینے کے بعد جان بوجھ کر اس میں تحریف کردیتے ہیں۔

یعنی ان یہودیوں کے اسلاف (آباؤ اجداد) میں سے ایک گروہ نے طور سینا کے پہاڑ سے کلامِ خداوندی

اور اس کے اوامر و نواہی (جن کا حکم دیا گیا اور جن باتوں سے روکا گیا) کو سُنا تھا۔ پھر جب وہ اس کلام کو لے کر بنی اسرائیل کے پاس آئے جنھیں وہ اپنے پیچھے چھوڑ آئے تھے تو جو کچھ سنا تھا اسے سمجھنے کے بعد انھوں نے اس کلام میں تحریف اور تبدیلی کردی۔ حالاں کہ وہ جان رہے تھے کہ اپنے اس قول میں جھوٹے ہیں۔

ایک قول کے مطابق آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جب قوم کے منتخب اور سربرآوردہ افراد کا یہ حال ہے تو سوچو کہ احمقوں اور جاہلوں کا کیا حال ہوگا؟(۱)

۷۶ ۔ وَ اِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۔

''اور یہ لوگ جب مومنین سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں''

''الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا'' سے مراد سلمان، ابوذر اور مقداد جیسے افراد ہیں جب وہ لوگ ایسے مومنین سے ملتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ ہم تمھاری طرح ایمان لے آئے ہیں۔ اور حضرت محمدؐ کی توصیف کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے انھیں جن دلائل سے آگاہ کیا تھا مومنین کو اُن باتوں سے مطّلع کرتے ہیں۔

وَ اِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۔

''اور جس وقت آپس میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ جو بات خدا نے تم پر ظاہر فرمائی ہے کیا وہ تم اُن کو اس لیے بتائے دیتے ہو تا کہ وہ اس کے ذریعہ تمھارے پروردگار کے سامنے تمھیں موردِ الزام ٹھہرائیں کیا تم سمجھتے نہیں ہو''؟؟

یعنی جب وہ آپس میں ملاقات کرتے ہیں تو اُن کے بڑے لوگ اُن سے یہ کہتے ہیں ارے یہ تم نے کیا کیا؟ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمدؐ کی صداقت کے بارے میں جو واضح ثبوت تمھیں بتائے ہیں تم دوسروں کو بتائے دیتے ہو اور وہ لوگ اسی حوالے سے تمھارے رب کے سامنے تم پر الزام عائد کریں گے، ثبوت پیش کریں گے کہ تم تو اس بارے میں مکمّل معلومات رکھتے تھے اور تم نے نبی اکرمؐ کو دیکھا بھی تھا تو پھر ان پر ایمان کیوں نہیں لائے اور اُن کی اطاعت کیوں نہیں کی؟ اور وہ لوگ اپنی جہالت کے سبب یہ سمجھ رہے تھے کہ اگر وہ مومنین کو اِن باتوں سے آگاہ نہ کرتے تو مومنین کے پاس اُن لوگوں کے خلاف اس کے علاوہ کوئی حجّت نہ ہوتی۔

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۔

تم سمجھتے کیوں نہیں؟

یعنی اے یہودیو! تم جن باتوں سے مومنین کو آگاہ کررہے ہو وہی تمھارے رب کے سامنے تمھارے خلاف ایک طرح سے حجّت ہوگی۔

(۱) انوار التنزیل، ص ۶۴ ج ۱

۷۷-اَوَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ اَنَّ اللّٰہَ یَعۡلَمُ مَا یُسِرُّوۡنَ وَمَا یُعۡلِنُوۡنَ-

''کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ جو کچھ یہ چھپاتے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں خدا کو سب معلوم ہے؟ یعنی اپنے بھائیوں سے ''اَتُحَدِّثُوۡنَهُمۡ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَیۡکُمۡ'' کہنے والے کیا یہ نہیں جانتے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی عداوت کے بارے میں یہ لوگ جو کچھ چھپاتے ہیں اللہ اسے بخوبی جانتا ہے، ان کے ظاہری ایمان نے اُن کی بیخ کنی اور ان کے ساتھیوں کی ہلاکت سے محفوظ رکھا ہوا ہے؟

''وَمَا یُعۡلِنُوۡنَ'' اور یہ لوگ اپنے ایمان کو اس لیے ظاہر کرتے ہیں کہ مومنین سے انسیّت پیدا کریں اوراُن کے رازوں سے آشنا ہوں اور ان رازوں کو ایسے لوگوں کے سامنے افشا کردیں جن سے مومنین کو نقصان پہنچ جائے۔

وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتٰبَ إِلَّا أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿۷۸﴾
فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتٰبَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ
اللّٰهِ لِيَشْتَرُوا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيلًا فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ
لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُونَ ﴿۷۹﴾

۷۸- اور کچھ ان میں سے ایسے ان پڑھ ہیں کہ وہ کتاب خدا کو اپنے مطلب کی باتوں کے سوا کچھ نہیں سمجھتے اور وہ محض خیالی باتیں بناتے رہتے ہیں۔

۷۹- پس تباہی ہو اُن لوگوں کے لیے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں اور پھر یہ کہتے پھرتے ہیں کہ یہ تو اللہ کے پاس سے آئی ہے تاکہ اس کے معاوضے سے تھوڑا سا فائدہ حاصل کرلیں افسوس ہے اُن پر جو کچھ انھوں نے لکھا اور افسوس ہے اُن پر جو کچھ انھوں نے کمایا۔

۷۸- وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتٰبَ إِلَّا أَمَانِيَّ-

اور اُن (یہودیوں) میں سے بعض ان پڑھ ہیں کہ وہ کتاب کو اپنے باطل خیالات کے سوا کچھ نہیں جانتے۔

أُمِّيُّونَ کے معنی ہیں جو نہ کتاب پڑھتے ہیں اور نہ ہی لکھتے ہیں۔ اُمّی اُم کی طرف منسوب ہے یعنی وہ ایسا ہے جیسا شکم مادر سے باہر آیا تھا نہ پڑھتا تھا نہ لکھتا تھا۔ وہ نہ تو آسمان سے نازل شدہ کتاب کے بارے میں جانتے ہیں اور نہ ہی انھیں اس کتاب کے جھٹلانے والے کا علم ہے اور انھیں ان دونوں کا فرق بھی نہیں معلوم۔ مگر یہ کہ ان کی خواہش کے مطابق انھیں پڑھ کر سنایا جائے اور انھیں بتایا جائے کہ یہ اللہ کی کتاب اور اس کا کلام ہے اور کتاب کی جو بات پڑھی جارہی ہے اگر ان کے خلاف ہے تو وہ اس سے بھی بے خبر ہیں۔

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ یہ استثنا منقطع ہے یعنی وہ لوگ صرف اپنی آرزوؤں پر قدرت رکھتے ہیں، اور ان کا یہ عمل توریت میں تحریف کرنے والوں کی تقلید کے طور پر ہے اور یہی اُن کا اعتقاد بھی ہے اور انھیں نہیں معلوم کہ جو کچھ توریت میں ہے یہ اُس کے خلاف ہے۔

وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ-

وہ صرف ظن سے کام لیتے ہیں

یعنی وہ اپنے رہنماؤں کی پیروی کررہے ہیں حالاں کہ اُن کی پیروی کو ان کے لیے حرام قرار دیا گیا تھا۔

امامِ جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ کسی نے امام سے سوال کیا کہ یہودی عوام کتاب کا اتنا ہی علم رکھتے ہیں جتنا انھوں نے اپنے علما سے سُنا ہے اس کے علاوہ اُن کے پاس علم کتاب حاصل کرنے کا کوئی اور ذریعہ نہیں ہے تو پھر خداوندعالم نے انھیں ان کے علما کی پیروی اور اُن کی باتوں کو تسلیم کرنے کی مذمّت کیوں کی ہے؟

امام علیہ السّلام نے فرمایا کہ یہودی جانتے ہیں اُن کے علما جھوٹ بولتے ہیں، حرام کھاتے ہیں، رشوت لیتے ہیں، اور احکام میں سفارش، نوازش، اور خوشامد سے تبدیلیاں کردیتے ہیں۔ اور یہودی یہ بھی جانتے ہیں کہ اُن کے علما شدید تعصّب کا شکار ہیں اس لیے انھوں نے اپنے دین کو سب سے الگ کر رکھا ہے اور اُن کے تعصّب کا یہ عالم ہے کہ جس کے خلاف تعصّب کرتے ہیں اس کا حق چھین کر جو اس کا مستحق نہیں ہوتا اسے دے دیتے ہیں اس طرح وہ دوسروں پر ظلم ڈھاتے اور فعلِ حرام کا ارتکاب بھی کرتے ہیں۔ اور اپنے پسندیدہ افراد کی شناخت کے لیے یہ بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی اُن کی طرح عمل کرے تو وہ اُسے فاسق سمجھیں۔ عام لوگوں کو اجازت نہیں ہے کہ وہ اللہ کے نام پر یا اس کے وسیلوں کے نام پر جو اللہ اور مخلوقات کے درمیان وسیلہ ہیں کوئی صدقہ دے سکے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان یہودیوں کی مذمّت کی ہے کہ انھوں نے جانتے بوجھتے ہوئے اپنے علما کی پیروی کی ہے، انھیں معلوم ہے کہ ایسے علما کی بات کو قبول کرنا اور اُن کی داستانوں کی تصدیق کرنا، اور جو باتیں اُن کے ذریعہ پہنچتی ہیں جن کا انھوں نے مشاہدہ نہیں کیا ہے، ان پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔ تو انھیں چاہیے کہ رسولؐ اللہ کے معاملے میں اپنے اوپر غور کریں۔ کیوں کہ ان کے دلائل واضح، روشن اور ظاہر و باہر ہیں۔ اور یہی حال ہماری امّت کے عوام کا ہے، جب انھوں نے اپنے فقہا کے ظاہری فسق، سخت تعصّب کو اور انھیں دنیاوی سازوسامان اور مالِ حرام پر کتوں کی طرح جھپٹتے دیکھا ہے کہ وہ لوگ جس کے خلاف تعصّب کرتے ہیں اسے ہلاک کردیتے ہیں حالاں کہ اصلاحِ امر کی وجہ سے وہ اچھے برتاؤ کا حق دار تھا اور جس کی خاطر تعصّب سے کام لیا ہے اس سے نیکی اور احسان کا سلوک کرتے ہیں جب کہ وہ تذلیل اور توہین کا مستحق تھا۔ تو ہمارے عوام میں سے جس نے ایسے علما کی پیروی کی وہ یہودیوں کی مانند ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فاسق فقہا کی پیروی کے سبب جن کی مذمّت کی ہے۔ لیکن فقہا میں سے جو اپنے نفس کا بچانے والا، دین کی حفاظت کرنے والا، خواہشات کا مخالف، اور امرِ الٰہی کا اطاعت گذار ہو تو عوام کو چاہیے کہ ایسے فقیہ کی تقلید کریں۔ فقہا شیعہ میں سے ہر ایک نہیں بلکہ صرف چند افراد اس معیار پر پورے اتریں گے۔ [1]

۷۹ – فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۖ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ –

تو ایسے لوگوں کے لیے وَیل ہے جو اپنے ہاتھ سے کتاب لکھتے ہیں پھر یہ کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کی جانب

(۱) تفسیر امام عسکریؑ ص ۲۹۹ – ۳۰۰

سے آئی ہے۔

''وَیل'' کے معنیٰ ہیں جہنّم کے سب سے بڑے طبقے میں شدید عذاب۔

''یَکْتُبُوْنَ الْکِتٰبَ'' کے معنیٰ ہیں کہ وہ توریت کے احکام کو تبدیل کر دیتے ہیں اور اپنی طرف سے لکھ کر یہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ انھوں نے کچھ اوصاف تحریر کیے اور یہ سمجھ بیٹھے کہ یہ نبی اکرمؐ کے اوصاف ہیں جب کہ یہ اوصاف اُن کی حقیقی صفات سے مختلف تھے۔ اور ان لوگوں نے ''مستضعفین'' کمزور افراد سے یہ کہا کہ یہ آخری زمانے میں مبعوث ہونے والے نبی کی صفتیں ہیں کہ وہ طویل القامت عظیم الجثہ موٹے تازے اور سرخی مائل بالوں والے ہوں گے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا حُلیۂ مبارک اس کے برعکس تھا، اور یہ بھی کہا تھا کہ وہ اب سے پانچ سو سال بعد آئیں گے۔[۱]

لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ فَوَيْلٌ لَّھُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّھُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ۔

تاکہ اس کے عوض تھوڑی سی قیمت (دنیوی منفعت) حاصل کریں اُن پر افسوس ہے اس لیے کہ انھوں نے یہ بے اصل باتیں لکھیں اور افسوس ہے اُن پر جو کچھ انھوں نے کمایا۔

یعنی انھوں نے کتاب میں تحریف اس لیے کی تاکہ تھوڑی سی دنیوی منفعت حاصل کرلیں اور کمزور رائے رکھنے والے افراد پر اُن کی اجارے داری باقی رہے اس طرح وہ اپنے مقاصد حاصل کرنے میں کامیاب ہوجائیں اور آں حضرتؐ کی خدمت میں باریابی سے دُور رہیں۔ دومرتبہ لفظ ویل لاکر عذاب کی شدّت کو واضح کیا کہ ان پر یکے بعد دیگرے عذاب ہوگا اس لیے کہ انھوں نے اپنے عوام کو کفر پر باقی رکھ کر یہ دولت کمائی ہے۔

(۱) تفسیر امام عسکریؑ ص ۳۰۲

وَ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَةً ؕ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ یُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗۤ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۰﴾

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَیِّئَةً وَّ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِیْٓـَٔتُهٗ فَاُولٰٓىٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۱﴾

وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓىٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع

ع ۹ ۱۱ ۹

۸۰- اور وہ یہ کہتے ہیں کہ جہنّم کی آگ ہمیں ہرگز چھونے والی نہیں ہے مگر یہ کہ چند روز کی سزا مل جائے۔ ان سے پوچھو کیا تم نے اللہ سے کوئی عہد لے رکھا ہے کہ اللہ اپنے عہد کی ہرگز خلاف ورزی نہیں کر سکتا۔ یا تم اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کہہ رہے ہو جس کا تمھیں علم ہی نہیں۔

۸۱- ہاں جنھوں نے برائی کا ارتکاب کیا اور ان کے گناہوں نے انھیں ہر طرف سے گھیر لیا تو ایسے ہی لوگ دوزخی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

۸۲- اور جو لوگ ایمان لائے اور اعمال صالحہ بجالائے تو وہ جنّتی ہیں اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

۸۰- وَ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَةً-

اور وہ کہتے ہیں کہ جہنّم کی آگ ہمیں چند روز کے سوا چھو ہی نہیں سکے گی اُن کے رشتے داروں نے جب اُن سے کہا کہ تم جانتے ہو کہ تم غلط کام کر رہے ہو اور عذاب خداوندی میں گرفتار ہو جاؤ گے پھر یہ منافقت کیوں کر رہے ہو تو اُن یہودیوں نے جواب دیا اس لیے کہ اس گناہ کی پاداش میں ہم پر جو عذاب ہوگا اس کی مدّت محدود ہو گی یعنی جتنے عرصے کے لیے ہم نے بچھڑے کو پوجا تھا، اس مدّت کے ختم ہوتے ہی ہم جنّت کی نعمتوں سے مستفیض ہو جائیں گے۔ ہم اس عذاب کے سبب اپنی دنیا کو ناخوش گوار کیوں بنائیں جو ہماری معصیت کے دنوں کے برابر ہوگا، کیوں کہ یہ مدّت فنا ہو جائے گی اور گزر جائے گی۔ ہم اس خدمت کے سبب آزادی کی لذت اور دنیاوی نعمتوں کا لطف اٹھا رہے ہیں، ہمیں اس کی کوئی پروا نہیں کہ بعد میں ہم کسی عذاب میں گرفتار ہونے والے ہیں اس لیے کہ وہ دائمی نہیں ہوگا وہ تو ایسا ہی ہے جیسے کہ وہ ہوا ہی نہیں تھا۔

قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ –

”آپ اُن سے دریافت کیجیے کیا تم نے خدا سے اقرار لے رکھا ہے کہ وہ اپنے قول کی خلاف ورزی نہیں کرے گا یا تم اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کہہ رہے ہو جس کا تمھیں مطلق علم نہیں۔“

اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) آپ ان یہودیوں سے یہ تو پوچھیے کہ کیا تم نے خداوند عالم سے کوئی ایسا معاہدہ کر رکھا ہے کہ تمھارے کفر کے باوجود تمھارا عذاب دائمی نہیں ہوگا اور ختم ہو جائے گا یا تم اپنی جانب سے ایسی من گھڑت بات کہہ رہے ہو تمھارے یہ دونوں دعوے جھوٹے ہیں تم پر ایسا عذاب آئے گا جو دائمی اور کبھی ختم نہ ہونے والا ہوگا۔ [۱]

۸۱ – بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ –

ہاں جو بُرا کام کرے اور اس کے گناہ اسے ہر طرف سے گھیر لیں۔

خَطِيْٓئَتُهٗ واحد ہے اُسے بصورت جمع خَطِيْٓئَاتُهٗ بھی پڑھا گیا ہے یعنی: غلطیاں۔ کہا گیا ہے کہ اَحاطت کے معنی ہیں اس پر غالب آ گیا، اُس کے جملہ امور پر اس طرح مشتمل ہوا، گویا اس کا اس طرح احاطہ کر لیا ہے کہ اس کے اطراف سے کوئی شے خارج نہیں ہو سکتی۔ [۲]

امام حسن عسکری علیہ السّلام کی تفسیر میں ہے کہ برائی نے اس لیے گھیر رکھا ہے کہ اُسے دینِ خداوندی سے مکمّل طور پر خارج کر دے اور ولایتِ خداوندی سے دُور کر دے، اور اسے اللہ تعالٰی کی ناراضی سے امان میسّر نہ ہو جو اللہ تعالٰی سے شرک اور اس کی وحدانیت کا انکار، آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی نبوت اور حضرت علیؑ اور اُن کے جانشینوں کی ولایت کو تسلیم نہ کرنا ہے۔ یہ تمام برائیاں اس کا احاطہ کیے ہوئے ہیں یعنی اس کے اعمال پر محیط ہیں، ان اعمال کو باطل کر دیتی اور انھیں مٹا دیتی ہیں۔ [۳]

کہا گیا ہے کہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ جو شخص کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور تیشۂ توبہ سے اس کا قلع قمع نہیں کرتا تو یہ گناہ اُسے اِس جیسے دوسرے گناہ کے ارتکاب پر آمادہ کرتا ہے بلکہ گناہانِ کبیرہ تک پہنچا دیتا ہے، یہاں تک کہ ایسے شخص پر مکمل طور سے گناہوں کا غلبہ ہو جاتا ہے اور وہ گناہ اس کے دل پر قبضہ کر لیتے ہیں، اور یہ شخص تقاضائے طبیعت کے مطابق گناہوں کی جانب مائل ہو جاتا ہے اور ان گناہوں کو نیکیاں تصور کرنے لگتا ہے، یہ عقیدہ راسخ ہو جاتا ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی اور لذّت نہیں، اگر کوئی اسے گناہوں سے روکے تو اس سے ناراض ہو جاتا ہے، نصیحت کرنے والوں کو جھٹلا دیتا ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے:

ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓاٰى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝

(۱۰/روم ۳۰)

---

(۱) تفسیر امام عسکریؑ ص۔ ۳۰۳۔۳۰۴ (۲) بیضاوی، ص ۶۶ ج ۱ (۳) تفسیر امام عسکریؑ، ص ۳۰۴۔۳۰۵

پھر جن لوگوں نے برائی کی اُن کا انجام بھی برا ہوا۔ اس لیے کہ وہ اللہ کی آیتوں کو جھٹلاتے اور اُن کی ہنسی اڑایا کرتے تھے۔[۱]

فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔

تو ایسے لوگ دوزخی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ جلتے رہیں گے۔

یعنی جن لوگوں نے اس قسم کے گناہوں کا ارتکاب کیا ہے جو انھیں گھیرے ہوئے ہیں ایسے ہی لوگ دوزخ میں جانے والے ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے عذاب میں مبتلا رہیں گے۔

کتاب کافی میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ اُن کی نیت دنیاوی زندگی میں یہ تھی کہ اگر انھیں دائمی زندگی مل جائے تو وہ اس میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کریں گے اُن کی اس نیت کی وجہ سے انھیں دائمی جہنّم دیا گیا۔[۲]

اور کتابِ توحید میں امام موسیٰ الکاظم علیہ السّلام سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ سوائے کفّار، منافقین، گمراہ اور مشرک کے کسی اور کو دائمی جہنّم میں نہیں رکھے گا۔[۳]

۸۲ – وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔

اور جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح بجالائے تو وہ جنّتی ہیں اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

(۱) بیضاوی تفسیر انوار التنزیل ج ۱ ص ۶۶ (۲) الکافی، ص ۸۵ ج ۲ (۳) التوحید، ص ۴۰۷

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ قف وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ ذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ط ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَ اَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾

۸۳- اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ ''تم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا، ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، قرابت داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ بھلائی کرتے رہنا اور لوگوں سے اچھی باتیں کہنا۔ نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دیتے رہنا، تو چند افراد کے سوا تم سب نے اس عہد سے روگردانی کی اور اب تک پھرے ہوئے ہو۔

۸۳- وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ-

اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ ''تم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا۔

اے بنی اسرائیل تم یاد کرو اس وقت کو جب ہم نے اولاد اسرائیل سے (جو تمھارے باپ دادا تھے) یہ عہد لیا تھا جس کی بہت زیادہ تاکید کی گئی تھی کہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا۔

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ یہ عہد اُن کی اولاد میں جاری ہے جو عہد بعہد اُن کے اسلاف سے اُن تک پہنچا ہے اور اس عہد کا سلسلہ اس امّت میں بھی جاری و ساری ہے جس کا بیان ''ذی القربیٰ'' کے ذیل میں آئے گا۔

بنی اسرائیل سے جو عہد لیا گیا تھا اُن میں سے یہ ہے کہ:

۱- اللہ تعالیٰ کو کسی مخلوق سے تشبیہ نہ دیں گے۔

۲- اس کے احکام میں ظلم کو روا نہ رکھیں گے۔

۳- اور ایسا کوئی کام نہ کریں گے جو اللہ کے نام پر ہو اور اس سے مراد کسی اور کو لیا جائے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:

اگر کوئی شخص عبادت الٰہی میں منہمک ہو کر اپنا سوال فراموش کر دے گا تو اللہ تعالیٰ اسے دیگر سوال کرنے والوں سے افضل اجر عطا کرے گا۔ [1]

امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ: بندۂ مومن کے لیے سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ اس کے

(۱) تفسیر امام عسکریؑ، ص ۳۲۷

دل میں اللہ کے ساتھ غیرُ اللّٰہ کا تصور نہ ہو۔[۱]

وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا-

اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔

اللہ تعالیٰ نے معاہدہ کی ایک اورشق بیان کی وہ یہ کہ والدین کے ساتھ احسان کریں یعنی اُن پر اس طرح احسان کرو کہ ان کے انعامات اور احسانات کا بدلہ ہوجائے یعنی زحمتیں برداشت کر کے بھی اُن کی آسائش کے سامان فراہم کرو۔

کتاب کافی میں روایت ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السّلام سے سوال کیا گیا کہ اس ''احسان'' سے کیا مراد ہے تو امام نے فرمایا کہ اُن سے اچھا برتاؤ کرو، اگر وہ تمھارے محتاج نہ بھی ہوں پھر بھی اگر وہ کسی چیز کی ضرورت محسوس کریں تو انھیں بن مانگے فوراً وہ چیز مہیّا کردو اور انھیں زحمتِ سوال نہ دو۔کیا اللہ تعالیٰ نے ارشاد نہیں فرمایا؟

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ- (۹۲ آل عمران ۳) [۲]

تم ہرگز ''بِر'' نیکی کو پا نہیں سکتے جب تک اپنی محبوب ترین چیز اللہ کی راہ میں خرچ نہ کردو۔

تفسیر امام حسن عسکری علیہ السّلام میں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ تمھارے سب سے زیادہ صاحبِ فضلیت باپ اور تمھارے شکر کے سب سے زیادہ حقدار حضرت محمدؐ اور حضرت علیؑ ہیں۔

حضرت علی علیہ السّلام نے فرمایا میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ میں اور علیؑ دونوں اس امّت کے باپ ہیں ہمارا حق اُمّتیوں پر اُن کے جنم دینے والوں یعنی والدین سے زیادہ ہے۔ اگر یہ لوگ ہماری اطاعت کریں گے تو ہم انھیں جہنّم کی آگ سے نجات دلا کر دارقرار (جنت) کی طرف لے جائیں گے اور اللہ کی بندگی کے سبب ہم انھیں منتخبِ روزگار اور آزاد افراد کی صف سے مُلحق کردیں گے۔ [۳]

میں (فیض کاشانی) کہتاہوں اسی (اُبُوّت) پدری رشتے کے سبب تمام مومنین ایک دوسرے کے بھائی ہیں جیسا کہ ارشاد باری ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ- (الحجرات ۴۹، آیت ۱۰)

بلاشبہہ جملہ مومنین ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔

وَّ ذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا -

قرابت داروں، تیموں اور مسکینوں کے ساتھ بھلائی کرتے رہنا اور لوگوں سے اچھی گفتگو کرنا ''ذِی

(۱) تفسیر امام عسکریؑ ص ۳۲۸ (۲) الکافی ص ۱۵۷ ج ۲ (۳) تفسیر امام عسکریؑ ص ۳۳۰

القُربیٰ" جولوگ والدین کے رشتے دار ہوں ان پر دووجہوں سے بھلائی کرو ایک یہ کہ انھیں تمھارے والدین سے قرابت ہے دوسرے یہ کہ وہ خود بھی صاحبِ شرف ومنزلت ہیں۔

اور یہ بھی فرمایا کہ ذی القربیٰ سے وہ تمام رشتے دار مراد ہیں جو تمھارے ماں باپ کی جانب سے ہوں، تمھیں حکم دیا گیا ہے کہ ان کے حق کو پہچانو! ایسا ہی عہد و پیمان بنی اسرائیل سے لیا گیا تھا اور اے امّتِ محمدؐ اب تم سے یہ عہد لیا جارہا ہے کہ حضرت محمدؐ کے قرابت داروں کی معرفت حاصل کرو جن سے مراد آئمّہ طاہرینؑ اور اُن کا اتّباع کرنے والے اصحابِ اَخیار ہیں۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ جو اپنے والدین کے قرابت داروں کے حقوق کی پاس داری کرے گا اسے جنت میں ہزار ہزار درجات عطا ہوں گے اس کے بعد آں حضرتؐ نے درجات کی توضیح کی اور پھر فرمایا کہ جو بھی محمدؐ اور علیؑ کے قرابت داروں (ساداتِ کرام) کے حقوق کو ملحوظ رکھے گا اُس کے درجات کو بڑھا دیا جائے گا اور اسے اتنا زیادہ ثواب ملے گا جتنی زیادہ فضیلت حضرت محمدؐ اور حضرت علیؑ کو اس کے نسبی والدین پر حاصل ہے۔ ۱؎

"یَتَامیٰ" یتیم کی جمع۔ اس سے مراد وہ افراد ہیں جن کے والدین کا سایہ سر سے اُٹھ چکا ہے، جو ان کے امور کی کفالت کیا کرتے تھے، ان کے نان ونفقہ اور جملہ معاشی ضروریات کا اہتمام کیا کرتے تھے۔

امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا یتیم سے مراد ایسا ناتواں اور بے سہارا شخص (بھی) ہے جس کی رسائی امام تک نہیں ہے۔ اور روز مرّہ پیش آنے والے شرعی مسائل کے بارے میں یہ نہیں جانتا کہ اس مسئلہ میں اُمام کا کیا حکم ہے۔

آگاہ ہو جاؤ کہ ایسا جاہل شخص جو نہ ہم تک رسائی رکھتا ہو اور نہ ہی اُسے ہماری شریعت سے آشنائی ہو، ایسے یتیم کے لیے ہمارے علوم کا جاننے والا شیعہ ایک آغوش (پناہ) کی مانند ہے۔

یاد رکھو جو بھی ایسے شخص کی رہنمائی کرے گا اور اُسے ہماری شریعت سے آگاہی عطا کرے گا تو وہ جنّت میں ہمارے ساتھ ہوگا۔ اس حدیث کو بیان کیا مجھ سے میرے والدین نے (جنھوں نے سنا) اپنے آباؤ اجداد سے اور انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے۔ ۲؎

"المساکین" مسکین کی جمع ہے یعنی وہ شخص پریشانیوں اور احتیاج نے جس کی فعّالیت کو ختم کرکے اُسے بے حس وحرکت بنادیا ہو۔

اور فرمایا جو شخص بھی اپنی بچت سے اُن کی خبر گیری کرے گا خداوند عالم اپنی جنّت کو اس کے لیے کشادہ کردے گا۔ امام حسن عسکری علیہ السّلام نے فرمایا کہ عام محتاج مسکینوں کے علاوہ حضرت محمدؐ (اور علیؑ) سے

---

(۱) تفسیر امام عسکریؑ، ص ۳۳۳۔ ۳۳۴ (۲) تفسیر امام عسکریؑ، ص ۳۳۹

محبت کرنے والے مسکینوں کا ایک گروہ ہے ان کی معاونت و نصرت عام مساکین کی بہ نسبت زیادہ افضل ہے۔اس لیے کہ ان میں اتنی طاقت وقدرت نہیں جو اُن دشمنانِ خدا کا مقابلہ کرسکیں جو اِن کے دین کا مذاق اڑاتے اور انھیں احمق گردانتے ہیں۔مگر جو بھی اپنے علم و دانش سے انھیں تقویت دے کر ان کی بے چارگی کو رفع کردے ، پھر انھیں ان کے ظاہری دشمنوں جیسے نواصب وغیرہ پر غلبہ دلا دے اور ان کے باطنی دشمن شیطان اور ان کے چیلوں پر غالب کرادے تاکہ یہ مساکین ان دشمنانِ دین کو شکست دے دیں اور آلِ رسولؐ کے دوستوں سے اُن دشمنوں کو دور ہٹادیں تو اس طرح اللہ تعالیٰ اس مسکنت اور بے چارگی کا رُخ ان کے شیطانوں کی جانب موڑ دے گا اور وہ ان افراد کو گمراہ کرنے سے قاصر اور عاجز رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کی زبانی ایسے فیصلوں کو برحق قرار دیا ہے۔ [۱]

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا -

یعنی جن افراد کی ذمّے داری اور کفالت تمھارے ذمّے نہیں ہے تمھیں چاہیے کہ ایسے افراد سے بھی نرم لہجے میں گفتگو کرو اور بہترین اخلاق سے پیش آؤ۔

امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ ہر فردِ بشر سے اچھے انداز میں گفتگو کرو خواہ وہ مومن ہو یا مخالف۔مومنین سے خندہ پیشانی سے ملو اور مخالفین سے اچھے لہجے میں گفتگو کرو تاکہ انھیں ایمان کے قریب لے آؤ اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو کم از کم ان کے شر کو اپنے آپ سے اور برادرانِ ایمانی سے دور رکھو۔ [۲]

اُس کے بعد امام علیہ السّلام نے فرمایا دشمنانِ خدا سے مدارات کرنا اپنے نفس کے لیے اور برادرانِ ایمانی کے لیے بہترین صدقہ ہے۔ایک مرتبہ کا ذکر ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اپنے کاشانۂ رحمت میں تشریف رکھتے تھے کہ اتنے میں عبداللہ بن ابی بن سلول (جو منافق تھا) نے باریابی کی اجازت طلب کی تو آں حضرتؐ نے فرمایا کہ یہ قبیلہ کا بدترین بھائی ہے۔اسے اندر آنے کی اجازت دے دو جب وہ گھر میں داخل ہوا تو آں حضرتؐ نے اسے بٹھلایا اور خندہ پیشانی سے اس سے گفتگو فرمائی جب وہ رخصت ہو گیا تو حضرت عائشہ نے فرمایا کہ یا رسولؐ اللہ آپ نے اِس کے لیے فرمایا کچھ اور تھا اور آپ کا سلوک اس سے مختلف تھا تو آں حضرتؐ نے فرمایا اے حُمیرا قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے بُرا شخص وہ ہوگا جس کے شر سے بچنے کے لیے اس کی تکریم کی جائے۔ [۳]

کتاب کافی اور تفسیر عیاشی میں امام باقر علیہ السّلام سے آیتِ ''وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا'' کے ذیل میں یہ روایت ہے کہ تم دوسرے لوگوں سے زیادہ بہتر انداز میں گفتگو کرو اگر یہ چاہتے ہو کہ تم سے بہتر انداز میں بات کی جائے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ لعنت کرنے والوں ، گالی دینے والوں ،مومنین پر طعنہ زنی کرنے والوں

---

(۱) تفسیر امام عسکریؑ ص ۳۴۶ (۲) تفسیر امام عسکریؑ ص ۳۵۳ ـ ۳۵۴ (۳) تفسیر امام عسکریؑ ص ۳۵۴

،منہ پھٹ (یاوہ گو) اور لوگوں سے جھوٹی گواہی طلب کرنے والوں کو ناپسند فرماتا ہے اور باحیا، حلیم، متواضع اور پاک دامن افراد کو پسند فرماتا ہے۔ ۱

کتابِ کافی میں امام صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ کسی شے کی حقیقت کے بارے میں جب تک تمھیں کوئی علم نہ ہو اس کے متعلق سوائے کلمۂ خیر کے کچھ نہ کہو۔ ۲

کتابِ کافی، تہذیب اور خصال میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے اور تفسیر عیاشی میں امام باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ یہ آیت ذمّیوں، (وہ کافر جن کا مسلمانوں سے جنگ بندی کا معاہدہ ہے) کے بارے میں نازل ہوئی پھر کفار حربی کے لیے نازل ہونے والی آیت: (قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ لَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ لَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ) کے ذریعہ اس آیت کو منسوخ کر دیا۔ (۲۹ توبہ ۹)

(اہلِ کتاب میں سے جو لوگ اللہ پر، اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے، اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جنھیں اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے اور نہ ہی دینِ حق کو قبول کرتے ہیں تو اُن سے جنگ کرو یہاں تک کہ ذلیل ہو کر وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دینے لگیں) ۳

تفسیر قمی میں ہے کہ آیت یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی پھر اسے اللہ تعالیٰ کے اس قول: (فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَ خُذُوْهُمْ وَ احْصُرُوْهُمْ وَ اقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ) نے منسوخ کر دیا۔ (۵ توبہ ۹)

(پس جب محترم مہینے گزر جائیں تو مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کر دو، پکڑ لو، گھیر لو اور ہر گھات کی جگہ پر اُن کی تاک میں بیٹھے رہو، پھر اگر وہ توبہ کر لیں، نماز پڑھنے اور زکوۃ دینے لگیں تو اُن کی راہ چھوڑ دو بے شک خدا بخشنے والا اور مہربان ہے)۔ ۴

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ – اور تم نماز قائم کرو

یعنی ایسی نماز جس میں رکوع و سجود مکمّل طور سے ادا کیے جائیں، وقت کی پابندی کا خیال رکھا جائے، اور نماز کے جملہ حقوق ادا کیے جائیں جن کو ادا کیے بغیر ربّ الخلائق اس نماز کو قبول نہ کرے گا کیا تم ان حقوق کے بارے میں جانتے ہو؟ وہ حقوق یہ ہیں کہ نماز کو محمدؐ وآلِ محمدؐ پر درود سے ملحق کیا جائے اس عقیدے کے ساتھ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ افراد میں سب سے افضل ہیں، وہ حقوق اللہ کے قائم کرنے والے اور دینِ خداوندی کے ناصر ہیں۔

---

(۱) الکافی، ص ۱۶۵ ج ۲ / تفسیر عیاشی، ص ۴۸ ج ۱ (۲) الکافی، ص ۱۶۴ ج ۲ (۳) الکافی، ص ۱۰ ج ۵ / تہذیب الاحکام، ص ۱۳۶ ج ۶ الخصال، ص ۲۷۵ / تفسیر عیاشی، ص ۴۸ ج ۱ (۴) تفسیر قمی، ص ۵۰ ج ۱

وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ-

اورزکوٰۃ دیتے رہو خواہ وہ زکوٰۃ مال کی ہو، عزّت و جاہ کی ہو یا قوتِ بدن سے اس کا تعلق ہو۔

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَ اَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ-

تو چند افراد کے سوا تم سب نے اس عہد سے منہ پھیر لیا اور روگردانی کی۔

لیکن اے یہودیو! اسلاف سے جو عہد تم تک پہنچا تھا تم نے اس عہد کو چھوڑ دیا اور اس سے روگردانی کر لی اور اس عہد سے منحرف ہو گئے سوائے چند افراد کے کوئی بھی اس عہد پر باقی نہ رہا۔

''مُّعْرِضُوْنَ'' کے معنیٰ ہیں اعراض کرنا، چھوڑ دینا اور اس سے غافل ہو جانا۔

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَ لَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ
مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۸۴﴾
ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ
دِيَارِهِمْ ز تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ط وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى
تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ط اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ
وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ج فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ج وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ط وَ مَا اللّٰهُ
بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۵﴾
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ز فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ
الْعَذَابُ وَ لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۸۶﴾ ع ۱۰

۸۴- اور یاد کرو جب ہم نے تم سے عہد لیا تھا کہ آپس میں ایک دوسرے کا خون نہ بہانا اور نہ اپنے لوگوں کو شہر بدر کرنا تو تم نے اس کا اقرار کر لیا تھا اور تم اس بات کے گواہ بھی ہو۔

۸۵- پھر تم وہی ہو جو اپنے بھائی بندوں کو قتل کرتے ہو اور اپنے میں سے ایک گروہ کو علاقہ سے باہر نکال دیتے ہو، ظلم و زیادتی کے ساتھ ان کے خلاف گروہ بندی کرتے ہو اور اگر وہی لوگ قیدی بن کر تمھارے پاس مدد مانگنے آتے ہیں تو اُن کو فدیہ دے کر چھڑا بھی لیتے ہو حالاں کہ اُن کا نکالنا ہی تم پر حرام تھا۔ تو کیا تم کتاب کے ایک حصّے پر ایمان لاتے ہو اور دوسرے حصّے سے انکار کرتے ہو۔ تم میں سے جو ایسا کریں اُن کے لیے دنیاوی زندگی میں رسوائی کے سوا اور کیا ہے اور قیامت کے دن وہ شدید ترین عذاب کی جانب پھیر دیے جائیں گے اور جو تمھارے کرتوت ہیں اللہ اُن سے بے خبر نہیں ہے۔

۸۶- یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے آخرت کے بدلے میں دنیاوی زندگی کو خرید لیا ہے، نہ تو ان کے عذاب میں کمی ہوگی اور نہ ہی اُن کی کوئی مدد کی جائے گی۔

۸۴- وَ اِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ-

اور یاد کرو جب ہم نے تم سے عہد لیا۔

اے بنی اسرائیل یاد کرو جب تمھارے اسلاف سے اور اَخلاف (ان کی اولاد، بعد میں آنے والے) سے جن جن تک یہ پیغام پہنچا جن میں سے تم بھی ہو ہم نے عہد و پیان لیا تھا:

لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ۔

کہ آپس میں کشت وخون نہ کرنا اور اپنے نفوس کو ان کے وطن سے نہ نکالنا تو تم نے اس کا اقرار کر لیا اور تم اس بات کے گواہ بھی ہو۔

اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ عہد و پیان لیا تھا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کا خون نہ بہائیں گے اور نہ ہی کسی کو بے وطن اور بے گھر کریں گے۔ ان لوگوں نے اس پیان کا اقرار کیا تھا جس طرح ان کے اسلاف نے کیا تھا اور اسے اپنے اوپر لازم قرار دیا تھا جس طرح ان کے آباؤ اجداد نے اپنے اوپر لازم گردانا تھا اور بنی اسرائیل اپنے اسلاف اور اپنے نفوس پر گواہ تھے کہ انھوں نے یہ اقرار کیا تھا۔

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ۔

پھر اس عہد و پیان کے بعد اے یہودیو! تم ہی وہ لوگ ہو جنھوں نے اس میثاق کی کوئی پرواہ نہ کی اور باہمی کشت وخون اور قتل و غارت گری کا آغاز کر دیا اور تم ہی نے غضبناک ہو کر جبراً اور قہراً ایک فریق کو وطن سے باہر نکالنا شروع کر دیا۔

تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔

اور گناہ وتعدّی میں تم ظالموں کی مدد کرنے لگے۔

یعنی تم نے ایک دوسرے کی مدد ان افراد کو نکالنے میں کی تھی جنھیں تم بے وطن کرنا چاہتے تھے اور ان کو قتل کرنے میں مدد کی تھی جنھیں تم ناحق قتل کرنا چاہتے تھے۔

وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ۔

حالاں کہ کوئی قیدی بن کر آتا ہے تو اسے فدیہ دے کر آزاد بھی کرا لیتے ہو جب کہ ان کا نکالنا ہی تم پر حرام تھا یعنی جب وہ لوگ تمھارے پاس قیدی بن کر آتے ہیں جنھیں نکالنے اور بطور ظلم قتل کرنے کا تم نے ارادہ کیا تھا۔ جنھیں تمھارے اور ان کے دوسرے دشمنوں نے قیدی بنا لیا تھا تو تم انھیں آزاد کرانے کے لیے اپنے مال سے فدیہ بھی دیتے ہو۔ لفظ ''اِخْرَاجُهُمْ'' کو دوبارہ اس لیے لایا گیا تا کہ یہ نہ سمجھا جائے کہ ان کا فدیہ دینا حرام تھا۔

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ۔

یہ کیا بات ہے کہ تم کتاب کے بعض احکام کو مانتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو۔

یعنی تم توریت کے بعض احکام کو مان کر فدیہ دے کر قیدیوں کو آزاد کراتے ہو اور بعض احکام کا صریحاً انکار کرتے ہو یعنی وہی توریت ہے جس میں ان کا قتل کرنا اور گھروں سے نکالنا تم پر حرام قرار دیا گیا تھا۔ پس جب توریت میں نفوس کے قتل کرنے اور انھیں گھروں سے نکالنے کو حرام قرار دیا گیا ہے اور فدیہ دے کر قیدیوں کو آزاد کرانے کو فرض قرار دیا گیا تھا تو تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ تم بعض احکام کی اطاعت کرتے ہو اور بعض کی نافرمانی۔ ایسا لگتا ہے کہ جیسے تم توریت کے کچھ احکام کا انکار کرتے ہو اور کچھ کو تسلیم کرتے ہو۔

فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا –

پس تم میں سے جو یہ عمل کر رہا ہے اس کا دنیوی زندگی میں رسوائی کے سوا اور کیا بدلہ ہو سکتا ہے یعنی اے یہودیو! تم میں سے جو بھی اس قسم کا کام کرے گا تو دنیا میں اس کی اس طرح رسوائی ہوگی کہ اسے جزیہ دینا پڑے گا۔

وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ –

اور قیامت کے دن انھیں سخت سے سخت عذاب میں ڈال دیا جائے گا۔

''اَشَدِّ الْعَذَابِ'' سے مراد ہے وہ عذاب جو ان کی نافرمانیوں کے اعتبار سے مختلف نوعیت کا اور ایک دوسرے سے زیادہ سخت ہوگا۔

وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ –

اور اے یہودیو! تم جو عمل کر رہے ہو اللہ اس سے غافل نہیں ہے۔

۸۶ – اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۫ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَ لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ –

یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی خرید لی سو نہ تو اُن کے عذاب کو ہلکا کیا جائے گا اور نہ ہی اُن کو کسی قسم کی مدد ملے گی۔

یعنی وہ لوگ اللہ کی اطاعت کرنے کی وجہ سے جنّت کی جن نعمتوں کے مستحق ہوتے اس کے بدلے میں وہ دنیا اور اس کے ساز و سامان پر خوش ہو گئے ان کے اس فیصلہ کے بعد نہ تو اُن کے عذاب میں کسی قسم کی کمی ہوگی اور نہ ہی کوئی شخص اس عذاب کو دور کرنے کے لیے اُن کی مدد کو آئے گا۔

امام علیہ السّلام نے فرمایا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ جب یہ آیت یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی یعنی وہ لوگ جنھوں نے اللہ سے عہد شکنی کی، اللہ کے رسولوں کو جھٹلایا اور اللہ کے ولیّوں کو قتل کر ڈالا تھا، تو آں حضرتؐ نے فرمایا کیا میں تمھیں اس اُمّت کے یہودیوں کے بارے میں آگاہ نہ کر دوں جو اُن یہودیوں کے مانند ہیں لوگوں نے کہا بے شک یا رسولؐ اللہ! تو آپ نے فرمایا میری اُمّت میں ایک گروہ ایسا ہے جو یہ جھوٹا دعویٰ کرتا ہے کہ وہ میری ملّت میں سے ہے حالاں کہ ایسا نہیں ہے۔ وہ

میری بہترین ذرّیت اور میری پاکیزہ نسل کو قتل کرے گا میری شریعت اور سنّت میں تبدیلی کرے گا اور میرے بیٹوں حسنؑ وحسینؑ کو قتل کردے گا جس طرح اُن یہودیوں کے آباؤ اجداد نے حضرت زکریاؑ و یحییٰؑ کو قتل کرڈالا تھا۔

آگاہ ہو جاؤ اللہ ان پر اسی طرح لعنت کرتا ہے جس طرح اُن یہودیوں پر لعنت کی تھی اور قیامت کا دن آنے سے پہلے ان یہودیوں کی بچی کھچی نسل کی طرف حسینِؑ مظلوم کی نسل سے ایک ہادی و مہدی کو بھیجے گا جو اپنے دوستوں کی مدد سے انھیں جہنّم کی آگ تک پہنچا دے گا۔(۱)

تفسیر قمی میں ہے کہ یہ آیت حضرت ابوذرؓ اور جو کچھ حضرت عثمانؓ بن عفّان نے کیا اس کے بارے میں نازل ہوئی کہ جب حضرت عثمانؓ نے حضرت ابوذرؓ کو ربذہ کی جانب جلا وطنی کا حکم دیا تو حضرت ابوذرؓ حضرت عثمانؓ کے پاس آئے باوجودیکہ وہ بیمار تھے اور اپنے عصا پر ٹیک لگائے ہوئے تھے اور حضرت عثمانؓ کے سامنے ایک لاکھ درہم پڑے ہوئے تھے جو کسی قریبی علاقہ سے انھیں بھیجے گئے تھے اور حضرت عثمانؓ کے مَصَاحبین ان کے گرد بیٹھے ہوئے للچائی ہوئی نظروں سے ان درہموں کی جانب دیکھ رہے تھے کہ یہ درہم انھیں مل جائیں۔ تو حضرت ابوذرؓ نے حضرت عثمانؓ سے دریافت کیا۔ یہ مال کیسا ہے؟ تو حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ ہمارے کچھ علاقوں سے ایک لاکھ درہم ہمارے پاس لایا گیا ہے میں چاہتا ہوں اتنا ہی اس میں اور اضافہ کردوں پھر سوچوں گا کہ ان درہموں کا کیا کرنا ہے۔ تو ابوذرؓ نے دریافت کیا اے عثمان ایک لاکھ درہم زیادہ ہیں یا چار دینار تو حضرت عثمانؓ نے کہا یقیناً ایک لاکھ درہم زیادہ ہیں۔ تو ابوذرؓ نے کہا اے عثمان کیا تمھیں یاد نہیں ہے جب ہم دونوں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی خدمت میں رات کے وقت پہنچے تو ہم نے انھیں ملول وحزین پایا جب ہم نے انھیں سلام کیا انھوں نے ہماری جانب توجہ مبذول نہیں کی جب صبح ہوئی اور ہم آں حضرتؐ کی خدمت میں دوبارہ حاضر ہوئے تو آپ کو خوش وخُرّم پایا تو میں نے عرض کی یارسول اللہؐ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں جب گذشتہ شب ہم آپ کی خدمت میں آئے تو ہم نے آپ کو حزین وغمگین پایا اور جب آج صبح آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کو شاداں وفرحاں پارہے ہیں تو آں حضرتؐ نے فرمایا ہاں کل شب میرے پاس مالِ غنیمت میں سے چار دینار بچ گئے تھے جو مسلمانوں کا حصّہ تھا اور میں انھیں تقسیم نہ کرسکا تھا اور میں ڈر رہا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ میرے پاس رہ جائیں اور مجھے موت آجائے آج میں نے انھیں تقسیم کردیا تو مجھے سکون مل گیا۔ یہ سُن کر حضرت عثمانؓ نے کعب الاحبار کی طرف دیکھا اور اس سے کہا: اے ابواسحاق تم اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو! جس نے اپنے مال کی زکوٰۃ واجب کو ادا کردیا ہو کیا اس کے بعد بھی اس کے ذمہ کچھ واجب رہ جاتا ہے تو کعب الاحبار نے کہا نہیں کچھ

(۱) تفسیر امام حسن عسکریؑ، ص ۳۶۸۔۳۶۹

نہیں خواہ وہ اس سے سونے یا چاندی کی اینٹ بنالے اس کے ذمہ کچھ واجب نہیں رہتا تو ابوذر نے اپنا عصا اٹھا کر کعب کے سر پر مارا اور کہا اے مُشرکہ یہودیہ کے فرزند کہاں تو اور کہاں اسلامی احکام۔ تیرے قول سے اللہ کا قول سچّا ہے جیسا اس نے فرمایا ہے:

وَ الَّذِیْنَ یَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۳۴﴾ یَّوْمَ یُحْمٰى عَلَیْهَا فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ وَ ظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾

(۳۴۔۳۵ توبہ ۹)

اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اُسے خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی خوش خبری سنادو۔ جس دن وہ مال، دوزخ کی آگ میں خوب گرم کیا جائے گا پھر اس سے اِن کی پیشانیاں، پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی اور کہا جائے گا یہ وہی ہے جسے تم نے اپنے لیے ذخیرہ بنا لیا تھا سو جو تم نے جمع کیا تھا اب اس کا مزا چکھو۔

یہ آیت سُن کر حضرت عثمانؓ نے کہا: ''اے ابوذر تم بوڑھے ہوگئے ہو اور تمھاری عقل سٹھیا گئی ہے اگر تم صحابیٔ رسول نہ ہوتے تو میں تمھیں قتل کردیتا۔ تو ابوذرؓ نے فرمایا اے عثمان تم جھوٹ بول رہے ہو تم پروائے ہو، میرے حبیب رسولؐ اللہ نے خبر دی ہے کہ اے ابوذر نہ تو تمھیں دیوانہ کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی تمھیں قتل کیا جاسکتا ہے، میری عقل اسی وجہ سے سالم باقی ہے اور مجھے ایک حدیث یاد دلا رہی ہے جسے میں نے آں حضرتؐ سے سنا ہے جس میں آں حضرتؐ نے تمھارے اور تمھاری قوم کے بارے میں فرمایا ہے تو حضرت عثمانؓ نے کہا اے ابوذر تم نے رسولؐ اللہ سے میرے اور میری قوم کے بارے میں کیا سنا ہے۔ تو ابوذرؓ نے فرمایا کہ میں نے آں حضرتؐ کو یہ فرماتے سنا ہے ''کہ جب آلِ ابوالعاص تیس افراد تک پہنچ جائے گی تو وہ اللہ کے مال کو ذاتی جاگیر بنالیں گے اور اللہ کی کتاب سے کھیلیں گے اور اللہ کے بندوں کو اپنا غلام اور کنیز سمجھنے لگیں گے۔ نیکوکاروں کو اپنا مخالف اور فاسقین کو اپنا موافق گردانیں گے۔ تو حضرت عثمانؓ نے اپنے مصاحبین سے مخاطب ہو کر کہا ''اے اصحابِ محمدؐ کیا تم میں سے کسی نے آں حضرتؐ سے یہ حدیث سنی ہے تو انھوں نے جواب دیا نہیں ہم نے رسول اللہ سے یہ حدیث نہیں سنی حضرت عثمانؓ نے کہا علیؑ کو بلاؤ امیر المومنینؑ تشریف لائے تو حضرت عثمانؓ نے کہا اے ابوالحسن آپ ساعت فرمایئے کہ یہ شیخ کذّاب کیا کہہ رہا ہے؟ تو امیر المومنینؑ نے فرمایا اے عثمان چُپ ہوجاؤ، انھیں کذّاب نہ کہو کہ میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو یہ فرماتے سنا ہے ''مَا اَظَلَّتِ الْخَضْرَاءُ وَلَا اَقَلَّتِ الْغَبْرَاءُ عَلٰی ذِیْ لَهْجَةٍ اَصْدَقُ مِنْ اَبِیْ ذَرٍّ''

کہ اس زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے ابوذر سے زیادہ سچ بولنے والا کوئی اور نہیں ہے۔

تو وہاں پر موجود اصحاب نے فرمایا علیؑ نے سچ کہا ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے یہ قول سنا

ہے تو اس وقت ابوذر گریہ کرنے لگے اور کہا وائے ہو تم پر، تم میں سے ہر ایک کی گردن اس مال کی طرف اٹھی ہوئی ہے اور تم یہ سمجھ رہے ہو کہ میں رسولؐ اللہ سے جھوٹی باتیں منسوب کر رہا ہوں۔

اس کے بعد ابوذرؓ نے اُن اصحاب کی طرف دیکھ کر فرمایا یہ بتاؤ تم لوگوں میں سب سے بہتر کون ہے؟ تو وہ بولے تم ہی بتاؤ ہم میں سب سے بہتر کون ہے؟ تو ابوذرؓ نے جواب دیا ''میں''! توانھوں نے کہا تم اپنے آپ کو ہم سے بہتر تصور کرتے ہو! تو ابوذرؓ نے فرمایا بے شک جب میں اپنے حبیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے جدا ہوا تھا تو یہی جبّہ پہنے ہوئے تھا اور میں اب تک یہی جبّہ پہنے ہوئے ہوں اور تم نے تو آں حضرتؐ کی بہت سی باتیں بدل کر رکھ دیں اللہ تعالیٰ تم سے اس بارے میں سوال کرے گا اور مجھ سے کوئی سوال نہ ہوگا۔

تو حضرت عثمانؓ نے کہا تمھیں رسولؐ اللہ کے حق کا واسطہ جو سوال میں کرنے والا ہوں اس کا مجھے صحیح صحیح جواب دو ابوذرؓ نے کہا اگر تم مجھے رسولؐ اللہ کا واسطہ نہ بھی دیتے تو میں تمھارے سوال کا جواب ضرور دیتا۔ حضرت عثمانؓ نے کہا تمھیں رہائش کے لیے کون سا شہر سب سے زیادہ پسند ہے؟ تو ابوذرؓ نے فرمایا مکہ مکرّمہ جو اللہ اور اللہ کے رسول کا حَرَم ہے میں وہاں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا رہوں گا یہاں تک کہ مجھے موت آجائے۔ حضرت عثمانؓ نے کہا نہیں تمھیں یہ شرف حاصل نہ ہوگا۔ تو ابوذرؓ نے فرمایا مدینۂ منورہ جو حرمِ رسول اللہ ہے تو حضرت عثمانؓ نے کہا تمھیں یہ فضیلت بھی نہیں مل سکتی یہ سن کر ابوذرؓ خاموش ہو گئے۔ اب حضرت عثمانؓ نے سوال کیا یہ بتاؤ رہائشی اعتبار سے تمھیں کون سا شہر سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہے؟ ابوذرؓ نے جواب دیا ''ربذہ'' اس لیے کہ میں وہاں اس وقت تھا جب حلقہ بگوشِ اسلام نہ ہوا تھا۔ تو حضرت عثمانؓ نے کہا تم وہیں کے لیے روانہ ہو جاؤ۔ تو ابوذرؓ نے کہا اے عثمان تم نے سوال کیا میں نے سچ سچ جواب دے دیا اب میں تم سے سوال کرتا ہوں سچ سچ جواب دینا حضرت عثمانؓ نے کہا ہاں! تو ابوذرؓ نے فرمایا مجھے بتاؤ اگر تم اپنے اصحاب کے ساتھ مشرکین کے مقابلہ کے لیے مجھے بھی روانہ کرو اور وہ لوگ مجھے قیدی بنالیں اور مجھے آزاد کرنے کے لیے تمھاری ملکیت میں سے ایک تہائی مال بطورِ فدیہ طلب کریں تو کیا تم دو گے؟ حضرت عثمانؓ نے جواب دیا بے شک میں دوں گا ابوذرؓ نے کہا اگر وہ مجھے رہا کرنے کے لیے تم سے نصف مال بطورِ فدیہ طلب کریں گے تو حضرت عثمانؓ نے کہا ہم دیں گے ابوذرؓ نے فرمایا کہ تمھارے قبضہ میں جتنا مال ہے اگر وہ میری رہائی کے لیے سب کا سب بطورِ فدیہ طلب کریں تو تم کیا کرو گے حضرت عثمانؓ نے کہا کہ مکمّل مال دے کر ہم تمھیں رہا کرائیں گے تو ابوذرؓ نے کہا ''اللہ اکبر'' مجھ سے میرے حبیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ایک روز فرمایا تھا: ''اے ابوذرؓ تمھاری کیا کیفیت ہوگی جب تم سے پوچھا جائے گا کہ تمھیں رہائش کے لیے کون سا شہر سب سے زیادہ پسند ہے؟ اور تم جواب دو گے مکّہ جو خدا اور رسولِ خدا کا حرم ہے میں وہاں پر دمِ واپسیں

تک عبادت کرتا رہوں گا تو تم سے کہا جائے گا نہیں یہ کرامت تمھیں نہیں ملے گی۔ پھر تم کہو گے مدینۂ منورہ حرمِ رسولِ خدا تو تم سے کہا جائے گا یہ فضیلت بھی تمھارے حصّے میں نہیں آسکتی۔ پھر تم سے سوال کیا جائے گا کہ رہائش کے اعتبار سے تمھیں کون سا شہر سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہے؟ تو تم جواب دو گے ''ربذہ'' جہاں میں اس وقت تھا جب اسلام قبول نہ کیا تھا۔ تو تم سے کہا جائے گا وہیں پر چلے جاؤ تو میں نے آں حضرتؐ سے دریافت کیا اے اللہ کے رسول کیا ایسا ہوگا تو آں حضرتؐ نے جواب دیا ہاں جس کے قبضہ میں میری جان ہے اسی کی قسم ایسا ہو کر رہے گا۔ تو میں نے پوچھا کہ ایسے موقع پر کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ میں اپنی تلوار کو سونت کر ہر قدم پر جنگ کروں۔ تو آنحضرتؐ نے فرمایا نہیں ہرگز نہیں سنو اور خاموش رہو۔ اللہ تعالیٰ نے تمھارے اور عثمان کے بارے میں ایک آیت نازل فرمائی ہے۔ میں نے دریافت کیا وہ کون سی آیت ہے تو آں حضرتؐ نے اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تلاوت فرمائی:

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ ...... وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ (۱)

کتابِ کافی باب وجوہ الکفر میں ایک روایت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ ابوعمر والزّبیری نے آپ سے یہ سوال کیا کہ قرآن مجید میں کفر کی کتنی اقسام بیان ہوئی ہیں تو امامؑ نے فرمایا: ''اَلْكُفْرُ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ عَلٰى خَمْسَةِ اَوْجُهٍ'' قرآن مجید میں کفر کی پانچ قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ (فیض کاشانی نے بقدر ضرورت اپنی تفسیر میں صرف چوتھی قسم کا ذکر کیا ہے)

اور کفر کی چوتھی قسم امر الٰہی کو ترک کر دینا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: وَ اِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ .... اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ.......

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہودیوں کو کافر قرار دیا اس وجہ سے کہ انھوں نے امر الٰہی کو ترک کر دیا اور اُن کی طرف ایمان کی نسبت بھی دی لیکن اُن کے ایمان کو تسلیم نہیں کیا اور اسے ان کے لیے سودمند قرار نہیں دیا۔ اور فرمایا: فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ الخ

یعنی اے یہودیو! تم میں سے جو بھی یہ عمل کر رہا ہے اس کا دنیوی زندگی میں رسوائی کے سوا اور کیا بدلہ ہوسکتا ہے اور قیامت کے دن اُسے سخت ترین عذاب میں ڈال دیا جائے گا۔ (۲)

(۱) تفسیر قمی، ج ۱ ص ۵۱ ۔ ۵۴ (۲) الکافی، ص ۳۹۰ ج ۲

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّیْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ۫ وَ اٰتَیْنَا عِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ وَاَیَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِیْقًا كَذَّبْتُمْ ۫ وَفَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿۸۷﴾ وَ قَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِیْلًا مَّا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾

۸۷– اور بلا شبہہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اُن کے بعد پے در پے رسول بھیجے اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو روشن نشانیاں دیں اور روح القدس کے ذریعہ ان کی مدد کی ، جب بھی کوئی رسول تمہاری خواہشاتِ نفس کے خلاف کوئی پیغام لے کر آیا تو تم نے سرکشی اختیار کی اور اُن انبیا میں سے کچھ کو جھٹلایا اور کچھ کو قتل کر ڈالا۔

۸۸– اور وہ کہتے ہیں کہ ہمارے دل پر غلاف چڑھا ہوا ہے۔ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے ان پر اللہ کی لعنت ہے پس وہ بہت کم باتوں پر ایمان لاتے ہیں۔

۸۷– وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ–

اور بلا شبہہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی ہے۔

اور ہم نے حضرت موسیٰؑ کو توریت عطا کی جو ہمارے احکام پر مشتمل ہے اور اس میں حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ، ان کے اہل بیت علیہم السّلام کی فضیلت، علی بن ابی طالب علیہ السّلام کی امامت اور ان کے بعد اُن کے جانشینوں کا ذکر ہے نیز اس میں مسلمانوں کے بہترین احوال اور منافقین کے بدترین کردار کا تذکرہ موجود ہے۔

وَقَفَّیْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ۫ وَ اٰتَیْنَا عِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ–

اور ہم یکے بعد دیگرے رسول بھیجتے رہے اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو واضح معجزات عطا کیے۔

''بیّنات'' سے مراد ہیں آیات یعنی معجزات اور نشانیاں جیسے مردوں کو زندہ کرنا ، مادرزاد اندھوں کو بینائی اور برص (جذام اور کوڑھ) کے مریضوں کو اچھا کرنا اور یہ بتادینا کہ وہ کیا کھاتے اور کیا بچا کر گھروں میں رکھتے ہیں۔

وَاَیَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ–

اور روح القدس کے ذریعہ ہم نے ان کی مدد کی۔

لفظ ''قُدُس'' کو قُدْس بھی پڑھا گیا ہے روح القدس سے مراد جبرئیل علیہ السّلام ہیں جو حضرت عیسیٰؑ کو گھر

کے روشن دان سے نکال کر آسمان پر لے گئے اور اُن کے قاتل کے سامنے حضرت عیسیٰؑ سے مشابہ شخص کو ڈال دیا اس طرح وہ حضرت عیسیٰؑ کے بدلے میں قتل ہو گیا۔ یک قول کے مطابق روح القدس سے مراد مسیح ہیں۔ ۱؎

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں دوسری روایت میں یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے مُصاحبین میں سے ایک شخص کو ان کا ہم شکل بنا دیا گیا تھا جیسا کہ ہم آئندہ بیان کریں گے۔ ۲؎

تفسیر قمی میں امام محمد باقر علیہ السّلام سے روایت ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے خاص مصاحبین میں سے ایک شخص کو ان کا ہم شکل بنا دیا گیا تھا تا کہ وہ قتل ہو جانے کے بعد جب دوبارہ زندہ ہو تو ان کے ساتھ سکونت پذیر ہو ان شاء اللہ ہم سورۂ آل عمران میں اسے بیان کریں گے۔ ۳؎

اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ز وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ۔

جب کبھی کوئی رسول تمھاری خواہشات نفس کے خلاف کوئی پیغام لے کر آیا تو تم نے سرکشی اختیار کی اور اُن انبیا میں سے کچھ کو جھٹلایا اور کچھ کو قتل کر ڈالا۔

اے یہودیو! جب بھی تمھارے پاس ایسا رسول آیا جس نے تم سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی پیروی اور اولیا اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کا عہد و پیمان لیا جسے تم نے پسند نہیں کیا تو تم لوگوں نے اُن میں سے کچھ کو جھٹلایا جیسے حضرت موسیٰؑ علیہ السّلام اور حضرت عیسیٰؑ علیہ السّلام اور کچھ کو تمھارے اسلاف نے قتل کر ڈالا جیسے حضرت زکریاؑ اور یحییٰؑ علیہ السّلام اور اس کے بعد تم نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور حضرت علیؑ مرتضیٰ علیہ السّلام کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمھاری کوششوں کو ناکام بنا دیا اور تمھارے مکر کا رُخ خود تمھاری طرف موڑ دیا یہاں پر آیت میں ''تَقْتُلُوْنَ'' کے معنی ہیں ''قَتَلْتُمْ'' یعنی تم نے قتل کر دیا جیسے تم کسی کو زجر و توبیخ کرتے ہوئے کہو ''وَيْلَكَ لِمَ تَكْذِبُ'' تم پر وائے ہو تم نے جھوٹ کیوں کہا۔ اس جملہ میں مضارع (مستقبل) کے معنی نہیں بلکہ ماضی کے معنیٰ مراد لیے جائیں گے۔ اسی طرح آیت میں بھی ''تَقْتُلُوْنَ'' یعنی ''قتل کرو گے'' نہیں بلکہ ''قَتَلْتُمْ'' ''تم نے قتل کر دیا'' کے معنیٰ مراد ہوں گے۔ ۴؎

امام علیہ السّلام نے فرمایا:

کُفّار اور فُجّار (بدکار) نے شبِ عقبہ مقامِ عقبہ پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے قتل کا منصوبہ بنایا اور باغی منافقین جو مدینہ میں رہ گئے تھے انھوں نے حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السّلام کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن رب کی تدبیروں کے آگے وہ کچھ نہ کر سکے۔ ۵؎

---

(۱) مجمع البیان، ص ۱۵۶ ج ۱۔۲ (۲) تفسیر امام عسکریؑ ص ۳۷۲ (۳) تفسیر قمی ص ۱۰۳ ج ۱
(۴) تفسیر امام عسکریؑ ص ۳۷۹ (۵) تفسیر امام عسکریؑ ص ۳۸۰

۸۸–وَقَالُوۡا قُلُوۡبُنَا غُلۡفٌ–

اور وہ کہتے ہیں ہمارے دل پردے میں ہیں (ہمارے دلوں پر پردہ پڑا ہوا ہے) یعنی ہمارے دل تو خیر کے لیے ایک ظرف کی طرح ہیں مختلف علوم نے جن کا احاطہ کرلیا ہے اور وہ ان علوم پر مشتمل ہیں لیکن اس کے باوجود اے محمدؐ ہمیں آپ کی فضیلت نہ تو اللہ تعالیٰ کی کسی کتاب میں ملتی ہے اور نہ ہی کسی نبی کی زبانی، ہمیں آپ کی فضیلت کا علم ہوا ہے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اُن کے اس قول کو رد کرتے ہوئے فرمایا کہ:

بَلۡ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفۡرِهِمۡ فَقَلِيۡلًا مَّا يُؤۡمِنُوۡنَ–

نہیں ایسا نہیں ہے بلکہ اللہ نے اُن کے کفر کے سبب ان پر لعنت کی ہے (ان پر پھٹکار پڑی ہے) اس لیے ان کے ایمان لانے کے امکانات بہت کم ہیں۔

''لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفۡرِهِمۡ'' کے معنیٰ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے کفر کی وجہ سے انھیں خیر سے دور کردیا ہے۔

''فَقَلِيۡلًا مَّا يُؤۡمِنُوۡنَ'' یعنی ان کا ایمان بہت کم ہے وہ اللہ کی نازل کردہ بعض باتوں کو مانتے ہیں اور بعض باتوں کا انکار کردیتے ہیں۔

امام علیہ السّلام نے فرمایا کہ اگر یہ لفظ ''غُلۡفٌ'' پڑھا جائے تو گویا وہ لوگ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہمارے دل پردہ (غلاف) میں ہیں ہم آپ کی گفتگو اور باتیں نہیں سمجھ پارہے ہیں کہ آپ کیا فرمارہے ہیں جیسا کہ ارشاد باری ہے: وَقَالُوۡا قُلُوۡبُنَا فِيۡۤ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدۡعُوۡنَاۤ اِلَيۡهِ وَفِيۡۤ اٰذَانِنَا وَقۡرٌ وَّمِنۡۢ بَيۡنِنَا وَبَيۡنِكَ حِجَابٌ فَاعۡمَلۡ اِنَّنَا عٰمِلُوۡنَ۝ (۵ فصلت ۴۱)

اور وہ کہتے ہیں کہ جس چیز کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو اس سے ہمارے دل پردے میں ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہمارے کان بہرے ہیں ہمیں آپ کی آواز سنائی نہیں دیتی اور یہ کہتے ہیں کہ ہمارے اور تمھارے درمیان تو پردہ پڑا ہوا ہے۔ اس لیے یہی بہتر ہے کہ تم اپنا کام کرو اور ہم اپنا کام کریں۔

امام علیہ السّلام نے فرمایا کہ ''غُلۡفٌ'' اور ''غُلُفٌ'' دونوں قرأتیں درست ہیں اور اس لفظ کو دونوں طرح سے پڑھا گیا ہے۔ [1]

(۱) تفسیر امام عسکریؑ، ص ۳۹۰

وَ لَمَّا جَآءَهُمۡ كِتٰبٌ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمۡ ۙ وَكَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ يَسۡتَفۡتِحُوۡنَ عَلَى الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ۚۖ فَلَمَّا جَآءَهُمۡ مَّا عَرَفُوۡا كَفَرُوۡا بِهٖ ۡ فَلَعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۸۹﴾

بِئۡسَمَا اشۡتَرَوۡا بِهٖۤ اَنۡفُسَهُمۡ اَنۡ يَّكۡفُرُوۡا بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ بَغۡيًا اَنۡ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ عَلٰى مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوۡ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؕ وَلِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابٌ مُّهِيۡنٌ ﴿۹۰﴾

۸۹-اور جب اُن کے پاس خدا کی جانب سے کتاب آئی جو اس کتاب کی تصدیق کرتی ہے جو ان کے پاس موجود تھی اور اس سے پہلے وہ کافروں کے خلاف فتح کی دعا کیا کرتے تھے۔اور جب وہ آ گیا جسے وہ اچھی طرح پہچانتے تھے تو انھوں نے اس کا انکار کردیا۔پس کافروں پر خدا کی لعنت ہو۔

۹۰- ان لوگوں نے اپنے نفس کا کتنا براسودا کیا ہے کہ اس ضد میں خدا کے نازل کردہ کلام کا انکار کر بیٹھے کہ خدا اپنے فضل و کرم سے جس بندے پر جو چاہے نازل کردیتا ہے۔ اب یہ غضب بالائے غضب میں مبتلا ہو گئے اور کافروں کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔

۸۹- وَلَمَّا جَآءَهُمۡ........فَلَعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ-

اور جب ان یہودیوں کے پاس اللہ کی جانب سے قرآن کی صورت میں کتاب آ پہنچی جو ان کے پاس موجود توریت کی تصدیق کر رہی تھی اور جس میں واضح کر دیا گیا تھا کہ حضرت محمدؐ امّی لقب حضرت اسماعیلؑ کی اولاد سے ہوں گے اور انھیں بہترین ذات علی ولی اللہ کی حمایت ونصرت حاصل ہوگی۔وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ظہور سے قبل ان کافرین پر کامیابی و کامرانی کے لیے دعائیں طلب کیا کرتے تھے جو آں حضرتؐ کے دشمن تھے اور اللہ تعالیٰ نے انھیں فتح ونصرت عطا بھی کی تھی لیکن جب آں حضرت مبعوث بَرِسالت ہوئے جن کے اوصاف ومحاسن سے وہ لوگ باخبر تھے تو اس کے باوجود حسد اور سرکشی کی بنیاد پر انھوں نے آں حضرت کی نبوت کا انکار کر دیا ایسے کافرین پر خدا کی مار ہو۔

کتاب کافی اور تفسیر عیاشی میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ آپ نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:-یہودیوں نے اپنی کتابوں میں لکھا ہوا پایا تھا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ''عیر''اور'' اُحد'' کے مابین کسی جگہ ہجرت کر کے تشریف لائیں گے۔وہ اپنے مرکز سے نکل کر اس جگہ کو تلاش

کرنے لگے تو اُن کا گزر ایسے پہاڑ سے ہوا جس کا نام ''حُبَیل'' تھا اور ایسے پہاڑ کے قریب سے گزرے جس کا نام ''حِداذ'' تھا تو وہ کہنے لگے کہ ''حداذ'' اور ''احد'' ملتے جلتے نام ہیں لہٰذا وہ لوگ وہاں کے علاقوں میں پھیل گئے ان میں سے کچھ لوگوں نے تیما میں پڑاؤ ڈالا اور کچھ لوگ فدک کے علاقے میں اُتر پڑے اور کچھ نے خیبر کو آبسایا۔ تیما والوں کو اپنے ان بھائیوں سے ملاقات کا اشتیاق ہوا جو دوسرے علاقوں میں جا کر بس گئے تھے۔ قبیلۂ قیس کے ایک عرب بدّو کا وہاں سے گزر ہوا، انھوں نے اس سے اونٹ کرایہ پر لیا اس نے کہا کہ میں تمھیں اس راستے سے لے کر جاؤں گا جہاں عِیر واحد واقع ہیں تو انھوں نے کہا کہ جب تمھارا اس علاقہ سے گزر ہو تو ہمیں بتا دینا۔ جب وہ عرب بدّو مدینہ کی سرزمین پر پہنچا تو اس نے کہا کہ دیکھو وہ ''عِیر'' (مدینہ کے ایک پہاڑ کا نام) ہے اور یہ اُحد ہے۔ تو وہ لوگ اونٹ کی پشت سے اتر پڑے اور کہنے لگے ہم نے اپنی منزل پالی اب ہمیں تمھارے اونٹ کی مزید ضرورت نہیں۔ تمھیں جہاں جانا ہو چلے جاؤ۔ اور انھوں نے اپنے ان بھائیوں کو خط لکھ کر اطلاع دی جو فدک اور خیبر میں آباد تھے کہ ہم نے اپنی صحیح منزل کو پالیا ہے تم لوگ جلد ہمارے پاس آجاؤ انھوں نے خط کے جواب میں لکھا کہ ہم نے یہاں پر گھر بنا لیے ہیں اور مال و مویشی اکٹھا کر لیا ہے۔ اور تم سے زیادہ قریبی رشتے دار کوئی اور نہیں ہے جب ایسا موقع آئے گا تو ہم جلد از جلد تم تک پہنچنے کی کوشش کریں گے۔ ان لوگوں نے سرزمین مدینہ کو مسکن بنایا اور کافی مال ومتاع جمع کر لیا۔ جب ان کی جائداد میں اضافہ ہوا اور سرمایہ کافی بڑھ گیا تو تُبّع (۱) کو اس کا پتہ چل گیا اس نے جنگ کا ارادہ کیا یہ لوگ قلعہ میں محصور ہو گئے اور محاصرہ جاری رہا۔ اہلِ مدینہ کو تُبّع کے کمزور لوگوں پر رحم آیا اور یہ ان کی طرف رات کے وقت کھجوریں اور جو ڈال دیا کرتے تھے تُبّع کو جب اس بات کا علم ہوا تو اس کے دل میں ان کے لیے جذبۂ ترحّم پیدا ہوا اور اس نے انھیں امن کا پیغام بھیجا وہ لوگ قلعہ سے اس کے پاس آئے تو تُبّع نے اُن سے کہا میں نے تمھارے شہروں پر حملہ کیا اور تم محصور ہو گئے مگر تم لوگ بے خوف وخطر اس میں مقیم ہو آخر کیا بات ہے۔ تو انھوں نے جواب دیا ہم پر کوئی فتح نہیں پاسکتا اس لیے کہ ہمیں ایک ایسے نبی کا انتظار ہے جو ہجرت کر کے ہمارے ہاں آئے گا۔ تو تُبّع نے کہا میں اپنے خاندان کے کچھ لوگوں کو یہاں چھوڑے جا رہا ہوں تا کہ جب وہ نبی آئے تو یہ لوگ اس کے ناصر اور مددگار ہوں اس نے دو قبائل کے افراد اوس (۲) اور خزرج (۳) کو وہاں

(۱) تُبّع: سُکّر کی طرح ہے واحد اس کی تبابعہ ہے حِمیر کے بادشاہوں میں سے ہے اسے تُبّع اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کے پیروکار زیادہ تھے۔ اور کہا گیا ہے کہ انھیں تبابعہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ بعد میں آنے والا حکمرانی کے اصولوں میں اپنے پیشرو کی تقلید کرتا ہے اور تُبّع بادشاہوں کی تعداد ستّر تھی جنھوں نے زمین کے تمام باشندوں پر حکومت کی خواہ وہ عرب ہوں یا عجم ان میں جو درمیانی تُبّع تھا وہ صاحب ایمان تھا۔ (۲) اَوس: یمنی کے قبیلے کے مورثِ اعلیٰ کا نام تھا اور وہ اوس بن قَیلہ ہے جو خزرج کا بھائی تھا قیلہ ان کی ماں کا نام تھا۔ (مجمع البحرین ج ۴ ص ۴۹) (۳) خزرج: انصار کے قبیلہ کا نام ہے جو مدینہ منورہ میں مقیم تھا۔

چھوڑ دیا جب اُن کی تعداد بڑھ گئی اور وہ یہودیوں کا مال استعمال کر رہے تھے اور یہودی ان سے کہا کرتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے تم میں محمد کو مبعوث کردیا تو اس وقت ہم تمھیں اپنے علاقہ سے نکال دیں گے اور مال سے بے دخل کردیں گے۔ اور جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم مبعوث برسالت ہوئے تو انصار اُن پر ایمان لے آئے اور یہودیوں نے کفر اختیار کیا (انکار کردیا) فرمان الٰہی سے اسی جانب اشارہ ہے۔

وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۚ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ۔

اور وہ پہلے ہمیشہ کافروں پر فتح طلب کیا کرتے تھے تو جس چیز کو وہ خوب پہچانتے تھے جب اُن کے پاس آ پہنچی تو اس کا انکار کردیا پس کافروں پر خدا کی لعنت ہو۔[۱]

کتاب کافی میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جب آپ سے اس آیت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور حضرت عیسیٰؑ کے مابین ایک قوم تھی جو بت پرستوں کو نبی اکرمؐ کا نام لے کر ڈرایا کرتی تھی اور وہ لوگ یہ کہا کرتے تھے کہ نبی اکرمؐ ضرور بالضرور تشریف لائیں گے وہ تمھارے بتوں کو توڑ ڈالیں گے اور تمھارے ساتھ ایسا سلوک کریں گے پس جب رسولؐ اللہ مبعوث ہوئے تو اس قوم نے آپ کا انکار کردیا۔[۲]

تفسیر قمی میں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی تشریف آوری سے قبل یہودی عرب کے باشندوں سے یہ کہا کرتے تھے کہ اے عرب کے باشندو! اب وقت آگیا ہے کہ مکّہ مکرمہ سے ایک نبی کا ظہور ہوگا اور وہ ہجرت کرکے مدینہ منورہ تشریف لے جائیں گے وہ نبی آخرالزماں اور سب سے افضل نبی ہیں اُن کی آنکھوں میں سرخی ہوگی اور ان کے کندھوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی۔ وہ بڑی چادر اوڑھے ہوئے ہوں گے اور روٹی کے ٹکڑوں اور کھجور پر اکتفا کریں گے۔ اور بے زین کے خچر پر سوار ہوں گے۔ وہ ہنس مکھ اور جنگجو ہوں گے، کندھوں پر تلوار حمائل کیے ہوں گے اُنھیں اس بات کی کوئی پروا نہ ہوگی کہ کون ان کے مدِّ مقابل ہے۔ ان کی حکومت دور دراز ملکوں تک پہنچ جائے گی۔ اے گروہ عرب ہم اُن کے سلسلے میں تم سے یقیناً قتال کریں گے جس طرح قومِ عاد سے جنگ کی گئی تھی اور جب اللہ تعالیٰ نے ان صفات کے حامل نبی کو مبعوث کیا تو ان ہی یہودیوں نے ان سے حسد کیا، ان کا انکار کردیا جیسا کہ خداوند عالم نے اس آیت وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ الخ میں فرمایا ہے۔[۳]

تفسیرِ امام میں ہے کہ امیر المومنین علیہ السّلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آں حضرتؐ کو اس بات کی اطلاع دے دی تھی کہ ان کی تشریف آوری سے قبل یہودیوں کا ان پر کس طرح ایمان تھا؟ اور وہ آپؐ کے

(۱) تفسیر عیاشی، ج ۱ ص ۴۹۔۵۰ (۲) الکافی، ج ۸ ص ۳۱۰ (۳) تفسیر قمی، ج ۲ ص ۱۸۰۔۱۹۱

ظہور سے قبل اپنے دشمنوں پر صرف آپؐ کے ذکر اور درود کے ذریعہ سے کامیابی حاصل کر لیتے تھے۔ امام علیہ السّلام نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے دورانِ حیات اور ان کے بعد کے یہودیوں کو یہ حکم دیا تھا کہ انھیں جب بھی کوئی امر مہم درپیش ہو یا کسی مصیبت کا سامنا ہو تو انھیں چاہیے کہ وہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور ان کی پاک و پاکیزہ آل کے واسطے سے اللہ سے دعا طلب کریں۔ ان یہودیوں نے اپنا یہ معمول بنا لیا تھا۔ یہاں تک کہ مدینہ کے ساکن یہودی بھی آں حضرتؐ کے ظہور سے قبل کافی عرصہ تک اس پر عمل کرتے رہے اس طرح بلاؤں، مصیبتوں اور آفتوں کو اپنے آپ سے دور کرتے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ظہور سے دس سال قبل قبیلۂ اسد اور قبیلۂ غطفان اور مشرکین نے یہودیوں سے اپنی دشمنی کا اظہار کیا اور اذیت رسانی کا قصد کیا تو اس وقت بھی یہودی ان کی شر انگیزی اور مصیبت سے نجات حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے محمدؐ وآل محمدؐ کے واسطے سے دعا کیا کرتے تھے۔ بعض اوقات اسد او رغطفان تین ہزار سواروں کے ساتھ مدینہ کے قریب یہودیوں کی بستی پر حملہ آور ہوئے اور یہودیوں نے صرف تین سو سواروں کے ساتھ ان سے مڈبھیڑ کی اور محمدؐ وآل محمدؐ کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ سے دعا طلب کی اور اس طرح انھیں شکست دے دی اور مشرکین کو بھاری نقصان پہونچا۔ تو اسد اور غطفان نے باہمی مشورہ کیا کہ ان یہودیوں کے خلاف ہم تمام قبائل کو مدد کے لیے بلالیں۔ مختلف قبائل اس مقصد کے لیے جمع ہو گئے ان کی تعداد تیس ہزار تھی اور انھوں نے ان تین سو یہودیوں کو ان کے دیہات میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا وہ اپنے گھروں میں مقید ہو گئے اور پانی جو اُن کے دیہات تک جاتا تھا اسے روک دیا اور انھیں امن بخشنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم تمھیں قتل کر دیں گے، قیدی بنائیں گے اور لوٹ لیں گے تو یہودیوں نے ایک دوسرے سے کہا اب ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ تو اُن کے قابلِ تقلید اور صاحبِ رائے افراد نے کہا، کیا حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے تمھارے اسلاف اور ان کے بعد آنے والوں کو حکم نہیں دیا تھا کہ محمدؐ وآل محمدؐ سے نُصرت طلب کرنا؟ اور کیا یہ حکم نہیں دیا تھا کہ پریشانیوں اور دشواریوں کے موقع پر انہی کے وسیلے سے اللہ سے گڑگڑا کر دُعا طلب کرنا؟ انھوں نے کہا کہ ہاں! تو ان کے بزرگوں نے کہا کہ تم بھی اسی طرح دُعا طلب کرو: ''اَللّٰھُمَّ بِجَاہِ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہِ الطَّیِّبِیْنَ لَمَّا سَقَیْتَنَا فَقَدْ قَطَعَتِ الظَّلَمَۃُ عَنَّا الْمِیَاہَ حَتّٰی ضَعُفَتْ شُبَّانُنَا وَتَمَاوَتَتْ وِلْدَانُنَا وَاَشْرَفْنَا عَلَی الْھَلَکَۃِ'' ''یا اللہ! محمدؐ اور ان کی پاکیزہ آل کا واسطہ تو ہمیں سیراب کر ان ظالموں نے ہم تک پانی کو پہنچنے سے روک دیا ہے۔ یہاں تک کہ ہمارے جوان تشنگی سے کمزوری محسوس کرنے لگے ہیں اور بچّے مر رہے ہیں اور ہم ہلاکت کے قریب پہنچ چکے ہیں'' جب ان یہودیوں نے ان الفاظ سے دعا طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دُعا قبول کر لی اور موسلا دھار بارش ہوئی اور پانی مسلسل جاری رہا کہ ان کے تالاب بھر گئے، کنویں، نہریں، اور پانی کے تمام ظروف لبالب ہو گئے تو وہ

بولے کہ دو میں سے یہ ایک اچھا کام ہوگیا۔ پھر وہ اپنی چھتوں پر چڑھ کر اس لشکر کی طرف دیکھنے لگے جس نے ان کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ بارش نے ان پر زبردست تباہی مچائی تھی۔ ان کے ساز و سامان ان کے ہتھاروں اور جانوروں کو اس بارش کی وجہ سے کافی نقصان پہنچا تھا۔ کچھ لوگ تو اس اچانک اور بے موسم بارش کی وجہ سے جو قحط سالی کے موسم میں ہوئی تھی گھبرا کر واپس چلے گئے اس لیے کہ ان کے سان و گمان میں بھی نہ تھا کہ اس موسم میں بارش ہوگی۔ باقی ماندہ لشکر والوں نے ان یہودیوں سے کہا چلو پانی کا انتظام تو ہوگیا اب کھانے کا انتظام کہاں سے کرو گے؟ اگر ہم میں کچھ لوگ واپس چلے گئے ہیں تو ہم جانے والے نہیں ہیں جب تک تمھیں اور تمھارے اہل و عیال کو مجبور نہ کردیں اور اپنے غصے کی پیاس نہ بجھا لیں۔ تو یہودیوں نے جواب دیا کہ جس ہستی نے محمدؐ و آل محمدؐ کے وسیلے سے ہماری دُعا قبول کر کے ہمیں سیراب کیا وہی ہمیں کھلانے پر بھی قدرت رکھتا ہے۔ اور جس خدا نے قبائل کے بعض افراد کو یہاں سے پلٹا دیا وہ باقی افراد کو بھی پلٹنے پر مجبور کردے گا۔ پھر انھوں نے محمدؐ و آل محمدؐ کے واسطے سے دُعا طلب کہ انھیں بھوک سے نجات دے اور غذائی اجناس فراہم کردے۔ تو اتنے میں ایک بہت بڑا قافلہ غذائی اجناس کو لے کر وہاں وارد ہوا دو ہزار اونٹ، خچر اور گدھے گیہوں اور آٹے سے لدے ہوئے تھے۔ انھیں علم بھی نہیں تھا کہ یہاں پر کوئی لشکر حملہ آور ہوا ہے۔ جب وہ اس بستی تک پہنچے تو لشکر محو خواب تھا انھیں اس قافلے کی آمد کا علم تک نہ ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اُن کی نیند گہری کردی وہ لوگ بستی میں آئے۔ انھیں کسی رکاوٹ کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ انھوں نے اجناس کو اتارا اسے فروخت کیا واپس چلے گئے اور لشکر کو سوتا چھوڑ گئے اور اُن میں سے کوئی ایسی آنکھ نہ تھی جو ان باتوں کو دیکھ رہی ہو جب تجارتی قافلہ دور چلا گیا تو یہ لوگ بیدار ہوئے اور یہودیوں کو جنگ کے لیے للکارا اور ایک دوسرے سے کہنے لگے جلدی کرو جلدی کرو انھیں بھوک نے آستایا ہے اب یہ ہمارے سامنے سرنگوں ہوجائیں گے تو یہودیوں نے اُن سے کہا۔ تم پروائے ہو ہمارے رب نے ہمارے کھانے کا انتظام کردیا تم سو رہے تھے کہ ہمیں یہ یہ اجناس مل گئیں اگر ہم تمھیں سوتے ہوئے قتل کرنا چاہتے تو ہمارے لیے بہت آسان تھا لیکن ہم نے اس ظلم و زیادتی کو پسند نہ کیا تم واپس چلے جاؤ ورنہ ہم محمدؐ و آل محمدؐ کے وسیلے سے تمھارے لیے بددُعا کریں گے اور ان کے ذریعہ مدد طلب کریں گے کہ تمھیں ذلیل و رُسوا کردیں جس طرح دُعا کی بدولت ہمارے کھانے پینے کا انتظام ہوگیا ہے۔ انھوں نے انکار کیا سرکشی پر آمادہ ہوئے تو پھر ان یہودیوں نے محمدؐ و آل محمدؐ کے وسیلے سے نصرت طلب کی۔ اس کے بعد تین سو افراد تین ہزار افراد کی جانب بڑھے ان میں سے کچھ کو قتل کیا گیا، کچھ کو قیدی بنایا گیا اور کچھ کو منتشر کردیا گیا۔ اور اُن کے قیدیوں سے عہد و پیمان لیا گیا۔ اس واقعہ کے بعد ان کی جانب سے کسی قسم کا ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا اس لیے کہ یہودیوں کی جانب سے اُن پر خوف غالب تھا۔ لیکن جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم مبعوث ہوئے تو ان یہودیوں نے ان سے

حسد کرنا شروع کیا ور انھیں اس لیے جھٹلا دیا کہ ان کا تعلق عرب سے تھا۔ اس کے بعد آں حضرتؐ نے اصحاب سے مخاطب ہو کر کہا! کہ محمدؐ وآل محمدؐ کے تذکرہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے مقابلہ میں یہودیوں کی نصرت کی تو اے امتِ محمدؐ تم پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ اپنے مصائب وشدائد کے موقع محمدؐ وآل محمدؐ کو یاد کرنا تا کہ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کے ذریعہ اُن شیاطین کے مقابلے میں تمھاری مدد کرے جو تم پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اس لیے کہ تم میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک فرشتہ دائیں طرف ہے جو اس کے حَسَنات (بھلائی کے کام) کو لکھتا ہے اور ایک فرشتہ بائیں جانب ہے جو اس کے سَیِّئات (برے اعمال) کو تحریر کرتا ہے۔ اور اسی کے ساتھ ابلیس کی جانب سے دو شیطان مسلّط ہیں جو اس انسان کو گمراہ کرتے رہتے ہیں۔ جب وہ شیاطین اس انسان کے دل میں برے برے خیالات ڈالنا شروع کریں تو اسے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرے اور کہے: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ۔ ''نہیں ہے کوئی طاقت اور کوئی قوت سوائے اللہ کے جو بلند وباعظمت ہو اور اے اللہ تو رحمت نازل فرما محمدؐ اور ان کی آل پر۔''

ان کلمات کی برکت سے دونوں شیاطین پیچھے ہٹ جائیں گے اور چھپ جائیں گے۔[۱]

۹۰- بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ-

ان لوگوں نے اپنے نفس کا کتنا برا سودا کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی مذمّت کی ہے اور آنحضرتؐ کو نبی برحق نہ ماننے پر ان کے اس عمل کو معیوب گردانا ہے۔ یعنی انھوں نے اپنے نفسوں کو ان ہدایا اور تحائف کے عوض بیچ ڈالا ہے جو ان تک پہنچتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا کہ وہ اپنے نفس کا سودا اللہ سے کریں اس کی اطاعت وفرماں برداری کے ذریعے تا کہ اللہ تعالیٰ اُن کے نفوس کو آخرت کی نعمتوں کے لیے مخصوص کر دے اور وہ اس سے دائمی فائدہ حاصل کرتے رہیں۔ لیکن انھوں نے یہ سودا اختیار نہیں کیا بلکہ ایسا معاملہ کیا جس کی آمدنی کو وہ رسول اللہ کی دشمنی میں خرچ کر سکیں تا کہ ان کی دنیوی عزت بھی باقی رہے اور جاہلوں پر ان کی ریاست بھی قائم رہے۔ انھوں نے پست ترین افراد سے حرام کی کمائی اور تحائف وصول کیے اور انھیں سیدھے راستے سے ہٹا کر گمراہی کی ڈگر پر ڈال دیا۔

اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ -

کہ زبردستی خدا کے نازل کردہ کلام کا انکار کر بیٹھے اس ضد میں کہ خدا اپنے فضل وکرم سے جس بندے پر جو چاہے نازل کر دیتا ہے۔

(۱) تفسیر امام حسن عسکریؑ، ص ۳۹۳-۳۹۶

تا کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ حضرت موسیٰ علیہ السّلام پر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی نبوت کی تصدیق کے بارے میں نازل کیا ہے محض اپنی ہٹ دھرمی اور حسد کی وجہ سے اس کا انکار کردیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے اپنے محبوب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر قرآن جیسی کتاب کو نازل کردیا جس میں آں حضرتؐ کی نبوت کو واضح کیا اور اس کے ذریعہ ان کی نشانیوں اور معجزات اور اہل بیتؑ کے فضائل کو ظاہر و باہر کردیا۔

فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰی غَضَبٍ ؕ وَلِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ۔

اب یہ غضب بالائے غضب کے حق دار ہیں اور ان کے لیے رُسوا کن عذاب بھی ہے۔

یعنی جب وہ پلٹے تو اُن پر اللہ کی جانب سے یکے بعد دیگرے غضب الٰہی نازل ہوتا رہا، پہلا غضب الٰہی اُس وقت آیا جب انھوں نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السّلام کو جھٹلایا تو اللہ نے اُنھیں راندۂ درگاہ بندر کی شکل میں تبدیل کردیا اور حضرت عیسیٰ کی زبانی اُن پر لعنت کرائی گئی۔

دوسرا غضب ان یہودیوں پر اس وقت نازل ہوا جب انھوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے اصحاب پیغمبرؐ کی تلوار کو اُن پر مسلّط کردیا اور بذریعہ تلوار انھیں اس بات کے لیے مجبور کیا گیا کہ یا تو وہ مطیع ومنقاد ہوکر سیدھی طرح مسلمان ہوجائیں یا پھر ذلّت کے ساتھ جزیہ ادا کریں۔

امیر المومنین علیہ السّلام نے فرمایا کہ میں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے یہ سُنا ہے کہ اگر کسی شخص سے کوئی علمی سوال دریافت کیا جائے اور وہ شخص اُس علم کو اس وقت چھپائے جب کہ اس کا اظہار کرنا واجب تھا اور تقیہ کا محل بھی نہ تھا تو ایسے عالم کو قیامت کے دن آگ کی لگام ڈال کرلایا جائے گا۔ [1]

وَلِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ۔

اور کافروں کے لیے رسوا کن عذاب ہے تا کہ انھیں اس عذاب نازل کرنے کا سبب بتلادیا جائے قرآن مجید میں جابجا اس طرح کے عذاب کو بیان کیا گیا ہے۔

(۱) تفسیر امام عسکریؑ، ص ۴۰۲

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا
وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ق وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ط قُلْ فَلِمَ
تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۱﴾
وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ
ظٰلِمُوْنَ ﴿۹۲﴾

۹۱- اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو کتاب نازل کی ہے اس پر ایمان لے آؤ تو وہ کہتے ہیں جو کتاب ہم پر پہلے نازل ہو چکی ہے ہم اسی کو مانتے ہیں اور وہ اس کے علاوہ جو کچھ ہے اس کا انکار کرتے ہیں۔ حالاں کہ وہ کتاب برحق ہے اور اُن کے پاس جو کتاب ہے اس کی تصدیق بھی کرتی ہے۔ آپ اُن سے دریافت کیجیے کہ اگر تم مومن ہو تو اس سے پہلے انبیا خدا کو کیوں قتل کرتے رہے؟

۹۲- یقیناً موسٰی تمھارے پاس واضح نشانیاں لے کر آئے تھے پھر تم نے اُن کے بعد گو سالہ کو معبود بنا لیا تم واقعی ظالم لوگ ہو۔

۹۱- وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ............ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ-

یعنی جب ان یہودیوں کو قرآن پر ایمان لانے کی دعوت دی جاتی ہے جو حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر نازل ہوا ہے تو وہ کہتے ہیں ہم تو صرف توریت پر ایمان رکھتے ہیں جو ہم پر نازل ہوئی ہے اس کے علاوہ وہ ہر کتاب کا انکار کرتے ہیں حالاں کہ یہ کتاب (قرآن) حق ہے اور یہ ان جملہ کتب کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پیشتر نازل ہوئیں اور قرآن توریت کی حقانیت کی تصدیق بھی کرتا ہے۔ اے نبی جب یہ لوگ توریت پر ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہیں تو آپ ان سے پوچھیں کہ یہ بتاؤ تمھارے اسلاف اللہ تعالیٰ کے فرستادہ انبیا کو بے دریغ کیوں قتل کرتے رہے جب کہ توریت میں واضح طور سے انبیا کے قتل کو حرام قرار دیا گیا ہے اور حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور قرآن مجید پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تمھارا دعویٰ غلط ہے کہ تم توریت پر ایمان رکھتے ہو۔

تفسیر عیاشی میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ اس آیت کا نزول اس قوم یہود میں ہوا جو آں حضرتؐ کے عہد نبوت میں موجود تھے اور انھوں نے اپنے ہاتھ سے نہ ان انبیا کو قتل کیا تھا اور نہ ہی یہ لوگ ان کے زمانہ میں موجود تھے، بلکہ انبیائے کرام کو ان کے اسلاف نے قتل کیا تھا جو ان سے پہلے

تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان یہودیوں کو انھیں میں سے قرار دیا ہے اور ان کے اسلاف کے عمل کو ان یہودیوں کی طرف منسوب کیا ہے اس لیے کہ یہ لوگ انہی کے پیرو کار تھے اور انھیں دوست رکھتے تھے۔[۱]

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں اس امر کی تحقیق کتاب کے چوتھے مقدمے میں گزر چکی ہے۔

۹۲-وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ-

یقیناً موسیٰ تمھارے پاس واضح نشانیاں لے کر آئے تھے پھر تم نے ان کے بعد گو سالہ کو معبود بنا لیا اور تم واقعی ظالم لوگ ہو یعنی حضرت موسیٰ علیہ السّلام واضح نشانیاں لے کر تمھارے پاس آئے تھے جب وہ میقات پر چلے گئے تو تم لوگوں نے ان کے پہاڑ پر چلے جانے کے بعد گو سالہ کو اپنا معبود بنا لیا اور تم نے ان کے جانشین کی مخالفت کی جسے انھوں نے اللہ کے حکم سے نامزد کیا تھا اور تمھارے درمیان چھوڑ کر گئے تھے جن کا نام ہارون تھا تم نے جو کچھ بھی کیا یہ سراسر ظلم تھا۔

---

(۱) تفسیر عیاشی، ص۵۱ ج۱

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَاۤ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ؕ قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ۗ وَ اُشْرِبُوْا فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖۤ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۳﴾

۹۳- اور اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے تم سے توریت پر عمل کرنے کا عہد لیا تھا اور تمھارے سروں پر کوہِ طور کو معلق کر دیا تھا کہ توریت کو مضبوطی سے تھامے رہو اور جو ہم کہیں اسے سنو تو انھوں نے ڈر کے مارے فوراً اقرار کرلیا کہ ہم نے تو سن لیا لیکن نافرمانی بھی کریں گے اور ان کے دلوں میں گوسالہ کی محبت ان کے کفر کے سبب گھول کر پلا دی گئی ہے۔ اے پیغمبر آپ ان سے فرما دیجیے اگر تم مومن ہو تو تمھارا ایمان تمھیں کتنی بری بات بتاتا ہے۔

۹۳- وَ اِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ.........الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ-

اور اے بنی اسرائیل تم یاد کرو جب ہم نے تمھارے اسلاف سے عہد و پیمان لیا تھا اور ہم نے کوہِ طور کو اُن پر اس وقت بلند کر دیا تھا جب انھوں نے ان باتوں کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا جنھیں حضرت موسٰی علیہ السلام لے کر آئے تھے۔ اللہ کا دین اس کے جملہ احکام اور محمدؐ و آل محمدؐ کی تعظیم کو بھی فرض کیا گیا تھا۔ اس وقت ہم نے اُن سے کہا کہ جو کچھ ہم نے تمھیں از قسم فرائض دیا ہے اسے مضبوطی سے تھام لو! ہم نے ہی تمھیں یہ فرائض عطا کیے ہیں اور تمھیں اسی وجہ سے قدرت اور کامیابی ملی ہے۔ اور انھیں اپنانے کی وجہ سے تم سے بیماریوں کو دور کر دیا ہے۔ لہٰذا تمھیں چاہیے کہ جو کچھ تم سے کہا جا رہا ہے اُسے سنو! تو وہ بولے کہ ہم نے آپ کی بات سُن لی لیکن ہم تو آپ کے حکم کی نافرمانی کریں گے یعنی انھوں نے اپنے دل میں نافرمانی کا ارادہ کر لیا جسے اللہ نے ظاہر کر دیا اس کا مفہوم یہ ہے کہ انھوں نے کہا ہم نے کان سے سُن لیا اور دل سے انکار کر دیا۔ ظاہری طور سے سب نے ذلّت و پستی کے ساتھ اطاعت کی تھی لیکن اُن کے دل منکر تھے۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ انھیں گوسالہ کی محبت پانی میں گھول کر پلا دی گئی ہے۔

قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖۤ اِيْمَانُكُمْ-

یعنی اے پیغمبر آپ ان سے فرما دیجیے کہ تمھارا ایمان تمھیں کتنی بری بات بتاتا ہے کہ تم میرا انکار کر دو۔

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ- اگر تم مومن ہو تو۔

جیسا کہ تم موسٰی اور توریت کے بارے میں یقین کر رہے ہو معاذ اللہ ایسا نہیں ہے موسٰی اور توریت ہرگز اس بات کا حکم نہیں دیتے کہ محمد مصطفیٰؐ کو تسلیم نہ کرو۔

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۴﴾

وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۵﴾

۹۴- اے نبی آپ ان سے کہہ دیجیے کہ اگر سارے انسانوں میں آخرت کا گھر صرف تمھارے لیے مخصوص ہے تو اگر تم سچے ہو تو موت کی تمنّا کرو۔

۹۵- اور یہ اپنے پچھلے اعمال کے سبب ہرگز موت کی تمنّا نہیں کریں گے اور اللہ ظالموں کے حالات سے اچھی طرح باخبر ہے۔

۹۴- قُلْ اِنْ كَانَتْ .... اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔

اے نبی آپ اُن سے کہہ دیجیے کہ اگر سارے انسانوں میں دارِ آخرت فقط تمھارے لیے مخصوص ہے، تو اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو موت کی تمنّا کرو۔

قُلْ- اے محمدؐ آپ ان یہودیوں سے کہہ دیجیے جو یہ کہتے ہیں کہ ''جنت تو صرف ہمارے لیے بنی ہے آپ کا اور آپ کے اہلِ بیتؑ کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ ہمیں تو محض آپ کی وجہ سے امتحان میں مبتلا کیا گیا ہے، ہم تو اللہ کے مخلص ولی ہیں اور اللہ کے منتخب بندے ہیں، ہماری دعائیں مستجاب ہوتی ہیں اور آج تک ہمارا کوئی سوال رد نہیں کیا گیا۔

اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ-

کہ اگر جنت اور اس کی نعمتیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام انسانوں کے علاوہ صرف تمھارے لیے مخصوص ہیں۔

فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ-

تو تم میں سے جو جھوٹا اور تمھارا مخالف ہے تم اس کے لیے موت کی تمنّا کرو اس لیے کہ محمدؐ علیؑ اور اُن کی ذریت کا یہ کہنا ہے کہ ان تمام انسانوں کے برعکس جو دینی اعتبار سے ان کے مخالف ہیں صرف یہی لوگ اللہ کے ولی ہیں اور اِن کی دعائیں بھی بارگاہِ خداوندی میں قبول ہوتی ہیں۔ تو اے یہودیو! اگر تم اس بات کے مدّعی ہو کہ جنت صرف تمھارے لیے خلق ہوئی ہے تو یہ کہو ''اَللّٰهُمَّ اَمِتِ الْكَاذِبَ مِنَّا وَمِنْ مُخَالِفِيْنَا لِيَسْتَرِيْحَ مِنَّا الصَّادِقُوْنَ وَلِتَزْدَادَ حُجَّتَكَ وُضُوْحًا بَعْدَ اَنْ وَضَحَتَ۔''

''اے اللہ! ہم میں سے جو جھوٹا اور مخالف ہے اُسے موت دیدے تاکہ ہم میں سے جو سچے ہیں وہ اطمینان کا سانس لیں اور تیری حجت لوگوں پر مزید واضح اور آشکار ہو جائے۔''

اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ۔

اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو کہ تم ہی حق پر ہو اور مخالفین کے مقابلے میں تمھاری دعائیں قبول ہوتی ہیں، تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے یہ باتیں پیش کرنے کے بعد اُن سے فرمایا کہ:

''تم میں سے جو بھی یہ کہے گا وہ لعابِ دہن گھونٹتے ہی اُسی جگہ مر جائے گا''

یہودیوں کو اس بات کا علم تھا کہ وہ جھوٹے ہیں اور حضرت محمد مصطفیؐ اور ان کے اصحاب باوفا سچے ہیں اسی وجہ سے انھوں نے ایسی دعا کرنے کی جسارت نہیں کی۔ ۱؎

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ موت کی تمنا سے مراد اپنے لیے موت کی خواہش کرنا ہے۔ اس لیے کہ اُن کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ اللہ کے ولی اور اس کے دوست ہیں اور اُن کا یہ کہنا کہ:

''لَنۡ يَّدۡخُلَ الۡجَنَّةَ اِلَّا مَنۡ كَانَ هُوۡدًا اَوۡ نَصٰرٰى''

''جنت میں ہرگز کوئی داخل نہ ہوگا سوائے یہودیوں اور عیسائیوں کے۔''

اس لیے کہ توریت میں یہ لکھا ہوا ہے کہ جو اولیا اللہ ہیں وہ موت کے متمنّی ہوتے ہیں اور موت سے نہیں ڈرتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جسے یہ یقین ہوگا کہ وہ جنّتی ہے وہ اس کا مشتاق ہوگا اور یہ چاہے گا کہ مکروفریب کے گھر (دنیا) سے نجات پاکر راہیِ جنّت ہو جیسا کہ امیرالمومنین علیہ السّلام نے فرمایا ہے: ''لَا اُبَالِیۡ وَقَعۡتُ عَلَى الۡمَوۡتِ اَوۡ وَقَعَ عَلَیَّ الۡمَوۡتُ۔'' مجھے اس کی کوئی فکر نہیں کہ میں موت پر جا پڑوں یا موت مجھ تک رسائی حاصل کرلے۔ ۲؎

حضرت عمار نے صفین میں کہا تھا: ''اَلۡاٰنَ اُلَاقِی الۡاَحِبَّةَ مُحَمَّداً وَحِزۡبَهٗ''

''اب میں اپنے پسندیدہ افراد یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور ان کی جماعت سے ملاقات کرنے جارہا ہوں۔'' ۳؎

خصال میں ہے کہ امیرالمومنین علیہ السّلام نے فرمایا جب اُن سے سوال کیا گیا کہ: ''بِمَا ذَا اَحۡبَبۡتَ لِقَاءَ رَبِّكَ''؟ آپ نے اپنے رب سے ملاقات کو کیوں پسند فرمایا تو انھوں نے جواب دیا: ''لَمَّا رَاَیۡتُهٗ قَدِ اخۡتَارَلِیۡ دِیۡنَ مَلَائِکَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَاَنۡبِیَائِهٖ عَلِمۡتُ بِاَنَّ الَّذِیۡ اَکۡرَمَنِیۡ بِهٰذَا لَیۡسَ یَنۡسَانِیۡ فَاَحۡبَبۡتُ لِقَاءَهٗ''

''جب میں نے یہ دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لیے اپنے فرشتوں، رسولوں اور نبیوں کے راستے کو پسند فرمایا ہے تو میں نے جان لیا کہ جس ہستی نے مجھے اس طرح عزّت بخشی ہے وہ مجھے کبھی بھی فراموش نہیں

(۱) تفسیر امام عسکریؑ، ص ۴۴۳

(۱) مستدرک الوسائل، ص ۲۰۱ ج ۱۱ / تفسیر ابی السعود، ص ۱۳۲ ج ۱ / تفسیر بحر المحیط، ص ۳۱۱ ج ۱ / انوار التنزیل، ص ۷۰ ج ۱

(۲) تفسیر ابی السعود ج ۱ ص ۱۳۲ و تفسیر البحر المحیط و انوار التنزیل

کرے گا تو میں نے اس کی ملاقات کو محبوب جانا۔'' [۱]

۹۵- وَلَنۡ يَّتَمَنَّوۡهُ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ ‌ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ بِالظّٰلِمِيۡنَ-

اور یہ اپنے پچھلے اعمال کی بنا پر موت کی ہرگز تمنا نہیں کریں گے اور اللہ تعالیٰ ظالموں کے حالات سے خوب باخبر ہے۔

یہودی ہرگز موت کی تمنا نہیں کریں گے اپنے اُن پچھلے اعمال کی وجہ سے جو اُن کے جہنّم میں جانے کا سبب بنے ہیں۔ جیسے حضرت محمدؐ کی نبوت کا انکار کرنا۔ قرآن کو اللہ کی کتاب تسلیم نہ کرنا اور توریت میں تحریف کر دینا وغیرہ وغیرہ۔

آیت کا یہ فقرہ '' وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ بِالظّٰلِمِيۡنَ '' (اللہ ظالموں کے کرتوت سے باخبر ہے) ان یہودیوں کے لیے ایک طرح کی دھمکی ہے اور انھیں اس بات سے آگاہ کرنا ہے کہ ایسے دعوے کی بنیاد پر جس کا ان کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے خود وہی لوگ ظالم ہیں۔ [۲]

---

(۱) الخصال ج ۱ ص ۳۳ ح ۱ (۲) بیضاوی، ص ۷۱ ج ۱

معانقۃ ۲ ع ۱۰

وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَ مَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَ اللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾

۹۶- اے رسول! آپ دیکھیں گے کہ یہ زندگی کے سب سے زیادہ حریص ہیں (بلکہ اس معاملہ میں) مشرکین سے بھی بڑھ کر ہیں ان میں سے ہر ایک کی یہ خواہش ہے کہ اسے ہزار برس کی عمر دے دی جائے لیکن اگر یہ طویل زندگی بھی انھیں مل جائے تو وہ عذاب الٰہی سے بچنے والے نہیں۔ اللہ اُن کے اعمال کو بخوبی دیکھ رہا ہے۔

یہ یہودی اس دنیا میں زیادہ دن اس لیے رہنا چاہتے ہیں کہ انھیں آخرت کی نعمتوں سے مایوسی ہے اس لیے کہ انھوں نے جو کفر اختیار کر رکھا ہے اس بنیاد پر وہ یہ جانتے ہیں کہ انھیں جنت کی نعمتوں میں سے کچھ ملنے والا نہیں ہے۔

بلکہ یہ لوگ زندگی کے معاملے میں مجوسیوں سے بھی بڑھ کر حریص واقع ہوئے ہیں۔ جو یہ سمجھتے ہیں کہ بس یہی دنیاوی نعمتیں ہیں جو کچھ ہیں، انھیں آخرت میں کسی نعمت کی توقع نہیں ہے۔

اور مشرکین کا جداگانہ ذکر بطور مبالغہ کیا گیا ہے تاکہ یہ بتایا جائے کہ یہ لوگ بھی ان کی طرح شدید لالچی ہیں بس ان کے پیش نظر صرف دنیوی زندگی ہے آخرت کا کوئی تصور نہیں۔

اور مشرکین کا الگ ذکر اس لیے بھی کیا گیا تاکہ یہودیوں کی زجر و توبیخ (سرزنش) کی جائے کہ منکرین کے حریصوں کے مقابلے میں ان کا زیادہ حریص ہونا جب کہ یہ جزا کا بھی اقرار کرتے ہیں، اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ اِن کے علم میں ہے کہ وہ جہنم میں جانے والے ہیں اسی لیے ہزار سال زندہ رہنے کی تمنّا کر رہے ہیں۔ [۱]

اگر انھیں دنیا میں ہزار سال رہنے کا موقع مل گیا تو دنیاوی عیش کرتے رہیں گے اور جہنّم کے عذاب سے بھی بچے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ اُن کے عمل کو دیکھ رہا ہے اسی کے مطابق انھیں بدلہ دیا جائے گا اور اُن پر کسی قسم کا ظلم نہ ہوگا۔

(۱) بیضاوی، ص ۷۱ ج ۱

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا
لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَ هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾
مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ
عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾

۹۷۔ اے رسول آپ کہہ دیجیے کہ جو بھی جبریل کا دشمن ہے اسے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ یہ وہی ہے جس نے اذنِ خداوندی سے قرآن کو آپ کے دل پر اتارا ہے، جو سابقہ کتب کی تصدیق کرتا ہے۔ یہ ہدایت اور صاحبانِ ایمان کے لیے بشارت ہے۔

۹۸۔ جو بھی اللہ، فرشتوں، رسولوں، جبرئیل اور میکائیل کا دشمن ہے اسے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ کافروں کا دشمن ہے۔

لفظ جبریل کو مختلف انداز میں پڑھا گیا ہے۔ جِبْرِیْل، جِبْرَئِیْل، جَبْرِیل، جَبْرَائِیْل اور جَبْرِل۔

اے پیغمبر آپ جبرئیل امین کے دشمنوں کو بتا دیجیے کہ یہ وہی جبرئیل ہے جو اذنِ خداوندی سے آپ کے قلبِ مبارک پر قرآن کو نازل کرتا ہے جیسا کہ سورۂ شعرا میں ارشاد فرمایا:

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ (۱۹۴۔ ۱۹۳الشعرا ۲۶)

روح امین نے آپ کے قلبِ مبارک پر قرآن کو نازل کیا تا کہ آپ ڈرانے والے بنیں۔

یہ قرآن مصدق بن کر آیا ہے اللہ کی ان کتابوں کا جو اس سے قبل نازل ہوئی ہیں اس قرآن کی صفت یہ ہے کہ اس میں گمراہی سے ہدایت ملتی ہے اور یہ نازل ہوا ہے تا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی نبوت اور حضرت علی علیہ السّلام اور اُن کے بعد دیگر ائمہ کی ولایت کی بشارت بھی دے اس لیے کہ بلا ریب وہ سب کے سب اللہ کے ولی ہیں۔

ایک قول کے مطابق اس آیت میں مومنین سے مراد محمدؐ و علیؑ کے شیعہ ہیں اور اُن کے اخلاف اور ذریت میں اُن کے متّبعین بھی اس میں شامل ہیں۔ [1]

۹۸۔ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ۔

جو بھی اللہ فرشتوں، رسولوں، جبرئیل اور میکائیل کا دشمن ہے اسے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ کافروں کا

---

(۱) تفسیر امام عسکریؑ، ص ۴۵۱

دشمن ہے۔

جو بھی اللہ سے اس لیے دشمنی کرتا ہے کہ اس نے اپنے مقرب بندوں کو انعام و اکرام سے نوازا ہے اور فرشتوں سے اس لیے دشمنی کرتا ہے کہ وہ ان ہستیوں کی نصرت کے لیے آتے ہیں، اور رسول سے دشمنی کی وجہ یہ ہے کہ وہ اُن عظیم ہستیوں کی فضیلت سے باخبر کر رہے ہیں اور اُن کے اتباع کی دعوت دے رہے ہیں، تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ ایسے کفار کا دشمن ہے۔ ایک ناصبی (دشمن علیؑ) نے آں حضرتؐ سے کہا تھا جب آں حضرتؐ نے حضرت علی علیہ السّلام کے بارے میں فرمایا کہ جبرئیل اُن کے دائیں طرف ہیں اور میکائیل اُن کے بائیں جانب ہیں اور اسرافیل اُن کے پیچھے ہیں اور ملک الموت اُن کے سامنے ہیں اور اللہ تعالیٰ عرش کی بلندی سے اپنے نبی کے ناصر کی طرف پسندیدگی کی نظر سے دیکھ رہا ہے تو ناصبیوں میں سے کسی نے کہا: اَنَا اَبْرَءُ مِنَ اللّٰهِ وَجِبْرَائِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ وَالْمَلٰۤئِكَةِ الَّذِيْنَ حَالُهُمْ مَعَ عَلِيٍّ مَاقَالَهُ مُحَمَّدٌ۔

”میں بری ہوں اللہ سے جبرئیل، میکائیل اور ان فرشتوں سے جو علیؑ کے ساتھ اس حال میں ہیں جیسا کہ حضرت محمدؐ نے فرمایا ہے۔“

تو اللہ نے جواباً فرمایا کہ جو علیؑ کی وجہ سے از روئے تعصب اِن سب کا دشمن ہے تو پھر اللہ تعالیٰ ان سے وہی سلوک کرے گا جو ایک دشمن، دشمن کے ساتھ کیا کرتا ہے۔[۱]

تفسیر قمی میں ہے کہ یہ آیت اُن یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی جنھوں نے آں حضرتؐ سے کہا تھا اگر آپ کے پاس میکائیل قرآن لے کر آتا تو ہم آپ پر ایمان لے آتے اس لیے کہ وہ رحمت کا فرشتہ ہے اور وہ ہمارا دوست ہے اور جبرئیل عذاب کا فرشتہ ہے جو ہمارا دشمن ہے۔[۲]

تفسیر امام میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حضرت جبرئیل علیہ السّلام سے بغض کی وجہ سے یہودیوں کی مذمت کی ہے۔ جبرئیل علیہ السّلام کا کام اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کو نافذ کرنا تھا جسے یہ لوگ ناپسند کرتے تھے۔ جیسے جبرئیل امین کا دانیال علیہ السّلام سے بخت نصر کو دور کر دینا تاکہ وہ اسے ناکردہ گناہوں کی سزا میں قتل نہ کر دیں۔ یہاں تک کہ اللہ کی کتاب میں یہودیوں کی موت کا وقت آ پہنچا اور اللہ کے علم سابق میں جو تھا وہ یہودیوں پر نازل ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے ان یہودیوں اور اُن دشمنانِ علیؑ کی مذمت کی ہے جو حضرت جبرئیل، میکائیل اور اُن فرشتوں سے بغض رکھتے ہیں جو کافروں کے خلاف حضرت علیؑ کی حمایت ونصرت کے لیے آتے ہیں یہاں تک کہ حضرت علیؑ نے ان کفار کو اپنی تلوار سے مغلوب اور مطیع بنا لیا۔[۳]

تفسیر امام اور احتجاج طبرسی میں ہے کہ ابو محمد نے کہا کہ ان سے جابر بن عبداللہ انصاری نے بیان کیا کہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم مدینۂ منورہ تشریف لائے تو یہودی حضرات آں حضرتؐ کے پاس

(۱) تفسیر امام عسکریؑ، ص ۴۵۱ (۲) تفسیر قمی، ص ۵۴ ج ۱ (۳) تفسیر امام عسکریؑ، ص ۴۴۸

ایک یہودی کو لے کر آئے جس کا نام عبداللہ بن صوریا تھا وہ یک چشم (کانا) تھا یہودی یہ سمجھتے تھے کہ یہ کتابُ اللہ کا بڑا عالم ہے اور علوم انبیا کا ماہر ہے اس نے آں حضرتؐ سے کچھ سوالات دریافت کیے جس کا آں حضرتؐ نے جواب شافی دے دیا جن کا انکار کرنا اُس کے بس میں نہ تھا۔ پھر وہ کہنے لگا بس ایک بات باقی رہ گئی ہے اگر آپ نے اس کا جواب دے دیا تو میں آپ پر ایمان لے آؤں گا اور آپ کا اتّباع کروں گا یہ بتایئے کہ آپ کے پاس کون سا فرشتہ پیغامِ رَبّانی لے کر آتا ہے تو آں حضرتؐ نے جواب دیا حضرت جبرئیل علیہ السّلام تو ابن صوریا نے کہا فرشتوں میں سے جبرئیل نامی فرشتہ تو ہمارا دشمن ہے وہ ہمیشہ قتل، سختی اور جنگ کا پیغام لے کر آتا ہے ہمارے فرشتے تو میکائیل ہیں جو ہمیشہ مسرّتوں اور آسائشوں کو لے کر آتے ہیں۔ تو اگر آپ کے پاس وہی میکائیل پیغام رسانی کے فرائض انجام دیتے ہیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ میکائیل ہمارے مُلک کے لیے باعث تقویت ہیں اور جبرائیل ہمارے ملک کے لیے موجب ہلاکت اور ہمارے دشمن ہیں۔ تو آں حضرتؐ نے اُس سے کہا تم پر وائے ہو تم حکم خداوندی سے نا آشنا ہو، اللہ تمھارے ساتھ جو سلوک کرنا چاہتا ہے جبرئیل کا کام تو اللہ کی اطاعت کرتے ہوئے صرف اُسے نافذ کرنا ہے۔ کیا تم نے دیکھا ہے کہ ماں باپ اگر اپنی اولاد کی بہتری کے لیے انھیں کڑوی دوا پلانے لگیں تو کیا یہ لازم آئے گا کہ اُن کی اولاد صرف اس وجہ سے اپنے ماں باپ کو اپنا دشمن سمجھنے لگے۔ نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کی معرفت نہیں رکھتے اور اس کے حکم سے غافل ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ جبرئیل اور میکائیل اللہ کے حکم کے مطابق عمل کرتے اور اسی کی اطاعت کرتے ہیں اگر کوئی شخص ان میں سے کسی ایک کا دشمن ہے تو یقیناً وہ دوسرے کا بھی دشمن ہے اور اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ وہ ایک سے محبت کرتا ہے اور دوسرے کا دشمن ہے تو وہ جھوٹا ہے۔ اسی طرح محمدؐ اور علیؑ دونوں بھائی ہیں جو ان دونوں کو دوست رکھے گا وہ اللہ کا دوست ہوگا اور جو ان دونوں سے دشمنی کرے گا وہ اللہ کا دشمن ہوگا اور جو ایک کا دشمن ہو اور یہ سمجھے کہ وہ دوسرے سے محبت کرتا ہے تو وہ جھوٹا ہے اور یہ دونوں ایسے شخص سے برأت کا اظہار کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے اور اس کی پسندیدہ مخلوق بھی ایسے افراد سے اظہار برأت کرتی ہے۔

امام حسن عسکری علیہ السّلام سے منقول ہے کہ سلمان فارسی نے ابن صوریا سے سوال کیا کہ یہ بتاؤ تمھاری جبرئیل سے دشمنی کا آغاز کب ہوا تو اس نے جواب دیا کہ جبرئیل نے ہم سے کئی بار دشمنی کی ہے اور سب سے زیادہ سخت مرحلہ وہ تھا کہ خداوند عالم نے انبیا کو بذریعہ وحی بتادیا تھا کہ بیت المقدس ایک شخص کے ہاتھوں تباہ ہوجائے گا جس کا نام بخت نصر ہے اور اسی زمانے میں ہمیں یہ بات بھی بتائی گئی کہ اللہ ایک امر کے بعد دوسرے امر کو نافذ کر دیتا ہے تو وہ جسے چاہے مٹادیتا ہے اور جسے چاہے باقی رکھتا ہے، جب ہم تک یہ بات پہنچی کہ جس میں بیت المقدس کی ہلاکت کی خبر ہے تو ہمارے پیشرو افراد نے بنی اسرائیل کے ایک

طاقت ور اور صاحب علم شخص کو جسے نبیوں میں شمار کیا جاتا تھا جس کا نام دانیال تھا بخت نصر کی تلاش میں روانہ کر دیا کہ اسے تلاش کر کے قتل کر دیں وہ کافی مال و متاع لے کر روانہ ہوئے تا کہ اس سلسلے میں خروج کر سکیں جب وہ اس کی تلاش میں روانہ ہوئے تو ان کی ملاقات بابل میں ایک لڑکے سے ہوئی جو کمزور تھا، مسکین تھا نہ اس کے پاس کوئی طاقت تھی نہ قوت ہمارے نمائندے نے اسے قتل کرنا چاہا تو جبرئیل نے اسے بچالیا اور ہمارے نمائندہ سے کہا اگر تمھارا رب وہی ہے جس نے تمھاری ہلاکت کا حکم دیا ہے تو وہ تمھیں اس شخص پر مسلط نہیں ہونے دے گا اور اگر ایسا نہیں ہے تو تم اسے بلاوجہ کیوں قتل کر رہے ہو ہمارے نمائندہ نے جبرئیل کی اس بات کی تصدیق کی اسے چھوڑ دیا اور ہماری طرف واپس آگئے اور ہمیں اس بات سے آگاہ کر دیا۔ جب بخت نصر نے طاقت حاصل کر لی، اور اسے بادشاہت مل گئی تو اس نے ہم سے جنگ کی اور بیت المقدس کو تباہ کر دیا اسی وجہ سے ہم جبرئیل کو اپنا دشمن گردانتے ہیں اور میکائیل بھی جبرئیل کے دشمن ہیں۔

تو سلمان فارسی نے کہا اے صوریا کے بیٹے تم اپنی اس عقل و دانش کی وجہ سے گمراہ ہو گئے ہو جو تمھیں غلط راستے پر لے جارہی ہے کیا تم نے غور کیا ہے کہ تمھارے بزرگوں نے بخت نصر کو قتل کرنے کے لیے کیوں کسی کو روانہ کیا حالاں کہ خداوند عالم نے اپنی کتابوں میں اپنے انبیا کی زبانی یہ بتلا دیا تھا کہ وہ اقتدار حاصل کرے گا اور بیت المقدس کو تباہ کر دے گا۔ انھوں نے دانیال کو بھیج کر خدا کے نبیوں کی تکذیب کرنی چاہی کہ انھوں نے جو اطلاع دی تھی اور جو خبر بتائی تھی وہ جھوٹی تھی انھوں نے انبیا پر بہتان تراشی کی یا خدا نے جو باتیں انھیں بتائی تھیں ان کی تصدیق کی تھی اور اس کے باوجود وہ اللہ پر غالب آنا چاہتے تھے۔ کیا دانیال اور انھیں بھیجنے والے لوگ سب کے سب اللہ کے منکر تھے اور کون سی عداوت جبرئیل امین کے بارے میں اس عقیدے کو جائز سمجھتی ہے اس لیے کہ جبرئیل تو اللہ تعالیٰ کے خلاف غلبہ حاصل کیے جانے میں سدِّ راہ ہیں اور خداوند عالم نے جو خبر دی ہے اس کو جھٹلانے کی نفی کر رہے ہیں۔ تو صوریا کے بیٹے نے جواب دیا کہ یہ بات درست ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیا کی زبانی اس بات کی خبر دی تھی لیکن اللہ جسے چاہے ثابت رکھے اور جسے چاہے مٹا دے۔

تو سلمان فارسی نے جواب دیا اگر ایسا ہے تو توریت میں ذکر شدہ جو باتیں گزر چکی ہیں اور جو مستقبل میں ہونے والی ہیں ان میں سے کسی شے پر بھروسہ نہ کرو اس لیے کہ اللہ جسے چاہے مٹا دیتا ہے اور جسے چاہے باقی رکھتا ہے۔ تو یہ بھی ممکن ہے کہ وتعالیٰ نے موسیٰؑ اور ہارونؑ کو نبوت سے معزول کر دیا ہو اور اُن کے دعوائے نبوت کو باطل قرار دے دیا ہو اس لیے کہ اللہ جسے چاہے مٹا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے باقی رکھتا ہے۔ اور ہو سکتا ہے ان دونوں نے جس بات کے وقوع پذیر ہونے کے بارے میں بتایا تھا وہ واقع نہ ہو اور جس چیز کے نہ ہونے کی خبر دی تھی وہ واقع ہو جائے، اور اسی طرح اللہ نے جو ثواب کا وعدہ کیا ہے اسے مٹا دے اور جو

عذاب کی وعید ہے اسے بھی مٹا دے اس لیے کہ اللہ جسے چاہے مٹا دیتا ہے اور جسے چاہے باقی رکھتا ہے۔اور چوں کہ تم نے ''یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَ یُثْبِتُ'' کے معنیٰ یہ قرار دیے ہیں اس لیے تم اللہ کے منکر ہو،اور اس کی غیب کی باتوں کو جھٹلانے والے ہو اور دینِ خداوندی سے باہر نکل گئے ہو۔اس کے بعد سلمان نے کہا۔میں گواہی دیتا ہوں کہ جو بھی جبرئیل کا دشمن ہے وہ میکائیل کا بھی دشمن ہے اور یہ دونوں اس کے دشمن ہیں جو ان دونوں سے عداوت رکھتا ہے اور یہ دونوں اس سے صلح رکھتے ہیں جو ان سے صلح رکھتا ہے اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت سلمان فارسی کے قول کے مطابق آیت نازل کی قُلْ مَنْ کَانَ عَدُوًّا..... الخ۔ [1]

(۱) الاحتجاج ج ۱ ص ۴۸۔۵۰

وَ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۚ وَ مَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾
اَوَ كُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۰﴾
وَ لَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

۹۹- اور یقیناً ہم نے آپ کی طرف روشن نشانیاں نازل کی ہیں اور صرف فاسق ہی ان نشانیوں کا انکار کریں گے۔

۱۰۰- ان کا حال یہ ہے کہ وہ جب بھی کوئی معاہدہ کرتے ہیں ان میں سے ایک گروہ اس عہد کو توڑ دیتا ہے۔ بلکہ ان کی اکثریت بے ایمان ہے۔

۱۰۱- اور جب ان کی طرف اللہ کے پاس سے ایسا رسول آیا جو ان کی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے، تو جنھیں کتاب دی گئی تھی ان میں سے ایک فریق نے اللہ کی کتاب کو پس پشت ڈال دیا گویا وہ اسے جانتے ہی نہ ہوں۔

۹۹- وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ-

اور ہم نے یقیناً آپ کی طرف روشن نشانیاں نازل کی ہیں۔ صرف فاسق ہی ان نشانیوں کا انکار کریں گے۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے ایسی روشن نشانیاں نازل کیں۔ اے نبی اکرمؐ جو آپ کی نبوّت کی صداقت اور آپؐ کے بھائی علی علیہ السّلام کی امامت پر دلالت کرتی ہیں۔

وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ-

صرف فاسقین ہی ان نشانیوں کا انکار کریں گے۔

فاسقین سے مراد وہ یہودی ہیں جو دین خداوندی اور اللہ کی اطاعت سے خارج ہو چکے ہیں۔ اور ایسے ناصبی جو جھوٹے اور نام کے مسلمان ہیں۔

۱۰۰- اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ-

ان کا حال یہ ہے کہ وہ جب بھی کوئی معاہدہ کرتے ہیں ان میں سے ایک گروہ اس عہد کو توڑ دیتا ہے بلکہ ان کی اکثریت بے ایمان ہے۔

وہ یہودی جب آپس میں یہ پکا معاہدہ کرتے ہیں کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے اطاعت گزار اور ان کے بعد علی علیہ السّلام کے حکم کے پابند اور اس پر عمل پیرا ہوں گے تو دوسرا گروہ نہ صرف اس معاہدہ کو توڑ دیتا ہے بلکہ اس کی خلاف ورزی بھی کرتا ہے۔ ان یہودیوں اور ناصبیوں کی اکثریت اپنی آئندہ زندگی میں اس معاہدے کی پابندی کرنے والی نہیں ہے اور روشن وواضح دلائل کے مشاہدے اور معاینہ کے باوجود تو یہ کرنے والی نہیں ہے۔

۱۰۱–وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔

اور جب ان کی طرف اللہ کے پاس سے ایسا رسول آیا جو ان کی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے، تو جنھیں کتاب دی گئی تھی اُن میں سے ایک فریق نے اللہ کی کتاب کو پس پشت ڈال دیا گویا کہ وہ اسے جانتے ہی نہ ہوں۔

امام صادق علیہ السلام سے اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں منقول ہے کہ ان یہودیوں اور ان سے ملتے جلتے ناصبیوں کی طرف جب اللہ کے پاس سے قرآن نامی کتاب آئی جو حضرت محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اور حضرت علی علیہ السّلام کے اوصاف ومحاسن پر مشتمل ہے اور ان کی دوستی اور ان کے دوستوں سے دوستی اور ان کے دشمنوں سے دشمنی کا حکم دیتی ہے۔ تو انہوں نے کتاب کے اس پیغام کو نظر انداز کر دیا۔[۱]

”میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ رسول نے کتاب کی تفسیر اس لیے بیان کی ہے کہ کتاب کے لیے رسول کی ضرورت ہے، لیکن ہر رسول کے لیے کتاب کی ضرورت نہیں اور اس لیے بھی تاکہ سابقہ بیان کی مطابقت ہو جائے اور آئندہ مضمون سے بھی ہم آہنگی ہو اس لیے کہ انھوں نے جس خیر کو چھوڑا وہ کتاب تھی“

نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ۔

تو جو لوگ صاحب کتاب ہیں انھوں نے توریت اور انبیاء پر نازل شدہ تمام کتابوں کو پس پشت ڈال دیا یعنی کتاب کی بیان کردہ باتوں پر عمل کرنا ترک کر دیا اس لیے کہ ان کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی نبوّت کا تذکرہ اور حضرت علیؑ کے بارے میں تاکید کی گئی ہے ان کا یہ عمل بر بنائے حسد تھا اور کتاب نے ان ہستیوں کے جو فضائل بتائے ہیں ان کا بھی انکار کر دیا۔[۲]

كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔

یعنی اس شخص جیسا عمل کیا جو اس علم کے باوجود کہ یہ حق ہے ظاہر یہ کرتا ہے کہ گویا کچھ نہیں جانتا۔

(۱) تفسیر امام عسکریؑ، ص ۴۷۱ (۲) تفسیر امام عسکریؑ، ص ۴۷۱

وَ اتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَ مَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ
الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ
هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ؕ وَ مَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ
فَلَا تَكْفُرْ ؕ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ؕ وَ
مَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ
وَلَا يَنْفَعُهُمْ ؕ وَ لَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۟ؕ
وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝١٠٢
ع ۱۲ ۱۲ وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝١٠٣

۱۰۲- اور ان باتوں کا اِتّباع کرنے لگے جو ''شیاطین'' سلیمان کی سلطنت میں لوگوں کو سنایا کرتے تھے۔ سلیمان کافر نہیں ہوئے بلکہ یہ شیاطین کافر تھے جو لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے اور وہ بھی جو کچھ دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر بابل میں نازل ہوا تھا۔ اور وہ دونوں لوگوں کو کچھ نہیں سکھاتے تھے جب تک انھیں بتلا نہ دیں کہ ہم تو ذریعہ آزمائش ہیں۔ تم کفر اختیار نہ کرو پھر بھی وہ لوگ ان فرشتوں سے ایسا جادو سیکھتے تھے جس سے میاں بیوی میں جدائی ڈال دیں حالاں کہ وہ اس سے کسی کو ضرر نہیں پہنچا سکتے تھے جب تک اللہ کا حکم نہ ہو اور وہ کچھ (ایسے منتر سیکھتے) تھے جو خود ان کے لیے نقصان دہ تھے فائدہ مند نہ تھے اور ان کے علم میں تھا کہ جو شخص ایسی چیزوں کا خریدار ہوگا اس کا آخرت میں کوئی حصّہ نہیں ہے اور جس چیز کے عوض انہوں نے اپنی جانوں کا سودا کیا تھا وہ کتنی بری تھی کاش وہ اس بات کو جان لیتے۔

۱۰۳- اگر وہ لوگ ایمان لے آتے اور متقی بن جاتے تو ان کے لیے اللہ کے پاس بہترین ثواب موجود تھا اے کاش وہ لوگ یہ بات سمجھ لیتے۔

۱۰۲- وَ اتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ-

اور ان باتوں کا اتباع شروع کر دیا جو ''شیاطین'' سلیمان کی سلطنت میں لوگوں کو سنایا کرتے تھے۔

یعنی شیاطین حضرت سلیمان کے ملک میں اور ان کے عہد میں جادو ٹونے کی باتیں لوگوں کو پڑھایا کرتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ سلیمان کافر اور ماہر جادوگر تھے انہوں نے جو کچھ پایا، جو اقتدار حاصل کیا اور جن چیزوں پر قدرت حاصل کی وہ سب کی سب اسی جادو ٹونے کی بدولت تھیں انھوں نے کہا کہ ہم بھی اسی جادو کے زور پر عجیب وغریب امور ظاہر کریں گے تا کہ لوگ ہمارے سامنے جھک جائیں۔ [1]

تفسیر قمی اور تفسیر عیاشی میں امام محمد باقر علیہ السّلام سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ جب حضرت سلیمان کا انتقال ہوگیا تو ابلیس نے جادو ایجاد کیا اور پھر اسے ایک کتاب میں تحریر کرڈالا اور اسے لپیٹ کر اس کی پشت پر تحریر کیا "یہ علم کا وہ ذخیرہ اور خزانہ ہے جسے آصف بن برخیا نے سلیمان بن داوٗد کی حکومت کے لیے وضع کیا تھا۔ جو شخص یہ اور یہ چاہتا ہو اسے ایسا اور ایسا عمل کرنا ہوگا" پھر اس کتاب کو اس نے تخت کے نیچے دفن کر دیا، اور انھیں اس کتاب کو پڑھنے کا مشورہ دیا کافروں نے کتاب کو پڑھ کر کہا سلیمان نے اس علم کے ذریعہ ہم پر غلبہ حاصل کیا تھا۔ مومنین نے جواب دیا نہیں ایسا نہیں ہے بلکہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے پیغمبر تھے اللہ تعالیٰ نے اسی بات کو اس آیت میں بیان کیا ہے " وَ اتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ" یعنی جادو کی تعلیم۔ [2]

کتاب احتجاج میں ایک حدیث ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السّلام سے سوال کیا گیا "شیاطین نے کہاں سے جادو کی تعلیم حاصل کی تو امام علیہ السّلام نے جواب دیا جس طرح طبیبوں نے علم طب حاصل کیا، کچھ نے تجربہ کیا اور کچھ نے بذریعہ علاج اس علم میں مہارت حاصل کی۔ [3]

وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ-

نہ تو سلیمان کافر ہوئے اور نہ ہی انھوں نے جادو کا استعمال کیا

وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا-

بلکہ درحقیقت یہ شیاطین کافر ہیں

يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ-

اس لیے کہ یہ لوگوں کو جادو کی تعلیم دیتے تھے جس کی نسبت انھوں نے سلیمان بن داوٗد کی طرف دی ہے۔

وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ-

اور وہ شیاطین ان لوگوں کو وہ جادو بھی سکھایا کرتے تھے جو بابل میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت کی طرف نازل کیا گیا تھا۔

ہاروت اور ماروت دو فرشتوں کے نام ہیں۔

(۱) تفسیر امام عسکریؑ، ص ۱۷۴۔۴۷۲ (۲) تفسیر قمیؒ، ص ۵۵ ج ۱ / تفسیر عیاشی، ص ۵۲ ج ۱ (۳) الاحتجاج، ص ۸۲ ج ۲

امام صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السّلام کے بعد جادوگروں اور توہّم پرستوں میں اضافہ ہوگیا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس زمانے کے نبی کے پاس دو فرشتوں کو بھیجا تاکہ وہ انھیں بتا دیں کہ یہ جادوگر کیا جادو کرتے ہیں۔ اور ان کے جادو کو کس طرح باطل کیا جاسکتا ہے اور ان کے مکر وفریب کا توڑ کیا ہے۔ نبی نے دونوں فرشتوں سے یہ سب کچھ سیکھ کر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اللہ کے بندوں کو یہ سب بتلا دیا اور انھیں حکم دیا کہ اس سے واقفیت حاصل کرکے اُس جادو کو باطل کردیں اور لوگوں پر جادو کرنے سے انھیں روک دیا یہ ایسا ہے جیسے کسی کو زہر کے بارے میں بتلا دیا جائے کہ زہر کی حقیقت کیا ہے؟ اور اس کی ہلاکت سے کیسے بچا جاسکتا ہے؟ پھر جو زہر کا توڑ سکھا دے اس سے یہ کہا جائے جب تم یہ دیکھو کہ کسی کو زہر دیا گیا ہے تو تم اس کے زہریلے پن کو اس طرح دور کردو اور خبردار زہر سے کسی کی جان نہ لینا۔ امام علیہ السّلام نے فرمایا کہ اس دور کے نبی نے دونوں فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ بصورت بشر انسانوں کے سامنے آجائیں اور اللہ تعالیٰ نے انھیں جو کچھ سکھا کر بھیجا ہے وہ لوگوں کو سکھا دیں اور انھیں نصیحت کریں۔ (۱)

وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ –

اور وہ فرشتے جب بھی کسی کو اس کی تعلیم دیتے اور جادو کا بطلان سکھاتے تو وہ اپنے طالب علموں سے یہ کہتے تھے کہ ہمیں بندوں کی آزمائش کے طور پر بھیجا گیا ہے تاکہ لوگ جادو سیکھ کر اللہ تبارک تعالیٰ کے اطاعت گزار رہیں اور اس کے ذریعہ جادو کے مکر کو باطل کردیں اور خود کسی پر جادو نہ کریں۔

فَلَا تَكْفُرْ –

اورانھوں نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ ”اس جادو کو استعمال کرکے اور اس کے ذریعہ سے نقصان پہنچا کر اور لوگوں کو اس امر کی دعوت دے کر کہ وہ اس بات کا اعتقاد رکھیں کہ تم اسی جادو کے ذریعہ انھیں مارتے اور جلاتے ہو اور ان امور پر قادر ہو جن پر صرف اللہ کو قدرت حاصل ہے۔“، ”کفر اختیار نہ کرو“ اس لیے کہ یہ تمام باتیں کفر سے تعلق رکھتی ہیں۔

فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا –

جادو سیکھنے والے دونوں طرح کے جادو سیکھ رہے تھے یعنی وہ بھی جو شیاطین حضرت سلیمانؑ کی مملکت میں جادوٹونے سکھا رہے تھے اور وہ بھی جسے دونوں فرشتوں ہاروت اور ماروت کو دے کر بھیجا گیا تھا۔

مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ –

جس کے ذریعہ شوہر اور بیوی میں جدائی اور افتراق کردیا جاتا تھا یہ جادو وہ سکھاتا تھا جو لوگوں کو نقصان پہنچانا چاہتا تھا۔ انھیں ہر قسم کے مکر وفریب تعویذ، گنڈوں اور توہّم پرستی کے ذریعہ تفریق کی تعلیم دی جاتی تھی

(۱) تفسیر امام عسکریؑ، ص ۴۷۳

اور یہ کہ اس تعویذ کو فلاں مقام پر دفن کر دیا جائے اور یہ عمل کیا جائے تا کہ بیوی کا دل شوہر سے اور شوہر کا دل بیوی سے بدگمان ہو جائے اور اس طرح دونوں میں جدائی پیدا کر دی جائے۔

وَمَا هُمۡ بِضَآرِّيۡنَ بِهٖ مِنۡ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ۔

لیکن یہ لوگ جو دوسروں کو نقصان پہنچانا چاہ رہے تھے انھیں مرضی خداوندی کے بغیر نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے انھیں آزاد چھوڑ رکھا تھا اور یہ علم الٰہی میں بھی تھا وہ اگر چاہتا تو ان کو زبردستی روک دیتا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔

وَيَتَعَلَّمُوۡنَ مَا يَضُرُّهُمۡ وَلَا يَنۡفَعُهُمۡ۔

جب ان لوگوں نے جادو کی تعلیم اس لیے حاصل کی کہ دوسروں پر جادو کریں اور انھیں نقصان پہنچائیں تو انھوں نے وہ علم حاصل کیا جس سے ان کے دین میں کوئی فائدہ نہیں پہنچ رہا تھا بلکہ سراسر نقصان ہی تھا کیوں کہ وہ تو جادو سیکھ کر دین سے ہی باہر نکلے جا رہے تھے۔

وَلَقَدۡ عَلِمُوۡا لَمَنِ اشۡتَرٰىهُ۔

اور جادو کی تعلیم حاصل کرنے والوں کو معلوم تھا کہ انھوں نے اپنے دین کو بیچ کر اس جادو کا سودا کیا ہے جسے سیکھ کر وہ دین سے نکل گئے ہیں۔

مَا لَهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ مِنۡ خَلَاقٍ۔

ایسے لوگوں کے لیے آخرت میں ثواب کا کوئی حصّہ نہیں ہے

کتاب عیون میں امام صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ چوں کہ ان لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ آخرت کا وجود نہیں ہے تو گویا وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ چوں کہ آخرت نہیں ہے اس لیے دنیا کے بعد آخرت میں ان کا کوئی حصّہ بھی نہیں ہے ان کا یہ خیال غلط ہے۔ دنیا کے بعد آخرت ہے لیکن چوں کہ انھوں نے آخرت کا انکار کر دیا اس لیے ان کا اس میں کوئی حصّہ نہیں۔ [1]

وَلَبِئۡسَ مَا شَرَوۡا بِهٖۤ اَنۡفُسَهُمۡ‌ؕ لَوۡ كَانُوۡا يَعۡلَمُوۡنَ۔

انھوں نے کتنا برا سودا کیا ہے کہ عذاب میں گرفتار ہو گئے ہیں۔ کاش انھیں علم ہوتا کہ انھوں نے آخرت کو بیچ ڈالا ہے اور جنّت میں ملنے والے حصے سے محروم ہو گئے ہیں اس لیے کہ اس جادو کے سیکھنے والے وہ لوگ ہیں جن کا اعتقاد یہ ہے کہ کوئی رسول نہیں، کوئی معبود نہیں نہ انھیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور نہ ہی ان کا حساب کتاب ہوگا۔

---

(۱) عیون اخبار الرضا ص ۲۶۸۔۲۶۹ ج ۱

۱۰۳- وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ -

اگر وہ لوگ ایمان لے آتے اور متقی بن جاتے تو ان کے لیے اللہ کے پاس بہترین ثواب موجود تھا اے کاش وہ لوگ یہ بات سمجھ لیتے۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے امام علیہ السّلام سے دریافت کیا کہ ہمارے پاس ایک گروہ ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ ہاروت و ماروت دو فرشتے ہیں۔ جنھیں فرشتوں نے چنا تھا جب اولاد آدم کی نافرمانیوں میں اضافہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو دنیا میں ایک تیسرے کے ساتھ نازل کیا اور یہ دونوں زُہرہ پر فریفتہ ہوگئے اور زنا کا ارادہ کیا انھوں نے شراب پی، ناجائز قتل کیے، اس کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے انھیں بابل میں بطور عذاب بھیج دیا اور جادوگر ان سے جادو کی تعلیم حاصل کرنے لگے اور اللہ تعالیٰ نے اس عورت کو مسخ کر دیا اور وہی زُہرہ ستارہ بن گیا تو امام نے جواب دیا ہم اس بات سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں اللہ کے فرشتے معصوم ہیں اور لطف خداوندی کی وجہ سے کفر اور قبیح باتوں سے محفوظ ہیں خداوند عالم نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے :

لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝ (۶ التحریم ۶۶)

اللہ کے کسی امر کی نافرمانی نہیں کرتے انھیں جو حکم دیا جاتا ہے وہ اسے بجالاتے ہیں۔

اور فرمایا: وَ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۭ وَ مَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ لَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ۝ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ۝ (۱۹-۲۰ الانبیاء ۲۱)

اور اسی اللہ کے لیے زمین و آسمان کی کل کائنات ہے اور جو اس کی بارگاہ میں ہیں وہ نہ اس کی عبادت سے اکڑ کر انکار کرتے ہیں اور نہ تھکتے ہیں۔ دن رات اسی کی تسبیح کر رہے ہیں اور وہ سستی کا شکار نہیں ہوتے۔

اور فرشتوں کے بارے میں یہ بھی فرمایا:

بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۝ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَ هُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ۝ (۲۶-۲۷ الانبیاء ۲۱)

بلکہ وہ فرشتے اس کے محترم بندے ہیں جو کسی بات پر اس سے سبقت نہیں کرتے اور اس کے احکام کے مطابق عمل کرتے رہتے ہیں۔ [1]

اللہ تعالیٰ کے قول: ''وَ اتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ'' کے ذیل میں تفسیر سے ملتی جلتی روایت کتاب عیون میں وارد ہوئی ہے جس میں قدرے اضافہ ہے جسے ہم نے اس کے مقام پر واضح کر دیا ہے۔ [2]

امام رضا علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جب ان سے زُہرہ کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ لوگوں میں یہ مشہور ہے کہ زہرہ ایک عورت تھی۔ ہاروت اور ماروت کی جس کے ذریعہ آزمائش کی گئی۔ اور ''سہیل'' کے

(۱) تفسیر امام عسکریؑ ص ۴۷۵ (۲) عیون اخبار الرضا ص ۲۶۸-۲۶۹ ج ۱

بارے میں یہ روایت بیان کرتے ہیں کہ وہ یمن کا باشندہ تھا اور لوگوں سے مال کا دسواں حصّہ وصول کیا کرتا تھا۔ تو امام علیہ السّلام نے جواب دیا کہ ان لوگوں نے کذب وافترا سے کام لیا کہ زہرہ اور سہیل جو دو چمک دار ستارے ہیں منشائے الٰہی سے یہ بعید ہے کہ وہ اپنے دشمن کو مسخ کرکے چمک دار نور کی شکل میں تبدیل کردے اور زمین وآسمان کی بقا تک انھیں بھی باقی رکھے، جنھیں اللہ تعالیٰ نے مسخ کردیا تھا۔ وہ تین دن سے زیادہ زندہ نہیں رہے اور نہ ہی ان کی نسل آگے بڑھی اور آج روئے زمین پر کسی مسخ شدہ مخلوق کا وجود نہیں ہے اور جن پر مسوخات کا اطلاق ہوتا ہے جیسے بندر، سور، ریچھ اور اسی قبیل کے دیگر حیوانات تو یہ سب حیوانات ان جانوروں کی مانند ہیں جن کی صورتوں پر اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو مسخ کردیا تھا جن سے وہ ناراض ہوا تھا اور ان پر لعنت کی تھی کیوں کہ انھوں نے توحید خداوندی کا انکار کیا تھا اور اس کے رسولوں کو جھٹلایا تھا۔

اب رہے ہاروت وماروت تو یہ دونوں فرشتے تھے جو لوگوں کو جادو کا علاج سکھایا کرتے تھے تاکہ وہ لوگ جادوگروں کے جادو سے محفوظ رہیں اور جادو سیکھ کر ان کی مکاریوں کو باطل کرسکیں۔ جب بھی وہ کسی کو جادو کی تعلیم دیتے تھے تو اس سے یہ کہتے تھے ہمیں بطور امتحان بھیجا گیا ہے تم لوگ کفر اختیار نہ کرنا تو ایک گروہ نے جادو استعمال کرکے کفر اختیار کرلیا جب کہ اس سے بچنے کا حکم دیا گیا تھا اور انھوں نے جادو سیکھ کر شوہر اور بیوی کے درمیان جدائی ڈالنے کا کاروبار شروع کردیا۔ [۱]

امام جعفر صادق علیہ السّلام اپنے آباؑ اجداد سے امیر المومنینؑ سے روایت کرتے ہیں انھوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے مسخ شدگان کے بارے میں سوال کیا تو آں حضرتؐ نے فرمایا کہ ان کی تعداد تیرہ ہے۔ [۲]

---

(۱) عیون اخبار الرضا، ص ۲۷۱ ج ۱ (۲) الخصال، ص ۴۹۳

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَ اسْمَعُوْا ۭ
وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾
مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ لَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ
عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَ
اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۰۵﴾
مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ۭ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ
اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۶﴾
اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ
اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ ﴿۱۰۷﴾

۱۰۴- اے ایمان دارو! تم رسول کو مخاطب کر کے راعنا (ہماری رعایت کر) نہ کہا کرو بلکہ اُنظرنا (ہم پر توجہ فرما) کہا کرو اور ان کی بات توجہ سے سنو اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

۱۰۵- (اے رسولؐ) اہل کتاب میں سے جنھوں نے کفر اختیار کیا وہ اور مشرکین یہ نہیں چاہتے کہ تمھارے پروردگار کی طرف سے تم پر خیر (وحی) نازل کیا جائے اور خدا جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے لیے مخصوص کر لیتا ہے اور خدا بڑا صاحب فضل ہے۔

۱۰۶- (اے رسولؐ) جب ہم کوئی آیت منسوخ کرتے ہیں یا (ذہن سے) مٹا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا ویسی ہی آیت نازل بھی کر دیتے ہیں کیا تمھیں معلوم نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

۱۰۷- کیا تم نہیں جانتے کہ آسمان و زمین کا اقتدار صرف اللہ کے لیے ہے اور خدا کے سوا تمھارا نہ کوئی سرپرست ہے اور نہ مددگار۔

۱۰۴- يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا-

اے ایمان دارو!

تفسیر عیاشی میں امیر المومنین علیہ السّلام اور حضرت سجاد علیہ السّلام سے مروی ہے کہ قرآن میں

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے مفہوم کو توریت میں یٰۤاَیُّهَا الْمَسَاکِیْنُ سے ادا کیا گیا ہے۔ [۱]

لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا-

تم "راعنا" مت کہو۔

راعنا کے معنی میں ہمارے احوال کی خبر لیں! ہماری طرف توجہ دیں، جو کچھ ہمیں تلقین کر رہے ہیں اسے ٹھہر ٹھہر کر بتائیں تاکہ ہم سمجھ لیں۔ جب یہودیوں نے سنا کہ مسلمان آں حضرتؐ سے "راعنا" کہہ کر خطاب کر رہے ہیں اور راعنا یہودیوں کی زبان میں گالی ہے یعنی تم سنو تم سننے والے نہیں ہو تو یہودیوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ اب تک ہم محمدؐ کو پوشیدہ طور سے گالیاں دیا کرتے تھے تو آؤ اب ہم علانیہ انھیں گالیاں دیں تو انھوں نے آں حضرتؐ کو راعنا کہنا شروع کر دیا۔ اور اس سے ان کی مراد گالی دینا تھا۔ سعد بن معاذ انصاری نے اس بات کو سمجھ لیا، ان یہودیوں پر لعنت کی اور کہا کہ اگر آئندہ ان کی زبان سے یہ لفظ جاری ہوا تو وہ ان کی گردن اڑا دیں گے اس پر یہ آیت نازل ہوئی وَقُوْلُوا انْظُرْنَا (اور تم انظرنا) ہماری طرف دیکھیے کہا کرو۔

وَاسْمَعُوْا-

(اور تم سنو) اور جب رسول اکرمؐ تم سے کچھ کہیں تو اسے غور سے سنو اور اطاعت کرو اور کافروں یعنی ان گالی دینے والوں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

۱۰۵- مَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْکِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِکِیْنَ اَنْ یُّنَزَّلَ عَلَیْکُمْ مِّنْ خَیْرٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ-

"خیر" سے مراد واضح نشانی اور ایسی دلیل جو نبوّت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا معجزہ ہو اور جس میں آں حضرتؐ اور ان کے اہل بیتؑ کی فضیلت ہو۔

وَاللّٰهُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ-

اللہ جسے چاہے دین اسلام کی توفیق کرامت کرتا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور علی علیہ السّلام کی دوستی سے نواز دیتا ہے۔

تفسیر مجمع البیان میں امیر المومنین علیہ السّلام اور امام باقر علیہ السّلام سے روایت ہے کہ "رحمت" سے مراد نبوّت ہے۔ [۲]

وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ-

اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے ان پر جنھیں اپنے دین کی توفیق دی اور محمدؐ و علیؑ کی دوستی کا شرف بخشا۔

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں یعنی فضل خداوندی یہ ہے کہ اس نے آں حضرتؐ کو نبوّت کے لیے منتخب کر لیا۔

---

(۱) تفسیر عیاشی، ص ۲۸۹ ج ۱ (۲) مجمع البیان، ص ۱۷۹ ج ۱-۲

۱۰۶ - مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰيَةٍ -

یعنی جب ہم کسی آیت کے حکم کو اٹھا لیتے ہیں

لفظ "نَنۡسَخۡ" کا ایک اعراب "نُنۡسِخۡ" بھی ہے۔

اَوۡ نُنۡسِهَا -

ہم اس کی تحریر کو اٹھا لیتے ہیں اور ذہنوں سے اس کے نقوش کو مٹا دیتے ہیں۔

اور اے محمدؐ! آپ کے قلب سے بھی ہم اسے اٹھا لیتے ہیں جیسا کہ فرمایا سَنُقۡرِئُكَ فَلَا تَنۡسٰۤى (۶ الاعلیٰ ۸۷)

ہم آپ کو ایسا سکھا دیں گے کہ آپ اس کو فراموش نہ کریں گے مگر اللہ جس نقش کو آپ کے ذہن سے مٹانا چاہے اس کی یاد کو آپ کے قلب و ذہن سے ہٹا دے گا۔

نَاۡتِ بِخَيۡرٍ مِّنۡهَاۤ -

ہم اس سے بہتر لے آئیں گے جس میں تمھیں زیادہ ثواب ملے گا اور جس میں تمھاری زیادہ بہتری مضمر ہوگی۔

اَوۡ مِثۡلِهَا -

یا وہ بہتری کے اعتبار سے ویسی ہی ہوگی یعنی ہمارے منسوخ کرنے اور تبدیل کرنے کا اصل مقصد تمھاری فلاح و صلاح ہے۔

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں وہ اس لیے کہ زمانہ اور افراد کی تبدیلی کے ساتھ مصلحتیں بھی بدل جایا کرتی ہیں اس لیے کہ اگر کوئی بات کسی زمانے اور فرد کے لیے سود مند ہو تو دوسرے زمانہ اور فرد کے لیے وہ ضرر رساں ہو سکتی ہے اور ہم اس بارے میں معصوم کے کلام سے تفصیلی تذکرہ انشاء اللہ آیات قبلہ کی تفسیر کے ذیل میں بیان کریں گے۔

کہا گیا ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ حضرت محمدؐ ایک بات کا حکم دیتے ہیں پھر اس سے روک دیتے ہیں اور اس کے خلاف دوسری بات کا حکم دیتے ہیں۔[1]

اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ -

کیا تم نہیں جانتے کہ تمھارے مصالح اور فوائد کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ منسوخ اور تبدیل کرنے پر مکمل قدرت رکھتا ہے۔

۱۰۷ - اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ -

کیا تم نہیں جانتے کہ آسمان و زمین کا اقتدار اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے وہی اس کی تدبیر اور

---

(۱) الکشاف، ص ۱۷۶، ج ۱

مصلحتوں کا علم رکھتا ہے وہ اپنے علم کے مطابق تمھاری تدبیر کرے گا۔

وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ-

اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی تمھارا سرپرست نہیں جو تمھاری بھلائی سے باخبر ہو اس لیے کہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا مصلحتوں کا علم نہیں رکھتا۔

وَّلَا نَصِيْرٍ-

اور نہ ہی تمھارا کوئی مددگار ہے کہ اگر اللہ کسی ناپسندیدہ بات کو نازل کرنے کا ارادہ کرے تو وہ تمھاری مدد کر سکے یا اللہ عذاب کرنا چاہے تو وہ اس عذاب کو تم سے دور کر سکے۔

اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ وَ مَنْ
يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۰۸﴾
وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۖۚ
حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا
وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۹﴾
وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ
تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۰﴾

الثلثة

۱۰۸- کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تم بھی اپنے رسول سے ویسے ہی (بے تکے) سوالات کرو جس طرح سابقہ زمانے میں حضرت موسیٰ سے کیے گئے۔ اور جس شخص نے ایمان کے بدلے کفر اختیار کیا وہ یقیناً سیدھے راستے سے بھٹک گیا۔

۱۰۹- (مسلمانو!) اہل کتاب میں سے اکثر لوگ اپنے دلی حسد کی وجہ سے یہ خواہش رکھتے ہیں کہ ایمان قبول کرنے کے بعد تمھیں پھر کافر بنا دیں اور (لطف کی بات یہ ہے کہ) ان پر حق واضح ہو چکا ہے پس تم ان کو معاف کر دو اور ان سے درگزر کرو یہاں تک کہ خدا اپنا کوئی اور حکم بھیج دے۔ بیشک اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

۱۱۰- اور (پابندی سے) نماز پڑھتے رہو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اپنی بھلائی کے لیے جو کچھ (خدا کے ہاں) پہلے بھیج دو گے تو اس (کے ثواب) کو اللہ کے ہاں موجود پاؤ گے۔ تم جو بھی عمل کر رہے ہو اللہ اس پر نگراں ہے۔

۱۰۸- اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ-

اے کفارِ قریش اور یہودیو! کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے اسی قسم کے سوالات کرو ان آیات کے بارے میں جن کے معنی تم نے اپنی مرضی سے گڑھ لیے ہیں تمھیں یہ بھی نہیں معلوم کہ اس میں تمھاری بہتری ہے یا خرابی، جیسا سوال تم نے اس سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السّلام سے کیا تھا اور ان سے مطالبہ کیا تھا جب ان سے کہا گیا ''ہم آپ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک اللہ کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں'' تو

ان لوگوں کو آسمانی بجلی نے آلیا۔

وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ۔

اور جو شخص رسول کے جواب دینے کے بعد ایمان کے بدلے کفر اختیار کرے گا۔ جو کچھ اس نے سوال کیا تھا اس پر اسے اللہ کے خلاف رائے دینے کا کوئی اختیار نہیں۔ یعنی آں حضرتؐ کے جواب دے دینے کے بعد اسے اپنا مشورہ دینے یا رائے پیش کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

اس کی رائے عدمِ ایمان کے مترادف ہے، یا اللہ تعالیٰ نے جو دلائل او ربراہین قائم کر دیے ہیں انھیں یہ ناکافی سمجھتا ہے اسی لیے یہ مخالفت کر رہا ہے اور اس پر حجّت قائم نہیں ہو رہی ہے یعنی اس طرح وہ ایمان کے بدلے کفر اختیار کر لیتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ آں حضرتؐ کی خدمتِ اقدس میں دس یہودی آئے وہ یہ چاہتے تھے کہ ازروئے عناد آں حضرتؐ سے ایسے سوالات دریافت کریں جن کا وہ جواب نہ دے سکیں پھر انھوں نے جو سوالات دریافت کیے آں حضرتؐ نے ان کے جوابات دے دیے اور جن نشانیوں کا مطالبہ کیا وہ انھیں دکھا دیں۔ ہم انھیں انشاء اللہ ان کے مقام پر بیان کریں گے۔

فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ۔

جس نے ایسی حرکت کی تو اس نے اس راہ اعتدال کو چھوڑ دیا جو جنّت کی طرف لے جاتا ہے اور اس راستے کو اپنا لیا جو جہنّم تک پہنچا دیتا ہے۔

۱۰۹- وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ۔

اہل کتاب میں سے اکثر لوگ دلی حسد کی وجہ سے تمھیں شک وشبہہ میں مبتلا کرتے ہیں انھیں تم سے یہ حسد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور ان کی پاک وپاکیزہ آل کے سبب مکرّم بنایا ہے یہ سب ان کی دلی خیانت کا نتیجہ ہے اس وجہ سے نہیں کہ وہ بڑے مقدّس اور حق کے پیروکار ہیں۔ ان کے حسد کی آگ اس وقت اور زیادہ بھڑک اٹھی جب انھوں نے معجزات کا مشاہدہ کر لیا جو آں حضرتؐ کی صداقت کا ثبوت فراہم کر رہے تھے اور علیؑ وآل علیؑ کی افضلیت کو واضح کر رہے تھے۔

کہا گیا ہے کہ حسد کی ایک وجہ آں حضرتؐ کے وہ اوصافِ حمیدہ ہیں جو توارت میں مذکور ہیں۔ (۱)

فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا۔

اب تم انھیں معاف کر دو اور ان کی جہالت سے درگزر کرو، اور براہین الٰہیہ کے ذریعہ ان کا مقابلہ کرو

(۱) انوار التنزیل، ص۷۶، ج۱

اور اسی وسیلے سے ان کے باطل امور کا دفاع کرو۔

''عَفُوْ'' کے معنی ہیں گناہ کی سزا نہ دینا اور معاف کردینا۔ اور ''صَفْح'' کے معنی ہیں گناہ پر ملامت نہ کرنا اور درگزر سے کام لینا۔

حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ۔

یہاں تک کہ فتح مکّہ کے روز امرالٰہی آجائے تو انھیں قتل کردیا جائے بے شک اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

۱۱۰ – وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ۔

کہا گیا ہے کہ یہ آیت پہلی آیت سے مربوط ہے یعنی انھیں حکم دیا جارہا ہے کہ وہ صبر کریں اور عبادت ونیکی کے ذریعہ اللہ کی پناہ طلب کریں۔ [1]

اور جو کچھ تم اپنے نفوس کے لیے پہلے بھیج چکے ہو جیسے نماز اور وہ مال جسے اطاعت الٰہی میں خرچ کرتے ہو یا اپنے برادرانِ ایمانی کے لیے اثر ورسوخ کو کام میں لاتے ہو۔ جس کے ذریعہ انھیں فائدہ پہنچاتے ہو اور نقصان کو ان سے ہٹاتے ہو تو اس کا ثواب اللہ کے ہاں اس طرح ملے گا کہ تمھاری برائیوں کو معاف کردیا جائے گا اور تمھاری نیکیوں کو بڑھا دیا جائے گا اور تمھارے درجات کو بلند کردیا جائے گا۔

بے شک اللہ تعالیٰ تمھارے ہر عمل سے باخبر ہے۔ تم اپنے عقیدہ اور نیت کے اعتبار سے جو بھی ظاہری یا باطنی عمل کرتے ہو وہ اللہ سے مخفی نہیں ہے۔

(۱) انوار التنزیل، ص ۷۶، ج ۱

وَ قَالُوْا لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰیؕ تِلْكَ اَمَانِیُّهُمْؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۱۱﴾

بَلٰیۗ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَ هُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ۪ وَ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ ع ۱۳ / ۹ / ۱۳

وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ لَیْسَتِ النَّصٰرٰی عَلٰی شَیْءٍ۪ وَّ قَالَتِ النَّصٰرٰی لَیْسَتِ الْیَهُوْدُ عَلٰی شَیْءٍۙ وَّهُمْ یَتْلُوْنَ الْكِتٰبَؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْۚ فَاللّٰهُ یَحْكُمُ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

۱۱۱- اور انھوں نے کہا کہ جنّت میں داخل نہ ہوگا مگر وہ جو یہودی ہو یا عیسائی ہو یہ ان کی بیجا آرزوئیں ہیں۔ اے رسول آپ کہہ دیجیے اگر تم سچّے ہو تو ثبوت پیش کرو۔

۱۱۲- ہاں! البتہ جس شخص نے اللہ کے سامنے اپنا سر جھکا دیا اور وہ اچھے کام بھی کرتا ہے تو اس کے لیے اس کے پروردگار کے یہاں اجر موجود ہے اور (آخرت میں) ایسے لوگوں کو نہ خوف ہوگا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔

۱۱۳- اور یہودی کہتے ہیں کہ نصاریٰ کا مذہب کچھ ٹھیک نہیں ہے اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہودی کا مذہب درست نہیں حالاں کہ دونوں فریق کتاب کی تلاوت بھی کرتے ہیں اور اسی قسم کی باتیں وہ (عرب کے مشرکین) کیا کرتے ہیں جو خدا کے احکام سے نا آشنا ہیں تو جس بارے میں یہ اختلاف کر رہے ہیں اللہ ان کے درمیان اس کا فیصلہ روز قیامت کر دے گا۔

۱۱۱- وَ قَالُوْا لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰیؕ تِلْكَ اَمَانِیُّهُمْؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۔

وَ قَالُوْا: انھوں نے کہا یعنی کہنے والے یہود اور نصاریٰ ہیں۔ یہودیوں نے کہا کہ جنّت میں سوائے یہودیوں کے کوئی نہیں جائے گا اور عیسائیوں نے کہا کہ جنّت میں سوائے عیسائیوں کے کوئی نہیں جائے گا۔ ان کی یہ ایسی آرزو اور خواہش ہے جس کی دلیل ان کے پاس نہیں ہے اے نبی آپ ان سے فرما دیجیے

کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو اس کی کوئی دلیل پیش کرو۔

۱۱۲- بَلٰیٓ مَنۡ اَسۡلَمَ وَجۡهَهٗ لِلّٰهِ وَ هُوَ مُحۡسِنٌ فَلَهٗۤ اَجۡرُهٗ عِنۡدَ رَبِّهٖ ۪ وَ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡهِمۡ وَ لَا هُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ۔

ہاں جو حق کو سن کر اور دلیل کو جان کر اپنا چہرہ اللہ کے حضور خم کر دے اور اللہ کی خاطر اپنے عمل کو بہترین بنالے تو روز جزا اور انصاف کے دن اسے اس کے رب کے پاس سے اس عمل کا ثواب ملے گا اور انھیں کسی قسم کا خوف نہ ہوگا جب کہ کفار عذاب دیکھ کر لرز رہے ہوں گے اور دم مرگ اہل ایمان کو کسی قسم کا غم نہ ہوگا اس لیے کہ ان تک جنّت کی خوش خبری آچکی ہوگی۔

۱۱۳-وَقَالَتِ الۡیَهُوۡدُ.......................فِیۡمَا کَانُوۡا فِیۡهِ یَخۡتَلِفُوۡنَ۔

یہودی یہ کہتے ہیں کہ عیسائیوں کا مذہب بے حقیقت ہے بلکہ غلط اور کفر ہے اور عیسائی یہ کہتے ہیں کہ یہودیوں کا مذہب کوئی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ غلط اور کفر ہے اس لیے کہ یہ دونوں فریق اپنی اپنی گردنوں میں مذہب کا قلادہ ڈالے ہوئے ہیں مگر ان کے پاس اس کی حقّانیت کی کوئی دلیل نہیں ہے حالاں کہ وہ کتاب کو پڑھتے ہیں مگر اس پر غور نہیں کرتے کہ کہیں واجبات پر عمل کر کے گمراہی سے نجات نہ پا جائیں۔

اسی طرح ان لوگوں نے بھی یہی بات کہی جو نہ حق کو جانتے ہیں اور نہ ہی حکم خداوندی کے مطابق اس میں غور وخوض کرتے ہیں یعنی یہ بھی ایک دوسرے کو کافر کہنے لگے۔

یہ دونوں فریق دنیا میں جس بارے میں لڑ جھگڑ رہے تھے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے درمیان فیصلہ کر دے گا یعنی ان کی گمراہی اور فسق و فجور کو واضح کرے گا اور ہر ایک کو اس کے استحقاق کے مطابق بدلہ دیا جائے گا۔

امام حسن عسکری علیہ السّلام فرماتے ہیں امام حسن بن علی علیہما السّلام نے اس آیت کا شان نزول یہ بیان فرمایا کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب یہودیوں کا ایک گروہ اور نصاریٰ کی ایک جماعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی خدمت میں آئی اور انھوں نے کہا اے محمدؐ ہمارے درمیان فیصلہ کیجیے۔ تو آں حضرتؐ نے فرمایا تم اپنی داستان بیان کرو تو یہودی کہنے لگے کہ ہم اس اللہ پر ایمان رکھتے ہیں جو واحد ہے اور صاحب حکمت ہے اور ہم اللہ کے دوست ہیں اور نصاریٰ دین اور حق کی کسی بات پر عمل پیرا نہیں۔ نصاریٰ نے کہا ایسا نہیں ہے بلکہ ہم ایمان رکھتے ہیں اس اللہ پر جو واحد اور حکیم ہے اور جو اس کا دوست ہے ہم اس کے دوست ہیں اور یہ یہودی دین اور حق کی کسی بات کو تسلیم نہیں کرتے تو آں حضرتؐ نے ارشاد فرمایا: تم سب کے سب گناہ گار، غلط کار، دین خداوندی اور اوامر الٰہی سے دور ہو تو یہودیوں نے کہا ہم کافر کیسے ہو سکتے ہیں جب کہ ہمارے درمیان کتاب خدا موجود ہے جس کا نام توریت ہے ہم اس کی تلاوت کیا کرتے

ہیں اب نصاریٰ نے کہا ہم کس طرح کافر ہو سکتے ہیں جب کہ ہمارے پاس اللہ کی کتاب انجیل ہے ہم جس کی تلاوت کیا کرتے ہیں۔ تو رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا: اے یہود و نصاریٰ تم نے کتاب خداوندی کی مخالفت کی اور اس پر عمل نہیں کیا اگر کتاب خداوندی پر تم دونوں کا عمل ہوتا تو بغیر دلیل کے ایک دوسرے کو کافر نہ قرار دیتے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب کو نازل کیا ہے نابیناؤں کو بینائی عطا کرنے، گمراہوں کو راہ دکھانے اور تمام جہانوں کو اس کے ذریعہ صراط مستقیم پر چلانے کے لیے۔ اگر تم کتاب خداوندی پر عمل نہ کرو گے تو یہ کتاب تمھارے لیے وبالِ جان بن جائے گی اور اگر حجت خداوندی کا اتباع نہ کرو گے تو اللہ کے نافرمان ہو جاؤ گے اور اس کی ناراضی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس کے بعد آں حضرتؐ نے یہودیوں سے مخاطب ہو کر فرمایا اس وقت سے ڈرو کہ امر الٰہی اور کتاب خداوندی کی مخالفت کرنے پر تمھارے اسلاف کے ساتھ جو کچھ ہو چکا ہے کہیں تمھیں بھی اس مصیبت کا سامنا نہ کرنا پڑے، جن لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ (۵۹ البقرہ ۲)

مگر ظالموں نے اس بات میں تبدیلی کر دی جو ان سے کہی گئی تھی تو ہم نے ان ظالموں پر ان کی نافرمانی کی بنا پر آسمان سے عذاب نازل کر دیا۔ [۱]

(۱) تفسیر امام عسکریؑ، ص ۵۴۴۔۵۴۵

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِیْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓىِٕكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ یَّدْخُلُوْهَاۤ اِلَّا خَآىِٕفِیْنَ ؕ۬ لَهُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۱۴﴾

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۗ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۱۵﴾

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾

بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَ اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾

۱۱۴- اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ کی مسجدوں میں اس کا نام لیے جانے سے روکے اور ان مسجدوں کی تباہی کے در پے ہو۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے مسجدوں میں آنا مناسب نہیں مگر یہ کہ ڈرتے ہوئے آئیں ان کے لیے تو دنیا میں بھی رسوائی ہے، اور آخرت میں بڑا بھاری عذاب ہے۔

۱۱۵- اور مشرق و مغرب سب اللہ کے ہیں۔ پس جس طرف بھی تم رُخ کرو گے اسی طرف اللہ کو پاؤ گے۔ اللہ بڑی وسعت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

۱۱۶- اور ان (یہودیوں) کا قول ہے کہ اللہ نے کسی کو اپنا بیٹا بنایا ہے۔ اللہ ان باتوں سے پاک ہے اصل حقیقت یہ ہے کہ زمین و آسمان کی تمام موجودات اس کی ملکیت ہیں اور سب کے سب اس کے اطاعت گزار ہیں۔

۱۱۷- وہ آسمانوں اور زمینوں کا موجد ہے وہ جس بات کا فیصلہ کر لیتا ہے اس کے لیے بس یہ حکم دیتا ہے "ہو جا" تو وہ ہو جاتی ہے۔

۱۱۴- وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ-

تفسیر مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے اور تفسیر قمی میں ہے کہ اس آیت میں وَمَنْ اَظْلَمُ

(سب سے بڑے ظالم) سے مراد قریش مکّہ ہیں جب انھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو مکّہ مکرّمہ اور مسجد حرام میں داخل ہونے سے روک دیا تھا۔ ۱

حضرت زید بن علی زین العابدینؑ نے اپنے آباؤ اجداد سے امیر المومنینؑ سے روایت کی ہے کہ مساجد سے مراد تمام روئے زمین ہے جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا ہے:

جُعِلَتْ لِيَ الْأَرضُ مَسْجِدًا وَتُرابُها طَهُورًا۔

''میرے لیے زمین کو جائے سجدہ اور اس کی مٹی کو طاہر اور مطہر بنایا گیا ہے۔'' ۲

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ یہ حکم عام ہے تمام مساجد کے لیے اور ہر قسم کی رکاوٹ کے لیے اگر چہ اس آیت کا نزول مخصوص واقعہ سے تعلق رکھتا ہے۔

وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ-

اور ان مساجد کو ویران کرنے کی کوشش کریں تاکہ عبادتِ خداوندی سے وہ آباد نہ ہوں ایسے لوگ ان مساجد میں قدم رکھنے کے اہل نہیں ہیں اور اگر وہاں جائیں بھی تو اس عدل کی وجہ سے ڈرتے ہوئے اور اس حکم سے خوف زدہ ہوکر جو ان پر نافذ کیا جائے گا کہ وہ حالت کفر میں اپنی تلواریں اور تازیانے لیے ہوئے وہاں داخل نہ ہوں۔

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ اس سے مراد امام عادل ہیں اس لیے کہ مومنین سے نصرت کا وعدہ کیا گیا تھا اور یہ کہ کافروں کے چنگل سے مساجد کو آزاد کرا لیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ نے اس زمانے کے مومنین سے اپنا وعدہ پورا کر دیا جب مکّہ فتح ہو گیا اور عام مومنین کے لیے وعدہ کو اس وقت پورا کرے گا جب امام عادل کا ظہور ہوگا۔

تفسیر عیاشی میں محمد بن یحییٰ سے روایت ہے کہ وہ ایمان قبول نہ کریں گے جب تک تلوار ان کے سروں پر نہ لہرائے گی۔ ۳

لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ -

ان کے لیے دنیا میں رسوائی اور ذلّت ہے کہ انھیں حرم سے دور کر دیا گیا اور انھیں اس کی طرف واپس آنے سے روک دیا گیا۔ اور آخرت میں ان کے کفر اور ظلم کی وجہ سے ان پر بہت بڑا عذاب ہوگا۔

امام حسن عسکری علیہ السّلام فرماتے ہیں کہ امام علی بن الحسین علیہما السّلام نے فرمایا:

منافقین اور ضعفاء میں منافقین سے ملتے جلتے افراد تھے جنھوں نے مدینہ منوّرہ کی مساجد اور تمام دنیا

(۱) مجمع البیان، ص ۱۹۰ ج ۱۔۲ / تفسیر قمّی، ص ۵۸ ج ۱ (۲) مجمع البیان، ص ۱۹۰ ج ۱۔۲ / عوالی اللئالی، ص ۱۳ ج ۲

(۳) تفسیر عیاشی، ص ۵۶ ج ۱

کی مساجد کو تباہ کرنے کا منصوبہ بنایا تھا اور اسی منصوبہ کی کڑی مدینہ منوّرہ میں حضرت علیؑ کو قتل کرنے کی سازش اور غزوہ تبوک میں عقبہ کے راستے میں آں حضرتؐ کو قتل کرنے کی کوشش بھی تھی۔ ۱

۱۱۵ – وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ۔

زمین کے دونوں کنارے مشرق و مغرب یعنی مکمل زمین کا مالک صرف اللہ ہے تم جس طرف بھی رُخ کرو گے اسی کی ہستی کو پاؤ گے اس لیے کہ وہ ہر جگہ موجود ہے۔ ۲

اللہ تعالیٰ اپنی ذات، علم، قدرت اور رحمت کے اعتبار سے اپنے بندوں پر وسعت رکھتا ہے اور وہ ہر ایک کی مصلحت سے باخبر ہے کہ کس سے اور کس جگہ سے اور کس سمت سے کیا عمل ظاہر ہو رہا ہے۔

تفسیر قمی میں ہے کہ یہ آیت نماز نافلہ کے لیے نازل ہوئی ہے کہ جب تم سفر میں ہو تو جس طرف رُخ کر کے چاہو نماز نافلہ ادا کر لو لیکن واجب نمازوں لیے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:

وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ (۱۴۴ بقرہ ۲)

اور اے مسلمانو! تم جہاں کہیں بھی ہو کعبہ کی طرف اپنا چہرہ کر لیا کرو۔

یعنی واجب نمازوں کو قبلہ کی سمت رُخ کیے بغیر ادا نہیں کر سکتے۔ ۳

تفسیر مجمع البیان میں بھی اسی جیسی روایت موجود ہے صاحب تفسیر مجمع البیان علامہ طبرسی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ہمارے ائمہ سے اسی طرح مروی ہے۔ ۴

تفسیر عیاشی میں امام باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس آیت فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ کو خاص طور سے نماز نافلہ کے لیے نازل فرمایا ہے۔

جب آں حضرتؐ مکّہ سے نکل کر خیبر کی جانب روانہ ہوئے تو جب مکّہ کی طرف واپس آئے تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے سواری کے رخ کے مطابق اپنی نماز اشارے سے ادا کی اور اس وقت خانہ کعبہ آپ کی پشت کی جانب تھا۔ ۵

زرارہ کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السّلام سے دریافت کیا کہ کیا سفر، کشتی اور محمل میں نماز پڑھنے کا حکم ایک جیسا ہے تو امام علیہ السّلام نے جواب دیا کہ نماز نافلہ کا حکم اس میں یکساں ہے جس طرف تمھاری سواری یا کشتی جائے اس طرف اشارہ کر کے نماز ادا کی جا سکتی ہے۔ البتہ نماز واجب ادا کرنے کے لیے سواری سے زمین پر اترنا ہوگا بشرطیکہ کوئی خوف نہ ہو اگر عالم خوف ہو تو اشارہ کر کے نماز ادا کرو۔ اب رہا کشتی کا معاملہ تو اس میں کھڑے ہو کر قبلہ رُخ نماز ادا کرو۔ حضرت نوح علیہ السّلام نے اپنے سفینے پر کھڑے

(۱) تفسیر امام عسکری علیہ السلام ص ۵۶۰ (۲) بیضاوی ص ۷۸۔ ج ۱ (۳) تفسیر قمی ص ۵۸۔۵۹ ج ۱

(۴) مجمع البیان ص ۱۹۱ ج ۱۔ ۲ (۵) تفسیر عیاشی ص ۵۶ ج ۱

ہو کر قبلہ رخ نماز پڑھی تھی جب کہ ابر چھایا ہوا تھا اور بارش ہو رہی تھی۔ زرارہ کہتے ہیں میں نے دریافت کیا مولاؑ: جب ایک دفعہ انھوں نے قبلہ کی طرف رخ کر لیا تو ابر کی موجودگی میں کس طرح ان کا رخ مسلسل قبلہ کی جانب رہا۔ تو امام علیہ السّلام نے جواب دیا کہ جبریل علیہ السّلام انھیں اس کی جانب موڑ دیتے تھے۔ تو اس کے بعد میں نے دریافت کیا کہ کیا ہر تکبیر کہتے وقت میری توجہ قبلہ کی طرف ہونی چاہیے تو امامؑ نے فرمایا نماز نافلہ میں اس کی پابندی لازمی نہیں ہے تم نماز نافلہ کی تکبیر قبلہ کی طرف رخ کیے بغیر بھی کہہ سکتے ہو پھر امامؑ نے فرمایا کہ نماز نافلہ ادا کرنے والے کے لیے ہر سمت قبلہ ہے جیسا کہ خداوند عالم نے فرمایا ہے:

فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ -

تم جس طرف بھی رخ کرو گے اس طرف اللہ کو پاؤ گے اللہ بڑی وسعت والا ہے اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ [۱]

کتاب علل الشرائع اور تفسیر عیاشی میں امام باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ آپ سے ایک ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا جو اپنی سواری کی پشت پر سجدۂ خالق میں مصروف تھا تو امامؑ نے فرمایا سواری کا رُخ جس طرف بھی ہو اس طرف سجدہ کرے اس لیے کہ آں حضرتؐ مدینہ کی جانب روانہ ہوتے ہوئے اپنے ناقہ پر نماز نافلہ ادا فرماتے تھے ارشاد رب العزت ہے: فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ - [۲]

کتاب فقیہ میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ آپ سے ایک شخص کے بارے میں سوال کیا گیا کہ وہ نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہوا اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد اسے محسوس ہوا کہ دائیں طرف اور بائیں طرف وہ قبلہ سے کچھ منحرف ہو گیا تھا تو آں حضرتؑ نے فرمایا اس کی نماز ہو گئی مشرق اور مغرب کے مابین قبلہ ہے اور یہ آیت اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی جو قبلہ کے تیقّن کے بارے میں حیران ہو۔ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ - [۳]

کتاب توحید میں حضرت سلمان فارسی سے "حدیث جاثلیق" والی روایت ہے کہ جاثلیق نے امیرالمومنین علیہ السّلام سے کچھ سوالات دریافت کیے تھے جن کا امامؑ نے جواب مرحمت فرمایا تھا ان میں سے ایک سوال یہ بھی تھا کہ اے امیرالمومنینؑ آپ مجھے بتایئے کہ وجہ رب سے کیا مراد ہے؟ تو حضرت نے آگ اور لکڑی منگوائی اور لکڑی کو جلوا دیا جب آگ بھڑک اٹھی تو حضرت نے فرمایا بتاؤ اس آگ کا چہرہ کس طرف ہے تو نصرانی نے جواب دیا ہر سمت سے اس کا چہرہ دکھائی دے رہا ہے تو حضرت علیؑ نے فرمایا تم نے لکڑیاں جمع کر کے جو آگ روشن کی جب اس کا چہرہ پہچانا نہیں جا رہا ہے تو پھر وہ خالق جو اس کے مشابہ نہیں اس کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے؟ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ

---

(۱) تفسیر عیاشی، ص ۵۶۔۵۷ ج ۱ (۲) علل الشرائع ص ۳۵۸/ تفسیر عیاشی ص ۵۷ ج ۱ (۳) من لا یحضرہ الفقیہ ص ۱۷۹۔ ج ۱

ہمارے رب سے کچھ بھی مخفی نہیں ہے۔ ۱؎

اور اسی سے ملتی جلتی روایت کتاب خصال میں امیر المومنین علیہ السّلام سے مروی ہے جب آپ نے یہودی کے سوالوں کا جواب دیا تھا۔ ۲؎

کتاب احتجاج میں امیر المومنین علیہ السّلام سے روایت ہے کہ ''وجہ اللہ'' سے مراد اللہ تعالیٰ کی وہ حجّتیں ہیں جنھیں اللہ نے اپنے اور اپنے رسول کے ساتھ ساتھ رکھا ہے اور جس طرح اپنی اطاعت فرض قرار دی ہے اسی طرح ان کی اطاعت کو بھی بندوں کے لیے لازم قرار دیا ہے۔ ۳؎

۱۱۶ ۔ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۔

یہودیوں نے کہا عزیر خدا کے فرزند ہیں اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح خدا کے بیٹے ہیں۔ اور عرب کے مشرکین نے کہا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔

سُبْحٰنَهٗ ۔

اللہ تبارک و تعالیٰ اس بات سے پاک و منزّہ ہے اس لیے کہ اولاد کا ہونا مشابہت، حاجت اور فنا کا متقاضی ہے۔

بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔

بلکہ جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے سب اللہ کی ملکیت ہے خواہ عزیر ہوں، مسیح ہوں یا فرشتے ہوں۔

كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ۔

سب کے سب اس کے اطاعت گزار اور فطری و جبلّی اعتبار سے اس کی بندگی کا اقرار کرنے والے ہیں وہ اس کی مشیت اور تخلیق میں رکاوٹ نہیں بن سکتے تو پھر اس جیسے کیسے ہو سکتے ہیں بیٹے کا حق ہے کہ وہ والد کا ہم جنس ہو۔

۱۱۷ ۔ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۔

کتاب الکافی میں امام باقر علیہ السّلام سے اس آیت کی تفسیر میں وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی سابقہ مثال کے اپنے علم سے تمام اشیاء کو ایجاد کیا۔ اس نے آسمانوں اور زمینوں کو خلق فرمایا جب کہ ان سے پہلے نہ آسمانوں کا وجود تھا اور نہ ہی زمینوں کا۔ کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول نہیں سنا وَكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ عرش الٰہی پانی کے اوپر تھا (۷ ھود ۱۱)۔ ۴؎

جب وہ کسی کام کا ارادہ کرتا ہے اور کسی چیز کو خلق کرنا چاہتا ہے تو فرماتا ہے ''ہو جا'' تو وہ شے معرض

(۱) التوحید، ص ۱۸۲ (۲) الخصال، ص ۵۹۷ (۳) الاحتجاج، ص ۳۷۵۔ ج ۱ (۴) الکافی، ص ۲۵۶ ج ۱

وجود میں آجاتی ہے۔لیکن نہ اس سلسلہ میں شور مچتا ہے اور نہ ہی کوئی اس کی آواز سنتا ہے بلکہ اس کا کلام اس کے عمل کی صورت میں صادر ہوتا ہے اور اس سے قبل اس جیسی شے موجود نہیں ہوتی اگر ایسا ہوتا تو وہ قدیم ہو جاتی اور دوسرے خدا کا وجود تسلیم کرنا پڑتا۔ نہج البلاغہ میں اس آیت کی تشریح میں مولائے کائناتؑ نے فرمایا:

یَقُوْلُ وَلَا یَلْفِظُ وَیُرِیْدُ وَلَا یُضْمِرُ۔

وہ (اللہ) فرماتا ہے لیکن لفظیں نہیں ہوتیں، ارادہ کرتا ہے لیکن اس کے لیے پہلے سے نہیں سوچتا۔[۱]

کتاب الکافی اور کتاب التوحید میں امام موسیٰ الکاظم علیہ السّلام سے مروی ہے" کہ مخلوقات کی جانب سے ارادہ نام ہے دل و دماغ سے سوچنا اور پھر اس کے بعد اس کا اظہار کرنا اور جب یہی ارادہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتو اس سے مراد ہے اسے عمل میں لانا اور اس کے علاوہ کچھ نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نہ تو پہلے سے سوچتا ہے، نہ اس کا اہتمام کرتا ہے اور نہ ہی غور وفکر کرتا ہے۔ اس لیے کہ یہ تمام منفی صفات ہیں جن کا مخلوقات سے تعلق ہے اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہے کہ شے وجود میں آجائے اس کے علاوہ کچھ نہیں جب وہ کسی شے کی تخلیق کا ارادہ کرتا ہے تو اس شے سے کہتا ہے ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے لیکن اس قول میں نہ لفظ ہوتا ہے، نہ گویائی، نہ اہتمام، نہ غور وفکر اور نہ ہی کیفیت۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کسی کیفیت سے متّصف نہیں ہوتا۔[۲]

اور ایک روایت میں ہے کہ لفظ"کُن" خَلق ہے اور "یکون" اس کی مخلوق۔[۳]

---

(۱) نہج البلاغہ،ص ۲۷۴ خطبہ ۱۸۶

(۲) الکافی،ص ۱۰۹ ج ۱ / والتوحید ص ۱۴۷۔ح ۱۷

(۳) عیون اخبار الرّضاج ۱ ص ۱۷۳۔ ۱۷۴ ح ۱

وَ قَالَ الَّذِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ لَوۡ لَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوۡ تَاۡتِيۡنَاۤ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ
قَالَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ مِّثۡلَ قَوۡلِهِمۡ ؕ تَشَابَهَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ ؕ قَدۡ بَيَّنَّا
الۡاٰيٰتِ لِقَوۡمٍ يُّوۡقِنُوۡنَ ﴿۱۱۸﴾
اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ بِالۡحَـقِّ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا ۙ وَّلَا تُسۡـَٔلُ عَنۡ اَصۡحٰبِ
الۡجَحِيۡمِ ﴿۱۱۹﴾
وَ لَنۡ تَرۡضٰى عَنۡكَ الۡيَهُوۡدُ وَ لَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمۡ ؕ قُلۡ اِنَّ
هُدَى اللّٰهِ هُوَ الۡهُدٰى ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعۡتَ اَهۡوَآءَهُمۡ بَعۡدَ الَّذِىۡ جَآءَكَ
مِنَ الۡعِلۡمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيۡرٍ ﴿۱۲۰﴾
اَلَّذِيۡنَ اٰتَيۡنٰهُمُ الۡكِتٰبَ يَتۡلُوۡنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖ ؕ
وَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ﴿۱۲۱﴾

وقف منزل — ع ۱۴ / ۹ / ۱۴

۱۱۸- اور جو لوگ علم نہیں رکھتے وہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ ہم سے خود ہم کلام کیوں نہیں ہوتا یا کوئی نشانی ہمارے پاس کیوں نہیں آتی۔ ایسی ہی باتیں ان سے پہلے کے لوگ بھی کیا کرتے تھے، ان سب کے دل آپس میں ملتے جلتے ہیں۔ یقین کرنے والوں کو تو ہم اپنی نشانیاں صاف صاف بتلا چکے ہیں۔

۱۱۹- اے رسول! ہم نے آپ کو حق کے ساتھ خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ جہنمیوں کے بارے میں آپ سے کسی قسم کا سوال نہیں کیا جائے گا۔

۱۲۰- اے پیغمبر! یہودی اور عیسائی آپ سے ہرگز راضی نہ ہوں گے، جب تک کہ آپ ان کے مذہب کے پیروکار نہ بن جائیں۔ آپ فرما دیجیے کہ بس راستہ وہی ہے جو اللہ نے تم کو بتایا ہے۔ ورنہ اگر علم آنے کے بعد آپ نے ان کی خواہشات کی پیروی کی تو پھر اللہ کی گرفت سے بچانے والا کوئی دوست اور مددگار آپ کے لیے نہ ہوگا۔

۱۲۱- جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اسے اس طرح پڑھتے ہیں جو پڑھنے کا حق ہے یہی لوگ سچے دل سے اس پر ایمان لائے ہیں۔ اور جن لوگوں نے اس کا انکار کیا ہے۔ وہ لوگ سراسر گھاٹے

میں ہیں۔

۱۱۸–وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ....قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ–

مشرکین میں سے جہلاء اور اہل کتاب میں سے اپنے علم پر عمل نہ کرنے والے یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ براہ راست ہم سے بات کیوں نہیں کرتا یا ہمارے پاس اس کی کوئی نشانی کیوں نہیں آتی۔

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ یہ قول سورہ مدثر کی اس آیت سے ملتا جلتا ہے۔ بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً (۵۲ المدثر ۷۴) کہ ان میں سے ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ اسے کھلی ہوئی آسمانی کتابیں عطا کی جائیں اسی طرح سابقہ امتوں میں سے کچھ افراد نے اسی قسم کی بات کہی تھی انھوں نے کہا تھا: اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً (۱۵۳ النساء ۴) اے موسیٰ تم ہمیں اللہ کو ظاہر بظاہر دکھلا دو اور یہ کہا: هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ (۱۱۲ مائدہ ۵) کیا تمھارا رب اس بات کی قدرت رکھتا ہے کہ ہمارے لیے آسمان سے خوانِ طعام نازل کر دے۔

ان لوگوں کے اور ان کے پیشرو افراد کے دل گمراہی اور دشمنی میں ایک جیسے ہیں۔

ہم نے صاحبان یقین کے لیے حقائق کو واضح انداز میں بیان کر دیا ہے۔

۱۱۹– اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا..........عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ–

ہم نے آپ کو دین حق کے ساتھ خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اب اگر وہ لوگ آپ سے ضد اور بحث کرتے ہیں اور اپنے لیے جہنّم میں جانے کے اسباب فراہم کرتے ہیں تو اس بارے میں آپ سے کوئی باز پرس نہ ہوگی۔

تفسیر مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السّلام سے روایت ہے کہ لَا تُسْئَلُ انکار کے لیے لایا گیا ہے۔ یعنی اگر وہ مشرکین اپنی ہٹ دھرمی اور ضد کے نتیجے میں جہنّم کا ایندھن بن گئے تو اس سلسلے میں آں حضرتؐ سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ [۱]

۱۲۰–وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ..........مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ–

اے پیغمبر یہ یہودی اور عیسائی ہرگز آپ سے راضی نہ ہوں گے جب تک آپ ان کے مذہب کی پیروی نہ کر لیں۔ ان کے اسلام کے بارے میں آں حضرتؐ کی مایوسی کی انتہا کو بیان کیا گیا ہے اس لیے کہ وہ لوگ پیغمبر سے اس وقت تک راضی نہ ہوں گے جب تک وہ ان کے مذہب کی پیروی نہ کر لیں تو پھر وہ خود کس طرح ان کی ملّت کا اتباع کریں گے۔ [۲]

(۱) مجمع البیان، ص۱۹۶، ج۱۔۲ (۲) بیضاوی، ص۹۷، ج۱

قُلۡ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الۡهُدٰى –

اے پیغمبر آپ ان سے فرما دیجیے کہ ہدایت خداوندی ہی حق کی ہدایت ہے یعنی اسلام سچا دین ہے نہ کہ وہ جس کی طرف تم بلا رہے ہو۔ اور اے نبی اگر علم (وحی) آجانے کے بعد آپ نے ان کی بے جا خواہشات اور فاسد رائے کی پیروی کی تو آپ کے لیے اللہ کی جانب سے نہ تو کوئی دوست ہوگا اور نہ ہی مددگار جو آپ سے عذاب خداوندی کو دور کر سکے۔

یہ خطاب جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے کیا جا رہا ہے۔ درحقیقت عربی کے اس مقولہ (اِیَّاكَ اَعۡنی وَاسۡمَعِی یَاجَارَہ) کے مصداق ہے۔

یعنی خطاب کسی سے ہے اور سنانا کسی اور کو مطلوب ہے۔ خطاب پیغمبر اکرمؐ سے ہے اور اللہ تعالیٰ یہ بات مسلمانوں کو سنانا چاہتا ہے۔

۱۲۱ – اَلَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰهُمُ الۡکِتٰبَ یَتۡلُوۡنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖ ؕ وَمَنۡ یَّکۡفُرۡ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ –

تفسیر مجمع البیان اور عیاشی میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے اس آیت کی تفسیر اس طرح بیان ہوئی ہے کہ تلاوت کا حق یہ ہے کہ جب جنّت اور جہنّم کا ذکر آئے تو وہاں کچھ دیر توقف کرے اور اس کے بعد جنّت میں جانے کی آرزو کرے اور جہنّم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرے۔ [1]

کتاب الکافی میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ یَتۡلُوۡنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ سے مراد ائمہ کرامؑ ہیں اور تفسیر عیاشی میں بھی یہ روایت موجود ہے۔ [2]

(۱) مجمع البیان ج ۱۔۲، ص ۱۹۸ و تفسیر عیاشی ج ۱ ص ۵۷ (۲) الکافی ج ۱ ص ۲۱۵ و تفسیر عیاشی ج ۱ ص ۵۷

يٰبَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَ اَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۲﴾
وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّ لَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّ لَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّ لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

۱۲۲- اے بنی اسرائیل یاد کرو میری ان نعمتوں کو، جن سے میں نے تمھیں نوازا تھا اور یہ کہ میں نے تمھیں دنیا کی تمام قوموں پر فضیلت دی تھی۔

۱۲۳- اور اس دن سے ڈرو جب کوئی شخص کسی کی طرف سے نہ فدیہ ہو سکے گا، نہ ہی اس کی طرف سے کوئی معاوضہ قبول کیا جائے گا اور نہ ہی کوئی سفارش فائدہ پہنچا سکے گی، اور نہ ہی مجرموں کو کہیں سے کوئی مدد فراہم ہو سکے گی۔

۱۲۲- يٰبَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَ اَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ -

اے بنی اسرائیل میری ان نعمتوں کو یاد کرو، جن سے میں نے تمھیں نوازا تھا اور یہ کہ میں نے تمھیں تمام اقوام عالم پر برتری عطا کی تھی۔

۱۲۳- وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّ لَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّ لَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّ لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ -

اور اس دن سے ڈرو جب کوئی شخص کسی کی طرف سے فدیہ نہ ہو سکے گا اور نہ ہی اس کی طرف سے کوئی معاوضہ قبول کیا جائے گا اور نہ ہی کوئی سفارش فائدہ پہنچا سکے گی، اور نہ ہی مجرموں کو کہیں سے کوئی مدد فراہم ہو سکے گی۔

ان دونوں آیتوں کی تفسیر اس سے قبل بیان کی جا چکی ہے۔

ایک قول کے مطابق اس سے پہلے جو بنی اسرائیل کا قصہ بیان کیا گیا اس میں انھیں یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ نعمتوں کو یاد رکھیں، حقوق کو پابندی سے ادا کریں اور انھیں ضائع نہ ہونے دیں۔ قیامت اور اس کی ہولناکی سے خوفزدہ رہیں اسی بات کو دوبارہ بیان کیا گیا ہے کلام کا اختتام زبردست نصیحت و موعظت کے ساتھ کیا گیا ہے اور انھیں یہ جتلا دیا کہ ان آیتوں میں گزشتہ واقعات کی تکمیل کر دی گئی ہے اور اس کے مقصود کی وضاحت کی گئی ہے۔[۱]

تفسیر عیاشی میں امام صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ "عدل" کا مفہوم اس مقام پر فریضہ ہے۔[۲]

اور امام محمد باقر علیہ السّلام فرماتے ہیں کہ "عدل" سے مراد فدیہ ہے۔[۳]

(۱) بیضاوی ص ۸۰ ج ۱ (۲) تفسیر عیاشی ص ۵۷ ج ۱ (۳) تفسیر عیاشی ص ۵۷ ج ۱

وَ اِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۲۴﴾

۱۲۴- اور وہ وقت یاد کرو جب ابراہیم کے رب نے چند کلمات کے ذریعہ ان کی آزمائش کی وہ ان سب میں پورے اتر گئے تو اللہ نے کہا، اے ابراہیم میں تمھیں تمام انسانوں کا امام بنانے والا ہوں، ابراہیم نے عرض کی اور میری ذریت میں سے؟ تو اللہ نے فرمایا میرا یہ عہد (امامت) ظالموں تک نہیں پہنچے گا۔

تفسیر قمی میں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی آزمائش یہ تھی کہ انھوں نے خواب میں دیکھا تھا کہ اپنے فرزند کو ذبح کررہے ہیں، ابراہیم علیہ السّلام نے خواب کو عملی جامہ پہنایا، اپنی بات پر قائم رہے اور سرِ تسلیم بارگاہ احدیت میں خم کر دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے جب عزم بالجزم کرلیا تو خداوند عالم نے ان کی صداقت، تسلیم اور حکم کی بجا آوری کے ثواب کے طور پر فرمایا: اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ میں تمھیں تمام انسانوں کا امام بناتا ہوں تو ابراہیمؑ نے عرض کی کیا میری ذرّیت میں بھی یہ سلسلہ جاری وساری رہے گا؟ تو ارشادِ باری ہوا لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ میرا یہ وعدہ ظالمین تک پہنچنے والا نہیں ہے یعنی ظالم امامت کی اہلیت نہیں رکھتا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ''حَنِیْفِیَّت'' یعنی طہارت کو نازل فرمایا اور یہ مجموعہ ہے دس باتوں کا ان میں سے پانچ کا تعلق سر سے ہے اور بقیہ پانچ بدن سے متعلق ہیں۔ جن کا تعلق سر سے ہے وہ یہ ہیں: مونچھوں کا کتروانا، داڑھی کا رکھنا، سر کے بالوں کو مونڈنا، مسواک کرنا اور خلال کرنا۔

جن چیزوں کا تعلق بدن سے ہے وہ یہ ہیں: بدن کے بالوں کا مونڈنا، ختنہ کرنا، ناخن کاٹنا، غسل جنابت کرنا، اور پانی سے طہارت کرنا۔

''حَنِیْفِیَّت'' سے یہی طہارت مراد ہے جسے ابراہیم علیہ السّلام لے کر آئے تھے یہ باتیں نہ تو منسوخ ہوئی ہیں اور نہ قیامت تک منسوخ ہوں گی۔ [1]

کتاب خصال میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: اس آیت میں ''کلمات'' سے مراد وہ اسمائے گرامی ہیں جو آدم علیہ السّلام کو سکھلائے گئے تھے۔ جن کی وساطت سے حضرت آدم علیہ السّلام کی توبہ قبول ہوئی تھی وہ کلمات یہ تھے کہ انھوں نے فرمایا: ''یَارَبِّ اَسْأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَعَلِیٍّ وَفَاطِمَةَ وَالْحَسَنِ وَالْحُسَیْنِ صَلَوٰاتُ اللّٰهِ عَلَیْهِمْ اِلَّا تُبْتَ عَلَیَّ'' فَتَابَ عَلَیْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ۔

(۱) تفسیر قمی ص ۵۹ ج ۱

''اے میرے پروردگار میں تجھ سے دعا کرتا ہوں محمدؐ، علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ کے حق کے واسطہ سے کہ میری توبہ کو قبول فرما'' تو اللہ نے توبہ قبول کی بے شک وہ توبہ کا قبول کرنے والا اور مہربان ہے۔ [۱]

کتاب الکافی میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے، آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو عبد بنایا قبل اس کے کہ امام بنائے اور نبی بنایا قبل اس کے کہ رسول بنائے اور رسول بنایا قبل اس کے خلیل بنائے اور خلیل بنایا قبل اس کے کہ امام بنائے جب یہ تمام صفات جمع ہوگئے تو فرمایا: اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا میں تمھیں تمام انسانوں کا پیشوا بناتا ہوں۔ تو امام علیہ السّلام نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی نگاہوں میں امامت اتنی عظیم تھی کہ فوراً فرمایا: وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ اور میری ذریت میں سے تو فرمایا کہ میرا وعدہ ظالمین کے لیے نہیں ہے [۲] اور آپ ہی سے مروی ہے کہ جو صنم کا پجاری یا بت پرست ہو وہ لائق امامت نہیں ہے۔ [۳]

کتاب عیون میں امام رضا علیہ السّلام سے ایک طولانی حدیث میں روایت ہے کہ امامت وہ عہدہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو نبوّت وخُلّت کے بعد عطا فرمایا اور فضیلت وشرف میں سب سے افضل قرار دیا اور اسے عظیم المنزلت قرار دیتے ہوئے فرمایا: اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا تو ابراہیم علیہ السّلام نے سرخوشی کے عالم میں فرمایا وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ اور میری ذریت میں سے تو فرمایا لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ۔ میرا یہ عہد ظالمین تک نہیں پہنچے گا۔ اس آیت نے روزِ قیامت تک ہر ظالم کی امامت کو باطل کردیا اور یہ عُہدہ صرف منتخب روزگار افراد کے لیے قرار پایا۔ [۴]

(۱) الخصال، ص ۳۰۵ (۲) الکافی، ص ۱۷۵ ج ۱

(۳) الکافی، ص ۱۷۵ ج ۱ (باب طبقات الانبیاء والرسل) (۴) عیون اخبار الرضا، ص ۲۱۷ ج ۱

وَ اِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا ؕ وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّی ؕ وَعَهِدْنَاۤ اِلٰۤی اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ اَنْ طَهِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَ الْعٰكِفِیْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّ ارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِیْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰی عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۱۲۶﴾

۱۲۵- اور جب ہم نے اس گھر (کعبہ) کو لوگوں کے لیے مرکز اور جائے امن قرار دیا تھا۔ اور یہ حکم دیا تھا کہ ابراہیمؑ کے مقام عبادت کو مستقل جائے نماز قرار دو اور ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کو یہ تاکید کی تھی کہ میرے اس گھر کو طواف، اعتکاف، رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک رکھو۔

۱۲۶- اور ابراہیمؑ نے دعا کی "اے میرے رب، اس شہر کو امن کا شہر بنا دے اور اس کے باشندوں میں سے جو اللہ اور روزِ قیامت کو مانے، اسے ہر قسم کے پھلوں کا رزق مہیا کر" تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور جو (ان باتوں کا) انکار کرے گا پھر بھی میں دنیا کی چند روزہ زندگی کا سامان اس کے لیے فراہم کروں گا، مگر آخرکار اسے جہنم کے عذاب کی طرف گھسیٹوں گا، اور وہ تو بدترین ٹھکانا ہے۔

۱۲۵- وَ اِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا-

اور جب ہم نے خانہ کعبہ کو عوام الناس کا مرجع، جائے بازگشت اور جائے امن قرار دیا۔

کتاب الکافی میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ انسانوں میں سے جو شخص حرم (خانہ کعبہ) میں آکر پناہ لے لے تو وہ اللہ تعالیٰ کے غضب سے محفوظ رہے گا۔ حتیٰ کہ اگر کوئی جنگلی جانور اور پرندہ حرم میں آجائے تو اسے بھی امن حاصل رہے گا اس بات سے کہ اسے بھڑکایا جائے یا اسے اذیت پہنچائی جائے یہاں تک کہ وہ حرم سے باہر چلا جائے۔ [1]

وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّی-

تم مقام ابراہیم کو جائے نماز قرار دو، اس سے مراد وہ پتھر ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے نشاناتِ قدم ہیں۔

---

(۱) الکافی، ص ۲۲۶ ج ۴

کتاب تہذیب میں امام صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ مقام ابراہیم کو جائے نماز قرار دیے جانے سے مراد دو رکعت نماز طواف ہے جو ہر طواف کے بعد فرض ہے۔ ۱

اور ایسی ہی روایت کتاب کافی اور تفسیر عیاشی میں امام باقر علیہ السّلام سے وارد ہے کہ شامیوں نے اللہ تبارک وتعالیٰ پر کتنا بڑا الزام لگایا ہے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جب آسمانوں کی بلندی پر گیا تو اس نے بیت المقدّس کے ایک پتھر پر اپنا قدم رکھا، ایسا نہیں ہے بلکہ اللہ کے بندوں میں سے ایک بندے نے پتھر پر اپنا قدم رکھا تھا جس کی بنا پر اللہ نے حکم دیا کہ ہم اس جگہ کو جائے نماز قرار دیں۔ ۲

تفسیر مجمع البیان اور تفسیر عیاشی میں امام باقر علیہ السّلام سے مروی ہے، آپ نے فرمایا تین تھر جنّت سے نازل ہوئے۔

۱۔مقام ابراہیم ۲۔حجر بنی اسرائیل ۳۔حجر اسود۔ ۳

وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَ الْعٰكِفِيْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ۔

تفسیر قمی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ طہارت سے مراد اس آیت میں یہ ہے کہ کعبہ سے مشرکین کو علاحدہ کردیں، دور کردیں۔ اور فرمایا کہ جب ابراہیم علیہ السّلام نے خانہ کعبہ کی تعمیر کو مکمل کرلیا اور لوگوں نے حج کرنا شروع کیا تو کعبہ نے اللہ تعالیٰ سے شکایت کی کہ مشرکین کی (بدبودار) سانس سے اسے اذیت پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف وحی کی اے میرے کعبہ تیری مراد برآئی میں آخری زمانے میں ایسی قوم کو مبعوث کروں گا جو مسواک سے اپنے دانت کو صاف رکھیں گے اور خلال کرتے ہوں گے۔ ۴

کتاب علل الشرائع اور تفسیر عیاشی میں امام صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ آپ سے سوال کیا گیا کہ جب خواتین خانہ کعبہ میں آئیں تو کیا ان پر غسل کرنا لازم ہے؟ تو امام نے فرمایا "بے شک" اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَ الْعٰكِفِيْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ۔ تم دونوں (ابراہیم واسمٰعیل) اس گھر کو پاک رکھو طواف، اعتکاف، رکوع وسجدہ کرنے والوں کے لیے تو ہر بندے پر لازم ہے کہ طہارت کے بغیر اس میں داخل نہ ہو یعنی پانی سے میل کچیل دھولے اور پسینے کو صاف کرلے اور پاک وپاکیزہ ہوکر کعبہ میں داخل ہو۔ ۵

اور اسی قسم کی روایت کتاب الکافی میں بھی وارد ہوئی ہے۔ ۶

۱۲۶– وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّ ارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ۔

کتاب علل الشرائع میں امام رضا علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے

(۱) تہذیب الاحکام، ص ۱۳۸ ج ۵ (۲) الکافی، ص ۲۲۳ ج ۴ و تفسیر عیاشی، ص ۵۹ ج ۱ (۳) مجمع البیان، ص ۲۰۳ ج ۱-۲ و تفسیر عیاشی، ص ۵۹ ج ۱ (۴) تفسیر قمی، ص ۵۹ ج ۱ (۵) علل الشرائع، ص ۴۱۱ و تفسیر عیاشی، ص ۵۹ ج ۱ (۶) الکافی، ص ۴۰۰ ج ۴

اپنے پروردگار سے یہ دعا کی کہ وہ ان کی اولاد کو پھلوں کا رزق عطا کرے تو اللہ تعالیٰ نے زمین کے ایک حصے کو حکم دیا جس نے پھلوں سمیت خانہ کعبہ کا طواف کیا پھر اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا کہ اپنے مقام پر پلٹ جاؤ جس کا نام طائف رکھا گیا۔ ۱

تفسیر قمّی میں امام صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ اس سے مراد ''دلوں کے پھل'' ہیں یعنی ابراہیم علیہ السّلام نے دعا کی کہ اے اللہ تو انھیں لوگوں میں محبوب بنا دے تاکہ لوگ ان کی طرف رجوع کریں۔ ۲

میں ''فیض کاشانی'' کہتا ہوں کہ یہ تاویل ہے اور وہ تفسیر تھی تاویل کا شاہد سورۂ ابراہیم کی یہ آیت ہے:

فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ۔ (۳۷ ابراہیم ۱۴)

پروردگارا! تو لوگوں کے دلوں کو ان کی جانب مائل کر دے۔

کتاب عوالی میں دوسری حدیث ہے جو اس کے مناسب مقام پر انشاء اللہ بیان کی جائے گی۔ ۳

مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔

اور اس کے باشندوں میں سے جو اللہ اور روزِ قیامت کو مانے

تفسیر عیاشی میں حضرت سجاد علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس سے مراد ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنے والے اور ان کے وصی کے شیعہ ہیں۔ ۴

قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا۔

اللہ نے کہا جس نے انکار کیا انھیں بھی میں چند روزہ زندگی کا سامان فراہم کروں گا

ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ۔

پھر آخرکار انھیں جہنّم کے عذاب کی طرف گھسیٹوں گا

وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ۔

اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔

کہا گیا ہے کہ اس سے مراد امت کے وہ لوگ ہیں جنھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی پیروی نہیں کی اور ان کے وصی کا انکار کیا یہی حال خدا کی قسم اس امّت کا ہے۔ ۵

(۱) علل الشرائع، ص ۴۴۲ (۲) تفسیر قمّی، ص ۶۲ ج ۱ (۳) عوالی اللیالی، ص ۹۶ ج ۲
(۴) تفسیر عیاشی، ص ۵۹ ج ۱ (۵) تفسیر عیاشی، ص ۵۹ ج ۱

وَ اِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَ اِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾

رَبَّنَا وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠ وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَ تُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾

رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۲۹﴾ ع ۱۵ ۸ ۱۵

۱۲۷- اور یاد کرو جب ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اس گھر کی دیواریں اٹھا رہے تھے تو دعا کرتے جاتے تھے ''اے ہمارے رب ہم سے یہ خدمت قبول فرمالے'' بے شک تو ہر ایک کی بات سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

۱۲۸- پروردگار! تو ہم دونوں کو اپنا مسلم (فرماں بردار، اطاعت گزار) بنادے اور ہماری نسل سے ایسی قوم مبعوث کر جو تیری مسلم (فرماں بردار) ہو، ہمیں اپنی عبادت کے طریقے بتلا اور ہماری توبہ قبول کرلے بے شک تو، توبہ قبول کرنے والا اور مہربان ہے۔

۱۲۹- بار اِلٰہا! ان لوگوں میں خود انہی کی قوم سے ایک رسول مبعوث فرما جو انھیں تیری آیتوں کی تلاوت کرکے سنائے، ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ نفس کرے، بلاشبہ تو بڑا صاحبِ اقتدار اور صاحبِ حکمت ہے۔

۱۲۷- وَ اِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَ اِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ-

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا-

اے پروردگار تو ہمیں اس گھر کی تعمیر کے سبب اپنا تقرب عطا فرما۔

اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ-

بے شک تو ہماری دعاؤں کو سننے والا اور ہماری نیتوں کا جاننے والا ہے۔

تفسیر قمّی میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جب حضرت اسماعیلؑ حدِ بلوغت کو پہنچ گئے تو اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السّلام کو حکم دیا کہ ''گھر کی تعمیر کریں'' انھوں نے سوال کیا پروردگار! زمین کے کس

حصّے میں؟ جواب ملا کہ اس زمین پر جہاں حضرت آدم علیہ السّلام پر میں نے قُبّہ کو نازل کیا تھا جس سے حرم کی زمین منوّر ہوگئی تھی، ابراہیم علیہ السّلام نے مزید وضاحت طلب کی۔ اس لیے کہ جوقُبّہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ پر نازل کیا تھا وہ طوفان نوح تک اس جگہ پر باقی تھا جب ساری دنیا ڈوب گئی تو اللہ تعالیٰ نے اس قبہ کو بلند کردیا اور اس زمین کو غرق ہونے سے بچالیا اسی لیے اس کا نام ''اَلْبَیْتُ الْعَتِیْق'' پرانا گھر پڑ گیا، یا ''آزاد گھر'' اس لیے کہ وہ ڈوبنے سے بچ گیا تھا تو پھر اللہ تعالیٰ نے جبریل امین کو بھیجا جنھوں نے حدود کعبہ کی نشان دہی کی اور اللہ تعالیٰ نے جنّت سے اس کی دیواروں کو نازل کیا۔ ابراہیم علیہ السّلام گھر کی تعمیر کررہے تھے اور حضرت اسماعیل مقام ذی طُویٰ سے پتھر اٹھا کر لارہے تھے تو ابراہیم علیہ السّلام نے اس گھر کو (۹) نو ہاتھ بلند کیا پھر انھیں مقام حجر اسود سے آگاہ کیا گیا تو ابراہیم علیہ السّلام نے اس پتھر کو جہاں پر وہ تھا وہاں سے نکال کر اس جگہ پر نصب کردیا جہاں پر وہ آج تک موجود ہے۔ انھوں نے اس گھر کے دو دروازے بنائے ایک دروازہ مشرقی سمت میں اور دوسرا مغرب کی جانب۔ مغربی دروازے کو مستجار کہا جاتا ہے۔ پھر اس پر خوشبودار گھاس کے درخت کو ڈال دیا اور ہاجرہ نے اس کے دروازے پر ایک چادر آویزاں کردی جو ان کے پاس تھی اور وہ لوگ اس کے نیچے دھوپ سے بچتے تھے۔ [1]

کتاب کافی میں امام صادق علیہ السّلام سے ایک حدیث میں اس طرح وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو جب تعمیر کعبہ کی اجازت مرحمت فرمائی تو حضرت ابراہیم علیہ السّلام اسماعیل علیہ السّلام کے پاس تشریف لائے اور فرمایا اے میرے بیٹے اللہ تعالیٰ نے تعمیر کعبہ کا حکم دیا ہے جب ان دونوں نے اس جگہ کو تلاش کیا تو وہ ایک سرخ پتھر کی صورت میں تھی تو اللہ نے ابراہیمؑ کی طرف وحی کی کہ اسی جگہ کعبہ کی تعمیر کرو اور اللہ تعالیٰ نے ان کی جانب چار فرشتوں کو بھیجا جو پتھروں کو جمع کررہے تھے فرشتے ان دونوں کو پتھر اٹھا اٹھا کر دے رہے تھے یہاں تک کہ بارہ ہاتھ بلند عمارت مکمل ہوگئی انھوں نے اس کے دو دروازے بنائے ایک دروازہ اندر جانے کے لیے اور دوسرا باہر آنے کے لیے اور اس کے دروازوں پر لوہے کی چوکھٹ اور قبضے لگائے۔ [2]

دو اماموں (محمد باقرؑ و جعفر صادقؑ) میں سے کسی ایک سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السّلام کو تعمیر کعبہ کا حکم دیا اور یہ کہ وہ اس کی دیواروں کو بلند کریں، اور لوگوں کو عبادت کا طریقہ بتلادیں۔ ابراہیمؑ واسماعیلؑ نے روزانہ ایک حصّہ کی تعمیر کا کام انجام دیا یہاں تک کہ وہ حجر اسود کے مقام تک مکمل ہوگیا۔ [3]

منقول ہے کہ ابوقبیس (پہاڑ کا نام) نے ابراہیمؑ کو آواز دی کہ میرے پاس آپ کے لیے ایک امانت

(۱) تفسیر قمی ص۶۱۔۶۲ ج۱ (۲) الکافی، ص۲۰۳، ج۴ (۳) الکافی، ص۲۰۵، ج۴

موجود ہے تو اس نے حجر اسود دیا جسے انھوں نے اس کے مقام پر نصب کر دیا۔ ۱

کتاب علل الشرائع اور تفسیر عیاشی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السّلام کے لیے جنّت سے حجر اسود کو نازل کیا تھا۔ خانہ خدا سفید موتی کی طرح تھا جسے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں پر اٹھالیا اور اسے خانہ کعبہ کے بالمقابل رکھ دیا جس میں ہر روز ستّر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں اور دوبارہ اس کی طرف واپس نہیں آتے۔ خانہ کعبہ کی بنیادیں موجود تھیں اللہ تعالیٰ نے ان ہی بنیادوں پر ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کو دیواریں بنانے کا حکم دیا۔ ۲

تفسیر مجمع البیان میں امام باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ اسماعیلؑ وہ ہیں جنھوں نے سب سے پہلے عربی زبان میں لب کشائی کی جب وہ تعمیر کعبہ میں مصروف تھے تو ان کے والد نے کہا هَاىِ اِبْنِي، مجھے پتھر اٹھا کر دو اور اسماعیل نے عربی زبان میں اپنے والد گرامی سے کہا یَااَبَتِ هَاكَ حَجَراً اے بابا یہ رہا پتھر۔ ابراہیمؑ تعمیر کر رہے تھے اور اسماعیلؑ انھیں پتھر اٹھا کر دے رہے تھے۔ ۳

۱۲۸- رَبَّنَا وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۖ وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَ تُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۔

پروردگار تو ہم دونوں کو اپنا مطیع اور مخلص بنا اور ہماری ذرّیت میں سے ایسا گروہ پیدا کر جن کی جانب رجوع کیا جائے اور جن کی اقتدا کی جائے۔ وہ درحقیقت اہل بیت علیہم السّلام ہیں اللہ تعالیٰ نے جن ہستیوں سے رجس کو دور رکھا ہے اور انھیں پاک و پاکیزہ رکھا ہے جو پاک رکھنے کا حق ہے۔ یہ روایت اسی طرح امام صادق علیہ السّلام سے وارد ہوئی ہے۔ ۴

تفسیر عیاشی میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ اس آیت میں اُمّت سے مراد خاص طور سے بنی ہاشم ہیں۔ ۵

''اَرِنَا'' کے معنی ہیں ہمیں معرفت عطا کر کہ جائے عبادت کہاں پر واقع ہے۔

''مَنَاسِكَ'' مَنْسَك کی جمع ہے یعنی عبادت گاہ، ''نَسُك'' کے معنی ہیں عبادت، یہ لفظ حج کے لیے مخصوص ہو گیا اس لیے کہ اس میں زحمتیں ہیں اور خلاف عادت امور انجام دینے پڑتے ہیں۔

''وَتُبْ عَلَيْنَا'' اور ہماری توبہ قبول فرما۔

اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۔

بے شک تو، توبہ قبول کرنے والا اور مہربان ہے۔

(۱) الکافی، ص ۲۰۵، ج ۴ (۲) علل الشرائع، ص ۳۹۹ و تفسیر عیاشی، ص ۶۰، ج ۱ (۳) مجمع البیان، ص ۲۰۷ ج ۱-۲
(۴) الکافی، ص ۱۴ ج ۵ (۵) تفسیر عیاشی، ص ۶۰ ج ۱

۱۲۹ – رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ –

پروردگارا! اُمّتِ مسلمہ میں اسی اُمّت میں سے رسول مبعوث کر۔

امام صادق علیہ السّلام نے اس آیت کا یہی مفہوم بیان کیا ہے جسے عیاشی نے اپنی تفسیر میں روایت کیا ہے۔ [1]

ان دونوں (یعنی جو ذریت اسمٰعیلؑ بن ابراہیمؑ کے ذریعہ آگے بڑھی) کی ذریت میں سے سوائے ہمارے نبی کے کوئی اور نبی مبعوث نہیں ہوا اس لیے کہ دیگر انبیاء کا سلسلہ اسحاق بن ابراہیم سے آگے بڑھا۔

تفسیر قمّی میں ہے: وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ سے مراد ہے کہ اولاد اسماعیلؑ میں سے رسول کو مبعوث کر۔ اسی لیے حضور اکرمؐ نے فرمایا: اَنَا دَعۡوَةُ اَبِیۡ اِبۡرٰهِیۡمَ میں اپنے جد ابراہیم کی دعا ہوں۔ [2]

يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِكَ –

جو کچھ وحی کی گئی ہے وہ انھیں پڑھ کر سنائے اور نبوت وتوحید کے دلائل ان تک پہنچائے

وَ يُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ –

اور معارف واحکام کا درس دے جس سے ان کے نفوس کی تکمیل ہو

وَيُزَكِّيۡهِمۡ –

اور انھیں شرک اور گناہوں سے پاک وپاکیزہ بنائے

اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ –

بے شک تو ایسا غالب ہے کہ نہ کسی پر ظلم کرتا ہے اور نہ زیادتی

الۡحَكِيۡمُ –

امر کو محکم کرنے اور حکمت کے مطابق ایجاد کرنے والا ہے۔

(۱) تفسیر عیاشی، ص ۶۰ ج ۱ (۲) تفسیر قمّی، ص ۶۲ ج ۱

وَ مَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَ اِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۳۰﴾
اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾

۱۳۰- اب کون ہے، جو ابراہیمؑ کے طریقے سے روگردانی کرے؟ سوائے اس کے جس نے خود اپنے آپ کو حماقت و جہالت میں مبتلا کرلیا ہو۔ ابراہیمؑ تو وہ ہیں جنھیں ہم نے دنیا میں منتخب کیا تھا اور آخرت میں ان کا شمار صالحین میں ہوگا۔

۱۳۱- جب ان کے رب نے ان سے کہا سر تسلیم خم کردو (اپنے آپ کو مکمل خدا کے سپرد کردو) تو انھوں نے فوراً کہا میں نے مالک کائنات کے سامنے سر تسلیم خم کردیا۔

۱۳۰- وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ-

یہ جملہ انکاریہ ہے اور ایسا ہونا بعید از فہم ہے یعنی ملّت ابراہیمی سے نفرت نہیں کرسکتا مگر وہ جو اس طریقے کی اہانت کرے اسے ذلیل سمجھے اور اس کا استحقار کرے (اسے حقیر سمجھے)

''سَفِهَ'' فاء کے زیر کے ساتھ متعدی ہے۔ بیوقوف بنانا، بیوقوفی پر ابھارنا اور ''سَفُهَ'' فاء کے پیش کے ساتھ لازم ہے۔ بیوقوف ہونا، جاہل ہونا اور اس پر وہ حدیث شاھد ہے جس میں آیا ہے اَلْكِبْرُ اَنْ تَسْفَهَ الحَقَّ وتُغْمِضَ النَّاسَ تکبر یہ ہے کہ تم حق کو بیوقوف بناؤ اور لوگوں کو حقارت سے دیکھو۔ [۱]

کتاب محاسن میں امام صادق علیہ السّلام اور امام کاظم علیہ السّلام سے اسی مفہوم کی روایت ملتی ہے۔ [۲]

وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَ اِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ-

ہم نے دنیا میں ان کو منتخب کرلیا اور آخرت میں ان کا شمار صالحین میں ہوگا۔ یہ درحقیقت ایک طرح کی حجّت اور اس امر کی وضاحت ہے کہ جو ان صفات کا حامل ہو تو وہی لائق اِتباع اور قابل تقلید ہے۔

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ-

پس جو ملّت ابراہیمی سے دور چلا جائے اس کا انکار کردے، اس سے اعراض کرلے، اسے ناپسندیدہ قرار دے۔

اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ-

تو ہم ایسے شخص کے بارے میں صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ وہ بیوقوف اور جاہل ہے جو ایسی ملّت کی

(۱) انوار التنزیل ج ۱ ص ۸۳ و الکافی ج ۲ ص ۳۱۰ (۲) الکافی ص ۴۳۵ ج ۱

توہین کررہا ہے اسے خراب سمجھ رہا ہے اور اس کو بے وقعت جان رہا ہے۔

۱۳۱ – اِذۡ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسۡلِمۡ ۙ قَالَ اَسۡلَمۡتُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ –

جب ابراہیمؑ کے پروردگار نے ان سے کہا اے ابراہیمؑ تم اپنے آپ کو مکمل طور سے اللہ کے سپرد کردو ''اسلام کا اعلان کردو'' تو ابراہیم علیہ السّلام نے اس دعوت پر لبیک کہتے ہوئے پورے یقین اور اخلاص کے ساتھ ارشاد فرمایا ''میں تمام جہانوں کے پروردگار کے حضور سر تسلیم خم کرتا ہوں۔

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ؕ﴿۱۳۲﴾

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِىْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖۚ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَ لَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۴﴾

---

۱۳۲ – ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کو اسی طریقے پر چلنے کی وصیّت کی تھی اور یعقوبؑ نے بھی یہی وصیت کی۔ انھوں نے کہا ''اے میرے بیٹو! اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے یہی دین پسند کیا ہے لہٰذا تم سب مرتے دم تک مسلم ہی رہنا۔''

۱۳۳ – پھر کیا تم اس وقت دیکھ رہے تھے، جب یعقوبؑ کی موت کا وقت آ گیا تو اس وقت انھوں نے اپنی اولاد سے پوچھا ''میرے بعد تم سب کس کی عبادت کرو گے''؟ انھوں نے جواب دیا ہم اسی ایک خدا کی عبادت کریں گے جسے آپ نے اور آپ کے بزرگوں ابراہیمؑ، اسماعیلؑ اور اسحاقؑ نے خدا مانا ہے اور ہم تو اسی کے مسلم ہیں۔

۱۳۴ – (اے یہودیو!) وہ لوگ تھے جو چل بسے جو انھوں نے کمایا وہ ان کے سامنے آیا اور جو تم کماؤ گے وہ تمھارے لیے ہے اور وہ لوگ جو کچھ کیا کرتے تھے اس کی پوچھ گچھ تم سے نہیں ہوگی۔

---

۱۳۲ – وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔

ابراہیمؑ اور یعقوبؑ نے اپنی اولاد کو اسی دین کی وصیت کی یا یہ کلمہ تعلیم فرمایا کہ کہو اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ میں تمام جہانوں کے پروردگار پر ایمان لایا اور یعقوب نے مزید یہ وصیت بھی کی تھی۔ اے میرے بچو! اللہ نے تمھارے لیے دین اسلام کو منتخب فرما لیا ہے تم مرتے دم تک اسی دین پر قائم و دائم رہنا انھوں نے دین پر ثابت قدم رہنے کا حکم دیا کیوں کہ کسی حال میں اس پر زوال نہیں آ سکتا۔

۱۳۳ - اَمۡ کُنۡتُمۡ شُهَدَآءَ اِذۡ حَضَرَ يَعۡقُوۡبَ الۡمَوۡتُ -

لفظ ''اَمۡ'' انکار کے لیے آیا ہے۔ یعنی جب یعقوبؑ کی موت کا وقت قریب آیا تو اس وقت تم وہاں موجود نہ تھے۔ کہا گیا ہے کہ یہودیوں نے رسولؐ اللہ سے کہا؟ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ جب یعقوبؑ کی موت کا وقت قریب آیا تو انھوں نے اپنے بیٹوں کو یہودیت کی تلقین کی تھی۔ تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔[۱]

اِذۡ قَالَ لِبَنِيۡهِ مَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِىۡ -

یاد کرو! جب یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کروگے؟ حضرت یعقوب علیہ السّلام یہ چاہتے تھے کہ وہ لوگ اپنی زبان سے توحید اور اسلام کا اقرار کریں اور اس طرح انھوں نے ان دونوں باتوں پر قائم رہنے کا عہد و پیمان لیا تھا۔

اس سوال کو سن کر ان کی اولاد نے جواب دیا:

قَالُوۡا نَعۡبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ -

کہ ہم آپ کے معبود اور آپ کے بزرگوں ابراہیمؑ، اسماعیلؑ اور اسحاقؑ کے معبود کی عبادت کریں گے

اس آیت میں اسماعیل کو ''آباء'' کے ذیل میں بیان کیا گیا ہے آباء ''اب'' کی جمع ہے جس کے معنی ہیں باپ، اور اسماعیلؑ یعقوبؑ کے چچا تھے۔ دراصل عرب کے باشندے چچا کو بھی ''اب'' کہتے ہیں۔[۲] جس طرح اس آیت میں جَد (دادا) کو بھی اَب کہا گیا ہے اس لیے کہ جس طرح باپ کی تعظیم کرتے ہیں اسی طرح دادا اور چچا کی تعظیم بھی ضروری قرار دی گئی ہے۔ حدیث میں آیا ہے عمّ الرُجل صِنوُ اَبیہٖ کسی شخص کا چچا اس کے باپ کا حقیقی بھائی ہے۔[۳]

اِلٰهًا وَّاحِدًا -

ہم ایک اللہ کی عبادت کریں گے یہ اقرار توحید کی وضاحت ہے

وَّنَحۡنُ لَهٗ مُسۡلِمُوۡنَ -

ہم تو اسی اللہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کیے ہوئے ہیں اور اسی کے مسلمان ہیں۔

تفسیر عیاشی میں امام باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ یہ سلسلہ قائم علیہ السّلام کے دور میں بھی جاری و ساری رہے گا۔[۴]

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ غالباً امام علیہ السّلام کی مراد ہے کہ آل محمدؐ میں سے ہر حجّت خدا اپنے اپنے دور میں اس سلسلہ کو باقی رکھے گا جب بھی کسی حجّت خدا کی وفات کا وقت آئے گا تو وہ اپنی اولاد سے

---

(۱) بیضاوی، ص ۸۳ ج ۱ (۲) جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ اپنے چچا آزر کو ''اب'' کہتے تھے۔
(۳) مجمع البحرین ج ۱ ص ۲۶۹ والنصایہ ج ۳ ص ۵۷ وانوار التنزیل ج ۱ ص ۸۴ (۴) تفسیر عیاشی، ص ۶۱ ج ۱ (۳)

یہی بات کہے گا اور وہ لوگ وہی جواب دیں گے جو اولادِ یعقوبؑ نے جواب دیا تھا۔

۱۳۴ – تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ۔

وہ اُمّت گزر چکی یعنی ابراہیم علیہ السّلام، یعقوب علیہ السّلام اور ان کی اولاد کا دور ختم ہوگیا۔

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ۔

اے یہودیو! انھوں نے جو کچھ کمایا وہ ان کے سامنے آیا اور تم جو کچھ کماؤ گے وہ تمھارے لیے ہے۔ ہر فرد اپنے اپنے عمل کا اجر پائے گا۔

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں اے یہودیو! اگر تم اپنے آپ کو ان سے نسبت دیتے ہو تو تمھیں اس کا کچھ بھی فائدہ نہ ہوگا اس لیے کہ فائدہ کا انحصار اور دارومدار صرف اعمال پر ہے۔

وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔

اور وہ لوگ جو کچھ کیا کرتے تھے اس کی پوچھ گچھ تم سے نہیں ہوگی اگر انھوں نے کوئی برائی کی ہے تو تم سے اس کا مواخذہ نہ ہوگا جس طرح ان کی نیکیوں کا ثواب بھی تمھیں نہیں ملے گا۔

وَ قَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۳۵﴾

قُوْلُوْۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلٰۤى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَ مَاۤ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَ مَاۤ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَاۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳۷﴾

---

۱۳۵ - (یہودی اور عیسائی دونوں یہ) کہتے ہیں کہ تم یہودی یا عیسائی بن جاؤ تو ہدایت پا جاؤ گے اے نبی آپ ان سے فرما دیجیے، نہیں بلکہ سب کو چھوڑ کر ابراہیم کا طریقہ اپنا لو اور ابراہیم مشرکوں میں سے نہ تھے۔

۱۳۶ - اے مسلمانو! کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس کتاب پر جو ہماری طرف نازل کی گئی اور جو کچھ ابراہیم، اسماعیل، اسحٰق، یعقوب اور اولادِ یعقوب کی طرف نازل ہوا اور جو کچھ موسیٰ، عیسیٰ اور دیگر انبیاء کو ان کے رب کی جانب سے دیا گیا۔ ہم ان کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے اور ہم تو اسی کے مسلم ہیں۔

۱۳۷ - پھر اگر وہ اسی طرح ایمان لائیں، جس طرح تم اس پر ایمان لائے ہو تو وہ ہدایت یافتہ ہیں۔ اور اگر اس سے منہ پھیر لیں تو وہ ہٹ دھرم ہیں۔ لہٰذا اطمینان رکھو کہ ان کے مقابلے میں اللہ تمھاری حمایت کے لیے کافی ہے۔ اور وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔

---

۱۳۵ - وَ قَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا -

یہودی یہ کہتے ہیں کہ تم یہودی بن جاؤ ہدایت پا جاؤ گے اور نصاریٰ کا یہ کہنا ہے کہ تم عیسائیت کو اختیار کر لو ہدایت یافتہ ہو جاؤ گے۔ اے پیغمبرؐ آپ ان دونوں سے فرما دیجیے نہ یہودیت اور نہ عیسائیت بلکہ ہم تو

ملّت ابراہیمی کے پیروکار ہیں جو حنیف تھے یعنی ہر دین سے رخ پھیر کر صرف دین حق کو تسلیم کرنے والے۔

تفسیر عیاشی میں امام صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ حنیفیت سے مراد اسلام ہے۔[1]

امام محمد باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ ''حنیفیت'' کی کچھ چیزیں باقی رہ گئی ہیں جن میں مونچھیں کتروانا، ناخن کاٹنا اور ختنہ کرانا شامل ہیں۔[2]

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ –

ابراہیم مشرکین میں سے نہیں ہیں۔

اس جملہ میں تورات اور انجیل کے ماننے والوں سے تعریض کی گئی ہے (یعنی بات کسی اور سے کی گئی اور بتانا کسی اور کو ہے) وہ لوگ درحقیقت اپنے آپ کو ملّت ابراہیمی کا پیروکار کہتے تھے اور اس کے باوجود شرک کررہے تھے تو یہ بتایا گیا کہ ابراہیم کا تعلق مشرکین سے نہیں ہے یعنی اے یہودیو! اور عیسائیو! تم شرک کرنے کے باوجود یہ کیسے دعویٰ کرتے ہو کہ تم ملّت ابراہیمی کے پیروکار ہو۔

۱۳۶ – قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ –

کہو ہم اللہ پر ایمان لائے

وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا –

جو کچھ ہم پر نازل کیا گیا یعنی قرآن مجید

وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ –

اور جو نازل کیا گیا ابراہیم، اسماعیل، اسحٰق، یعقوب اور اولاد یعقوب کی طرف یعنی جو صحیفے ان کی جانب نازل کیے گئے۔

اس آیت میں ''اسباط'' سے مراد حضرت یعقوب کے پوتے ہیں۔

تفسیر عیاشی میں امام باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ ان سے سوال کیا گیا کہ اولاد یعقوب کو انبیاء سے تعبیر کیا جاتا ہے تو امام نے جواب دیا نہیں بلکہ وہ اسباط تھے۔ یعنی انبیا کی اولاد جب وہ دنیا سے گئے تو نیک بخت تھے توبہ کرکے اور اپنے عمل کو یاد کرکے دنیا سے سدھارے تھے۔[3]

وَمَآ اُوْتِىَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِىَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ –

جو کتاب حضرت موسیٰ کو عطا کی گئی یعنی توریت اور جو حضرت عیسیٰ پر نازل ہوئی یعنی انجیل اور جو کچھ تمام انبیاء کو دیا گیا جن کا ذکر کیا گیا یا جن کا تذکرہ نہیں ہوا یہ سب کی سب ان کے رب کی جانب سے ان کی طرف نازل کی گئیں۔ ہم ان میں سے کسی میں کوئی تفریق نہیں کرتے جس طرح یہودی تفریق کرتے ہیں کہ

---

(۱) تفسیر عیاشی، ص۶۱ ج۱ (۲) تفسیر عیاشی، ص۶۱ ج۱ ح۱۰۴ (۳) تفسیر عیاشی ج۱ ص۶۱۔ ۶۲ ح۱۰۶

کتاب کے کچھ حصے پر ایمان لاتے ہیں اور کچھ کا انکار کرتے ہیں۔

وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ –

ہم ان سب کتابوں اور صحیفوں پر یقین رکھتے ہیں اور مخلص ہیں۔

کتاب خصال میں امیرالمومنین علیہ السّلام سے مروی ہے کہ آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ جب تم ''قُوْلُوْۤا اٰمَنَّا'' پڑھو تو اللہ کے قول ''وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ'' تک تلاوت کرو۔[۱]

کتاب فقیہ میں مذکور ہے کہ امیر المومنینؑ نے حضرت محمد حنفیہ کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا کہ زبان پر یہ فرض ہے کہ دل نے جس بات کو تسلیم کرلیا ہے زبان اس کا اقرار کرے اسی لیے فرمایا: (قُوْلُوْۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلٰۤى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَاۤ اُوْتِىَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَاۤ اُوْتِىَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ) تم کہو کہ ہم ایمان لائے۔[۲]

۱۳۷ – فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَاۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا –

جس طرح تم ایمان لائے ہو اگر اسی طرح دوسرے لوگ بھی اس پر ایمان لے آئیں تو وہ ہدایت یافتہ ہیں۔

وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِىْ شِقَاقٍ –

اور اگر وہ ان کتابوں سے اعراض کریں، روگردانی کریں تو گویا کہ وہ حالت کفر پر باقی ہیں

تفسیر مجمع البیان میں امام صادق علیہ السّلام سے لفظ ''شِقَاق'' کا یہی مفہوم بیان کیا گیا ہے۔[۳]

''شِقَاق'' دراصل مخالفت اور دشمنی کرنا ہے اس لیے کہ مخالفت کرنے والوں میں سے ہر فریق کا تعلق اس کے غیر سے ہوتا ہے۔

فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ –

تو اللہ ان کے لیے کافی ہے

یہ مومنین کے لیے تسلی اور تسکین ہے اور دشمنوں کے مقابل میں مومنین کی حفاظت ونصرت کا وعدہ ہے۔

وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ –

اور اللہ تعالیٰ تمھاری باتوں کو خوب سنتا ہے۔

تمھارے خلوص سے اچھی طرح واقف ہے۔

(۱) الخصال، ص ۶۲۹ (۲) من لایحضرہ الفقیہ، ص ۳۸۲ ج ۲ (۳) مجمع البیان، ص ۲۱۸ ج ۱۔۲

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّ نَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾
قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَ رَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ
اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ۙ
اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ
كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ
كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾
تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَ لَا
تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۱﴾ ع ۱۶/۱۶/۱۲

۱۳۸ - تم اللہ کا رنگ اختیار کرو، اور اللہ کے رنگ سے اچھا کس کا رنگ ہوسکتا ہے؟ اور ہم اسی کی بندگی کرنے والے ہیں۔

۱۳۹ - اے نبی آپ ان سے کہہ دیجئے، کیا تم اللہ کے بارے میں ہم سے جھگڑتے ہو؟ حالاں کہ وہی ہمارا اور تمھارا پروردگار ہے۔ ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمھارے اعمال تمھارے لیے اور ہم اللہ ہی کے لیے اپنی بندگی کو خالص کر چکے ہیں۔

۱۴۰ - یا پھر تمھارا کہنا یہ ہے کہ ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور اولاد یعقوب سب کے سب یہودی یا نصرانی تھے۔ اے نبی آپ ان سے کہہ دیجیے کہ تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ، اس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا، جس کے ذمّے اللہ کی جانب سے گواہی ہو اور وہ اسے چھپائے اور تمھارے کرتوتوں سے اللہ غافل نہیں ہے۔

۱۴۱ - یہ وہ لوگ تھے جو گزر چکے، انھوں نے جو کچھ کمایا ان کے لیے تھا اور تم جو کچھ کماؤ گے وہ تمھارے لیے ہے۔ تم سے ان کے اعمال کے بارے میں کسی قسم کی پوچھ گچھ نہیں ہوگی۔

۱۳۸ - صِبْغَةَ اللّٰهِ -

اللہ نے ہمیں جس رنگ میں رنگا ہے وہ فطرت کا رنگ ہے اللہ کی وہ فطرت جس پر اس نے ہمیں خلق

کیا صبغۃ اللہ کی تفسیر میں امام صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ اس سے مراد ''اسلام'' ہے جیسا کہ کتاب کافی میں روایت ہے اور تفسیر عیاشی نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے۔ ۱؎

امام جعفر صادق علیہ السّلام کی ایک روایت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس سے مراد عالم میثاق میں مومنین کو ولایت کے رنگ میں رنگنا ہے۔ ۲؎

کہا گیا ہے کہ لفظ ''صبغۃ'' اس لیے استعمال کیا گیا کہ رنگی ہوئی چیز پر رنگ کے نشانات ظاہر ہو جاتے ہیں یا اس لیے کہ جس طرح رنگ کپڑے میں داخل ہو جاتا ہے اسی طرح اسلام ان کے قلوب میں داخل ہو گیا ہے۔ یا اس مناسبت سے کہ عیسائی اپنی اولاد کو پیلے رنگ کے پانی میں غسل دیا کرتے تھے جسے مَعْمُودِیّۃ کہا جاتا ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ اس طرح غسل دینے سے تمام نجاستیں دھل جاتی ہیں اور وہ پاک ہو جاتا ہے۔ اور اسی پر ان کی عیسائیت کا دارومدار ہے۔ ۳؎

وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ۔

اللہ کے رنگ سے بہتر کوئی رنگ نہیں ہے۔ ''اور ہم صرف اللہ کی بندگی کرتے ہیں''

اس جملہ میں عیسائیوں اور یہودیوں سے تعریض ہے یعنی جس طرح تم شرک کرتے ہو ہم اللہ کی ذات میں کسی کو شریک قرار نہیں دیتے۔

۱۳۹ - قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ۔

اے نبی آپ ان سے فرما دیجیے کہ کیا تم ہم سے اللہ کی عظمت کے بارے میں اور اس لیے کہ اس نے عرب کے ایک باشندے کو مصطفیٰ بنا لیا ہے، جھگڑتے ہو۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اہل کتاب نے آں حضرتؐ سے یہ کہا کہ تمام انبیاء کا تعلق ہم سے ہے اور صرف ہمارا دین ہی قدیم ترین دین ہے اور ہماری کتاب سب سے پہلے نازل ہوئی ہے اس لیے اگر آپ نبی ہوتے تو آپ کو ہم میں سے ہونا چاہیے تھا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ ۴؎

وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ''کہ اللہ تو ہمارا اور تمھارا دونوں کا رب ہے'' وہ کسی ایک قوم کے لیے مخصوص نہیں ہے وہ جس پر چاہتا ہے اپنی رحمت نازل کرتا ہے۔ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ''ہمارے لیے ہمارے اعمال اور تمھارے لیے تمھارے اعمال ہیں''۔

اللہ کے نزدیک ہماری تکریم ہمارے اعمال کے سبب سے ہے۔

وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ۔

اور ہم تو اللہ کے مخلص ہیں۔

(۱) الکافی، ص ۱۴ ج ۱/ تفسیر عیاشی، ص ۶۲ ج ۱ ح ۱۰۸ (۲) تفسیر عیاشی ج ۱ ص ۶۲ ح ۱۰۹
(۳) بیضاوی انوار التنزیل ص ۸۵ ج ۱ (۴) انوار التنزیل، ص ۸۵ ج ۱

یعنی مُوحّد ہیں ہم تمھارے مقابلے میں پورے خلوص سے اس پر ایمان رکھتے ہیں اور اسی کی اطاعت کرتے ہیں۔

۱۴۰- اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ-

کیا تمھارا خیال ہے کہ ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور اولاد یعقوب یہودی یا عیسائی تھے اے نبیؐ آپ ان سے پوچھئے! تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ۔

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السّلام کے یہودی یا عیسائی ہونے کا انکار کیا ہے فرمایا: مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا (۶۸ آل عمران ۔ ۳) ابراہیم یہودی یا نصرانی نہ تھے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ-

اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا کہ جس کے پاس گواہی موجود ہو اور وہ اسے اللہ سے پوشیدہ کرنا چاہے

یعنی اہل کتاب سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں ہے جنھوں نے حضرت ابراہیمؑ کی حنیفیت (سب سے منہ موڑ کر صرف حق کی طرف ہونا) یہودیوں اور عیسائیوں سے ان کی براءت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی گواہی کو چھپایا ہے۔ اگر ہم بھی اس گواہی کو چھپادیں تو ہم سے بڑھ کر بھی کوئی ظالم نہیں ہوگا۔[۱] اس میں کنایہ ہے اس امر کی طرف کہ انھوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی نبوّت اور حضرت علیؑ کی وصایت کے بارے میں اللہ کی گواہی کو جو ان کی کتابوں میں موجود ہے پوشیدہ کر دیا ہے۔

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ-

اور تمھاری کسی حرکت اور کرتوت سے اللہ غافل نہیں ہے۔

اس میں درحقیقت ایک طرح کی تنبیہ ہے۔

۱۴۱- تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ-

یہ وہ لوگ تھے جو گزر چکے، انھوں نے جو کچھ کمایا وہ ان کے لیے تھا اور تم جو کچھ کماؤ گے وہ تمھارے لیے ہے۔ تم سے ان کے اعمال کے بارے میں کسی قسم کی پوچھ گچھ نہیں ہوگی۔

آیت ۱۳۴ کے بعد دوبارہ اس آیت کو بیان کرنا خوف دلانے اور آباء و اجداد کے کارناموں پر فخر اور ان پر اعتماد جو ان لوگوں کی طبیعتوں میں محکم ہو چکا تھا اس پر متنبّہ کرنا تھا۔ یا یہ کہ سابقہ آیت میں بنی اسرائیل سے خطاب ہے اور اس آیت میں ہمیں ڈرانا مقصود ہے کہ ان کی اقتدا نہ کریں۔ یا سابقہ آیت میں اُمّت سے مراد انبیاء ہیں اور دوسری آیت میں یہودیوں اور نصرانیوں کے اسلاف (باپ دادا) مراد ہیں۔[۲]

(۱) بیضاوی، ص ۸۶ ج ۱ (۲) بیضاوی، ص ۸۶ ج ۱

سَيَقُولُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ۭ
قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ ۭ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۴۲﴾
وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ
الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۭ وَ مَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ
مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ۭ وَ اِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا
عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ۭ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ
بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۳﴾

---

۱۴۲ – نادان لوگ یہ کہیں گے: انھیں کیا ہوا کہ پہلے یہ جس قبلہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے اس سے ایک دم منحرف ہو گئے۔ اے نبی آپ ان سے کہہ دیجیے ''مشرق اور مغرب سب اللہ کے ہیں وہ جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی ہدایت کرتا ہے۔''

۱۴۳ – اور اسی طرح ہم نے تم کو " اُمّتِ وَسَط " قرار دیا ہے تا کہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ رہو اور رسول تم پر گواہ رہے۔ پہلے تم جس طرف رخ کرتے تھے اس کو ہم نے صرف یہ دیکھنے کے لیے قبلہ بنایا تھا کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون پچھلے پیروں لوٹ جاتا ہے یہ معاملہ اگرچہ دشوار تھا مگر ان کے لیے نہیں جو اللہ کی ہدایت سے فیضیاب تھے اللہ تعالیٰ تمھارے ایمان کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔ یقین جانو کہ وہ لوگوں کے حق میں نہایت شفیق اور مہربان ہے۔

---

۱۴۲ – سَيَقُولُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا –

بیت المقدس سے قبلہ تبدیل کر کے خانہ کعبہ کو قبلہ بنانے پر ناسمجھ اور کم فہم لوگ یہ کہنا شروع کریں گے کہ انھیں کیا ہو گیا ہے کہ پہلے وہ جس قبلے کی طرف رخ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے اب اس سے روگردانی کرلی۔

''سُفَهَاء'' ''سَفِيهٌ'' کی جمع ہے۔ کم عقل، نادان۔

السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ انسانوں میں سے وہ نادان جنھوں نے دوسروں کی پیروی میں اسے حقارت کی نظر سے دیکھا اور نظر انداز کر دیا۔ اس آیت میں ان انسانوں سے مراد تبدیل قبلہ کا انکار کرنے والے منافقین یہود اور مشرکین ہیں۔

قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ۔

اے نبی آپ ان سے فرما دیجیے کہ اللہ کے لیے کوئی مخصوص جگہ نہیں ہے کہ ایک جگہ ہو اور دوسری جگہ نہ ہو بلکہ مشرق و مغرب سب اللہ کے لیے ہیں۔

يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔

اللہ تعالیٰ اس تبدیلی کے ذریعہ جسے چاہے سیدھی راہ دکھا دے۔ اس کی حکمت اور مصلحت جس امر کی متقاضی ہوتی ہے وہ اس کے مطابق کبھی بیت المقدس کی طرف رُخ کرا کے اور کبھی کعبہ کو قبلہ بنا کے جسے چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے۔

کتاب احتجاج میں امام حسن عسکری علیہ السّلام سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم مکّہ مکرّمہ میں تھے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا تھا کہ وہ نماز پڑھتے وقت اپنا رُخ بیت المقدس کی طرف رکھیں اور اگر ممکن ہو تو کعبہ کو اپنے اور بیت المقدس کے درمیان میں رکھیں اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو جس طرح چاہیں بیت المقدس کی جانب رُخ کریں۔ آں حضرتؐ نے مکّہ میں اپنے قیام کے دوران تیرہ سال اسی طرف رُخ کیا۔ جب مدینہ منوّرہ تشریف لائے تو عبادت کرتے وقت جب انھوں نے بیت المقدس کا رُخ کیا تو کعبہ سے سترہ ماہ تک دوسری طرف رخ کرنا پڑا۔ یہودیوں کے سرکش لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ محمدؐ کو یہ نہیں معلوم کہ کیسے نماز پڑھیں انھوں نے تو ہمارے قبلہ کی طرف نماز پڑھنا شروع کر دی اور وہ ہمارے طریقے کے مطابق عبادت کر رہے ہیں رسول اکرمؐ کو ان لوگوں کی یہ بات بہت ناگوار گزری اور انھوں نے یہودیوں کے قبلے کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور کعبہ سے زیادہ محبت کرنے لگے۔ جب جبرئیل امین ان کے پاس تشریف لائے تو انھوں نے حضرت جبرئیل سے کہا: اے جبرئیل میری بڑی خواہش ہے اللہ تعالیٰ مجھے بیت المقدس سے کعبہ کی طرف پلٹا دے، یہودیوں کی جو باتیں ان کے قبلہ کے بارے میں مجھ تک پہنچی ہیں ان سے مجھے بہت تکلیف ہوئی ہے۔ تو جبرئیل علیہ السّلام نے فرمایا۔ آپ اپنے رب سے دعا کریں کہ آپ کو کعبہ کی طرف پلٹا دے اس لیے کہ وہ آپ کی خواہش کو مسترد نہیں کرے گا اور آپ کی طلب کو ناکام نہیں ہونے دے گا۔ جب آں حضرتؐ کی دعا ختم ہوئی تو جبرئیل امین تشریف لے گئے اور فوراً ہی دوبارہ نازل ہو کر فرمانے لگے اِقْرَأْ یا محمد اے محمدؐ پڑھو قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا (۱۴۴ البقرہ۔ ۲) ہم دیکھ رہے ہیں کہ آپ کا چہرہ بار بار آسمان کی طرف اٹھ رہا ہے ہم آپ کو عنقریب اس قبلہ کی طرف لوٹا دیں گے جسے آپ پسند فرماتے ہیں تو اس وقت یہودیوں نے کہا مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا" یہ جس قبلہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے تھے انھیں کیا ہوا کہ اس سے ایک دم پھر گئے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے اعتراض کا بہترین جواب دیا کہ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ اے نبی ان سے کہہ دو کہ

مشرق اور مغرب کا مالک اللہ ہے، اب اس کے امر پر موقوف ہے کہ کسی ایک طرف پھیر دے جس طرح تمھیں دوسری طرف پھیر دیا ہے اور اللہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ پر چلاتا ہے وہی ان کی اصلاح کرنے والا اور اپنی اطاعت کے سبب انھیں جنّاتِ نعیم تک پہنچانے والا ہے۔

یہودیوں کا ایک گروہ نبی اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور انھوں نے کہا اے محمدؐ یہ جو بیت المقدس کا قبلہ ہے آپ نے اس طرف رُخ کر کے چودہ برس نماز پڑھی ہے اور اب آپ نے اسے چھوڑ دیا ہے۔ آپ جس قبلہ کی طرف نماز پڑھ رہے تھے وہی حق تھا آپ نے ایک باطل کی خاطر اسے ترک کر دیا۔ اس لیے کہ جو بھی حق کا مخالف ہوگا وہ باطل ہے یا باطل تھا آپ نے ایک طویل مدّت اسی طرف رُخ کیا ہے ہم اس بات کو تسلیم نہیں کر سکتے کہ آپ اب باطل پر رہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا وہ بھی حق تھا اور فرمان الٰہی کے بموجب یہ بھی حق ہے۔ ''قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ ؕ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ'' اے نبی کہہ دو مشرق اور مغرب دونوں کا مالک اللہ ہے وہ جسے چاہتا ہے صراط مستقیم کی ہدایت کرتا ہے۔

اے اللہ کے بندو! اگر مشرق کی طرف رُخ کرنے میں وہ تمھاری بہتری سمجھے گا تو تمھیں اس کا حکم دے دے گا اور اگر مغرب کی طرف رُخ کرنے میں وہ تمھاری بھلائی جانے گا تو تمھیں اس کا حکم دے دے گا۔ تم لوگ اللہ تعالیٰ کی تدبیروں کا انکار نہ کرو جو اس نے اپنے بندوں کی فلاح وصلاح کے لیے مقرر کر رکھی ہیں اس کے بعد رسول اکرمؐ نے ان سے فرمایا کہ تم نے بروز ہفتہ کام کرنا ترک کر دیا پھر اس کے بعد تم نے ہفتہ کے تمام دنوں میں کام کرنا شروع کر دیا پھر تم نے بروز ہفتہ کام کو ترک کیا اور اس کے بعد دوبارہ کام شروع کر دیا کیا تم نے حق کو باطل کے لیے ترک کیا یا باطل کو حق کی خاطر ترک کر دیا یا باطل کو باطل کے لیے یا حق کو حق کی خاطر چھوڑ دیا۔ اب تمھارا جو جی چاہے کہو یہ محمدؐ کا قول اور تمھارے لیے ان کا جواب ہے۔ تو انھوں نے کہا کہ بروز شنبہ کام کو ترک کر دینا بھی حق ہے اور اس کے بعد کام کرنا بھی حق ہے تو آں حضرتؐ نے فرمایا اسی طرح ایک ہی وقت میں قبلہ بیت المقدس بھی حق اور پھر اپنے وقت میں قبلہ کعبہ محترم بھی حق ہے۔ تو انھوں نے کہا اے محمدؐ! آپ کے خیال میں اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا تھا پھر اس کے بعد کعبہ کی طرف منتقل کر دیا تو کیا آپ کے رب کو بدا واقع ہوگیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے جواب دیا اس بارے میں اللہ کو بدا واقع نہیں ہوا اس لیے کہ وہ انجام سے باخبر ہے اور جملہ مصلحتوں پر قدرت رکھتا ہے وہ اپنے خلاف کسی غلط چیز کا استدارک نہیں کرتا اور پہلے جو عمل کر چکا ہے اس کے خلاف کوئی نئی رائے قائم نہیں کرتا اللہ تبارک وتعالیٰ ان تمام باتوں سے ماورا ہے۔

اور نہ ہی اس کے لیے کوئی رکاوٹ ہے جو اسے مقصود تک پہنچنے سے روک دے، جو ان صفات کا حامل ہو اس پر چیزیں ظاہر نہیں ہوتیں اللہ تعالیٰ اس نوعیت کے صفات سے منزّہ ہے۔

اس کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ان یہودیوں سے سوال کیا کہ اے یہودیو! اللہ کے بارے میں ذرا یہ بتاؤ کہ کیا وہ کسی کو بیمار نہیں کرتا اور پھر اس کے بعد صحت عطا کرتا ہے، صحت دیتا ہے پھر بیمار کردیتا ہے کیا اس سلسلے میں اسے کوئی بَدا واقع ہوگا کیا وہ کسی کو حیات اور کسی کو موت نہیں دیتا کیا اس بارے میں اسے بَدا ہوا تھا انھوں نے جواب دیا نہیں ایسا نہیں ہے تو پھر آں حضرتؐ نے فرمایا اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے نبی محمدؐ کو نماز میں کعبہ کی طرف بندگی کراتا ہے جس طرح اس سے پہلے بیت المقدس کی طرف عبادت کرائی تھی اور کعبہ کی طرف عبادت کرانے میں اس کو کوئی بَدا نہیں ہوا۔

اس کے بعد فرمایا کیا اللہ تعالیٰ موسم سرما کے بعد موسم گرما اور موسم گرما کے بعد موسم سرما کو نہیں لاتا کیا ان کے لانے میں اس پر بَدا واقع ہوا انھوں نے کہا نہیں تو آں حضرتؐ نے فرمایا اسی طرح قبلہ کے بارے میں بھی اس کو کوئی بَدا واقع نہیں ہوا اس کے بعد پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا کیا موسم سرما میں تم پر لازم نہیں ہے کہ سردی سے بچنے کے لیے دبیز کپڑے پہنو، اور کیا تمھارے لیے ضروری نہیں ہے کہ موسم گرما میں گرمی سے بچنے کی تدبیر کرو تو کیا اللہ تعالیٰ پر گرمیوں میں بَدا واقع ہوا جو اس نے سردیوں کے لیے اس کے خلاف حکم دیا انھوں نے جواب دیا نہیں تو آں حضرتؐ نے فرمایا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جس وقت عبادت کے لیے جو مناسب جانا تمھیں اس کی تعلیم دی اس کے بعد دوسرے وقت تمھاری بندگی کے لیے جو موزوں سمجھا تمھیں وہ سکھا دیا۔ تم دونوں حالتوں میں اگر اللہ کی اطاعت کروگے تو ثواب کے مستحق قرار پاؤگے اور اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ''فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ'' (۱۱۵/ بقرہ۔ ۲) مشرق و مغرب دونوں کا مالک اللہ ہے تم جس طرف بھی رُخ کروگے اللہ ہی کو پاؤگے۔

جب تم امرالٰہی سے اس کی جانب رُخ کروگے تو تمھارے سامنے وہی رُخ ہوگا تم نے جس کا قصد کیا ہے یعنی تم اس طرف اللہ کو پاؤگے اور اسی سے ثواب کی امید رکھوگے۔ اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا اے اللہ کے بندو! تم مریضوں کی مانند ہو اور اللہ تعالیٰ جو عالمین کا پروردگار ہے طبیب کی طرح ہے اور مریض کا بھلا اسی میں ہے کہ طبیب جو باتیں بتائے اور اس کے علاج کی جو تدبیریں کرے مریض انھیں بے چون و چرا تسلیم کرلے نہ کہ مریض کی خواہش اور رائے کے مطابق عمل کیا جائے دیکھو اپنے جملہ امور اللہ کے سپرد کردو تم کامیاب لوگوں میں سے ہو جاؤگے۔ [۱]

۱۴۳ — وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا۔

تفسیر قمی میں ہے کہ اُمَّةً وَسَطاً (درمیانی امت) سے مراد ائمّۃً وَسَطاً ہیں یعنی وہ میزانِ عدل جو رسول اور اُمّت کے درمیان واسطہ ہوں۔ [۲]

---

(۱) الاحتجاج، ص ۴۳۔۴۵ ج ۱ (۲) تفسیر قمی، ص ۶۳ ج ۱

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ اس آیت میں خاص طور سے معصومینؑ سے خطاب کیا گیا ہے۔

لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ۔

تاکہ تم لوگ روزِ قیامت انسانوں پر گواہ رہو

وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا۔

اور رسول تم پر گواہ رہیں۔

کتاب کافی اور تفسیر عیاشی میں امام باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ نَحْنُ الْاُمَّةُ الْوَسَطُ وَنَحْنُ شُهَدَاءُ اللّٰهِ عَلٰى خَلْقِهٖ وَحُجَجُهٗ فِي اَرْضِهٖ وَسَمَائِهٖ۔

''ہم ہی درمیانی اُمت ہیں، مخلوقاتِ خدا پر اللہ کے گواہ اور آسمان وزمین میں اس کی حجت ہیں''۔[1]

لیلۃ القدر کی حدیث میں امام باقر علیہ السّلام سے مروی ہے قسم بخدا اللہ کا امر نافذ ہو چکا ہے کہ مومنین میں اختلاف نہ ہو اور اسی لیے انھیں دیگر انسانوں پر گواہ بنایا گیا ہے تاکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ہم پر شاہد ہوں اور ہم اپنے شیعوں پر شاہد ہوں اور ہمارے شیعہ دوسرے لوگوں پر شاہد رہیں۔[2]

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ یہاں شیعہ سے مراد وہ مخصوص افراد ہیں جو ان کے ساتھ تھے اور ان کے درجات کی قربت انھیں حاصل تھی جیسا کہ انھوں نے فرمایا ہے شِيْعَتُنَا مَعَنَا وَفِي دَرَجَتِنَا۔

''ہمارے شیعہ ہمارے ساتھ اور ہمارے درجے میں ہوں گے۔''

تاکہ سابقہ حدیث اور آنے والی احادیث میں کوئی منافات باقی نہ رہے۔

کتاب ''شواھد التنزیل'' میں امیرالمومنینؑ سے روایت ہے کہ ''لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ'' سے ہم لوگ مراد ہیں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ہم پر گواہ ہیں اور ہم اللہ کی جانب سے اس کی مخلوقات پر گواہ اور زمین میں اس کی حجت ہیں اور ہم ہی ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا اور اسی طرح ہم نے تم لوگوں کو درمیانی اُمت قرار دیا ہے۔[3]

تفسیر عیاشی میں امام باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ نَحْنُ نَمَطُ الْحِجَازِ ہم نَمَطُ الْحِجَاز ہیں آپ سے سوال کیا گیا کہ نَمَطُ الْحِجَاز کیا ہے؟ تو فرمایا درمیانی اُمت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا آپ نے فرمایا غالی (غلو کرنے والا) لوٹ کر ہماری طرف آئے گا اور مقصّر (گھٹانے والا) بھی آخرکار ہم سے ہی آکر مل جائے گا۔[4]

کتاب مناقب میں امام باقر علیہ السّلام سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آیت ''وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً

(۱) الکافی ص ۱۹۱ ج ۱ و تفسیر عیاشی ص ۶۲ ج ۱ (۲) الکافی ص ۲۵۱ ج ۱

(۳) شواہد التنزیل ص ۱۱۹ ج ۱ (۴) تفسیر عیاشی ص ۶۳ ج ۱

وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا'' نازل فرمائی۔ اس کے بعد امامؑ نے فرمایا کہ انسانوں پر رسولوں اور اماموں کے علاوہ کوئی اور گواہ نہیں بن سکتا اُمّت کے لیے جائز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں شاہد کا درجہ عطا کرے اس لیے کہ ان میں ایسے افراد بھی موجود ہیں جن کی گواہی دنیا میں سبزی کے ایک گٹھے (بنڈل) کے بارے میں بھی قبول نہیں کی جائے گی۔ ۱؎

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ لفظ اُمّت کے اس مفہوم کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان فرمایا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی دعا میں گزرا۔

وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ'' اور ہماری ذریت میں سے ایک اُمّت مسلمہ بناتا رہ۔''

اور تم نے وہاں جان لیا تھا کہ اُمّت حقیقی معنی کے لحاظ سے جماعت کا نام ہے اس لیے کہ فرقے اسی جماعت کا قصد کرتے ہیں۔

تفسیر عیاشی میں امام صادقؑ سے مروی ہے آپ نے فرمایا کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس آیت میں اُمّت سے مراد موحّدین میں سے تمام اہل قبلہ ہیں کیا تم نے کبھی غور کیا ہے کہ دنیا میں ایک صاع کھجور کے لیے جس کی گواہی قابل قبول نہ ہو کیا اللہ تعالیٰ روزِ قیامت تمام گذشتہ امتوں کے سامنے ایسے شخص کی گواہی طلب کرے گا اور اسے قبول کرے گا۔ نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے اللہ نے اپنی مخلوقات میں سے ایسی اُمّت مراد نہیں لی ہے یعنی وہ اُمّت جس کے لیے ابراہیم علیہ السّلام کی دعا قبول ہوئی۔ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (۱۱۰ آل عمران۔ ۳) تم بہترین اُمّت ہو تمھیں دوسرے انسانوں کے لیے لایا گیا ہے اور وہ ائمہ کرامؑ ہیں جو واسطہ ہیں اور وہی بہترین اُمّت ہیں جو انسانوں کے لیے دنیا میں تشریف لائے۔ ۲؎

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں چوں کہ انبیاء اور اوصیاء جھوٹ سے محفوظ ہیں اس لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کی شہادت کو امتوں کے لیے جائز قرار دیا ہے نہ یہ کہ تمام انسان گواہ ہوں گے اللہ تعالیٰ نے ان انبیاء اور اوصیاء میں سے ہر اُمّت میں ایک شہید (گواہ) کو بھیجا ہے تاکہ وہ اس اُمّت کے لیے گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی جانب رسول کو بھیجا اور ان پر اپنی حجّت تمام کردی اور یہ کہ کس نے ان کی اطاعت کی اور کس نے نافرمانی کی تاکہ کل بروزِ قیامت وہ انکار نہ کرسکیں۔ تو نبی اکرمؐ، اللہ کے سامنے ائمہؑ کے بارے میں شہادت دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں امام بنا کر بھیجا تھا اور انھوں نے ان کی اطاعت کی تھی اور ائمہ اللہ کے حضور میں یہ شہادت پیش کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو ان کی جانب مبعوث فرمایا تھا اور نبی اکرمؐ نے اللہ کا پیغام انھیں پہنچا دیا تھا اور کس نے نبی کی اطاعت کی اور کس نے نافرمانی کی ہے اسی طرح ہمارے نبی جملہ انبیاء کے لیے ان کی امتوں پر گواہی دیں گے کہ انبیائے کرام نے اپنے رب

(۱) مناقب ابن شہر آشوب، ص ۱۷۹ ج ۴ (۲) تفسیر عیاشی، ص ۶۳ ج ۱

کے پیغامات کو اپنی امتوں تک پہنچایا۔ اس بارے میں مکمل گفتگو ان شاء اللہ ہم سورہ النساء میں کریں گے۔

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ۔

اور ہم نے بیت المقدس کو اس لیے قبلہ بنایا تھا کہ ہم جان لیں کہ کون رسول کا اتباع کرتا ہے اور کون ہے جو پچھلے پیروں لوٹ جاتا ہے، اور اپنے آباء واجداد کے قبلہ کی الفت میں دین سے مرتد ہو جاتا ہے۔

تفسیر امام حسن عسکری علیہ السّلام اور کتاب احتجاج میں امام حسن عسکری علیہ السّلام سے مروی ہے، کہ اِلَّا لِنَعْلَمَ کا مفہوم یہ ہے کہ ہمیں معلوم تھا کہ ایسا ہوگا اس علم کے بعد اب ہم اس کی حقیقت کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ امامؑ نے فرمایا کہ مکّہ کے باشندے کعبہ کی جانب مائل تھے تو اللہ نے ارادہ کیا کہ محمدؐ کے متبعین میں سے ان کو واضح کردے جنھوں نے آں حضرتؐ کی مخالفت کی تھی اس قبلہ کا اتباع کر کے جسے وہ ناپسند کرتے تھے اور حضرت محمدؐ نے اس کا حکم دیا تھا اور جب مدینہ والے بیت المقدس کی طرف مائل تھے تو انھوں نے حکم دیا کہ اس کے خلاف عمل کریں اور کعبہ کی جانب رُخ کریں تا کہ اللہ تعالیٰ واضح کردے کہ کون ہے جو اُس امر میں حضرت محمدؐ کی موافقت کرتا ہے جسے وہ پسند نہیں کرتا اس طرح حضرت محمدؐ کی تصدیق کرنے والے اور ان کی موافقت کرنے والے دونوں کا علم ہو جائے گا۔(۱)

وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً۔

اگرچہ اس وقت بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنا بہت مشکل کام تھا۔

إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ۔

مگر اللہ تعالیٰ نے جن کی ہدایت کی تھی

اور انھیں بتلا دیا تھا کہ اللہ کی بندگی انسانی ارادے کی پابند نہیں ہے بلکہ اس کے خلاف بھی ہو سکتی ہے تا کہ اللہ تعالیٰ اس کی خواہشات کی مخالفت میں اس کی اطاعت کا امتحان لے لے۔

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ۔

اللہ تعالیٰ تمھارے ایمان یعنی نماز کو برباد نہیں کرے گا

إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ۔

بے شک اللہ انسانوں پر شفیق اور مہربان ہے۔

تفسیر عیاشی میں ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السّلام سے ایمان کے بارے میں سوال کیا گیا کہ ایمان کیا

(۱) تفسیر امام عسکریؑ ص۔ ۴۹۵ / احتجاج طبرسی ص ۴۵۔ ۴۶ ج ۱

قول وعمل کا نام ہے یا صرف قول ہے جس میں عمل نہ ہو تو امامؑ نے جواب دیا ایمان مکمل عمل کا نام ہے اور قول اس عمل کا تھوڑا سا حصّہ ہے جسے اللہ تعالیٰ کی جانب سے فرض قرار دیا گیا ہے۔ کتاب الٰہی میں اس کی وضاحت موجود ہے، اس کا نور آشکار ہے، اس کی حجّت ثابت ہے۔ کتاب اس امر کی شہادت دیتی ہے اور اس کی طرف بلاتی ہے جب نبی اکرمؐ نے بیت المقدّس سے خانہ کعبہ کی طرف رُخ پھیرلیا تو مسلمانوں نے نبی اکرمؐ سے دریافت کیا کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ ہماری نمازوں کا کیا حال ہوا ہے جو ہم نے بیت المقدس کی جانب ادا کی ہیں۔ اور ان فوت شدگان کی نمازوں کا کیا حشر ہوا جنھوں نے بیت المقدس کی طرف رُخ کرکے نمازیں پڑھی تھیں۔ تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ -اللہ تعالیٰ تمھاری نمازوں کو برباد نہیں ہونے دے گا۔ (تو اسی وجہ سے صَلَاۃ (نماز) کو اس آیت میں ایمان کہا گیا ہے) تو جو شخص اللہ سے اس طرح ملاقات کرے گا کہ اس نے اپنے اعضائے جسمانی کی حفاظت کی تھی اور اللہ تعالیٰ نے اعضاء وجوارح میں سے جس پر جو حق فرض قرار دیا تھا اسے پوری طرح ادا کیا تھا تو اللہ سے اس کی ملاقات ایک کاملُ الایمان کی حیثیت سے ہوگی۔ اور وہ اہل جنّت میں سے ہوگا اور جس نے اس میں سے کسی شے کی خیانت کی ہوگی یا امر الٰہی سے تجاوز کیا ہوگا وہ اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ ناقصُ الْاِيْمَان ہوگا۔ [1]

(۱) تفسیر عیاشی، ص ۶۳ ج ۱

قَدۡ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجۡهِكَ فِی السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّیَنَّكَ قِبۡلَةً تَرۡضٰىهَا ۪ فَوَلِّ
وَجۡهَكَ شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ ؕ وَ حَیۡثُ مَا كُنۡتُمۡ فَوَلُّوۡا وُجُوۡهَكُمۡ
شَطۡرَهٗ ؕ وَ اِنَّ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ لَیَعۡلَمُوۡنَ اَنَّهُ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّهِمۡ ؕ وَ
مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۴۴﴾
وَ لَئِنۡ اَتَیۡتَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ بِكُلِّ اٰیَةٍ مَّا تَبِعُوۡا قِبۡلَتَكَ ۚ وَ مَاۤ
اَنۡتَ بِتَابِعٍ قِبۡلَتَهُمۡ ۚ وَ مَا بَعۡضُهُمۡ بِتَابِعٍ قِبۡلَةَ بَعۡضٍ ؕ وَ لَئِنِ اتَّبَعۡتَ
اَهۡوَآءَهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الۡعِلۡمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۴۵﴾

وقف لازم

۱۴۴- ہم آپ کے چہرے کو بار بار آسمان کی طرف اُٹھتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔ ہم اسی قبلہ کی طرف آپ کو پلٹا دیں گے جسے آپ پسند کرتے ہیں۔ اب آپ اپنا رُخ مسجد الحرام کی طرف پھیر لیں۔ اور تم لوگ جہاں کہیں بھی ہو (نماز میں) مسجد الحرام ہی کی طرف اپنا رُخ کر لیا کرو۔ یہ لوگ جنھیں کتاب دی گئی تھی۔ خوب جانتے ہیں کہ (تحویل قبلہ کا) یہ حکم ان کے رب کی طرف سے ہے اور برحق ہے۔ مگر اس کے باوجود جو اُن کی حرکتیں ہیں اللہ ان سے غافل نہیں ہے۔

۱۴۵- آپ ان اہل کتاب کے پاس خواہ کوئی بھی نشانی لے کر آ جائیں ممکن نہیں کہ یہ آپ کے قبلہ کی پیروی کرنے لگیں۔ اور نہ ہی آپ کے لیے یہ ممکن ہے کہ آپ ان کے قبلے کی پیروی کریں اور ان میں سے کوئی گروہ بھی دوسرے کے قبلے کی پیروی کے لیے تیار نہیں ہے۔ اور اگر آپ نے اس علم کے بعد جو آپ کے پاس آ چکا ہے ان کی خواہشات کا اتباع کیا تو یقیناً آپ نقصان اٹھانے والوں میں ہوں گے۔

۱۴۴- قَدۡ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجۡهِكَ فِی السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّیَنَّكَ قِبۡلَةً تَرۡضٰىهَا-

اے نبی ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ آپ بار بار اپنا چہرہ آسمان کی طرف بلند کر رہے ہیں گویا آپ کو وحی ربانی کا انتظار ہے۔ (۱)

ایک قول کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ذہن میں یہ بات آ گئی تھی اور آپ اپنے رب

(۱) بیضاوی، ص ۸۸ ج ۱

سے یہ توقع کر رہے تھے کہ ان کا رخ کعبہ کی طرف پھیر دے اس لیے کہ وہ ان کے جد ابراہیمؑ کا قبلہ تھا، اور قدیم ترین قبلہ تھا اور عرب کو دعوت ایمان دینے کے لیے زیادہ موزوں تھا نیز یہودیوں کی مخالفت کے سبب بھی نبی کی یہی خواہش تھی کہ قبلہ تبدیل ہو جائے۔ ۱

تو ارشاد ہوا فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ہم آپ کو اس قبلہ کی طرف پلٹا دیں گے جسے آپ پسند کرتے ہیں جو آپ کی خواہش کے مطابق اور دینی مقاصد کے لیے اللہ تعالیٰ کی مشیّت اور حکمت کے موافق ہے۔

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔

بس اب آپ کو حکم دیا جاتا ہے کہ اپنا رُخ مسجد الحرام کی طرف پھیر لیں

مسجد الحرام کا ذکر سمت بتانے کے لیے کیا گیا۔

تفسیر قمّی میں ہے کہ یہ آیت سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ سے پہلے نازل ہوئی۔ ۲

کتاب فقیہ میں ہے کہ نبی اکرمؐ نے بعثت کے بعد تیرہ سال مکّہ میں اور انیس مہینہ مدینہ میں بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھی۔ پھر یہودیوں نے انھیں طعنہ دینا شروع کیا کہ آپ تو ہمارے قبلہ کے تابع ہیں اس بات سے پیغمبر اکرمؐ کو شدید صدمہ پہنچا، جب رات کا کچھ حصّہ گزر گیا تو نبی اکرمؐ گھر سے باہر تشریف لائے اور اپنا چہرہ بار بار آسمان کی طرف بلند کرنے لگے، جب صبح ہوئی تو آپ نے نماز صبح ادا کی، اس کے بعد جب ظہر کی نماز ادا کر رہے تھے دو رکعتیں پڑھی تھیں کہ اتنے میں جبریل امین نازل ہوئے اور فرمایا: قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔

”ہم دیکھ رہے تھے کہ آپ بار بار اپنا چہرہ آسمان کی طرف اٹھا رہے ہیں تو ہم آپ کو اسی قبلہ کی طرف پلٹا دیں گے جسے آپ پسند کرتے ہیں۔ اب آپ اپنا رُخ مسجد الحرام کی طرف پھیر لیں“ اس کے بعد جبریل امین نے نبی اکرمؐ کا ہاتھ تھاما اور آپ کو کعبہ کی طرف پھیر دیا اور جو افراد اُن کے پیچھے تھے انھوں نے بھی اپنا رُخ تبدیل کر لیا تو نبی اکرمؐ کی نماز کا پہلا حصّہ بیت المقدس کی جانب تھا اور دوسرا کعبہ کی طرف اور جب یہ خبر مدینہ کی مسجد تک پہنچی تو جو لوگ عصر کی دو رکعتیں پڑھ چکے تھے تو انھوں نے بھی کعبہ کی طرف اپنا رُخ موڑ لیا اس طرح ان کی نماز کا پہلا حصّہ بیت المقدس کی طرف اور دوسرا کعبہ کی طرف ہوا۔

جس مسجد میں قبلہ تبدیل ہوا اسے مسجد القبلتین کہتے ہیں یعنی دو قبلوں والی مسجد۔ ۳

تفسیر قمّی میں بھی اسی سے ملتا جلتا واقعہ موجود ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ جب قبلہ تبدیل ہوا اس وقت نبی اکرمؐ مسجد بنی سالم میں تھے۔ ۴

---

(۱) بیضاوی، ص ۸۸ ج ۱ (۲) تفسیر قمی، ص ۶۲ ج ۱

(۳) من لایحضرہ الفقیہ، ص ۱۷۸-۱۷۹ ج ۱ (۴) تفسیر قمی، ص ۶۳ ج ۱

وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ -

اور تم جہاں کہیں بھی ہو (نماز میں) اپنا رُخ مسجد الحرام کی طرف پھیر لو

آں حضرتؐ کی عظمت اور تحویل قبلہ کے سلسلے میں ان کی خواہش کی قبولیت کے سبب انھیں الگ حکم دیا گیا اور اس کے بعد عمومی حکم تمام اُمّت والوں اور ہر جگہ کے باشندوں کے لیے نیز حکم قبلہ کی اہمیت بتلانے اور بالخصوص اُمّت کو اس کی متابعت کرانے کے لیے آیا ہے۔

وَإِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ -

جنھیں کتاب دی گئی ہے یعنی یہود و نصاریٰ وہ اس بات کو جانتے ہیں کہ یہی حق ہے

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ طریقہ ہے کہ ہر شریعت کے لیے ایک قبلہ کو مخصوص کر دیتا ہے۔ اور ان یہود و نصاریٰ کی کتابوں میں یہ تحریر ہے کہ آں حضرتؐ دو قبلوں کی جانب نماز پڑھیں گے۔

وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ -

اور یہ لوگ جو حرکتیں کر رہے ہیں اللہ اس سے غافل نہیں ہے۔

اس میں دونوں فریق کے لیے وعدہ اور ایک طرح کی وعید (دھمکی) بھی ہے۔

۱۴۵ – وَلَئِنْ أَتَيْتَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ بِكُلِّ آيَةٍ -

''اے پیغمبرؐ! اگر آپ ان یہودیوں اور عیسائیوں کے پاس جو برہان وحجّت بھی لے کر آجائیں''۔

مَّا تَبِعُوا قِبْلَتَكَ -

پھر بھی ''وہ آپ کے قبلہ کا اتباع نہیں کریں گے''

اس لیے کہ دشمنی رکھنے والوں کے لیے دلائل بے سود ہوتے ہیں۔

وَمَا أَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ -

''اور نہ ہی آپ ان کے قبلے کا اتباع کریں گے''

اس جملہ کے ذریعہ صاحبان کتاب کی امیدوں پر پانی پھیر دیا گیا۔

وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ -

''اور نہ ہی کوئی ایک دوسرے کے قبلے کی متابعت کرنے والا ہے''

ہر گروہ جو کچھ کر رہا ہے اس پر سختی سے جما رہے گا۔

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ -

علم آجانے کے بعد بھی اگر آپ نے ان کی خواہشات کا اتباع کیا

یہ حکم بطور فرض محال بیان کیا گیا ہے یا اس سے مراد نبیؐ کے علاوہ اُمّت کے دوسرے افراد ہیں یہ حکم اسی

طرح ہے جیسے عربی کا مقولہ ہے اِیَّاكَ اَعْنِی واسْمَعِی یاجَارَہ(میری مراد تو تم سے ہے لیکن اے پڑوسن تم سن لو) یعنی خطاب کسی اور سے ہو اور سنانا کسی اور کو مقصود ہو۔

اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔

تو اس عالم میں آپ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

تہدید کو نہایت تاکید کے ساتھ بیان کیا گیا، اور حق کی عظمت کی خاطر مبالغہ سے کام لیا گیا اور خواہشات نفسانی کی اتباع سے ڈرایا گیا ہے، تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ انبیاء سے گناہوں کا صادر ہونا ممکن نہیں ہے۔ یعنی اے پیغمبر نہ آپ ایسا کام کریں گے اور نہ ہی ظالمین میں آپ کا شمار ہوگا۔

اَلَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰهُمُ الۡکِتٰبَ یَعۡرِفُوۡنَهٗ کَمَا یَعۡرِفُوۡنَ اَبۡنَآءَهُمۡ ؕ وَ اِنَّ فَرِیۡقًا
مِّنۡهُمۡ لَیَکۡتُمُوۡنَ الۡحَقَّ وَ هُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۴۶﴾
اَلۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّکَ فَلَا تَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُمۡتَرِیۡنَ ﴿۱۴۷﴾
وَ لِکُلٍّ وِّجۡهَةٌ هُوَ مُوَلِّیۡهَا فَاسۡتَبِقُوا الۡخَیۡرٰتِ ؕ اَیۡنَ مَا تَکُوۡنُوۡا یَاۡتِ بِکُمُ
اللّٰهُ جَمِیۡعًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۱۴۸﴾

وقف منزل ع ۱۷ – وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

۱۴۶ – جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ نبیؐ اکرم کو اچھی طرح پہچانتے ہیں جس طرح یہ اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں۔ مگر ان میں سے ایک گروہ جانتے بوجھتے ہوئے حق کو چھپا رہا ہے۔

۱۴۷ – یہ حق تمھارے رب کی جانب سے ہے لہٰذا اس کے متعلق تم کسی شک وشبہہ میں مبتلا نہ ہونا۔

۱۴۸ – ہر ایک کے لیے کوئی نہ کوئی رخ ہوتا ہے جس کی طرف وہ مڑتا ہے۔ پس تم بھلائیوں کی طرف سبقت لے جانے کی کوشش کرو۔ جہاں بھی تم ہو گے، اللہ تم سب کو لے آئے گا بلاشبہہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

۱۴۶ – اَلَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰهُمُ الۡکِتٰبَ یَعۡرِفُوۡنَهٗ کَمَا یَعۡرِفُوۡنَ اَبۡنَآءَهُمۡ –

ہم نے جنھیں کتاب دی ہے یعنی ان کے علماء، وہ لوگ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی توصیف، تعریف، بعثت، ہجرت اور ان کے اصحاب کے اوصاف کو توریت اور انجیل کی روشنی میں اچھی طرح پہچانتے ہیں۔ جس طرح وہ اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں۔

وَ اِنَّ فَرِیۡقًا مِّنۡهُمۡ –

ان دشمنوں میں سے ایک ایسا گروہ ہے نہ کہ مومنین میں سے

لَیَکۡتُمُوۡنَ الۡحَقَّ وَ هُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ –

جان بوجھ کر حق کو چھپا رہا ہے۔

۱۴۷ – اَلۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّکَ –

کہ آپ اپنے رب کی جانب سے ان کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں

فَلَا تَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُمۡتَرِیۡنَ –

لہٰذا آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیں۔

۱۴۸۔ وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ۔

ہر قوم کے لیے قبلہ، نظام، شریعت اور راستہ ہوتا ہے جس کی طرف وہ قوم رُخ کرتی ہے۔

هُوَ مُوَلِّيهَا۔

اللہ تعالیٰ انھیں اس راستے پر ڈال دیتا ہے اور اس رخ پر چلا دیتا ہے۔

فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ۔

لہٰذا تم اطاعت کرکے بھلائی کے کاموں میں سبقت لے جانے کی کوشش کرو۔

کتاب کافی میں امام باقر علیہ السّلام سے روایت ہے کہ خیرات کے معنی ہیں ولایت۔ [1]

أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللَّهُ جَمِيعًا۔

تم سب کے سب جہاں بھی ہوگے یعنی خدا کی خدائی میں جہاں جہاں تمھاری موت واقع ہوئی ہوگی اللہ تم سب لوگوں کو روزِ محشر قیامت میں جمع کرے گا۔ [2]

اور اہل بیتؑ کی احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ اس سے مراد آخری زمانے میں امام مہدی علیہ السّلام کے اصحاب ہیں۔ [3]

تفسیر مجمع البیان اور عیاشی میں امام رضا علیہ السّلام سے مروی ہے جب ہمارا قائم قیام کرے گا تو اللہ تعالیٰ تمام شہروں سے شیعوں کو یکجا کردے گا۔ [4]

کتاب اکمال اور تفسیر عیاشی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ یہ آیت اصحاب حضرت قائمؑ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اگر وہ رات کو اپنے بستر پر موجود ہوں تو صبح کے وقت مکّہ مکرّمہ میں موجود ہوں گے اور ان میں سے کچھ دن کے وقت دوشِ ابر پر روانہ ہوں گے ہم ان کا نام، ان کے والد کا نام، ان کا حلیہ اور ان کا نسب بھی جانتے ہیں۔ [5]

إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔

اللہ موت دینے، زندہ کرنے اور سب کو اکٹھا کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔

(۱) الکافی، ص ۱۳، ح ۸ (۲) مجمع البیان، ص ۲۳۱، ج ۱۔ ۲ (۳) الکافی، ج ۸، ص ۱۳، ح ۴۸۷

(۴) مجمع البیان، ج ۱۔ ۲، ص ۲۳۱ و تفسیر عیاشی، ج ۱، ص ۶۶، ح ۱۷

(۵) اکمال الدین و اتمام النعمہ، ص ۶۷۲، ح ۲۴ و تفسیر عیاشی، ج ۱، ص ۶۷، ح ۱۱۸

وَ مِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَ اِنَّهٗ لَلْحَقُّ
مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۹﴾
وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا
كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۙ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۙ اِلَّا
الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ۚ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ ۚ وَ لِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ
وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾

۱۴۹- تمھارا گزر جس مقام سے بھی ہو وہاں سے (نماز کے وقت) اپنا رُخ مسجد الحرام کی طرف کرلیا کرو۔ کیوں کہ تمھارے پروردگار کی طرف سے یہی برحق ہے۔ اور اللہ تم لوگوں کے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔

۱۵۰- اور تم جس جگہ سے بھی گزرو (نماز کے وقت) اپنا رُخ مسجدِ حرام کی جانب پھیر لو! اور تم سب جہاں کہیں بھی ہو مسجد الحرام کی طرف رُخ کرکے (نماز ادا کرو) تاکہ لوگوں کو تمھارے خلاف کوئی حجّت نہ ملے۔ ہاں ان میں سے جو ظالم ہیں (وہ تمھارے خلاف باتیں بنائیں گے) تمھیں ان سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے صرف میرا خوف اپنے دل میں رکھو تاکہ میں اپنی نعمت تم پر تمام کردوں اور توقع ہے کہ تم ہدایت کی راہ پر گامزن رہو گے۔

۱۴۹- وَ مِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ-

سفر کے دوران کسی بھی شہر سے تم گزرو تو نماز کے وقت اپنا رُخ مسجد الحرام کی جانب پھیر لیا کرو۔ کعبہ کی طرف رُخ کرلینا ہی حق بات ہے تمھارے رب کی جانب سے جس کا حکم دیا گیا ہے۔ تم جو بھی عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے بے خبر نہیں ہے۔

۱۵۰- وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۙ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ-

اس حکم کو مکرّر بیان کرنے کے کئی اسباب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قبلہ کی تبدیلی کی تین وجہیں بیان کی

ہیں۔ رسول اکرمؐ کی تعظیم کے لیے، اللہ کی رضامندی کی خاطر اور اللہ کا یہ طریقہ رہا ہے کہ اس نے ہر ملّت اور صاحب دعوت کے لیے الگ قبلے کا تعین کیا ہے وہ جس کی طرف رخ کرتا ہے اور اس کے ذریعہ دوسروں سے ممتاز ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مخالفین کے دلائل کا دفاع کیا ہے جیسا کہ بیان کیا جائے گا اور ہر علّت کے ساتھ معلول کو بھی بیان کیا ہے جس طرح ہر مدلول کے ساتھ دلائل بھی موجود ہیں تا کہ یہ واضح کیا جاسکے کہ ہر قبلہ اپنی اپنی خصوصیات کا حامل ہے اور قبلہ کی منسوخی فتنہ اور شبہہ دونوں کو دور کرنے کے لیے ہے۔ لہٰذا یہی مناسب تھا کہ اس آیت کو تاکیدی انداز میں بیان کیا جائے اور دوبارہ اس کا ذکر کیا جائے۔ ۱

یہ جملہ ''لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ'' اللہ کے قول ''فَوَلُّوْا'' کی علت ہے۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ بیت المقدس سے کعبہ کی طرف رخ پلٹانا یہودیوں کے احتجاج کو رد کردیتا ہے اس لیے کہ توریت میں بیان کیا گیا ہے کہ ان کا قبلہ کعبہ ہوگا اور یہ کہ محمدؐ ہمارے دین کا انکار کریں گے لیکن قبلے کے معاملے میں وہ ہمارے قبلے کا اتباع کر رہے ہیں۔ اور مشرکین کے احتجاج کو اس طرح مسترد کردیا کہ وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ملّت ابراہیمی کے پیروکار ہیں اور ان کے قبلے کے مخالف ہیں۔ ۲

اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ۔

مگر ان میں سے مخالف وہی لوگ ہیں جنھوں نے ظلم کیا۔

تفسیر قمی میں ہے کہ اس آیت میں لفظ ''اِلَّا'' لا اور لیست کے معنی میں آیا ہے یعنی وَلَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ نہ وہ لوگ جنھوں نے ظلم کیا ہے۔ ۳

اور ایک قول کے مطابق اس آیت کا مفہوم ہے۔ اِلَّا الْحُجَّةَ الدَّاحِضَةَ مِنَ الْمُعَانِدِيْنَ منکرین کی طرف سے باطل ہوجانے والی دلیل یہ ہے کہ انھوں نے کہا پیغمبرؐ اکرم کعبہ کی طرف نہیں پلٹے ہیں مگر صرف اس لیے کہ وہ اپنی قوم کے مذہب کی طرف مائل تھے اور انھیں اپنے وطن سے محبت تھی یا بَدا واقع ہوگیا تو وہ اپنے باپ دادا کے قبلے کی طرف واپس ہوگئے اور ہوسکتا ہے کہ ان کا دین بھی قبول کرلیں۔ ۴

فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ۔

اے نبی آپ ان لوگوں کی طعن وتشنیع سے خوف زدہ نہ ہوں وہ آپ کا بال بیکا نہیں کرسکتے آپ صرف مجھ سے ڈریں اور میں نے جو حکم دیا ہے اس کی مخالفت نہ کریں۔

---

(۱) بیضاوی، ص ۹۰ ج ۱ (۲) تفسیر ابی السعود، ص ۱۷۸ ج ۱

(۳) تفسیر قمی، ص ۶۳ ج ۱ (۴) بیضاوی، ص ۹۰ ج ۱ و تفسیر ابی السعود، ص ۱۷۸ ج ۱

وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ-

تاکہ میں تم پر اپنی نعمتیں تمام کردوں اس توقع پر کہ تم راہِ ہدایت پر گامزن رہو گے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے روایت ہے کہ تمام النعمة سے مراد ہے جنت میں داخل ہونا ہے۔ ۱

اور امیر المومنین علیہ السّلام سے مروی ہے کہ تمام النعمۃ کے معنی ہیں اسلام پرموت کا واقع ہونا۔ ۲

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ دونوں حدیثوں میں کوئی منافات نہیں ہے اس لیے کہ ان میں ایک ہی جیسی باتیں بیان ہوئی ہیں۔

(۱) تفسیر ابی السعود، ص۱۷۸ ج۱ (۲) تفسیر ابی السعود، ص۱۷۸ ج۱

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَ لَا تَكْفُرُوْنِ ﴿۱۵۲﴾

معانقۃ ۳ ۱۸ ع ۵ ۲

۱۵۱ – جس طرح ہم نے تمھارے درمیان خود تم میں سے رسول بھیجا جو تمھیں ہماری آیتیں سناتا ہے۔ تمھارے نفوس کو پاک و پاکیزہ بناتا ہے، اور تمھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمھیں وہ سب کچھ سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔

۱۵۲ – لہٰذا تم مجھے یاد رکھو، میں تمھیں یاد رکھوں گا۔ میرا شکر ادا کرو اور کُفرانِ نعمت نہ کرو۔

۱۵۱ – كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ۔

اور یہ کہ میں اپنی نعمتیں تم پر تمام کردوں جس طرح میں نے تم میں سے رسول کو بھیج کر اپنی نعمت مکمل کردی ہے۔

يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيْكُمْ۔

وہ تمھارے سامنے ہماری آیتوں کی تلاوت کرتا ہے تاکہ تم پاک و پاکیزہ بن جاؤ

تزکیہ کو تعلیم پر اس لیے مقدم کیا کہ اصل غرض یہی ہے اور فعل کے اعتبار سے اسے ابراہیم علیہ السّلام کی دعا میں مؤخر رکھا ہے۔

وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ –

وہ تمھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمھیں وہ کچھ سکھاتا ہے جو تم فکر و نظر کے ذریعہ نہیں جان سکتے تھے تمھیں جن باتوں کا علم نہیں ہے وہ تمھیں سکھاتا ہے اس لیے کہ اس کے پاس علم کا ذریعہ وحی الٰہی ہے اور آیت میں دو مرتبہ ''يُعَلِّمُكُمْ'' آیا ہے تاکہ بتایا جائے کہ دونوں باتیں جدا جدا ہیں۔

۱۵۲ – فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَ لَا تَكْفُرُوْنِ۔

تم اطاعت کے ذریعہ مجھے یاد رکھو میں ثواب دے کر تمھیں یاد رکھوں گا۔ جو نعمتیں میں نے تمھیں عطا کی ہیں ان کا شکر ادا کرو۔ نعمتوں کا انکار کرکے اور حکم عدولی کے ذریعہ مجھے نہ جھٹلاؤ۔ اس آیت میں کفر سے مراد نعمتوں کا انکار ہے۔ کتاب کافی اور تفسیر عیاشی میں امام صادق علیہ السّلام سے یہی مروی ہے۔ [۱]

تفسیر قمّی میں امام باقر علیہ السّلام سے روایت ہے کہ اللہ کا نماز گزاروں کو یاد رکھنا ان کے اللہ کو یاد

(۱) الکافی ص ۹۰ ۳ ج ۲ / تفسیر عیاشی ص ۶۷ ج ۱

رکھنے سے زیادہ عظیم ہے کیا تم نے نہیں دیکھا اس نے فرمایا: فَاذْكُرُونِيٓ اَذْكُرْكُمْ مجھے یاد رکھو میں تمھیں یاد رکھوں گا۔ ۱

کتاب خصال میں امیر المومنین علیہ السّلام سے مروی ہے کہ تم ہر جگہ اللہ کو یاد رکھو اس لیے کہ وہ تمھارے ساتھ ہے۔ ۲

کتاب کافی میں امام صادق علیہ السّلام سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ خداوند عالم نے فرمایا: يَابْنَ آدَمَ اذْكُرْنِيْ فِي مَلَاءٍ اَذْكُرْكَ فِيْ مَلَاءٍ خَيْرٌ مِنْ مَلَئِكَ۔ ۳

''اے فرزند آدم تو مجھے کسی اجتماع میں یاد کر میں تجھ کو اس سے بہتر اجتماع میں یاد کروں گا۔

امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ سے کہا: '' يَاعِيسٰى اُذْكُرْنِيْ فِي نَفْسِكَ اَذْكُرْكَ فِيْ نَفْسِيْ وَاذْكُرْنِيْ فِي مَلَئِكَ اَذْكُرْكَ فِيْ مَلَاءٍ خَيْرٌ مِنْ مَلَاءِ الْاٰدَمِيِّيْنَ۔''

اے عیسٰی تم مجھے اپنے دل میں یاد کرو میں تمھیں اپنے پاس یاد کروں گا اور تم مجھے اپنے کسی اجتماع میں یاد کرو میں تمھیں ایسے اجتماع میں یاد کروں گا جو آدمیوں کی جماعت سے بہتر ہوگا۔ ۴

امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں میں سے ہر ایک کا ذکر خیر کے ساتھ کرتا ہے لہٰذا تم پر لازم ہے کہ تم اپنی جانب سے اس کی اطاعت میں کوشش کرو اور اسے یاد رکھو۔ ۵

تفسیر مجمع البیان اور تفسیر عیاشی میں امام باقر علیہ السّلام سے مروی ہے، آپ نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ فرشتہ دن کے آغاز اور رات کے آغاز میں صحیفہ لے کر نازل ہوتا ہے جس میں اولاد آدمؑ کے تمام اعمال کو رقم کرتا ہے تو تم پر لازم ہے کہ اس کا آغاز خیر سے کرو اور انجام بھی بخیر ہو ان شاء اللہ اس کے درمیان میں جو کچھ ہوگا اللہ تعالیٰ اسے معاف کردے گا اس لیے کہ وہ فرماتا ہے: فَاذْكُرُونِيٓ اَذْكُرْكُمْ تم مجھے یاد رکھو میں تمھیں یاد رکھوں گا۔ ۶

کتاب خصال میں امام باقر علیہ السّلام سے مروی ہے، اگر اللہ کی جانب سے امتحان (مصیبت) ہو تو صبر کرنا واجب ہے۔ اور اگر اللہ کی جانب سے کوئی حتمی فیصلہ ہو تو اسے تسلیم کرنا لازم ہے اور اگر اللہ کی جانب سے نعمت عطا ہو تو اس پر شکر بجالانا ضروری ہے۔ ۷

امام سجاد علیہ السّلام نے فرمایا: مَنْ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَقَدْ اَدّٰى شُكْرَ كُلِّ نِعَمِ اللّٰهِ جس نے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہا تو گویا اس نے اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں کا شکر ادا کردیا۔ ۸

---

(۱) تفسیر قمی، ص ۱۵۰ ج ۲ (۲) الخصال، ص ۶۱۳ (۳) الکافی، ص ۴۹۸ ج ۲ (۴) الکافی، ج ۲ ص ۵۰۲ ح ۳
(۵) الکافی، ص ۷ ج ۸ (۶) مجمع البیان، ص ۲۳۴ ج ۱-۲ و تفسیر عیاشی، ص ۶۷ ج ۱
(۷) الخصال، ص ۸۶ ح ۱۷ (۸) الخصال، ص ۲۹۹ ح ۷۲

اور امیر المومنین علیہ السّلام سے مروی ہے: شُکْرُ کُلِّ نِعْمَۃٍ اَلْوَرَعُ عَمَّا حَرَّمَ اللّٰہُ ہر نعمت کا شکر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو حرام کیا ہے ان سے بچا جائے۔ [1]

تفسیر عیاشی میں ہے کہ امام صادق علیہ السّلام سے سوال کیا گیا: کیا شکر کی کوئی حد معین ہے کہ اگر کوئی اسے بجالائے تو کیا اسے شاکر (شکرگزار) کہا جائے گا؟ تو امام علیہ السّلام نے جواب دیا ہاں! تو سوال کیا گیا وہ کیا ہے تو امام علیہ السّلام نے فرمایا کہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ نِعْمَۃٍ اَنْعَمَھَا عَلَیَّ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں ہر اس نعمت کی بنیاد پر جو اس نے مجھے عطا کی ہے اب اگر اللہ نے جو نعمت دی ہے اس کا حق اس پر رہ گیا ہے تو گویا کہ اس جملہ کو ادا کر کے اس نے حق ادا کر دیا اور اسی ذیل میں اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا ھٰذَا۔

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمارے لیے اسے (سواری کو) مسخر کر دیا۔

اور اسی قبیل کی دیگر آیات بھی امامؑ نے اسے بتائیں۔ [2]

(۱) الخصال، ص ۱۴ ح ۵۰ (۲) تفسیر عیاشی، ص ۶۷ ج ۱ ح ۱۲۰

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾
وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾
وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾
الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْۤا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾
اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۫ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

---

۱۵۳ – اے ایمان لانے والو! صبر اور نماز سے مدد طلب کرو، اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔
۱۵۴ – اور جو لوگ اللہ کی راہ میں جام شہادت نوش کرلیں انھیں مردہ نہ کہو بلکہ حقیقت میں وہ زندہ ہیں، مگر تمھیں ان کی زندگی کا شعور نہیں ہے۔
۱۵۵ – اور ہم یقیناً تمھیں خوف وخطر، فاقہ کشی، جان و مال کے نقصانات اور پھلوں کی کمی سے آزمائیں گے۔ تو اے نبی! آپ ایسے صبر کرنے والوں کو خوش خبری سنا دیں کہ جب ان پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو وہ کہتے ہیں (اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ) ہم تو اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے ایسے افراد پر اُن کے رب کی جانب سے رحمتیں اور عنایتیں ہوں گی اور وہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

---

۱۵۳ – يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ –

اے ایمان لانے والو! تم گناہوں کے ارتکاب اور خواہشات نفسانی پر صبر کرنے میں اللہ سے مدد طلب کرو اور نماز سے بھی مدد طلب کرو جو عبادتوں کی اصل ہے مومنین کی معراج اور رب العالمین سے دعا کا طریقہ ہے۔ جو لوگ صبر کرتے ہیں اللہ بیشک ان کے ساتھ ہے ان کی دعاؤں کو قبول کرتا ہے اور ان کی مدد کرتا ہے۔

کتاب مصباح الشریعہ میں امام صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا جو شخص دشواریوں پر صبر کرے گا، مخلوقات سے اس کی شکایت نہیں کرے گا اور بے عزتی و رسوائی پر جزع فزع نہیں کرے گا تو اس کا شمار عام افراد میں ہوگا اور اس کے نصیب میں وہ ہے جیسا اللہ نے فرمایا وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ (صبر کرنے

والوں کوخوش خبری سنادو) کہ ان کے لیے جنّت ہے۔ اور جو شخص مصائب وشدائد کا خندہ پیشانی سے استقبال کرے گا اور نہایت پرسکون انداز اور وقار کے ساتھ ان پر صبر کرے گا تو وہ خاص افراد میں سے ہوگا اور اس کے نصیب میں وہ ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ (بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے)۔ ۱

۱۵۴- وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ-

اور جولوگ اللہ کی راہ میں قتل کردیئے گئے انھیں مردہ نہ کہو (یعنی یہ نہ کہو کہ وہ مرگئے ہیں) بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم ان کی زندگی کے بارے میں شعور نہیں رکھتے کہ (وہ کس حال میں ہیں)۔

کتاب کافی اور تہذیب میں یونس بن ظبیان سے مروی ہے کہ امام صادق علیہ السّلام نے یونس سے دریافت کیا کہ لوگ مومنین کی روحوں کے بارے میں کیا نظریہ رکھتے ہیں؟ یونس نے جواب دیا وہ یہ کہتے ہیں کہ روحیں سبز رنگ کے پرندوں کے پوٹوں میں ان قندیلوں میں رہتی ہیں جوعرش کے نیچے ہیں تو امامؑ نے فرمایا سبحان اللہ مومن اللہ کے نزدیک اس سے زیادہ مکرّم ہے کہ اللہ اس کی روح کو پرندے کے پوٹے میں رکھ دے۔ اے یونس جب ایسا موقع آتا ہے تو اس کے پاس محمدؐ، علیؑ، حسنؑ اور حسینؑ اور ملائکہ مقرّبین تشریف لاتے ہیں جب اللہ تعالیٰ اس مومن کی روح کو قبض کرتا ہے تو اس روح کو ایک قالب میں رکھ دیتا ہے جو دنیا ہی جیسا قالب ہوتا ہے، وہ کھاتے ہیں، پیتے ہیں اور جب کوئی ان کے پاس آتا ہے تو وہ دنیاوی شکل وصورت کی وجہ سے اسے پہچان لیتے ہیں۔ ۲

کتاب تہذیب میں امام صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ آپ سے مومنین کی ارواح کے بارے سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: فِي الْجَنَّةِ عَلٰى صُوَرِ اَبْدَانِهِمْ لَوْرَاَيْتَهٗ لَقُلْتَ فُلَانٌ۔ وہ لوگ جنت میں اپنی جسمانی شکل کے مطابق ہیں اگر تم انھیں دیکھوگے تو کہوگے یہ تو فلاں شخص ہے۔ ۳

۱۵۵- وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ-

ہم ضرور بالضرور تمھیں مبتلا کریں گے خوف وخطر، بھوک پیاس، مال اور جان کی کمی اور پھلوں کی کمیابی میں اور تمھیں آزمائیں گے جس طرح امتحان دینے والے کو آزمایا جاتا ہے کہ کیا تم نے مصیبت پر صبر کیا؟ اور تم نے اپنے آپ کو قضا وقدر کے حوالے کردیا؟ اے پیغمبرؐ! آپ ایسے صبر کرنے والوں کو جنت کی خوشخبری سنادیں۔

کتاب نہج البلاغہ میں ہے کہ بندگانِ خدا جب برے اعمال بجالاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انھیں آزماتا ہے

(۱) مصباح الشریعہ، ص ۱۸۶ (۲) الکافی، ص ۲۴۵ ج ۳ و تہذیب الاحکام، ص ۴۶۶ ج ۱ ح ۱۵۲۶

(۳) تہذیب الاحکام، ص ۴۶۶ ج ۱ ح ۱۵۲۷

پھلوں میں کمی کرکے، برکات کو روک کر اور نیکیوں کے خزانے کو بند کرکے، تاکہ توبہ کرنے والا توبہ کرلے، توقف کرنے والا توقف کرلے، نصیحت قبول کرنے والا نصیحت قبول کرلے اور رک جانے والا رک جائے۔[1]

کتاب اکمال میں روایت ہے کہ یہ سب قیام قائم کی نشانیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے مومنین کو پیش آئیں گی۔ آپ نے فرمایا ''بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ'' سے مراد بنی امیہ کے وہ بادشاہ (بھی) ہیں جن کا تعلق آخری دورِ حکومت سے تھا۔ اور ''الْجُوْعِ'' سے مراد مہنگائی اور قیمتوں کی زیادتی ہے اور ''نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ'' سے تجارتوں کی بربادی، اور فائدے کی کمی ہے۔ اور ''نَقْصٍ مِّنَ الْاَنْفُسِ'' سے مراد اچانک موت ہے اور ''نَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ'' سے زرعی زمینوں کی کمی ہے۔ اگر ایسے حالات ہوں تو اس وقت اے نبی آپ صبر کرنے والوں کو قائم آلِ محمدؑ کے ظہور کی خبر دیں۔ اس کے بعد امام نے فرمایا یہ اس آیت کی تاویل تھی، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ۔ درآنحالیکہ اس کی تاویل کو اللہ اور الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ کے سوا کوئی اور نہیں جانتا۔[2]

۱۵۶ – الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔

یہ لوگ ہیں کہ جب بھی انھیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں اِنَّا لِلّٰهِ ہم اللہ کے لیے ہیں وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ اور اللہ کی طرف واپس جانے والے ہیں۔

حدیث میں آیا ہے کہ كُلُّ شَيْءٍ يُؤْذِي الْمُؤْمِنَ فَهُوَ لَهٗ مُصِيْبَةٌ۔

جو چیز بھی مومن کو اذیت پہنچائے وہ اس کے لیے مصیبت ہے۔

نہج البلاغہ میں ہے: کہ جب ہم اِنَّا لِلّٰهِ کہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی ملکیت کا اقرار کرتے ہیں اور جب ہم اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کہتے ہیں تو اپنے نفس کی ہلاکت کا اقرار کرتے ہیں۔[3]

تفسیر مجمع البیان میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم سے مروی ہے کہ جو شخص بھی مصیبت کے وقت ''اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ'' کہے گا اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی مصیبت کو ختم کردے گا اور اس کا انجام اچھا ہوگا۔ اور خدا اسے ایسی اولاد عطا کرے گا جو پسندیدہ ہوگی۔ اور فرمایا کہ جس پر مصیبت پڑے اور وہ کلمۂ استرجاع (اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ) کہے اگرچہ اس واقعے کو زمانہ گزر چکا ہو اللہ تعالیٰ اس کا اجر اتنا ہی عطا کرے گا جتنا مصیبت والے دن اجر دیا تھا۔[4]

کتاب کافی میں امام باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جب بھی کوئی بندہ مصیبت میں مبتلا ہو اور اس مصیبت کو بیان کیا جائے تو اس وقت وہ ''اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ'' کہے اور مصیبت کے اچانک آجانے پر

---

(۱) نہج البلاغہ، ص۱۹۹ خطبہ ۱۴۳ (۲) اکمال الدین واتمام النعمہ، ص۶۴۹ وتفسیر ابی السعود، ص۱۸۰ ج۱

(۳) نہج البلاغہ، ص۴۸۵ حکم ۹۹ (۴) مجمع البیان، ص۲۳۸ ج۱۔۲

صبر کرے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے تمام پچھلے گناہوں کو بخش دے گا اور جب بھی مصیبت کا ذکر کیا جائے تو جو اس وقت کلمہ استرجاع کہے گا اللہ تعالیٰ اس کے اُن تمام گناہوں کو معاف کر دے گا جو دونوں کلمہ استرجاع کے درمیان کیے گئے ہیں۔ ۱

اور امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جو مصیبت کو یاد کرے خواہ فوراً ہی ایسا ہوا ہو اور کہے " اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِيْ عَلٰى مُصِيْبَتِيْ وَاخْلُفْ عَلَيَّ اَفْضَلَ مِنْهَا" "ہم اللہ کے لیے ہیں اور اللہ کی طرف واپس جارہے ہیں، تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے یا اللہ میری مصیبت پر مجھے اجر عطا فرما اور اس سے افضل چیز کو میرے لیے اس کی جگہ عطا کر" تو اللہ تعالیٰ اسے اتنا ہی اجر دے گا جتنا پہلے صدمے کے وقت تھا۔ ۲

کتاب خصال اور تفسیر عیاشی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے، آپ نے فرمایا کہ آں حضرتؐ نے فرمایا کہ جس میں چار خصلتیں ہوں گی وہ اللہ کے نورِ اعظم کے درمیان ہوگا۔ جس کے امر کا حصار لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور میں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہوں اور جب اس پر کوئی مصیبت آئے تو وہ کہے اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ اور جب کوئی نعمت ملے تو کہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اور جب کوئی غلطی سرزد ہو تو کہے اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ۔ ۳

۱۵۷۔ اُولٰٓـئِكَ عَلَيۡهِمۡ صَلَوٰتٌ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَرَحۡمَةٌ‌ وَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡمُهۡتَدُوۡنَ۔

یہ وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی جانب سے صلوٰت ہے رحمت ہے اور وہی لوگ دراصل ہدایت یافتہ ہیں کہا گیا ہے لفظ صلوٰۃ اگر رب کی طرف منسوب ہو تو اس کا مفہوم تزکیہ (پاک کرنا) مغفرت، رحمت، مہربانی اور احسان ہے۔ ۴

کتاب خصال اور تفسیر عیاشی میں نبی اکرمؐ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے (حدیث قدسی میں) فرمایا ہے کہ میں نے دنیا کو اپنے بندوں کے درمیان ایک چشمۂ فیض قرار دیا ہے پس جو بھی اس دنیا میں سے مجھے قرض دے گا تو میں اسے ہر ایک کے عوض دس گنا عطا کروں گا اور اسے سات سو گنا یا جتنا چاہوں گا بڑھا دوں گا۔ اور جو شخص اس دنیا میں سے مجھے قرض نہیں دے گا تو میں اس سے زبردستی لے لوں گا۔ میں نے اس انسان کو تین خصلتیں عطا کی ہیں، میں اگر ان میں سے ایک بھی اپنے فرشتوں کو عطا کر دیتا تو وہ اس سے راضی ہو جاتے۔ نماز، ہدایت اور رحمت۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَلَّذِيۡنَ اِذَآ اَصَابَتۡهُمۡ مُّصِيۡبَةٌ ۙ قَالُوۡٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّـآ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ۔ ۵

---

(۱) الکافی، ص ۲۲۴ ج ۳ ح ۵ (۲) الکافی، ص ۲۲۴ ج ۳ ح ۶ (۳) الخصال، ص ۲۲۲ و تفسیر عیاشی، ص ۶۹ ج ۱ ح ۱۲۸
(۴) بیضاوی، ص ۹۱ ج ۱ (۵) الخصال، ص ۱۳۰ ح ۱۳۵ و تفسیر عیاشی، ص ۶۸ ج ۱ ح ۱۲۶

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَآئِرِ اللَّهِ ۖ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ
عَلَيْهِ أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ وَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ﴿١٥٨﴾
إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَآ أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ
لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ ۙ أُولَٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ ﴿١٥٩﴾
إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولَٰٓئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنَا
التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١٦٠﴾
إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ
وَالْمَلَٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿١٦١﴾
خَالِدِينَ فِيهَا ۖ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿١٦٢﴾

۱۵۸- یقیناً صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ لہٰذا جو بھی بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے اس کے لیے کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ وہ ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان سعی کرے اور جو بھی اپنی خواہش اور مرضی سے بھلائی کا کوئی کام انجام دے گا تو اللہ اس کے عمل کا قدرداں ہے اور اسے اس کا علم ہے۔

۱۵۹- جو لوگ ہماری نازل کی ہوئی واضح تعلیمات اور ہدایت کو چھپاتے ہیں، جب کہ ہم انھیں انسانوں کی رہنمائی کے لیے اپنی کتاب میں بیان کر چکے ہیں۔ یقین جانو! کہ اللہ بھی ان پر لعنت کرتا ہے اور تمام لعنت کرنے والے بھی ان پر لعنت بھیجتے ہیں۔

۱۶۰- سوائے ان لوگوں کے جنھوں نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کر لی اور جو چھپایا تھا اسے بیان کر دیا تو میں ان کی توبہ قبول کر لوں گا۔ اور میں توبہ قبول کرنے والا اور مہربان ہوں۔

۱۶۱- جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور پھر حالت کفر میں ہی جان دے دی تو ان پر اللہ، فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔

۱۶۲- اسی حالت میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ نہ ان کی سزا میں کوئی تخفیف ہوگی اور نہ ہی انھیں کسی قسم کی مہلت دی جائے گی۔

۱۵۸ – اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا۔

صفا اور مروہ مکّے کی دو پہاڑیوں کے نام ہیں۔

''مِنْ شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ'' سے مراد مکّے کے مشہور مناسک یعنی عبادتیں گاہیں ہیں۔ ''شعائر'' شعیرہ کی جمع ہے جس کے معنی علامت (نشانی) کے ہیں۔

''حج'' کے معنی لغت میں ہیں قصد کرنا۔

اور ''عمرہ'' کے معنی ہیں زیارت کرنا۔

اصطلاح شریعت میں حج کا مفہوم ہے مخصوص طریقے سے بیت اللہ کا قصد کرنا اور عمرہ کا مفہوم ہے مخصوص انداز میں بیت اللہ کی زیارت کرنا۔

''لَا جُنَاحَ عَلَيْهِ'' کی تفسیر، عیاشی نے امام باقر علیہ السّلام سے یہ بیان کی ہے کہ صفا اور مروہ کے درمیان چکّر لگانے (سعی کرنے) میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔[۱]

کتاب کافی اور تفسیر عیاشی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ آپ سے یہ سوال کیا گیا کہ کیا صفا اور مروہ کے مابین سعی کرنا واجب ہے یا سنت؟ تو آپ نے جواب دیا کہ سعی کرنا واجب ہے تو ان سے کہا گیا کیا اللہ تبارک وتعالیٰ نے نہیں فرمایا ہے؟ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ان دونوں کا طواف کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے تو امام نے جواب دیا کہ یہ عمرۃ القضا کے بارے میں تھا کہ رسول اکرمؐ نے ان پر شرط عائد کردی تھی کہ صفا اور مروہ سے بتوں کو ہٹا دیں ایک شخص سعی کرنے سے رہ گیا یہاں تک کہ ایام شرط گزر گئے اور بتوں کو واپس لے آیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ سے اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا اس وقت اسی طرح سے سعی کرنے میں کوئی حرج نہیں۔[۲]

تفسیر قمی میں ہے کہ قریش صفا اور مروہ کے مابین اپنے بتوں کو رکھ دیتے تھے اور سعی کرنے کے بعد برکت حاصل کرنے کے لیے انھیں چھوا کرتے تھے۔ پھر جب غزوہ حدیبیہ میں آں حضرتؐ کے ساتھ جو معاملہ پیش آیا کہ انھوں نے خانہ کعبہ میں داخل ہونے سے آں حضرت کو روک دیا اور یہ معاہدہ طے پایا کہ آئندہ سال وہ ان کے لیے کعبہ کو خالی کردیں گے تاکہ وہ تین روز عمرہ ادا کرنے کے بعد یہاں سے واپس لوٹ جائیں۔ پس ۷ ہجری میں جب عمرۂ قضا ہوا تو آں حضرتؐ مکّہ میں داخل ہوئے اور قریش سے کہا تم اپنے بت اٹھالو تاکہ ہم سعی کرلیں تو ان لوگوں نے اپنے بت اٹھا لیے۔[۳]

کتاب کافی میں یہ حدیث معمولی فرق کے ساتھ موجود ہے۔[۴]

---

(۱) تفسیر عیاشی ص ۶۹ - ۷۰ ج ۱ ح ۱۳۱ (۲) الکافی ج ۴ ص ۴۳۵ و تفسیر عیاشی ج ۱ ص ۷۰ ح ۱۳۳

(۳) تفسیر قمی ص ۶۴ ج ۱ (۴) الکافی ج ۴ ص ۴۳۵ ح ۸

کتاب کافی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ مسلمان یہ سمجھ رہے تھے کہ صفا ومروہ کے مابین سعی کو مشرکین نے وضع کرلیا ہے تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ ۱؎

اور امام صادق علیہ السّلام سے یہ روایت بھی ملتی ہے کہ جَعَلَ السَّعْیَ بَیْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃِ مَذَلَّۃً لِلْجَبَّارِیْنَ اللہ تعالیٰ نے صفا اور مروہ کے مابین سعی کرنے کو ''سرکشوں کی تذلیل'' کے لیے لازم قرار دیا ہے۔ ۲؎

وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ –

پس جو بھی زیادہ طواف کرے گا یا اطاعت کا کوئی کام انجام دے گا تو بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ اس عمل پر ثواب عطا کرے گا اور کوئی شے اس سے مخفی نہیں ہے۔

۱۵۹ – اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى –

جو لوگ ہماری نازل کردہ واضح تعلیمات اور ہدایت کو چھپاتے ہیں

جیسے علمائے یہود ان نشانیوں کو چھپاتے ہیں جو امر محمد مصطفیؐ اور علی مرتضیٰؑ کے بارے میں گواہی دیتی ہیں اور ان کے اوصاف وشمائل کی نشان دہی کرتی ہیں اور جس طرح دشمنان اہل بیت (نواصب) حضرت علیؑ کی فضیلت میں نازل شدہ آیات کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔

''هُدىٰ'' سے مراد ہر وہ رہنمائی ہے جو حضرت محمدؐ اور حضرت علیؑ کے اتباع اور ایمان کے وجوب کی جانب لے جاتی ہے۔

مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِ –

اس کے بعد بھی جب کہ ہم توریت میں اس کی وضاحت کر چکے ہیں

اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ –

یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی جانب سے نیز ملائکہ، جنوں اور انسانوں حتیٰ کے خود ان کے نفوس کی جانب سے لعنت ہو رہی ہے۔

تفسیر عیاشی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ ''اللّٰعِنُوْنَ'' سے مراد ہم لوگ ہیں یعنی (لعنت بھیجنے والے افراد) اور کہا گیا ہے کہ ''اللّٰعِنُوْنَ'' سے مراد زمین کا ہر ذرہ ہے۔ ۳؎

کتاب احتجاج ۴؎ اور تفسیر امام حسن عسکری علیہ السّلام میں ہے کہ (جو آپ نے کسی اور موقع پر فرمایا تھا) حضرت امیر المومنینؑ سے دریافت کیا گیا ''ائمہ هُدىٰ'' اور ''مَصَابِيْحُ الدُّجٰى'' (اندھیرے میں چراغ) کے بعد مخلوقات خدا میں سب سے بہتر کون ہے تو آپ نے فرمایا کہ ''عُلَمَاء'' ہیں اگر نیک ہوں پھر

---

(۱) الکافی ج ۴ ص ۲۴۵ ح ۲ (۲) الکافی ج ۴ ص ۴۳۴ ح ۵

(۳) تفسیر عیاشی ص ۲۷ ج ۱ ح ۱۴۱ (۴) الاحتجاج ص ۲۶۴۔ ۲۶۵ ج ۲

آپ سے سوال کیا گیا کہ ظالم حکمرانوں کے بعد بدترین مخلوق خدا کون ہے تو فرمایا ''عُلَمَاء'' جب وہ بگڑ جائیں۔ ایسے ہی افراد باطل کو ظاہر کرتے اور حق کو چھپاتے ہیں۔ انھیں لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اُولٰٓئِكَ يَلۡعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلۡعَنُهُمُ اللّٰعِنُوۡنَ۔ ایسے ہی لوگ ہیں جن پر اللہ لعنت بھیجتا ہے اور لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں۔ ؁۱

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے مروی ہے آپ نے فرمایا اگر کسی شخص سے اس علم کے بارے میں سوال کیا جائے جسے وہ جانتا ہو مگر اس کے باوجود اسے چھپائے تو ایسے شخص کو قیامت کے دن آگ کی لگام میں جکڑ دیا جائے گا۔ ؁۲

تفسیر قمی نے آں حضرتؐ سے حدیث مرفوع نقل کی ہے آں حضرتؐ نے فرمایا کہ میری اُمّت میں جب بدعتوں کا ظہور ہوگا تو اس وقت عالم پر اپنے علم کا ظاہر کرنا واجب ہوجائے گا اور اگر کسی نے ایسا نہیں کیا تو اس پر خدا کی لعنت ہوگی۔ ؁۳

تفسیر عیاشی میں امام محمد باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ ایک شخص حضرت سلمان فارسی کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا مجھے کوئی حدیث سنایئے وہ خاموش رہے اس نے پھر فرمائش کی آپ پھر خاموش رہے، اس نے تیسری مرتبہ خواہش کا اظہار کیا آپ پھر بھی خاموش رہے تو وہ شخص واپس جاتے ہوئے اس آیت کی تلاوت کرنے لگا: اِنَّ الَّذِيۡنَ يَكۡتُمُوۡنَ مَاۤ اَنۡزَلۡنَا مِنَ الۡبَيِّنٰتِ وَالۡهُدٰى مِنۡۢ بَعۡدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الۡكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلۡعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلۡعَنُهُمُ اللّٰعِنُوۡنَ تو سلمان فارسی نے اس سے کہا کہ واپس آجاؤ جب ہم کسی شخص کو امین پاتے ہیں تو اس سے حدیث بیان کرتے ہیں۔ ؁۴

۱۶۰ – اِلَّا الَّذِيۡنَ تَابُوۡا وَاَصۡلَحُوۡا وَبَيَّنُوۡا –

مگر وہ لوگ جو اس بات سے توبہ کرلیں کہ وہ اب حق کو نہیں چھپائیں گے اور جو فساد پھیلا ہے اصلاح کے ذریعہ اس کا تدارک کریں گے اور اللہ تعالیٰ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے جن خصائل وشمائل کا ذکر کیا ہے اور رسول اکرمؐ نے حضرت علی علیہ السّلام کی جن فضیلتوں کا ذکر کیا اور ولایت کو بیان فرمایا ہے ان سب کو واضح طور سے آشکارا کردیں گے تو اس وقت ان کی توبہ مکمل ہوجائے گی۔

فَاُولٰٓئِكَ اَتُوۡبُ عَلَيۡهِمۡ –

یہ وہ لوگ ہیں میں جن کی توبہ قبول کر کے ان کو معاف کردوں گا۔

(۱) تفسیر امام عسکریؑ، ص ۳۰۲ ح ۱۴۴ (۲) مجمع البیان، ص ۱۵۹ ج ۱۔۲

(۳) بحار الانوار، ص ۲۷ ج ۲ ح ۳۵ (قمّی سے مراد محمد بن جمہور قمّی ہے) (۴) تفسیر عیاشی، ص ۷۱ ج ۱ ح ۱۳۸

وَ اَنَا التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ-

میں ہی توبہ کا قبول کرنے والا اور فیض رحمت کا جاری کرنے والا ہوں۔

۱۶۱- اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ مَاتُوْا وَ هُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓىٕكَ عَلَیْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَ الْمَلٰٓىٕكَةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِیْنَ-

جولوگ آں حضرتؐ کی نبوّت اور ولایت علیؑ کا انکار کرتے ہیں اور حالت کفر میں ان کی موت واقع ہوجاتی ہے ان پر اللہ، ملائکہ اور تمام انسانوں کی لعنت ہے، لعنت کے معنی ہیں رحمت سے دوری۔

۱۶۲- خٰلِدِیْنَ فِیْهَا لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَ لَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ-

وہ لوگ جہنم کی آگ میں دائمی لعنت کے ساتھ جلتے رہیں گے ان کے عذاب میں نہ ایک دن کی کمی ہوگی نہ ایک ساعت کی، اور انھیں پل بھر کی بھی مہلت نہ ملے گی۔

وَ اِلٰـهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحۡمٰنُ الرَّحِيۡمُ ﴿۱۶۳﴾ ع ۱۹ ۱۱

اِنَّ فِىۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَ اخۡتِلَافِ الَّيۡلِ وَ النَّهَارِ وَالۡفُلۡكِ

الَّتِىۡ تَجۡرِىۡ فِى الۡبَحۡرِ بِمَا يَنۡفَعُ النَّاسَ وَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ

مِنۡ مَّآءٍ فَاَحۡيَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا وَ بَثَّ فِيۡهَا مِنۡ كُلِّ دَآبَّةٍ ۖ وَّ

تَصۡرِيۡفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الۡمُسَخَّرِ بَيۡنَ السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ لَاٰيٰتٍ

لِّقَوۡمٍ يَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۶۴﴾

---

۱۶۳ – اور تمھارا معبود خدائے یکتا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور معبود نہیں ہے وہی رحمٰن اور رحیم ہے۔

۱۶۴ – بے شک آسمان وزمین کی تخلیق، رات دن کی تبدیلی میں، ان کشتیوں میں جو انسانوں کی منفعت کی چیزیں لیے ہوئے سمندروں میں رواں دواں ہیں، اور اللہ جو آسمان سے بارش برسا کر مردہ زمینوں کو پانی کے ذریعہ زندگی بخشتا ہے اس میں اور پھر اس زمین میں جہاں ہر قسم کی جان دار مخلوق کو پھیلاتا ہے، ہواؤں کی گردش میں، اور ان بادلوں میں جو آسمان وزمین کے درمیان تابع فرمان بنا کر رکھے گئے ہیں، صاحبان عقل کے لیے اَن گنت نشانیاں موجود ہیں۔

---

۱۶۳ – وَ اِلٰـهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ –

یعنی جو تمھاری عبادت کا حق دار ہے وہ معبود یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

اور حق یہی ہے کہ صرف اس کی عبادت کی جائے اور اسی کو اِلٰہ (معبود) کہا جائے۔[۱]

لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ –

لانے کا مقصد وحدانیت کی وضاحت کرنا ہے اور اس توہّم کو دور کرنا ہے کہ کوئی اور اِلٰہ کائنات میں نہیں ہے جس کی عبادت کی جائے اور وہ عبادت کا حق دار ہو۔

الرَّحۡمٰنُ الرَّحِيۡمُ –

جو مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

یہ جملہ گویا کہ ان لوگوں کے لیے ایک طرح کی حجّت ہے کہ ہم جس اللہ کی پرستش کر رہے ہیں وہ رحمٰن بھی ہے اور رحیم بھی ہے۔

---

(۱) بیضاوی تفسیر انوار التنزیل، ص ۹۳ ج ۱

۱۶۴- اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ-

بے شک میں نے آسمانوں کو خلق کیا ہے اس کے نیچے کوئی ستون نہیں جو اسے گرنے سے روک دے اور نہ ہی اس کے اوپر کوئی ایسی چیز ہے جس میں معلّق ہو کر تم پر گرنے سے رک جائے۔ اے میرے بندو! تم میرے قیدی ہو تمھارے نیچے زمین ہے جو میرے قبضے میں ہے تم کہیں بھی بھاگ کر چلے جاؤ اس سے تمھیں چھٹکارا نہیں۔ اگر میں چاہوں تو تمھیں اس زمین سے بھی ہلاک کر سکتا ہوں اور اگر چاہوں تو آسمان سے بھی ہلاک کر سکتا ہوں پھر آسمان میں سورج کو روشن کر کے تمھارے لیے دن بنا دیا ہے تاکہ تم معاش کی تلاش میں اس کے ذریعہ پھیل جاؤ اور تمھاری رات کے لیے چاند کو منور کیا ہے تاکہ رات کے اندھیرے میں تمھیں اس کے ذریعہ کچھ سجھائی دے اور اندھیرے میں تمھیں استراحت کرنے کے لیے پناہ دی ہے تاکہ تم اندھیرے میں اس محنت کو ترک کر دو جس نے تمھارے بدن کو تھکا دیا تھا۔

وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ-

اور رات دن کا یکے بعد دیگرے مسلسل آنا اور تم تک ان عجائبات کا پہنچانا جسے اللہ تعالیٰ نے دنیا کے لیے خلق کیا ہے جیسے خوش نصیبی اور بدبختی، عزت اور ذلت، دولت مندی اور غربت، موسم سرما اور موسم گرما، موسم خزاں اور بہار، شادابی اور خشک سالی، خوف اور امن وغیرہ۔

وَالْفُلْکِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ-

اور وہ کشتیاں جو سمندر میں رواں دواں ہیں جن سے لوگوں کو منفعت حاصل ہوتی ہے

اللہ تعالیٰ نے جسے تمھاری سواری بنایا ہے جسے نہ رات کو آرام کی ضرورت ہے نہ دن کو، نہ تم سے چارہ کی طلب گار ہے اور نہ پانی کی صرف اسے ہوا کی غذا تمھاری طرف سے کافی ہوگی اور اگر ہوا تھم جائے تو تمھاری تھوڑی سی طاقت اسے رکنے نہ دے گی اور وہ چلتی رہے گی۔ تمھارے فائدے کے سامان اور نفع بخش چیزوں کو لے کر اور تمھاری ضرورت کی تمام چیزوں کو منزل مقصود تک پہنچا کر ہی دم لے گی۔

وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ-

اور اللہ تعالیٰ نے آسمان سے جو بارش برسائی ہے

موسلا دھار، لگاتار، اور بوندا باندی۔ ایک ہی دفعہ میں اس لیے نہیں برسائی کہ کہیں تم ڈوب نہ جاؤ اور تمھارا جینا دوبھر نہ ہو جائے۔ اس نے بلندی سے وقفہ وقفہ سے بارش کو نازل کیا تاکہ وہ نشیب تک پہنچ جائے، ٹیلوں پر اور بلند زمینوں تک بھی اس کی رسائی ہو جائے۔

فَاَحْیَا بِہِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا-

مردہ ہو جانے کے بعد اس پانی سے اس نے زمین کو دوبارہ زندگی بخش دی

اوراس زمین میں سے نباتات، اناج اور پھل پھول اگنے لگے۔

وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ۔

اوراس زمین میں ہرطرح کے چوپائے پھیلا دیے

ان میں سے کچھ تو تمھاری غذا کے لیے ہیں اور کچھ تمھاری معشیت کی خاطر خلق ہوئے ہیں، اور کچھ شکاری درندے ہیں جیسے شیر اور چیتا ہیں جو تمھارے چوپایوں کے محافظ ہیں تا کہ وہ چوپائے چیر پھاڑ کے خوف سے تمھارے پاس سے چلے نہ جائیں۔

وَّتَصْرِيفِ الرِّيحِ۔

اوراس نے ہواؤں کو گردش دی

جو تمھارے اناجوں کو پروان چڑھاتی ہیں اور تمھارے پھلوں کو پکاتی ہیں۔ گردشِ ہوا کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ان کے ٹھہر جانے سے تمھارے رزق میں تنگی نہ ہونے پائے۔

وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ۔

اور وہ بادل جو تابع فرمان ہیں آسمان وزمین کے درمیان ٹھہرے ہوئے ہیں

وہ پانی کو اٹھائے ہوئے امرِ خداوندی سے رواں دواں ہیں بس جیسے ہی جہاں کا حکم ملتا ہے وہیں پانی برسا دیتے ہیں۔

لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ۔

یہ واضح دلائل ہیں ان اقوام کے لیے جو عقل سے کام لیتی ہیں اور ان میں غور وخوض کرتی ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ
الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾
اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ
بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾
وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ
كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ وَ مَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ
مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾ ع

---

۱۶۵ – کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو اس کا ہمسر اور مدِّ مقابل بناتے ہیں اور ان سے اللہ جیسی محبت کرتے ہیں اور صاحبان ایمان سب سے بڑھ کر اللہ کو محبوب رکھتے ہیں عذاب کو دیکھ کر ظالموں کو جو نظر آئے گا کاش آج ہی انھیں نظر آجاتا کہ ساری طاقتیں اور تمام اختیارات اللہ کے پاس ہیں اور یہ کہ وہ سزا دینے میں بھی بہت سخت ہے۔

۱۶۶ – اس وقت پیر اور پیشوا جن کی پیروی کی گئی تھی اپنے مریدوں سے لاتعلقی کا اظہار کریں گے۔ جب وہ عذاب کو آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں گے اور جملہ اسباب ووسائل کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہوگا۔

۱۶۷ – اور وہ لوگ جو دنیا میں ان کی پیروی کیا کرتے تھے، کہیں گے کہ کاش ہم کو پھر ایک موقع دیا جاتا تو جس طرح آج یہ ہم سے بیزاری کر رہے ہیں ہم بھی ان سے بیزار ہوکر دکھا دیتے اسی طرح اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو ان کی نگاہوں کے سامنے اس طرح لائے گا کہ وہ کفِ افسوس ملتے رہ جائیں گے مگر جہنم کی آگ سے نکلنے کی راہ نہ پائیں گے۔

---

۱۶۵ – وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا –

''انداد'' ند کی جمع ہے یعنی وہ بتوں کو اللہ کا مدِّ مقابل بناتے ہیں۔ اور جن امیروں کی وہ اطاعت کرتے ہیں انھیں اللہ کا ہمسر قرار دیتے ہیں۔

يُحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللهِ-

کہا گیا ہے کہ اس کا مفہوم ہے جو ان کی اسی طرح تعظیم اور اطاعت کرتے ہیں جس طرح اللہ کی اطاعت کرنی چاہئے۔ یعنی وہ لوگ محبّت واطاعت میں اللہ اور ان ظالمین کو مساوی قرار دیتے ہیں۔ [۱]

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ-

اور مومنین ان لوگوں کی بہ نسبت جو دوسروں کو خدا کا ہمسر اور مدِّ مقابل قرار دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے زیادہ محبّت کرتے ہیں۔ مومنین کی نظروں میں ربوبیّت اور قدرت صرف اللہ کے لیے ہے وہ اس کی ذات میں کسی کو شریک قرار نہیں دیتے جب کہ یہ لوگ دوسروں کو اللہ کا شریک گردانتے ہیں تو ثابت ہوا کہ مومنین کی محبّت اللہ کے لیے خالص ہے۔

تفسیر عیاشی میں امام محمد باقر اور جعفر صادق علیہما السّلام سے مروی ہے کہ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا سے مراد آل محمدؐ ہیں۔ [۲]

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ محبّت الٰہی کے مفہوم کی تحقیق ان شاء اللہ سورۂ آل عمران کی تفسیر کے وقت قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ کے ذیل میں آئے گی۔

وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ-

وہ لوگ جنھوں نے بتوں، کافروں اور فاجروں کو اللہ کا مدِّ مقابل بنا کر ظلم کیا ہے وہ اپنے کفر وعناد کے سبب جو عذاب اس وقت دیکھ رہے ہیں کاش اسے پہلے سے دیکھ لیتے۔

اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا-

اس دن ان کو پتا چل جائے گا کہ تمام قوّتیں اور طاقتیں اللہ کے ہاتھ میں ہیں

جس پر چاہے عذاب نازل کرے اور جسے چاہے عزت سے نوازے اور کفار کے پاس کوئی طاقت نہیں جس کے ذریعہ وہ عذاب کو روک سکیں۔

وَّ اَنَّ اللهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ-

انھیں اس وقت معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ بہت سخت عذاب کرنے والا ہے۔

ایک قول کے مطابق ''لَوْ'' کا جواب محذوف ہے۔ اَیْ لَنَدِمُوْا اَشَدَّ النَّدَمِ یعنی اگر وہ ظالم عذاب کو دیکھ لیتے تو ''اپنے کیے پر سخت پشیمان ہوتے''

۱۶۶– اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ-

کاش خدائی میں دوسروں کو شریک قرار دینے والے ظالم یہ منظر دیکھ لیتے جب پیرا اپنے پیروکاروں سے

(۱) بیضاوی تفسیر انوار التنزیل، ص ۹۴ ج ۱ (۲) تفسیر عیاشی، ص ۲۷ ج ۱ ح ۱۴۳

بیزاری کا اظہار کریں گے۔ عذاب ان کی نگاہوں کے سامنے ہوگا ان کے جملہ اسباب وعِلل تمام تعلّقات ومواصلات منقطع ہوچکے ہوں گے۔ ان کی سب تدبیریں فنا ہوچکی ہوں گی اور وہ عذاب الٰہی سے نجات حاصل کرنے کے لیے کسی شے پر قادر نہ ہوں گے۔

۱۶۷– وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا–

تو مرید اور پیروکار یہ تمنا کریں گے کہ کاش ایک بار وہ دنیا میں اور چلے جائیں تو وہاں پہنچ کر یہ ان لوگوں سے اسی طرح بیزاری کا اظہار کریں جس طرح یہ لوگ عالم آخرت میں ہم سے بیزاری دکھا رہے ہیں۔

كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ –

اللہ تعالیٰ ان کے اعمال انھیں اس طرح دکھادے گا کہ وہ کفِ افسوس ملتے رہیں گے

کیوں کہ انھوں نے دنیا میں غیر اللہ کے حکم کے مطابق یا اللہ کے حکم کے خلاف عمل کیا تھا تو وہ یہ دیکھیں گے کہ ان کے عمل کے بدلے میں انھیں کوئی ثواب نہیں ملا۔ اور جب دوسروں کے عمل پر نظر پڑے گی جو خالصۃً اللہ کے لیے تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے میں انھیں عظیم ثواب سے نوازا ہوگا تو اس وقت سوائے حسرت ویاس کے ان کے پاس کچھ نہ ہوگا۔

کتاب کافی، کتاب فقیہ اور تفسیر عیاشی میں امام صادق علیہ السّلام اللہ تعالیٰ کے اس قول يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ کی تفسیر کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو بخل کی وجہ سے اپنا مال اللہ کی اطاعت میں خرچ نہیں کرتا اور اپنا مال ان لوگوں کے لیے چھوڑ کر مر جاتا ہے جو اس کو اللہ کی اطاعت یا اللہ کی معصیت میں خرچ کرتے ہیں پس اگر اس مال کو اللہ کی اطاعت میں صرف کیا گیا تو وہ اسے اپنے غیر کے میزان عمل میں دیکھتا ہے تو حسرت بھری نگاہ سے دیکھتا رہ جاتا ہے کہ مال اس کا تھا ثواب دوسرے کو ملا اور اگر اس کے ذریعہ معصیت الٰہی کا ارتکاب ہوا ہے تو گویا اس کے مال نے تقویّت دی جس کی وجہ سے اللہ کی نافرمانی عمل میں آئی ہے۔[1]

وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ–

کسی بھی حال میں وہ آتش جہنم سے باہر نکلنے والے نہیں ہیں ان کا عذاب سرمدی اور دائمی ہوگا اس لیے کہ انھوں نے کفر جیسے عظیم گناہ کا ارتکاب کیا تھا انھیں کسی نبی، وصی اور منتخب پرہیزگار مومنین کی شفاعت بھی نصیب نہ ہوگی۔

---

(۱) الکافی ص ۴۲ ج ۴ ح ۲ ومن لایحضرہ الفقیہ ص ۴۳ ج ۲ ح ۱۴۰ وتفسیر عیاشی ص ۷۲۔ ۷۳ ج ۱ ح ۱۴۴

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا ۖؗ وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ
الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۶۸﴾
اِنَّمَا یَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَ الْفَحْشَآءِ وَ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶۹﴾
وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَاۤ اَلْفَیْنَا عَلَیْهِ
اٰبَآءَنَا ؕ اَوَ لَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ شَیْـًٔا وَّ لَا یَهْتَدُوْنَ ﴿۱۷۰﴾
وَ مَثَلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِیْ یَنْعِقُ بِمَا لَا یَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً
وَّ نِدَآءً ؕ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۱﴾

۱۶۸– اے لوگو! زمین میں جو حلال اور پاک چیزیں ہیں انھیں کھاؤ اور شیطان کے نشاناتِ قدم کی پیروی نہ کرو۔ وہ تمھارا کھلا ہوا دشمن ہے۔

۱۶۹– وہ تمھیں بدی اور فحش باتوں کا حکم دیتا ہے اور یہ سکھاتا ہے کہ تم اللہ کے خلاف وہ باتیں کہو جو تمھارے علم میں نہیں ہیں۔

۱۷۰– اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو احکام نازل کیے ہیں ان کی پیروی کرو تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اسی طریقے پر چلیں گے جس پر اپنے باپ دادا کو چلتے ہوئے دیکھا ہے، چاہے ان کے باپ دادا نے عقل سے کام نہ لیا ہو اور ہدایت یافتہ نہ ہوں پھر بھی وہ ان ہی کی پیروی کیے جائیں گے۔

۱۷۱– اور ان کافروں کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی چرواہا، جانوروں کو پکارتا ہے اور وہ جانور سوائے اس پکار اور آواز کے کچھ نہیں سنتے۔ یہ لوگ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں اس لیے کوئی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی۔

۱۶۸– یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا–

اے لوگو! زمین میں جو طرح طرح کے پھل اور غذائیں حلال اور پاکیزہ ہیں انھیں کھاؤ۔

اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے ان پھلوں اور غذاؤں کو اس لیے مہیا کیا ہے کہ تم نے ان ہستیوں کی تعظیم کی جن کی عظمت کا حکم دیا گیا اور ان کی تحقیر کی جن کی حقارت کا حکم دیا گیا تھا۔

کہا گیا ہے کہ یہ آیت اس قوم کے بارے میں نازل ہوئی جنھوں نے اپنے اوپر بہترین لباس اور عمدہ

خوراک کو حرام کرلیا تھا۔ ۱؎

وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ۔

اور شیطان کے نقشِ قدم پر نہ چلو

یعنی ایسے راستے پر نہ چلو جو تمھیں شیطان کی طرف لے جائے اور تمھیں اللہ تعالیٰ کی مخالفت پر ابھارے۔

تفسیر عیاشی میں امام باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ ہر وہ قسم جو غیر اللہ کے نام پر ہو "خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ" ہے۔ ۲؎

تفسیر مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے بھی اسی مفہوم کی روایت ملتی ہے۔ ۳؎

اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ۔

یقیناً یہ شیطان تمھارا کھلم کھلا دشمن ہے۔

۱۶۹ – اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔

وہ تمھیں حکم دیتا ہے برائی اور فحش باتوں کا اور یہ کہ تم اللہ کے خلاف ایسی باتیں کہنے لگو جس کا تمھیں کچھ علم نہیں۔

جیسے اللہ کی ذات میں کسی کو شریک قرار دینا، حرام چیزوں کو حلال بنا دینا اور پاکیزہ چیزوں کو حرام قرار دینا۔ ۴؎

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ اس سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ دینی امور میں اِتّباعِ ظن (جس بات کا یقین نہ ہو) سے مطلقاً روک دیا گیا ہے۔

کتاب کافی میں امام صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ تم دو خصلتوں سے بچو کیوں کہ بہت سے لوگ ان دونوں کے سبب ہلاکت سے دوچار ہوئے ہیں۔ اِيَّاكَ اَنْ تُفْتِيَ النَّاسَ بِرَاْيِكَ اَوْ تُدِيْنَ بِمَا لَا تَعْلَمُ۔ خبردار کسی شخص کو نہ اپنی رائے سے فتویٰ دو۔ یا جس کا تمھیں علم نہ ہو اس بات کا حکم دو۔ ۵؎

امام باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ آپ سے یہ سوال کیا گیا کہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کا کیا حق ہے؟ تو آپ نے فرمایا: اَنْ يَقُوْلُوْا مَا يَعْلَمُوْنَ وَيَقِفُوْا عِنْدَ مَا لَا يَعْلَمُوْنَ کہ جو کچھ وہ جانتے ہیں اتنا ہی کہیں اور جس کا علم نہیں ہے وہاں پر توقف اختیار کریں اور کچھ نہ کہیں۔ ۶؎

---

(۱) مجمع البیان، ص ۲۵۲ ج ۱۔ ۲ (۲) تفسیر عیاشی، ص ۷۴ ج ۱ ح ۱۵۰ (۳) مجمع البیان، ص ۲۵۲ ج ۱۔ ۲

(۴) بیضاوی تفسیر انوار التنزیل، ص ۹۹ ج ۱ (۵) الکافی، ص ۴۲ ج ۱ ح ۲ (۶) الکافی، ص ۴۳ ج ۱ ح ۷

۱۷۰–وَ اِذَا قِيۡلَ لَهُمُ اتَّبِعُوۡا مَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ–

اور جب ان سے کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جو کچھ نازل کیا ہے اس پر ایمان لے آؤ۔

کہا گیا ہے کہ لَھُم میں ضمیر ''الناس'' کی طرف ہے یعنی اے لوگو! اور اب ان سے مخاطب ہوکر ان کی گمراہی کی طرف توجہ دلائی جارہی ہے گویا کہ اللہ تعالیٰ عُقلاء کی طرف متوجّہ ہوکر کہہ رہا ہے ذرا ان احمقوں کی طرف دیکھو کہ یہ کیا جواب دے رہے ہیں۔ [1]

قَالُوۡا بَلۡ نَتَّبِعُ مَآ اَلۡفَيۡنَا عَلَيۡهِ اٰبَآءَنَا–

انھوں نے جواب دیا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو جس کا اتّباع کرتے دیکھا ہے ہم تو وہی کریں گے یعنی ہم اسی مذہب پر چلیں گے اور اسی دین کو اپنائیں گے جو ہمارے آباو اجداد کا ہے۔

اَوَلَوۡ كَانَ اٰبَآؤُهُمۡ لَا يَعۡقِلُوۡنَ شَيۡـًٔا وَّلَا يَهۡتَدُوۡنَ–

خواہ ان کے آباؤ اجداد کچھ بھی علم نہ رکھتے ہوں اور نہ ہی راہ حق وراست سے آشنا ہوں

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ اس آیت سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ بصیرت کے مطابق عمل کرنا واجب ہے خواہ اس کا تعلق اس شخص کی معرفت سے ہی کیوں نہ ہو جس کی تقلید کر رہا ہے۔

۱۷۱–وَمَثَلُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا كَمَثَلِ الَّذِىۡ يَنۡعِقُ بِمَا لَا يَسۡمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً–

اور جنھوں نے بت پرستی اختیار کرکے اور خدا کے ساتھ کسی کو شریک قرار دے کر کفر اختیار کیا ہے، ان لوگوں کی مثال ایسے چرواہے کی طرح ہے جو جانوروں کو پکارتا ہے اور وہ ہانک وپکار کی صدا کے سوا کچھ اور نہیں سنتے انھیں یہ نہیں معلوم کہ اس کا مقصد کیا ہے؟ اگر انھیں مقصد کا پتہ چلتا تو وہ مدد کے لیے پکارنے والے کی مدد کرتے اور نصرت طلب کرنے والے کی نصرت کے لیے آتے۔

تفسیر مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السّلام سے مروی ہے آپ نے اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں فرمایا کہ آں حضرتؐ جب انھیں ایمان کی طرف دعوت دیتے ہیں تو ان لوگوں کی مثال ایسی ہی ہے جیسے چرواہا جانور کو پکار رہا ہے، جانور مفہوم سے نا آشنا ہوتا ہے وہ تو فقط ایک ہانک اور پکار سنتا ہے۔ [2]

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں اس سے مراد یہ ہے کہ ان کفار کو دعوت دینے والے کی مثال چرواہے جیسی ہے جو جانوروں کو ہانک رہا ہے۔ وہ کفار اپنے آباو اجداد کی پیروی میں ایسے مگن ہیں کہ جن چیزوں کی تلاوت کی جارہی ہے اس طرف دھیان دیتے ہی نہیں اور جو معاہدہ کیا گیا ہے اس میں غور وفکر سے کام نہیں

---

(۱) بیضاوی تفسیر انوار التنزیل، ص ۹۵ ج ۱ (۲) مجمع البیان، ص ۲۵۲ ج ۱-۲

لیتے تو وہ اس معاملہ میں گویا چوپائے کی مانند ہیں جسے پکارا جائے تو وہ صرف آواز سنتا ہے اور معانی سے نا آشنا ہے، وہ آواز کو محسوس کرتا ہے اور مفہوم سے بے خبر ہے۔ یہ مطلب پہلے مطلب سے زیادہ واضح ہے اس لیے کہ بت وہ ہیں جو نہ پکار سنتے ہیں اور نہ ہی آواز وہ بھی مراد سے ناواقف ہیں اور یہ چوپائے کہ سننے کے باوجود مقصود سے نا آشنا ہیں اس طرح تمثیل مرکب کے ذریعہ مفہوم کو واضح کیا گیا ہے۔

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ۔

وہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں (ہدایت سے محروم ہیں) وہ اللہ کے امر کو سمجھتے ہی نہیں ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ
كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾
اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَ لَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَ مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ
اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ﴿۱۷۳﴾
اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَ يَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا
قَلِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ وَ لَا يُزَكِّيْهِمْ ۚۖ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۴﴾
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ
اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۱۷۵﴾
ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ؕ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ
ع ۲۱ ۹ ۵ لَفِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ﴿۱۷۶﴾ ع

---

۱۷۲ - اے ایمان لانے والو! اگر تم صحیح معنی میں اللہ کے عبادت گزار ہو تو جو پاک چیزیں ہم نے تمھیں عطا کی ہیں انھیں بے تکلف کھاؤ اور خدا کا شکر ادا کرو۔

۱۷۳ - اللہ کی طرف سے اگر تم پر کوئی پابندی ہے تو یہ ہے کہ مردار نہ کھاؤ، خون سے اور سوّر کے گوشت سے پرہیز کرو اور کوئی ایسی چیز نہ کھاؤ جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو، ہاں جو شخص مجبوری کی حالت میں ہو تو وہ قانون شکنی کیے بغیر اور حد سے تجاوز نہ کرتے ہوئے کوئی چیز کھا لے تو اس پر کسی قسم کا گناہ نہیں ہے۔ اللہ بخشنے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔

۱۷۴ - جو لوگ ان احکام کو چھپاتے ہیں جو اللہ نے اپنی کتاب میں نازل کیے ہیں اور تھوڑے سے مالی فائدے کے لیے ان کا سودا کر لیتے ہیں وہ دراصل آگ سے اپنا پیٹ بھر رہے ہیں، قیامت کے دن اللہ

ہرگز ان سے بات نہ کرے گا۔ اور نہ ہی انھیں پاکیزہ بنائے گا۔ اور ان کے لیے دردناک سزا ہے۔
۱۷۵- یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خرید لی اور مغفرت کے بدلے عذاب مول لیا ہے۔ کس چیز نے انھیں جہنم کی آگ برداشت کرنے پر مجبور کیا ہے؟
۱۷۶- یہ سب کچھ اس وجہ سے ہوا کہ اللہ نے حق کے مطابق کتاب نازل کی تھی مگر جن لوگوں نے کتاب میں اختلاف کا بیج بویا وہ اپنے جھگڑوں میں بہت دور نکل گئے۔

۱۷۲- یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ-

اے ایمان والو! اگر تم صحیح معنی میں اللہ کی بندگی کرنے والے ہو تو جو پاک چیزیں ہم نے تمھیں عطا کی ہیں انھیں بے تکلف کھاؤ اور جو کچھ تمھیں دیا گیا ہے اس پر خدا کا شکر ادا کرو۔

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ اگر یہ بات صحیح ہے کہ تم صرف اللہ کی بندگی کرتے ہو اور یہ اقرار کرتے ہو کہ وہی نعمتوں کا مالک ہے تو اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرو، اس لیے کہ شکر ادا کیے بغیر اس کی عبادت نامکمل رہ جائے گی۔ تمھیں یہ اعتقاد رکھنا ہے کہ نعمتیں اللہ کی جانب سے ہیں، اور اسی نے اپنی مخلوقات میں سے تمھیں نعمتوں کا مختار بنایا ہے اور یہ کہ تم اپنی زبان سے اس کی حمد کرو۔

نبی اکرمؐ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ (حدیث قدسی) فرماتا ہے:

اِنِّیْ وَالْجِنُّ وَالْاِنْسُ فِی نَبَاءٍ عَظِیْمٍ اَخْلُقُ وَیُعْبَدُ غَیْرِی وَاَرْزُقُ وَیُشْكَرُ غَیْرِی۔

یوں محسوس ہوتا ہے کہ میں اور جن وانس نباء عظیم کے دن ایک جگہ پر جمع ہیں اور میں ان سے سوال کر رہا ہوں کہ خلق میں کرتا ہوں اور عبادت میرے غیر کی ہوتی ہے، رزق میں دیتا ہوں اور شکر میرے غیر کا کیا جاتا ہے۔ [۱]

۱۷۳- اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةَ وَالدَّمَ وَ لَحْمَ الْخِنْزِیْرِ وَ مَاۤ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ-

اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے، پابندی عائد کی ہے کہ تم انھیں نہ کھاؤ وہ یہ ہیں:

۱۔ مردار جو خود بخود اپنی موت مر جائے اور اسے ویسے ذبح نہ کیا گیا ہو جس طرح اللہ نے ذبح کرنے کی اجازت دی ہے۔

۲۔ خون

۳۔ سور کا گوشت

۴۔ اور جن جانوروں کا گوشت کھانے کی اجازت ہے ذبح کرتے وقت ان پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام

---

(۱) جوامع الجامع، ص ۹۷ ج ۱

لیا گیا ہو۔

کفار نے اللہ کے مقابل میں جو شرکا بنا رکھے تھے ذبح کرتے وقت وہ ان ناموں کے ذریعہ سے تقرب حاصل کیا کرتے تھے۔

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ۔

پس جو شخص ان حرام اشیاء میں سے کوئی حرام شے کھانے پر مجبور ہو جائے تو اگر اس کا قصد قانون شکنی اور خداوند عالم کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرنا نہیں ہے تو بحالت مجبوری اسے حرام چیزوں کو بقدر ضرورت کھانے کی اجازت دی جاتی ہے۔

کتاب کافی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ ''باغی'' وہ ہے جو امام کے خلاف خروج کرے اور ''عادی'' وہ ہے جو قافلوں کو لوٹتا ہو ان دونوں کو کسی بھی حال میں مردار کھانے کی اجازت نہیں ہے۔[۱]

تفسیر عیاشی میں امام صادق علیہ السّلام سے اسی جیسی روایت ملتی ہے۔[۲] اور ایک روایت میں ہے کہ ''باغی'' سے مراد ظالم ہے اور ''عادی'' کے معنی غاصب کے ہیں[۳] کتاب تہذیب اور تفسیر عیاشی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ ''باغی'' سے مراد باغی الصید ہے یعنی شکار کے دوران ان پر ظلم و زیادتی کرنے والا اور ''عادی'' سے مراد چور ہے ان کے لیے مجبوری کے عالم میں بھی مردار کھانے کی اجازت نہیں ہے۔ ایسے لوگوں کا حکم دوسرے مسلمانوں سے مختلف ہے۔[۴]

حضرت عبدالعظیم کہتے ہیں کہ میں نے سوال کیا اے فرزند رسولؐ اللہ، اللہ تعالیٰ کے قول فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ کا کیا مطلب ہے تو امام جواد علیہ السّلام نے فرمایا ''عادی'' چور ہے اور ''باغی'' وہ ہے جو محض تفریح اور تفنن طبع کے لیے شکار کرتا ہے اس لیے نہیں کہ اس سے اپنے عیال کا پیٹ بھرے۔ تو ایسے لوگوں کے لیے مجبوری میں بھی مردار کھانے کی اجازت نہیں ہے مردار ان کے لیے حالت اضطرار میں بھی اسی طرح حرام ہے جس طرح حالت اختیار میں حرام تھا انھیں سفر میں نماز اور روزہ قصر کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔[۵]

فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ۔

بیان کردہ شرائط کے مطابق ان چیزوں کے کھانے میں اس پر کسی قسم کا گناہ عاید نہیں ہوتا

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ۔

بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ تمھارے عیوب پر پردہ ڈالنے والا ہے

---

(۱) الکافی، ص ۲۶۵ ج ۶ ح ۱ (۲) تفسیر عیاشی، ص ۷۴ ج ۱ ح ۱۵۴ (۳) تفسیر عیاشی، ص ۷۴ ج ۱ ح ۱۵۱
(۴) تہذیب الاحکام، ص ۷۸۔۷۹ ج ۹ ح ۳۳۴ / تفسیر عیاشی، ص ۷۵ ج ۱ ح ۱۵۶ (۵) من لایحضرہ الفقیہ، ص ۲۱۷ ج ۳ ح ۱۰۰۷

رَّحِیۡمٌ۔

اور تم پر مہربان ہے۔

اس لیے کہ اس نے ضرورت کے وقت تمھارے لیے وہ چیز مہیا کردی جو عام حالات میں تمھارے لیے حرام تھی۔

کتاب فقیہ میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جو شخص اضطراری حالت میں ہو اور مردار، خون اور سور کا گوشت نہ کھائے اور نہ کھانے کے سبب اس کی موت واقع ہوجائے تو اس کی موت کافر کی موت ہے۔ [۱]

حالت اضطرار میں جان بچانے کے لیے حرام کو اس کے لیے وقتی طور پر حلال کردیا گیا تھا تاکہ اس کی جان بچ جائے کیوں کہ جان بچانا بہرطور واجب ہے۔

۱۷۴- اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡتُمُوۡنَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ مِنَ الۡکِتٰبِ وَ یَشۡتَرُوۡنَ بِہٖ ثَمَنًا قَلِیۡلًا۔

اللہ تعالیٰ نے کتاب میں جو احکام نازل کیے ہیں جو لوگ انھیں چھپاتے ہیں اور قلیل مال دنیا کے عوض وہ ان آیات کا سودا کردیتے ہیں اور اس طرح وہ دنیا میں جاہلوں کے حکمراں بن جاتے ہیں۔

اُولٰٓئِکَ مَا یَاۡکُلُوۡنَ فِیۡ بُطُوۡنِہِمۡ اِلَّا النَّارَ۔

وہ لوگ اپنے شکم میں نہیں کھا رہے ہیں سوائے آگ کے

ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ تم کم کھاؤ صحت مند رہو گے۔ [۲]

انھوں نے حق کو چھپانے کے بدلے میں جو تھوڑا سا مالِ دنیا لے لیا تھا اب اس کے سبب انھیں آگ سے پالا پڑا ہے۔

وَ لَا یُکَلِّمُہُمُ اللّٰہُ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ۔

اللہ تعالیٰ بروز قیامت انھیں کلمۂ خیر سے نہیں نوازے گا

بلکہ ان پر لعنت بھیجے گا اور انھیں رسوا کرے گا یہ درحقیقت کنایہ ہے اس بات کا کہ اللہ ان سے ناراض ہے اور اس بات کو بیان کرنا مقصود ہے کہ وہ اللہ کی قربت سے محروم ہیں۔

وَ لَا یُزَکِّیۡہِمۡ۔

اور اللہ انھیں گناہوں سے پاک نہیں کرے گا

ایک قول کے مطابق یُزَکِّیۡہِمۡ کا مفہوم ہے ان کی توصیف نہیں کرے گا۔ [۳]

---

(۱) من لا یحضرہ الفقیہ، ص ۲۱۸ ج ۳ ح ۱۰۰۸ (۲) انوار التنزیل، ص ۹۷ ج ۱ و تفسیر ابی السعود، ص ۱۹۱ ج ۱

(۳) بیضاوی تفسیر انوار التنزیل، ص ۹۷ ج ۱

وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ -

ان کے لیے آتش جہنم کا تکلیف دہ عذاب موجود ہے۔

۱۷۵ - اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ -

ان لوگوں نے دنیا میں ہدایت کے بدلے گمراہی کا سودا کیا ہے اور اغراض دنیوی کی خاطر حق کو چھپا کر آخرت میں مغفرت کے عوض عذاب کو مول لے لیا ہے۔

فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ -

انھیں کس بات نے جرأت وہمت دلائی کہ وہ ایسا کام کریں جو آتش جہنم کے عذاب تک پہنچا دے۔

کتاب کافی اور تفسیر عیاشی میں ہے۔ انھیں کس بات نے جرأت دلائی ہے اس کام کے انجام دینے کی جس کے بارے میں انھیں علم ہے کہ وہ انھیں جہنم تک لے جائے گا۔ ۱

تفسیر قمی میں ہے: جہنم میں جانے پر انھیں کس بات نے جرأت دلائی ہے۔ ۲

تفسیر مجمع البیان میں ہے: انھیں کس بات نے جہنمیوں کے اعمال بجالانے پر اکسایا ہے۔ یہ روایت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے۔ ۳

۱۷۶ - ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ -

یہ عذاب ان پر اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب میں اس بات کو واضح طور سے بتا دیا ہے کہ ان سے جو وعدہ کیا جا چکا ہے وہ ان تک پہنچ کر رہے گا۔ اور اس میں کسی خطا کا امکان نہیں ہے۔ ایک قول کے مطابق اس کی تفسیر یہ ہے کہ کتاب برحق نازل ہوئی تو ان لوگوں نے جھٹلا کر اور اسے چھپا کر درحقیقت اس کا انکار کر دیا ہے۔ ۴

وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِى الْكِتٰبِ لَفِىْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ -

جن لوگوں نے کتاب میں اختلاف کیا وہ اپنے جھگڑوں میں بہت دور نکل گئے اس طرح کہ کسی نے کہا یہ تو جادو ہے اور کسی نے اسے شعر سے تعبیر کیا اور کوئی کہنے لگا یہ تو کاہنوں جیسی باتیں ہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ لوگ اختلاف میں حق سے کوسوں دور چلے گئے ہیں حق کا رُخ کسی اور طرف ہے اور یہ کسی اور جانب چلے جا رہے ہیں جو اس کی مخالف سمت ہے۔ ۵

---

(۱) الکافی ص ۲۶۸ ج ۲ ح ۲ و تفسیر عیاشی ص ۷۵ ج ۱ ح ۱۵۷
(۲) تفسیر قمی ص ۶۴ ج ۱
(۳) تفسیر مجمع البیان ص ۲۵۹ ج ۱-۲
(۴) بیضاوی تفسیر انوار التنزیل ص ۹۷ ج ۱
(۵) بیضاوی تفسیر انوار التنزیل ص ۹۷ ج ۱

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَ اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَ فِي الرِّقَابِ ۚ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَ الْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

۱۷۷- نیکی یہ نہیں ہے کہ تم نے اپنے چہرے مشرق یا مغرب کی طرف کر لیے بلکہ نیکی یہ ہے کہ انسان اللہ کو، آخرت کے دن کو، فرشتوں اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب اور اس کے پیغمبروں کو دل سے تسلیم کرے۔ اور اللہ کی محبت میں اپنا مال، رشتے داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، مدد کے لیے ہاتھ پھیلانے والوں اور غلاموں کی رہائی پر خرچ کرے اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے۔ اور جو کیے ہوئے عہد کو پورا کریں اور تنگی ومصیبت کے وقت اور حق وباطل کی جنگ میں صبر کریں۔ راست باز لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں اور یہی لوگ متقی ہیں۔

۱۷۷- لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ-

بِر کے معنیٰ ہیں پسندیدہ عمل یہ لفظ فتحہ کے ساتھ بَرّ بھی پڑھا جاتا ہے نیکی صرف یہ نہیں ہے کہ تم نے اپنے چہرے مشرق اور مغرب کی طرف کر لیے یعنی کعبہ کی طرف رُخ موڑ لیا۔

کہا گیا ہے کہ یہ آیت دراصل اہل کتاب میں سے ان لوگوں کی تردید میں نازل ہوئی کہ جب کعبے کو قبلہ بنایا گیا تھا تو وہ قبلے کے معاملہ میں اکثر بحث وتمحیص کیا کرتے تھے۔ ہرگروہ اس بات کا اِدّعا کررہا تھا کہ "بِر" یہ ہے کہ قبلہ کی طرف رُخ کیا جائے۔ مشرق عیسائیوں کا قبلہ تھا اور مغرب یہودیوں کا قبلہ تھا۔

امام حسن عسکری علیہ السّلام کی تفسیر میں امام سجّاد علیہ السّلام سے مروی ہے کہ یہودیوں نے کہا کہ ہم نے اپنے اس قبلے کی طرف بہت سی نمازیں پڑھی تھیں اور یہ موسیٰ کا قبلہ ہے جنھوں نے ہمیں اس طرف رخ کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور نصاریٰ نے کہا ہم نے اپنے اس قبلے کی طرف بے شمار نمازیں ادا کی ہیں اور ہم میں سے ایسے لوگ بھی ہیں جو رات رات بھر جاگ کر اس طرف عبادت کرتے رہے ہیں اور یہ عیسیٰ کا قبلہ ہے جنھوں نے ہمیں اس طرف رخ کرنے کا حکم دیا ہے دونوں فریق میں سے ہر ایک یہ کہنے لگا کہ کیا تم یہ

سمجھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اتنے زیادہ اعمال اور ہماری نمازوں کو جو ہم نے اپنے قبلے کی طرف رُخ کر کے پڑھی تھیں صرف اس وجہ سے باطل کر دے گا کہ ہم نے حضرت محمدؐ کا اتباع ان کی اور ان کےؑ بھائی کے خواہشات کے مطابق نہیں کیا ہے تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی کہ اے محمدؐ آپ فرما دیجیے کہ اے عیسائیو! نماز پڑھتے وقت اپنا رخ مشرق کی طرف کر لینا "بر" نہیں ہے جسے مان کر تم جنت کو حاصل کر لوگے اور اس کے ذریعہ مغفرت اور رضائے الٰہی کے مستحق بن جاؤ گے اور نہ ہی اے یہودیو! مغرب کی طرف منہ پھیر کر تم بھی اس عنایت کے مستحق ہو جاؤ گے جب کہ تمھارا حال یہ ہے کہ تم امر خداوندی کی مخالفت کر رہے ہو اور اللہ کے ولی سے سخت خفا رہتے ہو۔ (۱)

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ۔

بلکہ "بر" جس کا اہتمام کیا جانا چاہیے وہ یہ ہے کہ اللہ، روز آخرت، فرشتوں، کتابوں اور پیغمبروں پر صدق دل سے ایمان لایا جائے۔

وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ۔

اور محبت خداوندی میں سب سے زیادہ پسندیدہ شے مال کو، جس کی ہر شخص کو ضرورت ہے اور اسی سے زندگی جڑی ہوتی ہے اور اسے دیتے وقت فقر و فاقہ سے ڈرا کرتا ہے وہ اس مال کو مستحق مومنین کے سپرد کر دے۔

ذَوِى الْقُرْبٰى۔

آنحضرتؐ کے رشتے داروں میں جو محتاج ہوں انھیں بطور ہدیہ و تحفہ دے نہ کہ بطور صدقہ انھیں کچھ دیا جائے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں صدقے سے مافوق رکھا ہے۔ اپنے قرابت داروں کو صدقہ اور تحفہ دے اور بنی ہاشم کے یتیموں کو عطیہ دے نہ کہ صدقہ اور ان کے علاوہ دیگر یتیموں کو صدقہ اور عطیہ دونوں سے نوازے اور انسانوں میں جو مسکین و بے چارہ لوگ ہیں انھیں ان کا حق ادا کرے۔

وَابْنَ السَّبِيْلِ۔

ایسا مسافر جو کہیں سے گزر رہا ہو اور اس کے پاس اخراجات کے لیے کچھ نہ ہو۔

وَالسَّآئِلِيْنَ۔

سوال کرنے والے، فقیر

وَفِى الرِّقَابِ۔

جو لوگ غلامی میں ہیں

انھیں پیسہ دے کر غلامی سے آزاد کیا جائے۔ یعنی غلام کے مالک کو رقم فراہم کر دی جائے تاکہ وہ اسے

(۱) تفسیر امام عسکری علیہ السلام ص ۵۸۹۔۵۹۰

آزاد کردے اور غلامی کا رواج ختم ہو جائے۔

وَ اَقَامَ الصَّلٰوۃَ –

نماز کو مکمل پابندی اور اس کے حدود کے ساتھ ادا کرے

وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ –

اور واجب زکات نکال کر برادران ایمانی تک پہنچائے

وَ الْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا –

اور اللہ تعالیٰ اور انسانوں سے جو عہد و پیمان کر رکھا ہے اسے پورا کرے

وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ –

اور دشمنوں سے جنگ کے وقت صبر و ہمت سے کام لے

ابلیس جیسے نافرمان سے بڑھ کر کوئی دشمن نہیں ہے جس سے انسان نبرد آزما ہے تو اس دشمن کو محمدؐ و آل محمدؐ پر درود پڑھ کر دور کرے اور بھگادے۔

وَالضَّرَّآءِ –

اس کے معنی ہیں احتیاج اور تنگ دستی اور مومن کے لیے اس فقر سے بڑھ کر کوئی فقر نہیں ہے کہ وہ آل محمدؐ کے دشمنوں کے سامنے ہاتھ پھیلائے، اگر ایسی مصیبت آجائے تو اس پر صبر کرے اور جو مال ان سے مل جائے اسے غنیمت سمجھے اور طاقت حاصل کر کے آل محمدؐ کے تذکرہ کی تجدید کرتا رہے۔

وَحِیْنَ الْبَاْسِ –

جب گھمسان کی جنگ ہو رہی ہو تو اس وقت اللہ کو یاد رکھے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور علیؑ ولی پر درود بھیجے اور اللہ کے اولیاء کو دل و زبان سے دوست رکھے اور اللہ کے دشمنوں کے ساتھ عداوت رکھے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا –

یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے ایمان میں صادق ہیں اور انھوں نے اپنے اعمال سے اپنے اقوال کی تصدیق کی ہے۔

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ –

اور یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے تقویٰ اختیار کر لیا ہے جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو یہ آیت تمام انسانی کمالات کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے نہایت جامع و کامل ہے اور اس میں کمالاتِ انسانی کا تذکرہ صراحۃً اور ضمناً بھی کیا گیا ہے۔ مضامین کی کثرت اور وسعت کے باوجود یہ آیت تین باتوں پر منحصر ہے۔

۱۔ اعتقاد کی درستی ۲۔ حسن معاشرت ۳۔ تہذیب نفس

پہلے امر کا تذکرہ مَنْ اٰمَنَ سے وَالنَّبِیّٖنَ تک

دوسرے امر کا تذکرہ وَاٰتَی الْمَالَ سے وَ فِی الرِّقَابِ تک

اور تیسرے امر کا تذکرہ اَقَامَ الصَّلٰوۃَ سے وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ تک

اس لیے جو بھی ان تمام امور کو بجالایا اور ان پر عمل پیرا ہوا تو اس کے ایمان واعتقاد کو دیکھتے ہوئے اسے صادق کہا گیا اور مخلوقات کے ساتھ اس کے تعلقات اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے معاملات کو مدنظر رکھتے ہوئے اسے متقین سے تعبیر کیا گیا۔

اور اسی بات کی طرف نبی اکرمؐ نے اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے:

مَنْ عَمِلَ بِھٰذِہِ الآیَۃِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ [1]

جس نے اس آیت پر عمل کرلیا گویا اس نے منازل ایمان کو مکمل کرلیا۔

---

(۱) بیضاوی تفسیر انوار التنزیل، ص ۹۸ ج ۱

يَاۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُتِبَ عَلَيۡكُمُ الۡقِصَاصُ فِى الۡقَتۡلٰى ؕ اَلۡحُرُّ بِالۡحُرِّ
وَ الۡعَبۡدُ بِالۡعَبۡدِ وَالۡاُنۡثٰى بِالۡاُنۡثٰى ؕ فَمَنۡ عُفِىَ لَهٗ مِنۡ اَخِيۡهِ شَىۡءٌ
فَاتِّبَاعٌ ۢ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَاَدَآءٌ اِلَيۡهِ بِاِحۡسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخۡفِيۡفٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ
وَرَحۡمَةٌ ؕ فَمَنِ اعۡتَدٰى بَعۡدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۱۷۸﴾
وَلَكُمۡ فِى الۡقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰۤاُولِى الۡاَلۡبَابِ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَ ﴿۱۷۹﴾

۱۷۸ – اے لوگو! جو ایمان لائے ہو قتل کے مقدموں میں تمھارے لیے قصاص کا حکم لکھ دیا گیا ہے۔ آزاد آدمی نے قتل کیا تو اُس آزاد ہی سے بدلہ لیا جائے گا، غلام قاتل ہو تو وہ غلام ہی قتل کر دیا جائے گا اور اگر عورت اس جرم کی مرتکب ہو تو اس عورت ہی سے قصاص لیا جائے گا۔ ہاں اگر کسی قاتل کے ساتھ اس کا برادر ایمانی کچھ نرمی کرنے کے لیے تیار ہو تو معروف طریقے کے مطابق خوں بہا کا تصفیہ ہونا چاہیے اور قاتل کو لازم ہے کہ عمدہ طریقہ سے خوں بہا ادا کرے یہ تمھارے رب کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے۔ اس پر بھی جو زیادتی کرے تو اس کے لیے دردناک سزا ہے۔

۱۷۹ – اے عقل و خرد رکھنے والو! تمھارے لیے قصاص میں زندگی ہے۔ امید ہے کہ تم اس قانون کی خلاف ورزی سے پرہیز کرو گے۔

۱۷۸ – يَاۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُتِبَ عَلَيۡكُمۡ –

اے ایمان لانے والو! تم پر فرض قرار دیا گیا ہے

کہا گیا ہے کہ ''كُتِبَ'' کے معنی ہیں ایسا فرض جسے تم پر لازم قرار دیا گیا ہے۔ ۱

الۡقِصَاصُ فِى الۡقَتۡلٰى –

قتل کے مقدموں میں مساوات قائم کی گئی ہے کہ قاتل کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے جو اس نے مقتول کے ساتھ قتل کرتے وقت روا رکھا تھا۔

اَلۡحُرُّ بِالۡحُرِّ وَالۡعَبۡدُ بِالۡعَبۡدِ وَالۡاُنۡثٰى بِالۡاُنۡثٰى –

آزاد آدمی نے قتل کیا ہو تو اس آزاد ہی سے بدلہ لیا جائے گا اور اگر قتل کرنے والا غلام ہو تو وہ غلام ہی قتل کیا جائے گا اور اگر یہ جرم کسی عورت سے سرزد ہوا ہو تو اس عورت سے ہی قصاص لیا جائے گا۔

(۱) طبرسی مجمع البیان ص ۲۶۵ ج ۱ – ۲ و تفسیر ابی سعود، ص ۱۹۵ ج ۱

تفسیر عیاشی میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ اس حکم کا تعلق مسلمانوں کے تمام گروہوں سے ہے۔[1]

کتاب تہذیب میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ کسی آزاد کو غلام کے بدلے میں قتل تو نہیں کیا جائے گا لیکن اسے سخت سے سخت سزا دی جائے گی اور غلام کی دیت کا جرمانہ ادا کرنا ہوگا۔[2]

اور کسی مرد کو عورت کے بدلے اس وقت تک قتل نہیں کیا جائے گا جب تک عورت کے رشتے دار مرد کے رشتے دار کو اس کی نصف دیت نہ دے دیں۔[3]

تفسیر عیاشی میں بھی اسی مفہوم کی روایت موجود ہے۔[4]

بیان کیا گیا ہے کہ عرب قبائل میں سے دو قبیلوں نے ایک دوسرے کا خون بہایا تھا اور ایک قبیلہ کو دوسرے قبیلہ پر زیادہ قدرت حاصل تھی تو انھوں نے قسم کھائی کہ وہ غلام کے بدلے میں آزاد کو اور عورت کے بدلے میں مرد کو اور ایک مرد کے بدلے میں دو مردوں کو قتل کردیں گے۔ جب اسلام آ گیا تو وہ اس معاملہ کا فیصلہ کرانے کے لیے آں حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور آں حضرتؐ نے انھیں حکم دیا کہ قصاص میں ہمسری اور برابری ہونی چاہیے پس اگر مقتول کے بھائی کی طرف سے جو مقتول کا ولی ہے قاتل کو معافی مل جائے تو اسی کے مطابق عمل ہوگا۔ قرآن نے لفظ اُخوّت (برادری) استعمال کیا ہے تاکہ اسلام نے جو اُخوّت کا نظام قائم کیا ہے شاید ایک دوسرے کو اس برادری کا احساس ہو جائے اور وہ نرمی کا سلوک کریں۔[5]

فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ۔

میں عفو سے مراد قصاص (خون کا بدلہ خون) کو معاف کرنا ہے نہ کہ دیت کو معاف کرنا۔

فَاتِّبَاعٌ۔

یعنی قصاص کو معاف کرنے والا دیت کا مطالبہ کرسکتا ہے

بِالْمَعْرُوفِ۔

یہ لفظ مقتول کے ولی کے لیے بطور وصیّت آیا ہے کہ وہ دیت کا مطالبہ نرمی کے ساتھ کرے نہ یہ کہ مجرم پر ظلم ڈھائے اور نہ ہی اس پر سختی کرے۔

وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ۔

اور مجرم کو یہ وصیت کی گئی ہے کہ معاف کرنے والے کو دیت جلدی سے ادا کرے اس میں ٹال مٹول

---

(۱) تفسیر عیاشی، ص ۷۵ ج ۱ ح ۱۵۹ (۲) تہذیب الاحکام، ص ۱۹۱ ج ۱۰ ح ۷۵۴ (۳) تہذیب الاحکام، ص ۱۸۱ ج ۱۰ ح ۷۰۶
(۴) تفسیر عیاشی، ص ۷۵ ج ۱ ح ۱۵۸ (۵) مجمع البیان، ص ۲۶۵ ج ۱۔ ۲ و انوار التنزیل ج ۱ ص ۹۹

سے کام نہ لے اور اس کا حق ادا کرنے میں کوئی کمی نہ کرے بلکہ معافی ملنے پر اس کا شکریہ ادا کرے۔

کتاب کافی اور تفسیر عیاشی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جس کا حق ہے اسے چاہیے کہ اپنے بھائی پر سختی نہ کرے جب وہ اس کے ساتھ دیت پر مصالحت کر چکا ہے اور جس پر حق ہے اگر وہ عطا کرنے پر قادر ہے تو اسے اپنے بھائی کے ساتھ ٹال مٹول سے کام نہیں لینا چاہیے اور خوش اسلوبی کے ساتھ حق ادا کر دینا چاہیے۔ [۱]

ذٰلِكَ تَخۡفِيۡفٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَرَحۡمَةٌ۔

یہ اختیار تمھارے رب کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے

اس لیے کہ اسی میں سہولت اور منفعت ہے۔ اگر اختیار قتل اور عفو کے درمیان ہوتا تو بہت کم ہوتا کہ مقتول کا ولی بغیر معاوضہ لیے ہوئے قتل کو معاف کرنے پر تیار ہوتا تو اس طرح قاتل کے قتل کرنے سے کم پر کوئی فیصلہ نہ ہوتا۔

کتاب عوالی میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی شریعت میں حتمی طور سے قصاص کا حکم تھا اور شریعت عیسوی میں حتمی طور سے دیت کا حکم تھا جب دین حنیف یعنی اسلام آیا تو اس نے دونوں امور کو ایک ساتھ اپنے دامن میں جگہ دی۔ [۲] اور ایک قول کے مطابق یہودیوں کے ہاں صرف قصاص واجب تھا اور نصاریٰ کے ہاں صرف عفو و درگزر، اور اس اُمّت کو قصاص و عفو اور دیت کے مابین اختیار دے دیا گیا تا کہ ان کے لیے آسانیاں مہیا کی جائیں۔ [۳]

فَمَنِ اعۡتَدٰى بَعۡدَ ذٰلِكَ۔

تفسیر عیاشی اور کتاب کافی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جو شخص اس اختیار کے بعد زیادتی کرے گا یعنی یہ کہ دیت کو قبول نہ کرے یا عفو و درگزر یا مصالحت سے کام نہ لے۔ [۴]

فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ۔

اسے دردناک سزا ملے گی۔

۱۷۹۔ وَلَكُمۡ فِى الۡقِصَاصِ حَيٰوةٌ۔

اے اُمّت محمدؐ! قصاص میں تمھارے لیے زندگی کا سامان ہے۔

اس لیے کہ اب جو بھی کسی کو قتل کرنے کا قصد کرے گا تو اسے معلوم ہوگا کہ اسے قصاص دینا ہوگا (یعنی خون کا بدلا خون) تو وہ قتل کرنے سے باز رہے گا تو اس طرح وہ جس کو قتل کرنے کا ارادہ کر رہا تھا اسے

---

(۱) الکافی، ص ۳۵۸ ج ۷ ح ۱ و تفسیر عیاشی، ص ۷۵۔۷۶ ج ۱ ح ۱۶۰ (۲) عوالی اللئالی، ص ۳۸۷ ج ۱ ح ۱۸

(۳) بیضاوی تفسیر انوار التنزیل، ص ۹۹ ج ۱ (۴) الکافی ج ۷ ص ۳۵۹ ح ۴ و تفسیر عیاشی، ص ۷۶ ج ۱ ح ۱۶۲

زندگی مل جائے گی اور مجرم کو بھی زندگی مل جائے گی جو قتل کرنے کا ارادہ کررہا تھا اور ان کے علاوہ دوسرے افراد کو بھی زندگی مل جائے گی جب وہ جان لیں گے کہ قصاص واجب ہے تو وہ قصاص کے خوف سے کسی کو قتل کرنے کی جرأت نہیں کریں گے۔

کہا گیا ہے کہ لَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ نہایت مختصر اور فصیح کلام ہے جس میں مطالب ومعانی کا بحر زخار موج زن نظر آتا ہے۔[1]

کتاب امالی میں امیر المومنین علیہ السّلام سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے چار باتوں کے لیے کہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے میری تصدیق میں قرآن میں آیتیں نازل کردیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ میں نے کہا تھا اَلْقَتْلُ يُقِلُّ الْقَتْلَ کہ قتل، قتل کو کم کردیتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ۔[2]

يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ۔

اے صاحبان عقل

کہا جاتا ہے کہ انھیں اس لیے خطاب کیا تا کہ وہ قصاص کی حکمت پر غور کریں کہ اس میں جانوں کو بچانا اور انسانوں کی حفاظت کرنا مقصود ہے۔[3]

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔

تا کہ اس قانون کی خلاف ورزی سے پرہیز کرکے اور اللہ کے بنائے ہوئے قانون پر عمل پیرا ہوکر تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرلو۔

---

(۱) مجمع البیان، ص ۲۶۶ ج ۱۔ ۲ (۲) امالی شیخ طوسیؒ، ص ۴۹۴ ح ۱۰۸۲

(۳) بیضاوی تفسیر انوار التنزیل، ص ۹۹ ج ۱

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖۚ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ؕ﴿۱۸۰﴾

فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَمَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَاۤ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ؕ﴿۱۸۱﴾

فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ؑ﴿۱۸۲﴾

ع ۲۲ ۶

۱۸۰- تم پر فرض قرار دیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجائے اور وہ مال چھوڑ کر جارہا ہو تو اسے چاہیے کہ اپنے والدین اور رشتے داروں کے لیے معروف طریقے سے وصیت کرے۔ یہ حق ہے صاحبانِ تقویٰ پر۔

۱۸۱- پھر جن لوگوں نے وصیت سنی اور بعد میں اسے تبدیل کر دیا تو اس کا گناہ ان تبدیل کرنے والوں پر ہوگا اللہ سب کچھ سنتا اور ہر بات جانتا ہے۔

۱۸۲- البتہ جس کو یہ اندیشہ ہو کہ وصیت کرنے والے نے نادانستہ طور پر یا قصداً حق تلفی کی ہے اور وہ معاملے سے تعلق رکھنے والوں کے درمیان اصلاح کرے تو اس پر کچھ گناہ نہیں ہے۔ اللہ بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

۱۸۰- كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا۔

جب موت کی علامات واضح ہو جائیں اور مرنے کا یقین ہو جائے تو اگر زیادہ مال چھوڑ کر جارہے ہو تو تم پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ لازم قرار دیا گیا ہے کہ وصیت کر کے جاؤ۔

تفسیر مجمع البیان میں امیر المومنینؑ سے مروی ہے کہ آپ اپنے ایک چاہنے والے کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے اس کے پاس سات سو یا چھ سو درہم تھے تو اس نے امامؑ سے دریافت کیا کہ میں ان درہموں کے لیے وصیت کروں تو امامؑ نے فرمایا نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنْ تَرَکَ خَيْرًا۔ اور تمھارے پاس زیادہ مال موجود نہیں ہے۔[1]

(۱) مجمع البیان، ص ۲۶۷ ج ۱۔۲

اَلْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ۔

مرنے والے پر لازم ہے کہ اگر وہ زیادہ مال چھوڑ کر جارہا ہے تو معروف طریقے سے والدین اور رشتے داروں کے لیے وصیت کرے۔

معروف اس چیز کو کہتے ہیں جسے عقل پہچانتی ہو کہ اس میں نہ تو ظلم ہوا ہے اور نہ ہی زیادتی کی گئی ہے۔

حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ۔

یہ متقین کے ذمے حق ہے جسے ادا کرنا لازمی ہے۔

کتاب کافی اور تفسیر عیاشی میں امام باقر علیہ السّلام سے منقول ہے کہ آپ سے ورثہ کی وصیت کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا جائز ہے اور اس کے بعد اس آیت (كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۨ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ) کی تلاوت فرمائی اور اس مفہوم کی دیگر روایات بھی موجود ہیں۔[۱]

تفسیر مجمع البیان اور تفسیر عیاشی میں امام صادق علیہ السّلام اپنے آباؤ اجداد سے اور وہ امیر المومنینؑ سے روایت کرتے ہیں کہ جس نے موت کے وقت اپنے ان قرابت داروں کے لیے جن کا وراثت میں کوئی حصہ نہیں ہے، وصیت نہیں کی تو اس کا عمل معصیت پر اختتام پذیر ہوا۔ (یعنی جو وارث نہیں ہیں وصیت کے ذریعہ انھیں بھی کچھ ملنا چاہیے)[۲]

کتاب فقیہ اور تفسیر عیاشی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ "وصیت" وہ شے ہے جسے اللہ تعالیٰ نے صاحب معاملہ کے لیے لازمی قرار دیا ہے آپ سے سوال کیا گیا کہ کیا اس کے لیے کوئی حد معین ہے تو آپ نے فرمایا کم سے کم تیسرے حصے کا ایک تہائی ہے۔[۳]

تفسیر عیاشی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ انسانوں کے مال میں اس امر کے مالک کو اللہ تعالیٰ نے یہ حق قرار دیا ہے۔ آپ سے سوال کیا گیا اس کے لیے کوئی معینہ حد ہے؟ تو آپ نے جواب دیا کم از کم سُدس (چھٹا حصہ) اور زیادہ سے زیادہ ثُلث (ایک تہائی) ہے۔[۴]

۱۸۱ - فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۔

پھر جن لوگوں نے وصیت کو سنا اور سننے کے بعد اس میں کسی قسم کی تبدیلی کر دی تو اس کا گناہ ان لوگوں پر ہوگا جنھوں نے اسے تبدیل کر دیا ہے اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا اور ہر بات کو جانتا ہے۔

اس آیت میں ان افراد کے لیے ایک طرح کی وعید ہے جو ناحق تبدیلی کر دیتے ہیں۔

---

(۱) الکافی، ص۱۰ ج۷ ح۵ و تفسیر عیاشی، ص۷۶ ج۱ ح۱۶۴ (۲) مجمع البیان، ص۲۶۷ ج۱۔۲ و تفسیر عیاشی، ص۷۶ ج۱ ح۱۶۲
(۳) من لا یحضرہ الفقیہ، ص۱۷۵ ج۴ ح۶۱۵ و تفسیر عیاشی، ص۷۷ ج۱ ح۱۶۸ (۴) تفسیر عیاشی، ص۷۶ ج۱ ح۱۶۳

کتاب کافی میں دو معصومینؑ میں سے ایک سے اور تفسیر عیاشی میں امام باقر علیہ السّلام سے اس شخص کے بارے میں روایت ہے جس نے اپنے مال کے بارے میں یہ وصیت کی کہ وہ اللہ کی راہ میں دے دیا جائے تو امامؑ نے فرمایا کہ مال اس کے حوالے کر دیا جائے جس کے بارے میں وصیت کی ہے خواہ وہ یہودی یا نصرانی ہی کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور اس کے بعد آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی اس مفہوم سے متعلق لاتعداد حدیثیں ہیں اور اکثر حدیثوں میں یہ ہے کہ اِنَّهٗ یُغْرِمُهَا اِذَا خَالَفَ کہ اگر وہ وصیت کی مخالفت کرے گا تو اسے جرمانہ ادا کرنا پڑے گا۔ ۱

۱۸۲ – فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا –

تفسیر مجمع البیان میں امام باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اگر یہ اندیشہ اور یہ خیال ہو کہ وصیت کرنے والے نے نادانستہ طور پر عمداً حق تلفی کی ہے۔ ۲

علل الشرائع اور تفسیر عیاشی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ ''جَنَفًا اَوْ اِثْمًا'' کے معنی ہیں! جب وصیت کرنے میں وہ ظلم سے کام لے۔ ۳

عیاشی نے اس میں اضافہ کیا کہ اگر ثُلُث (ایک تہائی) سے زیادہ کی وصیت کی ہو اور اس کے دیگر معانی بھی ہیں۔ ۴

کتاب فقیہ میں امیر المومنین علیہ السّلام سے یہ روایت ہے کہ اِنَّ الْجَنَفَ فِی الْوَصِیَّةِ مِنَ الْکَبَائِرِ کہ وصیت میں ظلم و زیادتی کرنا گناہ کبیرہ میں سے ہے۔ ۵

فَاَصْلَحَ بَیْنَهُمْ –

ورثہ اور جن کے بارے میں وصیت کی گئی ان کے مابین اصلاح کر دے

فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ –

تو وصیت کی تبدیلی میں اس پر کوئی گناہ عائد نہ ہوگا

اس لیے کہ اس کا مقصد باطل کو حق کے لیے تبدیل کرنا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ –

بے شک اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اصلاح کرنے والے کے لیے وعدہ فرمایا ہے اس آیت میں مغفرت کا ذکر اس لیے کیا گیا

(۱) الکافی ص ۱۴ ج ۷ ح ۲ و تفسیر عیاشی ص ۷۷ ج ۱ ح ۱۶۹ / ۱۶۷ (۲) مجمع البیان ج ۱۔۲ ص ۲۶۸
(۳) علل الشرائع ص ۵۶۷ ج ۲ ح ۴ و تفسیر عیاشی ص ۷۸ ج ۱ ح ۱۷۳ (۴) تفسیر عیاشی ص ۷۸ ج ۱
(۵) من لا یحضرہ الفقیہ ص ۱۳۶ ج ۴ ح ۴۷۱ / الکافی ص ۲۱ ج ۷ ح ۲

کہ اس سے پہلے ''اِثم'' (گناہ) کا ذکر کیا گیا تھا۔

کتاب کافی اور تفسیر عیاشی میں امام باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ آپ سے اللہ تعالیٰ کے اس قول فَمَنۡ بَدَّلَهٗ کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے جواب دیا کہ اس کے بعد والی آیت فَمَنۡ خَافَ مِنۡ مُّوۡصٍ جَنَفًا اَوۡ اِثۡمًا فَاَصۡلَحَ بَيۡنَهُمۡ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَيۡهِ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ نے اس آیت کو منسوخ کر دیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جس کے لیے وصیت کی گئی ہے اگر اسے وصیت کرنے والے کی طرف سے ظلم وزیادتی کا اندیشہ ہو۔ جس سے اللہ راضی نہ ہو اور جو خلاف حق ہو تو ایسی حالت میں جن کے لیے وصیت کی گئی ہے انھیں حق حاصل ہے کہ اس وصیت کو حق کی طرف پلٹا دیں اور خیر کے راستے پر لے جائیں جس سے اللہ راضی ہو جائے۔ [۱]

کافی کی ایک روایت میں ہے کہ جن کے بارے میں وصیت کی گئی ہے اللہ تعالیٰ نے انھیں یہ حق دیا ہے کہ اگر وہ وصیت معروف طریقے پر نہ ہو اور اس میں ظلم وزیادتی کی گئی ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول فَمَنۡ خَافَ مِنۡ مُّوۡصٍ جَنَفًا اَوۡ اِثۡمًا فَاَصۡلَحَ بَيۡنَهُمۡ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَيۡهِ‌ؕ پر عمل کرتے ہوئے اس وصیت کو معروف طریقے کے مطابق تبدیل کر دیں۔ [۲]

تفسیر قمی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جب کوئی شخص وصیت کرے تو کسی وصی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ اس کی وصیت میں تبدیلی کرے، بلکہ اس کی وصیت کے مطابق عمل کیا جائے اِلّا یہ کہ وصیت کرنے والے نے حکم خدا کے خلاف وصیت کر کے نافرمانی اور ظلم کا ارتکاب کیا ہو تو پھر جن کے بارے میں وصیت کی گئی ہو ان کے لیے جائز ہے کہ اس وصیت کو حق کی طرف لوٹا دیں۔ جیسے ایک شخص کے کئی وارث تھے اس نے کچھ کو تو مال دیا اور کچھ وارثوں کو محروم کر دیا تو اوصیا کے لیے جائز ہے کہ وہ اس وصیت کو حق کے مطابق کر دیں اور وہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے ''جَنَفًا اَوۡ اِثۡمًا'' ''جَنَف'' کے معنی ہیں کہ کچھ وارثوں کی طرف جھکاؤ ہو جائے اور دوسروں کی طرف نہ ہو اور ''اِثۡم'' کے معنی یہ ہیں کہ اگر حکم دیا جائے آتش کدہ کی تعمیر، یا شراب کی کشید کا تو ایسی صورت میں وصی کو یہ اختیار حاصل ہے کہ ان میں سے کسی بھی بات پر عمل نہ کرے۔ [۳]

(۱) الکافی ص ۲۱ ج ۷ ح ۲ و تفسیر عیاشی ص ۷۸ ج ۱ ح ۱۷۲ (۲) الکافی ص ۲۰ ج ۷ ح ۱ (۳) تفسیر قمی ص ۶۵ ج ۱

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ
قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱۸۳﴾
أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ ط فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ
أَيَّامٍ أُخَرَ ط وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ط فَمَنْ
تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ ط وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۸۴﴾
شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَ بَيِّنَاتٍ مِنَ
الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ ج فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ط وَ مَنْ كَانَ
مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ط يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ
لَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ز وَ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ
وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۸۵﴾

۱۸۳- اے ایمان لانے والو! تم پر روزے اسی طرح فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے، کہ شاید تم متقی بن جاؤ۔

۱۸۴- روزے کے دن مقرر ہیں۔ اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو، یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں میں اتنی ہی تعداد پوری کر لے اور جن کے لیے روزہ رکھنا دشوار ہو وہ بطور فدیہ ایک مسکین کو کھانا کھلائیں اور جو اپنی خوشی سے زیادہ بھلائی کرے تو یہ اُس کے حق میں بہتر ہے۔ لیکن اگر تم سمجھو، تو تمھارے حق میں روزہ رکھنا زیادہ بہتر ہے۔

۱۸۵- ماہِ رمضان وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔ جو انسانوں کے لیے سراسر ہدایت ہے، ہدایت کو واضح کرنے والا اور حق و باطل کے فرق کو بتانے والا ہے۔ لہٰذا جو شخص اس مہینہ کو پالے، اس پر لازم ہے کہ پورے مہینے کے روزے رکھے، اور جو کوئی مریض ہو یا سفر پر ہو، تو وہ دوسرے دنوں میں روزوں کی تعداد پوری کر لے۔ اللہ تمھارے ساتھ آسانی چاہتا ہے، دشواری پیدا کرنا مطلوب نہیں۔ اس لیے تمھیں بتایا جا رہا ہے کہ روزوں کی تعداد پوری کر لو اور جس ہدایت سے اللہ نے تمھیں سرفراز کیا ہے اس پر اللہ کی کبریائی کا اظہار کرو اور شکر گزار بنو۔

۱۸۳ - يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ -

اے ایمان والو! تم پر روزے اُسی طرح فرض قرار دیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تا کہ تم متقی بنو۔

تفسیر عیاشی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ آپ سے اس آیت اور اللہ تعالیٰ کے قول ''كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ'' کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس میں گمراہ منافقین اور ہر وہ فرد شامل ہے جس نے اسلام کی ظاہری دعوت کا اقرار کیا ہے۔ ۱

تفسیر مجمع البیان میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا میں اللہ نے صاحبان ایمان کو مخاطب کیا ہے اس خطاب میں ایسی لذّت ہے جو عبادت کی تھکن اور دشواریوں کو زائل کر دیتی ہے۔ ۲

كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ -

جس طرح تم سے پہلے انبیاء اور امتّوں پر فرض کیے گئے تھے

امیر المومنین علیہ السّلام سے مروی ہے کہ روزہ رکھنے والوں میں سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السّلام ہیں یعنی یہ کہ روزہ ایک قدیمی عبادت ہے، اللہ نے کسی اُمت کو اس کے وجوب سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا اور اسے صرف تم ہی لوگوں پر پہلی مرتبہ فرض نہیں کیا گیا ہے۔ اس آیت میں عمل کی جانب راغب کیا گیا ہے اور طہارت نفس کا سامان مہیّا کیا گیا ہے۔ ۳

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ -

ہو سکتا ہے اس طرح تم گناہوں سے محفوظ رہو۔

اس لیے کہ روزہ شہوت کو کم کر دیتا ہے جو گناہ کے بجالانے کا اصلی سبب ہے۔ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ مَنْ لَمْ يَسْتَطِعِ الْبَاهَ فَلْيَصُمْ فَإِنَّ الصَّوْمَ لَهُ وِجَاءٌ

جو شخص شادی کی استطاعت نہ رکھتا ہو اسے روزہ رکھنا چاہیے اس لیے کہ روزہ شہوت کو روک دیتا ہے۔ ۴

۱۸۴ - أَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ -

روزے کے دن مقرر ہیں۔

کہا گیا ہے ''معدودات'' تھوڑے سے دن، گنتی کے دن عربی زبان میں ''يُعَدُّ عَدًّا'' کم عدد کے لیے بولا جاتا ہے اور اگر تعداد زیادہ ہو تو کہا جاتا ہے ''يُهَالُ هَيْلاً''

مَّعْدُوْدٰتٍ کا دوسرا مفہوم ہے مُوَقَّتَاتٍ بِعَدَدٍ مَعْلُوْمٍ معلوم تعداد سے اسے معیّن کر دیا گیا ہے۔ ۵

---

(۱) تفسیر عیاشی، ص ۸۷ ج ۱ ح ۱۷۵ (۲) مجمع البیان، ص ۲۷۱ ج ۱-۲ (۳) جوامع الجامع، ص ۱۰۳ ج ۱
(۴) الکافی، ص ۱۸۰ ج ۴ ح ۲ (۵) بیضاوی تفسیر انوار التنزیل، ص ۱۰۰ ج ۱

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا-

پس تم میں سے جو شخص ایسے مرض میں مبتلا ہو کہ روزے سے اسے تکلیف پہنچتی ہو، یا اس کے لیے دشوار ہو جیسا کہ فرمان الٰہی ہے ''وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ'' اللہ تمھیں مشکلات سے دوچار کرنا نہیں چاہتا۔

اَوْ عَلٰى سَفَرٍ- یا سفر کر رہے ہو

تمھارا سفر شروع ہو چکا ہے۔

فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ-

تو تم پر لازم ہے کہ دوسرے دنوں میں اس کی گنتی مکمل کرو

یعنی جب بیماری سے تندرستی حاصل ہو اور سفر سے واپس آجاؤ تو ان دنوں کے روزے رکھ لو اور اس نصِ قطعی سے ثابت ہوتا ہے کہ مریض اور مسافر پر روزہ نہ رکھنا لازم ہے جیسا کہ بہت سی روایات میں ہمارے ائمہ علیہم السّلام سے وارد ہوا ہے یہاں تک کہ انھوں نے فرمایا:

''اَلصَّائِمُ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ فِي السَّفَرِ كَالْمُفْطِرِ فِيْهِ فِي الْحَضَرِ''

''سفر کے دوران ماہ رمضان میں روزہ رکھنے والا ایسا ہے جیسے ماہ رمضان میں حَضَر (حالتِ قیام) میں روزہ توڑنے والا'' یہ روایت ہے کافی، تہذیب اور فقیہ میں۔[۱] ان تینوں کتب اور حدیثِ زُہری میں امام سجادؑ سے مروی ہے کہ مَنْ صَامَ فِي السَّفَرِ اَوِ الْمَرَضِ، فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ لِاَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ۔ جو شخص سفر کے دوران یا بیماری میں روزہ رکھ لے تو اس پر ان روزوں کی قضا لازم ہوگی۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے تم میں سے جو بیمار ہوں انھیں دوسرے دنوں میں روزہ رکھنا ہے۔[۲] امام باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ان لوگوں کا نام قیامت تک کے لیے نافرمان رکھا ہے جنھوں نے افطار اور قصر کے وقت روزہ رکھ لیا تھا اور فرمایا ہم آج سے روزِ قیامت تک ان کی اولاد اور اولاد کی اولاد کے ناموں کو جانتے ہیں۔[۳]

امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ آپ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے سفر میں روزہ رکھ لیا تھا تو امامؑ نے فرمایا اگر اس شخص کو یہ بات معلوم ہوگئی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اس امر سے منع فرمایا ہے تو اس پر قضا لازم ہے اور اگر اسے معلوم نہ تھا تو اس کے ذمّے کچھ بھی نہیں ہے۔[۴]

دوسری روایت میں ہے کہ اگر کسی نے جہالت میں روزہ رکھ لیا تھا تو اس روزہ کی قضا لازم نہ ہوگی۔[۵]

---

(۱) الکافی، ص ۱۲۷ ج ۴ ح ۳ و تہذیب الاحکام، ص ۲۱۷ ج ۴ ح ۶۳۰ و من لا یحضرہ الفقیہ، ص ۹۰ ج ۲ ح ۴۰۳

(۲) الکافی ج ۴ ص ۸۶ ح ۱ و من لا یحضرہ الفقیہ ج ۲ ح ۲۰۸ و تہذیب الاحکام ج ۴ ص ۲۹۷ ح ۸۹۵ و

(۳) الکافی، ص ۸-۱۲۷ ج ۴ ح ۶ (۴) الکافی، ص ۱۲۸ ج ۴ ح (۵) الکافی، ص ۱۲۸ ج ۴ ح ۳

امام صادق علیہ السّلام سے دریافت کیا گیا کہ اس بیماری کی حد کیا ہے جس میں انسان افطار کرے (روزہ نہ رکھے) اور کھڑے ہوکر نماز نہ بجالائے تو امام علیہ السّلام نے جواب دیا:

بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يُطِيْقُهٗ۔

بلکہ انسان خود اپنی حالت سے واقف ہے اور وہ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ وہ کس چیز کی طاقت رکھتا ہے۔ ۱

کتاب کافی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ روزے دار ایسا ہے جیسے کسی کو امین بنایا جائے اور اس کے ذمّے کوئی کام سپرد کردیا جائے۔ ایسی حالت میں اگر وہ کمزوری محسوس کرتا ہے تو روزہ نہ رکھے اور اگر طاقت محسوس کرتا ہے تو پھر روزہ رکھ لے۔ ان میں سے جوبھی صورت ہو مریض اس پر عمل کرے گا۔ ۲

کافی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ آپ سے سوال کیا گیا کہ اس بیماری کی حد کیا ہے جس کے سبب روزہ ترک کیا جاسکتا ہے تو امامؑ نے فرمایا:

اِذَا لَمْ يَسْتَطِعْ اَنْ يَّتَسَحَّرَ۔

جب اس میں اتنی استطاعت نہ ہو کہ وہ سحری کر سکے۔ ۳

کتاب فقیہ میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ روزے دار کو اگر آشوب چشم کی بیماری کا خوف ہو تو روزہ نہ رکھے۔ ۴ آپ ہی سے دوسری روایت میں وارد ہوا ہے کہ روزہ اگر اسے نقصان پہنچائے تو روزہ نہ رکھنا اس پر واجب ہے۔ ۵ اب رہی سفر کی حد جس میں وہ روزہ نہیں رکھے گا تو وہ آٹھ فرسخ اور اس سے زیادہ سفر ہو صرف جانا یا جانا اور آنا دونوں، اگر اس کے علاوہ اس کا سفر کسی اور وجہ سے منقطع نہ ہوا ہو جیسے دس دن قیام کا ارادہ یا کسی شہر میں تردد میں تیس دن کا گزر جانا یا ایسے شہر میں پہنچنا جہاں اس کا گھر تھا جس میں اس نے چھ ماہ قیام کیا تھا اگر اس کا سفر کسی ایک سے بھی منقطع ہوجائے تو وہ دو سفر کہلائے گا ایسا سفر جس کے درمیان حضر تھا اور یہ کہ سفر اس کا مشغلہ نہ ہو مگر جب کہ سفر اس کے لیے مشکل اور سخت دشواری کا باعث ہوجائے اور یہ کہ سفر اس کے لیے جائز ہو، اور یہ کہ شہر کی دیواریں اس سے پوشیدہ ہوجائیں اور یہ کہ اذان کی آواز سنائی نہ دے یہ کچھ ہم نے اپنے ائمہ علیہم السّلام سے شرائط سفر کے بارے میں استفادہ کیا تھا جس کی وجہ سے ماہ صیام میں روزہ نہ رکھنا اور نماز کو قصر کرنا ضروری ہے اور ہم نے اسے وضاحت کے ساتھ اپنی کتاب ''وافی'' میں بیان کردیا ہے جو تفصیلی واقفیت چاہتا ہے اسے چاہیے کہ اس کتاب سے رجوع کرے۔ ۶

وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ۔

اور جن لوگوں پر روزہ رکھنا باوجود قدرت کے دشوار ہو انھیں ایک مسکین کو بطور فدیہ کھانا کھلانا ہوگا۔

(۱) الکافی ص ۱۱۸ ج ۴ ح ۲ (۲) الکافی ص ۱۱۸ ج ۴ ح ۳ (۳) الکافی ص ۱۱۸ ج ۴ ح ۶

(۴) من لایحضرہ الفقیہ ص ۸۴ ج ۲ ح ۳۷۳ (۵) من لایحضرہ الفقیہ ص ۸۴ ج ۲ ح ۳۷۴ (۶) الوافی ص ۹۱-۹۷ ج ۱۱ ب ۱۱

کتاب جوامع میں امام باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ طَعَامُ مَسَاکِیْنَ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہوگا۔ مساکین، مسکین کی جمع ہے۔ ۱؎

وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ۔

جو روزہ رکھنے پر قدرت رکھتا ہو اور اسے کسی قسم کا عذر بھی نہ ہو تو اسے روزہ رکھنے اور فدیہ دینے میں اختیار دے دیا گیا ہے۔ فدیہ یہ ہے کہ ہر روز کے لیے ''نصف صاع'' اور کہا گیا ہے ایک ''مُد'' (الف) اور یہ حکم اس وقت تھا جب اسلام کا آغاز ہوا تھا جب ان پر روزہ فرض کیا گیا تھا اور وہ لوگ روزہ رکھنے کے عادی نہ بنے تھے تو انھیں روزہ رکھنے یا فدیہ دینے میں مختار بنایا گیا تھا پھر یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اس قول: فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ (جو تم میں سے ماہ رمضان کو پالے تو اسے روزہ رکھنا چاہئے) سے منسوخ ہوگئی۔ ۲؎

ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ آیت منسوخ نہیں ہوئی بلکہ اس سے مراد وہ حاملہ ہے جس کا وقت ولادت قریب ہو، اور ایسی دودھ پلانے والی جس کا دودھ کم ہوگیا ہو، اور بوڑھے مرد اور بوڑھی عورتیں اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ایسی بیماری کا ذکر کیا ہے جس سے فرض ساقط ہوجاتا ہے اور ایسے دوسرے اسباب بھی ہیں جو عرف عام میں بیماری کے ذیل میں نہیں آتے لیکن ان کے ساتھ روزہ رکھنا دشوار ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ایسے افراد کے حکم کو اس آیت میں بیان فرمایا ہے اس صورت میں ''عَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ'' کا مفہوم یہ ہوگا وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ ثُمَّ عَرَضَ لَهُمْ مَا يَمْنَعُ الطَّاقَةَ فِدْيَةٌ یعنی ان لوگوں پر جو طاقت تو رکھتے ہوں مگر ایسی چیز پیش آجائے جو طاقت کو روک دے تو وہ فدیہ دیں۔ ۳؎

اور یہی مروی ہے امام صادق علیہ السّلام سے ۴؎ اور اس کی تائید ہوتی ہے اس قرأت سے جو شاذ ہے اور ابن عباسؓ سے مروی ہے وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ اور جن کو روزہ رکھنا مشکل ہو۔ ۵؎

تو اس وقت ''وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ'' کو جملہ مستانفہ ماننا ہوگا جس کا سابقہ جملہ سے کوئی ربط نہ ہوگا اور جملہ یوں ہوگا وَاِنَّ صُوْمَكُمْ خَيْرٌ عَظِيْمٌ لَكُمْ (اور یہ کہ تمھارا روزہ رکھ لینا تمھارے لیے بہت بڑا خیر ہوگا) یہ سب دوسروں کے اقوال تھے جو آیت کی تفسیر کے ذیل میں بیان کیے گئے۔

دل میں یہ خیال آتا ہے ہمیں ان تکلّفات میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ کبھی ہم یہ کہیں کہ آیت منسوخ ہوگئی جب کہ ائمہ کرامؑ کے اقوال اس کے خلاف ہیں اور کبھی جملہ میں کسی لفظ کو محذوف یا مقدّر مانیں اور جہاں جملہ مربوط ہو وہاں اسے غیر مربوط قرار دیں جب کہ ان روایات کا ثبوت بھی نہیں ملتا جن کی طرف اشارہ

(۱و۲) جوامع الجامع ص ۱۰۳ ج ۱ (الف) ایک صاع تین کلو اور ایک مُد ۷۵۰ گرام

(۳) بیضاوی تفسیر انوار التنزیل، ص ۱۰۱ ج ۱ و تفسیر ابی سعود، ص ۱۹۹ ج ۱ (۴) مجمع البیان، ص ۲۷۴ ج ۱-۲ / تفسیر قمی

(۵) مجمع البیان، ص ۲۷۲ ج ۱-۲

کیا گیا اور وہ اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کسی شخص کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا جیسا کہ اپنی کتاب محکم میں فرمادیا ہے اور "وسعت"، "طاقت" سے کم ہے جیسا کہ تفسیر اہل بیت علیہم السّلام میں وارد ہوا ہے[۱] : فَلَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ بِمَا هُوَ عَلٰى قَدْرِ طَاقَتِهَا "کسی نفس کو مکلّف نہیں کیا جاتا مگر اس میں برداشت کرنے کی جتنی طاقت ہوتی ہے" یعنی بطورِ عادت جس کا برداشت کرنا اس کے لیے دشوار اور مشکل نہ ہو فَالَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَہٗ کا مفہوم یہ ہوگا کہ روزہ ان کی طاقت کے مطابق ہوتا ہے لیکن وہ روزہ رکھ کر مشقت اور زحمت میں مبتلا ہوجاتے ہیں تو ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ حتمی طور پر انھیں مکلّف قرار نہیں دیتا ہے، جیسے بوڑھا شخص یا حاملہ عورت اور اسی کے مانند دوسرے افراد بلکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں روزہ رکھنے اور فدیہ دینے میں مُخیّر کردیا ہے اپنی طرف سے وسعت دیتے ہوئے اور مہربانی کرتے ہوئے اور پھر اس کے بعد ان کے لیے روزے کو باعتبار اجروثواب فدیہ سے بہتر قرار دیا ہے کہ وسعت کے باوجود انھوں نے مشقت برداشت کی اور قرأتیں اس کی تائید کرتی ہیں جو شاذ ہیں جیسا کہ اس کی تائید ان روایات سے بھی ہوتی ہے، جنھیں بیان کیا گیا ہے۔

اور اس بات پر وہ روایت بھی دلالت کرتی ہے جو کتاب کافی اور تفسیر عیاشی میں امام باقر علیہ السّلام سے اللہ تعالیٰ کے قول (وَالَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَہٗ) کے ذیل میں وارد ہوئی ہے تو آپ نے فرمایا: الشَّیْخُ الْكَبِیْرُ وَالَّذِیْ یَاْخُذُہُ الْعُطَاشُ "بوڑھا آدمی اور جسے پیاس نے آلیا ہو" عُطاش ایسی بیماری ہے جس میں پیاس کبھی نہیں بجھتی۔[۲] اور ایک روایت میں ہے کہ اس سے مراد وہ عورت ہے جو اپنی اولاد کے بارے میں ڈر رہی ہو اور بوڑھا آدمی۔[۳]

وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّكُمْ۔

اور روزہ رکھ لو تو اسی میں تمھاری بہتری ہے

یہ آیت اس بات کی دلالت کرتی ہے کہ طاقت رکھنے والا وہ ہے جو ایک حد تک روزہ رکھنے کی قدرت رکھتا ہے نہ اس حد تک کہ جو اسے مکلّف بنادے۔

کتاب کافی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے ایسے بوڑھے شخص کے بارے میں جو اتنا کمزور ہو کہ ماہ رمضان کے روزے نہ رکھ سکے تو امامؑ نے فرمایا کہ وہ ہر روزے کے بدلے اتنا صدقہ دے جو ایک مسکین کے کھانے کے لیے کافی ہو۔[۴] اور ایک روایت میں ہے کہ ہر روزے کے لیے ایک مُد دے۔[۵]

فَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا۔

پس جو شخص فدیہ کی رقم بڑھادے

(۱) التوحید ص ۳۶۲ ح ۹ باب ۵۹ (۲) الکافی ص ۱۱۶ ج ۴ ح ۱ و تفسیر عیاشی، ص ۷۹ ج ۱ ح ۱۷۹
(۳) تفسیر عیاشی ج ۱ ص ۷۹ ح ۱۸۰ (۴) الکافی ص ۱۱۶ ج ۴ ح ۳ (۵) الکافی ص ۱۱۶ ج ۴ ح ۲

فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ-

تو اسی میں اس کی بھلائی ہے

وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ-

اور اے روزے کی طاقت رکھنے والو! اگر تم روزہ رکھ لو تو اس میں فدیہ دینے کی بہ نسبت اور زیادہ بڑھا کر دینے کے مقابل میں تمھارے لیے بھلائی ہے۔

اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ-

اگر تم جانتے ہو کہ روزہ رکھنے کی کیا فضیلت ہے یا اگر تم صاحب علم ہوتے تو اس کی فضیلت سے باخبر ہو جاتے۔

۱۸۵-شَهْرُ رَمَضَانَ- ماہ رمضان

کتاب فقیہ میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ماہِ رمضان کے روزے انبیاءؑ پر فرض قرار دیے تھے نہ کہ امتوں پر تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے روزے کے ذریعہ اس اُمّت کو فضیلت عطا کی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اور ان کی اُمّت پر روزوں کو فرض قرار دیا۔

الَّذِیْۤ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ-

جس میں قرآن کو نازل کیا گیا

یعنی اس کا بیان اور اس کی تاویل کو نازل کیا گیا جیسا کہ اس کی تحقیق اس کتاب کے نویں مقدمے میں گزر چکی ہے۔

هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ-

جو انسانوں کے لیے ہدایت ہے۔ ہدایت کو واضح کرنے والا اور حق وباطل کے فرق کو بتانے والا ہے۔

اس کی تفسیر مقدّمہ میں کی جا چکی ہے۔

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ-

جو بھی اس مہینہ میں موجود ہو اور مسافر نہ ہو تو اس پر اس مہینہ کا روزہ رکھنا واجب ہے۔

کتاب کافی، فقیہ اور تہذیب میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ کس قدر واضح حکم ہے کہ جو ماہ رمضان میں موجود ہو (مقیم ہو) وہ روزہ رکھے اور جو سفر میں ہو تو وہ روزہ نہ رکھے۔[۲]

کتاب تہذیب میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جب ماہِ رمضان آجائے تو اللہ کی جانب

(۱) من لایحضرہ الفقیہ، ص ۶۱۔۶۲ ج ۲ ح ۲۶۷

(۲) الکافی، ص ۱۲۶ ج ۴ ح ۱ و من لایحضرہ الفقیہ، ص ۹۱ ج ۲ ح ۴۰۴ و تہذیب الاحکام، ص ۲۱۶ ج ۴ ح ۶۲۷

سے اس مہینہ میں کچھ شرطیں عائد ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ کسی فرد کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ جب ماہِ مبارک آجائے تو وہ اس سے باہر نکل جائے مگر حج کے لیے یا عمرہ کے لیے یا اس مال کی خاطر جس کے تلف ہونے سے ڈرتا ہو یا کسی بھائی کی خاطر جس کی ہلاکت کا خوف ہو، اور اپنے بھائی کے مال کو تلف ہونے سے بچانے کے لیے ماہ رمضان میں نہیں جاسکتا۔ تیئیسویں شب گزر جانے کے بعد اسے جانے کی اجازت ہے۔ ؎۱

وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ-

اور جو کوئی مریض ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں روزوں کی تعداد پوری کرلے اس آیت کو مکرر لانے کا سبب افطار (روزہ نہ رکھنے) کے امر کی تاکید کے لیے ہے اور اس لیے بھی تاکہ یہ واضح کردیا جائے کہ یہ امر واجب ہے اور اس کا ترک کرنا روا نہیں۔

يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ-

اللہ تم سے آسانی چاہتا ہے وہ تم سے دشواری کا مطالبہ نہیں کرتا۔ اسی لیے اس نے تمھیں بیماری اور مسافرت میں روزہ نہ رکھنے کا حکم دیا ہے۔

کتاب کافی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ آں حضرتؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری اُمّت کے مریضوں اور مسافروں کو قصر اور افطار کے ذریعہ خیرات دی ہے، کیا تم میں سے کسی کو اس بات سے خوشی ہوگی کہ اگر اسے صدقہ پیش کیا جائے تو وہ اسے لوٹا دے؟ ؎۲

کتاب خصال میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے مروی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے اور میری اُمّت کو ایسا ہدیہ عنایت فرمایا ہے جو کسی بھی اُمّت کو عطا نہیں کیا تھا یہ بہ سبب اس کرامت کے ہے جو ہمیں اللہ کے نزدیک حاصل ہے لوگوں نے دریافت کیا یارسولؐ اللہ وہ ہدیہ کون سا ہے؟ تو آں حضرتؐ نے جواب دیا ماہِ رمضان میں دورانِ سفر (افطار کرنا) روزہ نہ رکھنا اور دوران سفر نماز کو قصر کرنا جس نے اس حکم پر عمل نہ کیا گویا اس نے اللہ کے ہدیہ کو رد کردیا۔ ؎۳

وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ-

تاکہ تم لوگ مہینہ کے دنوں کی تعداد مکمّل کرلو

اور ایک قرأت کے مطابق یہ "وَلِتُكَمِّلُوا" ہے کہ ہر حال میں اسے پایۂ تکمیل تک پہنچا دو۔

وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ-

اور جس ہدایت پر اللہ نے تمھیں سرفراز کیا ہے اس پر اللہ کی عظمت، بڑائی اور کبریائی بیان کرو

---

(۱) تہذیب الاحکام، ص ۲۱۶ ج ۴ ح ۶۲۶ (۲) الکافی، ص ۱۲۷ ج ۴ ح ۲ (۳) الخصال، ص ۱۲ ح ۴۳

وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ -

تا کہ تم اللہ کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمھارے لیے کس قدر آسانیاں پیدا کردی ہیں۔

کتاب فقیہ میں امام رضا علیہ السّلام سے مروی ہے کہ نماز عید میں دوسری نمازوں سے زیادہ تکبیر رکھ دی گئی۔ تکبیر کا مقصد درحقیقت اللہ کی تعظیم اور اس کی بڑائی کو بیان کرنا ہے ہم زیادہ تکبیریں اس لیے کہتے ہیں کہ اللہ نے ہمیں ہدایت اور عافیت سے نوازا ہے جیسا کہ خداوند عالم نے فرمایا ہے: وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰی مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔ تم پر لازم ہے کہ تم اللہ کی کبریائی کا اظہار کرو اس لیے کہ اس نے تمھیں ہدایت سے نوازا ہے تا کہ اس طرح تم شکرگزار بن جاؤ۔[1]

کتاب کافی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ عیدِ فطر میں جو تکبیریں کہی جاتی ہیں وہ مستحب ہیں، راوی کہتا ہے میں نے سوال کیا کہ ان کی تفصیل کیا ہے؟ تو امامؑ نے فرمایا عید فطر کی شب مغرب اور عشاء میں اور نماز فجر میں اور پھر نماز عید میں تکبیریں کہے اس کے بعد ختم کردے راوی کہتا ہے میں نے دریافت کیا میں تکبیریں کیسے کہوں تو امامؑ نے فرمایا تم کہو:

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ اللّٰهُ اَكْبَرُ عَلٰى مَا هَدَانَا۔

اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے اور اللہ سب سے بڑا ہے اور ہر طرح کی حمد صرف اللہ کے لیے ہے اللہ سب سے بڑا ہے اس نے ہماری ہدایت کی ہے۔ (اس کے شکر میں ہم یہ تکبیریں کہہ رہے ہیں)۔

اور یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ۔ یعنی روزوں کی تعداد پوری کرو وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰی مَا هَدٰىكُمْ اور اس نے تمھیں جو ہدایت عطا کی ہے اس کے شکر کے طور پر اللہ کی عظمت اور بڑائی بیان کرو۔[2]

---

(۱) من لایحضرہ الفقیہ ص ۳۳۱ ج ۱ ح ۱۴۸۸ (۲) الکافی ص ۱۶۶-۱۶۷ ج ۴ ح ۱

وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

اور اے نبی میرے بندے جب بھی آپ سے میرے بارے میں دریافت کریں تو انھیں بتا دیجیے کہ میں قریب ہوں۔ جب دعا کرنے والا دعا کرتا ہے تو میں اس کی دعا کو سنتا ہوں اور جواب دیتا ہوں۔ انھیں چاہیے کہ وہ میری دعوت پر لبیک کہیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ راہ راست پر آجائیں۔

۱۸۶–وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ–

اے میرے پیغمبر جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں تو آپ ان سے فرما دیجیے کہ میں قریب ہوں۔

بیان کیا گیا ہے کہ ایک بدّو نے آں حضرتؐ سے سوال کیا اَقَرِيْبٌ رَبُّنَا فَنُنَاجِيْهِ اَمْ بَعِيْدٌ فَنُنَادِيْهِ کیا ہمارا رب نزدیک ہے کہ ہم اس سے تنہائی میں چپکے چپکے گفتگو کریں یا وہ دور ہے کہ ہم اسے پکاریں اور آواز دیں تو اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔[۱]

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے قرب سے مراد اس کی ''معیّت'' ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ تم جہاں کہیں بھی رہو وہ تمھارے ساتھ ہے۔ تو جس طرح اس کی معیّت (ساتھ رہنا) کسی چیز سے اس چیز کے ساتھ ہم مزاج ہوجانا اور اس چیز میں داخل ہوجانا نہیں ہے اسی طرح اُس کا افتراق (جدا ہونا) یعنی کسی چیز سے اس کی علحدگی اس کے زوال کا باعث نہیں ہے اور اسی طرح اس کا قُرب ایک ساتھ جمع ہونا اور ملنا نہیں ہے اور اس کا بُعد (دوری) علحدگی اور جدائی نہیں ہے بلکہ دیکھا جائے تو وہ اس قرب سے زیادہ قریب اور اس بُعد سے زیادہ دور ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴿۱۶﴾ ہم انسان کی شہ رگ سے زیادہ اس سے قریب ہیں۔ (۱۶ ر ق ۵۰)

اس سلسلے میں میر انیس کی ایک رباعی نہایت موزوں معلوم ہوتی ہے:

☆☆☆☆☆

پُتلی کی طرح نظر سے مستور ہے تو　　آنکھیں جسے ڈھونڈتی ہیں وہ نور ہے تو
نزدیک رگِ جاں سے ہے اس پر یہ بُعد　　اللہ اللہ کس قدر دور ہے تو

(الف)

☆☆☆☆☆

(۱) مجمع البیان، ص ۲۷۸ ج ۱۔ ۲　　(الف) از مترجم

اور فرمایا: وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿۸۵﴾

ہم تو تمھاری شہ رگ سے بھی زیادہ تم سے قریب ہیں لیکن تمھیں نظر نہیں آتا۔ (۸۵/واقعہ ۵۶)

سید الشہداء امام حسین علیہ السّلام کی ایک مناجات میں ہے:

اِلٰهِي مَا اَقْرَبَكَ مِنِّي وَاَبْعَدَنِيْ عَنْكَ وَمَا اَرْأَفَكَ بِيْ فَمَا الَّذِيْ يَحْجُبُنِيْ عَنْكَ۔[۱]

میرے معبود وہ کیا چیز ہے جس نے تجھ کو میرے قریب کردیا اور مجھے تجھ سے دور کردیا ہے اور وہ کیا چیز ہے جس نے تجھے مجھ پر مہربان کررکھا ہے تو پھر وہ کیا بات ہے جس نے مجھے تجھ تک پہنچنے سے روک دیا ہے۔

اور عبادت گزار کو اس کا قرب اس وقت حاصل ہوتا ہے جب یہ محسوس ہو کہ وہ گویا اس کو دیکھ رہا ہے،

ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰؐ نے فرمایا ہے: اُعْبُدِ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ۔[۲]

تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو، اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شے دوسرے سے قریب ہو اور دوسری شے اس سے دور ہو، تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے تمھارا محبوب جو تمھارے سامنے ہو اور تمھاری آنکھیں چکا چوند ہوجائیں تم اسے نہ دیکھ سکو اور اس کے وجود کا احساس نہ کرسکو تو ایسی صورت میں وہ تم سے قریب ہوگا اور تم اس سے دور ہوگے۔

بقول میر تقی میرؔ:

وہ آئے بزم میں اتنا تو میرؔ نے دیکھا پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

(الف)

اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ۔

میں دعا کرنے والے کی دعا کو سنتا اور جواب دیتا ہوں (قبول کرتا ہوں)

یہ جملہ قرب کی دلیل اور دعا کرنے والے سے وعدہ کی نشان دہی کرتا ہے۔

فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ۔

جب میں انھیں ایمان اور اطاعت کی دعوت دوں تو وہ لبیک کہیں

جس طرح انھوں نے اپنی پریشانی کے وقت مجھے پکارا تو میں نے جواب دیا۔

وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ۔

اور وہ مجھ پر ایمان لائیں

تفسیر مجمع البیان میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے۔ ان پر یہ بات ثابت ہوجانی چاہیے کہ انھوں نے جو بھی سوال کیا میں اسے عطا کرنے پر قدرت رکھتا ہوں۔[۳]

(۱) اقبال الاعمال، ص ۳۴۸ سطر ۱۵ (۲) الجامع الصغیر، ج ۱ ص ۱۷۱ ح ۱۱۳۳ (۳) مجمع البیان، ص ۲۷۸ ج ۱۔ ۲ (الف) از مترجم

تفسیر عیاشی میں بھی اسی مفہوم کی وضاحت کی گئی ہے۔[1]

لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ۔

ہوسکتا ہے وہ ہدایت پا جائیں۔

امام جعفر صادق علیہ السّلام نے اس کا مفہوم یہ بیان فرمایا ہے ہوسکتا ہے وہ اس طرح حق کو پالیں اور حق کی جانب انھیں ہدایت ہوجائے۔[2]

روایت میں ہے کہ امام صادق علیہ السّلام نے جب آیت اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ کی تلاوت فرمائی تو ان سے دریافت کیا گیا کیا بات ہے کہ اکثر ہم دعا کرتے ہیں اور ہماری دعائیں قبول نہیں ہوتیں تو امامؑ نے جواب مرحمت فرمایا: لِاَنَّكُمْ تَدْعُوْنَ مَنْ لَا تَعْرِفُوْنَ وَتَسْأَلُوْنَ مَالَا تَفْهَمُوْنَ اس لیے کہ تم اس سے دعا طلب کرتے ہو جس کی معرفت نہیں رکھتے اور وہ سوال کرتے ہو جسے خود تم نہیں سمجھتے۔[3]

مضطر و پریشان ہونا دین داری کے منافی نہیں ہے اور اندھے پن کے ساتھ کثرت سے دعا کا طلب کرنا رسوائی وذلت کا باعث ہے۔ اور جو شخص اپنے نفس اور قلب کی ذلت کو محسوس نہیں کرے گا اور یہ نہ جانے گا کہ ہر راز اللہ کی قدرت کے ماتحت ہے تو گویا وہ سوال کرکے اللہ پر حکم چلائے گا اور یہ سمجھے گا کہ اس کا سوال کرنا دعا ہے اور اللہ پر حکم چلانا تو اللہ کے حضور بہت بڑی جسارت ہے۔

کتاب کافی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ آپ سے اللہ تعالیٰ کے قول ''اُدْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ'' کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ ہم دعا کرتے ہیں اور قبولیت کے آثار نظر نہیں آتے تو امامؑ نے فرمایا کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی کرتا ہے؟ کہا نہیں! تو امامؑ نے دریافت کیا پھر اس کا سبب کیا ہے؟ تو سائل نے جواب دیا لَا اَدْرِی میں نہیں جانتا امامؑ نے فرمایا میں تمھیں بتاتا ہوں جو شخص بھی احکام خداوندی میں اس کی اطاعت کرنے کے بعد دعا کے آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے دعا طلب کرتا ہے تو اس کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے آپ سے پوچھا گیا کہ آدابِ دعا کیا ہیں؟ تو فرمایا اللہ کے نام سے آغاز کرو پھر حمد خداوندی بیان کرو اس نے تمھیں جو نعمتیں عطا کی ہیں انھیں یاد کرکے ان کا شکر ادا کرو اس کے بعد محمدؐ وآل محمدؐ پر درود پڑھو پھر اپنے گناہوں کو یاد کرو ان کا اعتراف کرو اور اللہ سے استعاذہ (پناہ طلب کرو) یہ ہیں آداب دعا۔[4]

امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جب کوئی بندہ دعا طلب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ دو فرشتوں سے کہتا ہے کہ میں نے اس بندے کی دعا قبول کرلی لیکن ذرا ابھی اسے روکے رکھو میں اس کی آواز کو دوبارہ سننا چاہتا ہوں۔ اور جب کوئی بندہ دعا طلب کرتا ہے تو اللہ فرشتوں سے کہتا ہے جلدی سے اس کی حاجت

---

(۱) تفسیر عیاشی، ص ۸۳ ج ۱ ح ۱۹۶ (۲) جوامع الجامع، ص ۱۰۵ ج ۱

(۳) التوحید، ص ۲۸۸ باب ۴۱ ح ۷ (۴) الکافی، ص ۴۸۶ ج ۲ ح ۸

پوری کردو مجھے اس کی آواز ناپسند ہے۔ ۱

تفسیر قمی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے آپ سے سوال کیا گیا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اور ہم دعا کرتے ہیں اور ہماری دعائیں قبول نہیں ہوتیں تو امامؑ نے جواب دیا اس لیے کہ تم نے اللہ سے کیے ہوئے وعدے کو پورا نہیں کیا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَوْفُوْا بِعَهْدِیْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ (۴۰/بقرہ ۲) (تم نے مجھ سے جو وعدہ کیا اسے پورا کرو میں نے تم سے جو وعدہ کیا ہے اسے پورا کروں گا) امامؑ فرماتے ہیں خدا کی قسم اگر تم اللہ سے کیے ہوئے وعدہ کو پورا کرو تو اللہ یقیناً اپنا وعدہ وفا کرے گا۔ ۲

کتاب کافی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے:

اَنَّ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ یُّسْتَجَابَ دَعْوَتُهٗ فَلْیُطَیِّبْ مَكْسَبَهٗ۔

جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کی دعا شرفِ قبولیت حاصل کرے تو اسے چاہیے کہ اپنی کمائی کو طاہر بنائے۔ ۳

امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ اگر تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ سے جو کچھ مانگو وہ مل جائے تو پھر انسانوں سے اپنی امیدیں بالکل منقطع کرلو اور صرف اللہ سے لو لگائے رکھو جب اللہ تعالیٰ تمھاری اس قلبی کیفیت سے آگاہ ہو جائے گا تو پھر تم جس چیز کا بھی سوال کرو گے وہ چیز تمھیں عطا کردے گا۔ ۴

اس باب میں ان شاء اللہ سورہ مومن میں دیگر احادیث بیان کریں گے۔

---

(۱) الکافی، ص۴۸۹ ج۲ ح۳ (۲) تفسیر قمی، ص۴۶ ج۱

(۳) الکافی، ص۴۸۶-۴۸۷ ج۲ ح۹ (۴) الکافی، ص۱۴۸ ج۲ ح۲

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَآئِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۗ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ ۖ فَالْـَٔانَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۖ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ ۗ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿١٨٧﴾

۱۸۷ – ماہ رمضان میں راتوں کو تمھارے لیے اپنی بیویوں کے پاس جانا حلال کر دیا گیا ہے وہ تمھارے لیے بمنزلہ لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو۔ اللہ کو معلوم ہے کہ تم لوگ اپنے آپ سے خیانت کر رہے تھے، مگر اس نے تمھاری توبہ قبول کر لی اور تمھارا قصور معاف کر دیا۔ اب تم اپنی بیویوں کے ساتھ رات بسر کرو اور جو اللہ نے تمھارے لیے مقرّر کر دیا اسے حاصل کرو۔ نیز راتوں کو کھاؤ پیو یہاں تک کہ تم کو سیاہیِ شب کی دھاری سے سپیدۂ صبح کی دھاری نمایاں نظر آجائے۔ پھر تم رات تک اپنا روزہ پورا کرو۔ اور جب تم مسجدوں میں حالت اعتکاف میں ہو تو بیویوں سے مباشرت نہ کرو یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں ان کے قریب نہ پھٹکنا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ اپنے احکام صراحت کے ساتھ لوگوں کے لیے بیان کر دیتا ہے اس توقع پر کہ وہ اللہ کا تقویٰ اختیار کریں گے۔

۱۸۷ – أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ –

ماہ رمضان کی راتوں میں تمھارے لیے جائز ہے، درست ہے

لَيْلَةَ الصِّيَام وہ رات جس کے بعد آنے والے دن تم روزہ رکھتے ہو۔

الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَآئِكُمْ – بیویوں کی قربت اختیار کرنا

الرَّفَثُ کنایہ ہے مباشرت کرنے کا اس لیے کہ انسان خلوت میں بیوی سے ہر طرح کی گفتگو کرتا ہے لہٰذا بطور کنایہ یہ لفظ استعمال کیا گیا اور لفظ اِلیٰ کے ذریعہ اس لفظ کو لازم سے متعدی بنایا گیا ہے۔ [1]

(۱) انوار التنزیل، ص ۱۰۳، ج ۱

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ۔

تمھاری بیویاں تمھارے لیے بمنزلہ لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو

یہ جملہ سبب حلّت کی زیادہ وضاحت کے لیے لایا گیا ہے۔ اس لیے کہ زیادہ اختلاط اور زیادہ التفات کے سبب شوہروں کو اپنی بیویوں سے زیادہ عرصے تک دور رہنا اور صبر سے کام لینا بہت دشوار ہے۔[۱]

عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ۔

اللہ کے علم میں ہے کہ تم لوگ اپنے آپ سے خیانت کر رہے تھے

یعنی تم لوگ اپنے نفوس کو عذاب کے لیے پیش کر کے اور اپنے ثواب میں کمی کر کے خود پر ظلم ڈھا رہے تھے۔

فَتَابَ عَلَيْكُمْ۔

اللہ نے تمھاری توبہ قبول کر لی

جب تم نے توبہ کی۔ اور اس نے تمھیں اجازت دے دی اور سختی کو تم سے دور کر دیا۔

وَعَفَا عَنْكُمْ۔

اور تمھارا قصور معاف کر دیا

اور گناہ کے اثرات کو تمھارے نامہ اعمال سے مٹا دیا۔

فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ۔

تو اب تم اپنی بیویوں کے ساتھ مباشرت کرو

لفظ مباشرت ''بشر'' سے ماخوذ ہے یعنی جسم کا جسم سے مس ہونا اس سے مراد جماع کرنا ہے۔

وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ۔

اب وہ کچھ طلب کرو جو اللہ نے تمھارے لیے مقدّر کر رکھا ہے اور لوح محفوظ میں اسے لکھ دیا ہے یعنی وہ مباشرت کے بعد اولاد کی نعمت عطا کرے گا۔ مباشرت صرف خواہشات نفسانی کی تکمیل کے لیے نہ ہو بلکہ اس کا مقصد افزائشِ نسل ہونا چاہیے جو نکاح کا حقیقی مقصد ہے۔[۲]

اس جملے کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پابندی کے بعد جس چیز کو تمھارے لیے مباح قرار دیا ہے اسے حاصل کرو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ جس طرح پابندی پر عمل کیا گیا اسی طرح رخصت اور اجازت پر بھی عمل کیا جائے۔[۳]

وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ۔

اور تم کھاؤ پیو یہاں تک کہ تم کو سیاہی شب کی دھاری سے سپیدۂ سحر کی دھاری نمایاں نظر آجائے۔

---

(۱) انوار التنزیل، ص ۱۰۳ ج ۱ (۲) بیضاوی انوار التنزیل، ص ۱۰۳ ج ۱ (۳) مجمع البیان، ص ۲۸۱ ج ۱۔ ۲

رات کے اندھیرے میں افق کے اوپر فجر کی جو علامت نمایاں ہوتی ہے اسے دو دھاریوں سے تشبیہ دی ہے "خَیطِ ابیض" سفید دھاری اور "خَیطِ اَسْود" سیاہ دھاری، یعنی فجر کے ہنگام جب خیط اسود میں سے خَیطِ ابیض نمایاں ہو جائے تو اس وقت تک سحری کھانے کی اجازت ہے۔

کتاب کافی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے: هُوَ بَيَاضُ النَّهَارِ مِنْ سَوَادِ اللَّيْلِ اس سے مراد دن کی سفیدی ہے جو رات کی تاریکی سے نمودار ہوتی ہے۔[۱]

اور دوسری روایت میں ہے اس سے مراد وہ فجر ہے جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے۔[۲] ایک روایت میں ہے کہ اس سے مراد بلند ہونے والی سفیدی نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات کو شبہے میں نہیں ڈالا ہے امام علیہ السّلام نے اس آیت کو تلاوت کر کے فرمایا بلکہ اس سے پھیل جانے والی سفیدی مراد ہے۔[۳]

کتاب تہذیب میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ امامؑ سے سوال کیا گیا کہ کیا میں ماہ رمضان میں رات کو اس وقت تک کھا سکتا ہوں جب تک میرا شک باقی رہے؟ تو امام علیہ السّلام نے فرمایا تم اس وقت تک کھاؤ جب تک تمھارا شک باقی نہ رہے۔[۴]

کتاب تہذیب، کتاب کافی اور تفسیر عیاشی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ آپ سے دو افراد کے بارے میں سوال کیا گیا جو ماہ رمضان میں اٹھے اور ان میں سے ایک نے کہا یہ فجر ہے اور دوسرے نے کہا مجھے تو فجر کی کوئی علامت دکھائی نہیں دے رہی ہے تو امامؑ نے فرمایا جسے فجر کا یقین نہیں ہے وہ کھاتا رہے اور جسے فجر کے دکھائی دینے کا یقین ہو جائے اس کے لیے کھانا حرام ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ"[۵]

کتاب کافی اور کتاب فقیہ اور تفسیر عیاشی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ یہ آیت خوّات بن جبیر انصاری کے بارے میں نازل ہوئی جب کہ وہ آں حضرتؐ کے ساتھ خندق میں تھا وہ روزے سے تھا یہاں تک کہ شام ہوگئی اور اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے یہ حکم تھا کہ "اگر تم میں سے کوئی سو گیا تو اس کے لیے کھانا اور پینا حرام ہو جائے گا" تو خوّات اپنے گھر والوں کے پاس آیا اور اس نے کہا کیا تمھارے پاس کھانے کے لیے کچھ ہے تو انھوں نے جواب دیا تم سونا نہیں یہاں تک کہ ہم تمھارے لیے کھانا تیار کر لیں اس نے ٹیک لگائی اور سو گیا تو گھر والوں نے کہا تم سو گئے اس نے جواب دیا ہاں تو وہ اسی حالت پر بغیر کھائے پیے باقی رہا اور صبح کے وقت جب وہ خندق میں آیا تو اس پر کمزوری کے سبب غشی کی کیفیت طاری تھی رسول اکرمؐ جب اس کے قریب سے گزرے اور اس نے اپنی کیفیت بیان کی تو اس وقت اس کے

(۱) الکافی، ص۹۸ ج۴ ح۳ (۲) من لا یحضرہ الفقیہ، ص۸۲ ج۲ ح۳۶۴ (۳) الکافی، ص۲۸۲ ج۳ ح۱ (۴) تہذیب الاحکام، ص۳۱۸ ج۴ ح۹۶۹ (۵) تہذیب الاحکام ج۴ ص۳۱۸۔۳۱۷ ح۹۶۷ و الکافی، ص۹۷ ج۴ ح۷ و تفسیر عیاشی، ص۸۳ ج۱ ح۱۹۹

بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ [1]

اور تفسیر قمی میں یہ اضافہ ہے کہ ماہ رمضان میں رات اور دن دونوں وقت بیوی سے مقاربت حرام تھی اور کچھ جوان ماہِ رمضان کی شبوں میں بیوی سے مقاربت کیا کرتے تھے تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ [2]

کتاب جوامع میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ ماہ رمضان کی شبوں میں سو جانے کے بعد کھانا حرام تھا اور رات اور دن دونوں وقت مباشرت حرام تھی۔ اور اصحاب رسولؐ میں سے ایک شخص جس کا نام مطعم بن جبیر تھا وہ افطار کرنے سے قبل سو گیا اور جب وہ خندق کھودنے کے لیے آیا تو اس پر غشی طاری تھی اور جوانوں کا ایک گروہ ماہ رمضان کی شبوں میں پوشیدہ طور سے مباشرت کیا کرتا تھا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور رات کے وقت مباشرت اور سونے کے بعد کھانے کو حلال کر دیا گیا اللہ تعالیٰ کے اس قول ''وَعَفَا عَنْكُمْ'' سے یہی مراد ہے۔ [3]

(اس شخص کے نام میں اختلاف ہے کہ وہ مطعم بن جبیر تھا یا خوات بن جبیر، بعضوں نے اس کا نام قیس بن صرمہ کہا ہے۔ (تفسیر مجمع البیان ج ۱۔ ۲ ص ۲۸۰))

ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ۔

پھر تم رات کے وقت اپنے روزے کو مکمل کرو

یہ روزہ ختم کرنے کا وقت بیان کیا گیا ہے۔

وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ۔

اور جب تم مسجدوں میں اعتکاف کر رہے ہو تو بیویوں کے ساتھ مباشرت نہ کرو

اعتکاف کے معنی ہیں کہ مسجد جامع میں اپنے آپ کو عبادت کے لیے پابند کر دینا۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ۔ یہ بیان کردہ احکام اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدیں ہیں

فَلَا تَقْرَبُوْهَا۔ دیکھو ان حدود کے قریب بھی نہ پھٹکنا

حدیث نبوی میں وارد ہوا ہے کہ ہر ملک کی سرحدیں ہوتی ہیں اور اللہ کی حدیں یہ ہیں کہ حرام کردہ اشیاء کے قریب بھی مت جاؤ اس لیے کہ جو اس کے قریب جائے گا ہو سکتا ہے کہ وہ اسے اختیار بھی کر لے۔ [4]

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ۔

اللہ تعالیٰ ایسی ہی نشانیاں، دلائل اور براہین انسانوں کے لیے بیان کرتا ہے جس کے ذریعہ انھیں کسی بات کا حکم دیتا ہے اور کسی امر سے روک دیتا ہے تاکہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے امر و نہی کی مخالفت نہ کریں اور اس سے بچتے رہیں۔

---

(۱) الکافی ج ۴ ص ۹۸۔۹۹ ح ۴ و من لا یحضرہ الفقیہ ج ۲ ص ۸۲۔۸۱ ح ۶۲ ۳ و تفسیر عیاشی، ص ۸۳ ج ۱ ح ۱۹۷

(۲) تفسیر قمی، ص ۶۶۔۶۷ ج ۱ (۳) جوامع الجامع، ص ۱۰۶ ج ۱ (۴) جوامع الجامع، ص ۱۰۶ ج ۱

وَ لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ ع

۱۸۸ - اور تم لوگ ایک دوسرے کے مال کو آپس میں نہ تو ناروا طریقے سے کھاؤ اور نہ ہی حاکموں کے آگے انھیں اس غرض سے لے جاؤ کہ تمھیں دوسروں کے مال کا کوئی حصّہ قصداً ظالمانہ طریقے سے کھانے کا موقع مل جائے۔

۱۸۸ - وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ -

اور تم ایک دوسرے کا مال حرام طریقے سے اور شریعت نے جس کی اجازت نہیں دی ہے اس طرح نہ کھاؤ۔

تفسیر مجمع البیان میں امام باقر علیہ السّلام سے مروی ہے "باطل" سے مراد جھوٹی قسم ہے جس کے ذریعہ کسی کے مال کا کچھ حصّہ لے لیا جائے۔[۱]

کتاب فقیہ اور تفسیر عیاشی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ ان سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص ہم میں سے ہے اس کے پاس کچھ مال ہے جس سے وہ اپنا گزارا کر رہا ہے لیکن اس کے ذمہ قرضہ بھی ہے کیا وہ اس مال سے اپنے عیال کے کھانے پینے کا بندوبست کرسکتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے فراخی عطا کرے اور اس کے ذمّے جو قرض ہے وہ ادا کردے یا نامساعد زمانے اور کمائی کی سختی کے سبب قرض کا بوجھ اپنی پیٹھ پر لاد لے یا وہ صدقہ لینا شروع کردے تو امامؑ نے فرمایا کہ اپنے مال سے قرضہ ادا کرے اور لوگوں کا مال نہ کھائے جب اس کے پاس مال ہو تو لوگوں کو فوراً ادا کردے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ: اور تم لوگ ناروا طریقے سے ایک دوسرے کا مال نہ کھاؤ۔[۲]

وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ -

اور نہ ہی اپنا مال حکّام کے پاس لے کر جاؤ

لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ -

کہ ان میں کا ایک گروہ حاکم کے غلط فیصلہ کی بنیاد پر دوسرے لوگوں کا مال ہڑپ کر جائے

بِالْاِثْمِ -

ایسے طریقے سے جس میں گناہ ہو

جیسے جھوٹی شہادت دے کر، جھوٹی قسم کھا کر یا صلح کر کے یہ جانتے ہوئے کہ جس کے حق میں فیصلہ ہو رہا

(۱) مجمع البیان، ص ۲۸۲ ج ۱۔۲ (۲) من لا یحضرہ الفقیہ، ص ۱۱۲ ج ۳ ح ۶۷ ۴ و تفسیر عیاشی، ص ۸۵ ج ۱ ح ۲۰۷

ہے اس نے ظلم کیا ہے۔

وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔

درآنحالیکہ تم یہ جانتے ہو کہ تم غلطی پر ہو۔

کتاب کافی اور تفسیر عیاشی میں امام صادق علیہ السّلام سے اس آیت کے بارے میں روایت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے علم میں ہے کہ اُمّت میں ایسے حکام بھی ہیں جو ظلم کرتے ہیں اس سے مراد وہ حکام نہیں ہیں جن کا فیصلہ مبنی برعدل ہوتا ہے بلکہ اس سے ظالم حکمران مراد ہیں۔[۱]

تفسیر قمی میں ہے کہ عالم (امام جعفر صادق) علیہ السّلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ ایسے حکمران ہوں گے جو حق کے خلاف فیصلہ دیں گے تو اللہ تعالیٰ نے ایسے حکمرانوں سے فیصلہ کرانے سے منع فرمایا ہے۔ اس لیے کہ وہ حق کے مطابق فیصلہ نہیں کریں گے اور اس طرح مال برباد ہو جائے گا۔[۲]

کتاب تہذیب اور تفسیر عیاشی میں امام رضا علیہ السّلام سے مروی ہے کہ آپ نے اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں تحریر فرمایا: اِنَّ الْحُکَّامَ الْقُضَاۃُ کہ حاکم قاضی ہوتے ہیں۔ پھر اس کے نیچے تحریر کیا کہ کسی کو یہ معلوم ہو کہ وہ ظالم ہے اگر قاضی اس کے حق میں فیصلہ دے بھی دے تب بھی وہ شخص فیصلہ کے مطابق مال لینے میں عذر شرعی نہیں رکھتا جب کہ اسے معلوم ہے کہ وہ ظالم ہے۔[۳]

تفسیر مجمع البیان میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے: کَانَتْ قُرَیْشُ تُقَامِرُ الرَّجُلَ فِی اَھْلِہٖ وَ کما لِہٖ فَنَھَاھُمُ اللہ۔

کہ قریش کسی شخص کے اہل اور مال کے بارے میں ایک دوسرے کے ساتھ جوا کھیلا کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے انھیں اس سے روک دیا ہے۔[۴]

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ یہ آیت عمومی حکم رکھتی ہے اور ان احادیث میں باہمی کوئی منافات نہیں ہے۔

(۱) الکافی، ص ۴۱۱ ج ۷ ح ۳ و تفسیر عیاشی، ص ۸۵ ج ۱ ح ۲۰۵ (۲) تفسیر قمی، ص ۶۷ ج ۱

(۳) تہذیب الاحکام ج ۶ ص ۲۱۹ ح ۵۱۸ و تفسیر عیاشی، ص ۸۵ ج ۱ ح ۲۰۶ (۴) مجمع البیان، ص ۲۸۲ ج ۱۔۲

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ؕ وَ لَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۸۹﴾

۱۸۹- اے پیغمبر یہ لوگ آپ سے چاند کے متعلق سوال کرتے ہیں فرمادیجیے کہ یہ انسانوں کے لیے وقت کی تعیین ہے اور حج کا وقت معلوم کرنے کا ذریعہ ہے۔ نیز ان سے یہ بھی کہہ دیجیے کہ یہ نیکی کا کام نہیں ہے کہ تم اپنے گھروں میں عقب سے داخل ہو۔ نیکی تو دراصل یہ ہے کہ آدمی تقویٰ اختیار کرے اور گھروں میں دروازوں کی طرف سے آؤ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تاکہ تم فلاح پاجاؤ۔

۱۸۹- يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ-

اے نبی یہ لوگ آپ سے چاند کے بڑھنے اور گھٹنے کی حکمت دریافت کرتے ہیں تو آپ یہ فرمادیجیے کہ یہ نشانیاں ہیں جن کے ذریعہ لوگ اپنی عبادتوں، زراعتوں اور تجارتوں کے اوقات قرضہ جات اور عورتوں کی عدت معلوم کرتے ہیں۔

کتاب تہذیب میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ چاند کے ذریعہ ماہ رمضان کا آغاز اور اس کا اختتام ہوتا ہے اس سے حج کے اوقات بھی معلوم کیے جاتے ہیں۔[۱]

وَ لَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا -

اور نیکی یہ نہیں ہے کہ گھروں میں عقب سے داخل ہوا جائے

تفسیر مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جب وہ لوگ احرام باندھ لیتے تھے تو اپنے گھروں میں دروازوں سے داخل نہیں ہوتے تھے بلکہ گھر کے عقب میں نقب لگاتے تھے اور اسی سوراخ سے آتے جاتے تھے اسلام نے اس پر عمل کرنے سے روکا ہے[۲] اور فرمایا:

وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى-

نیکی یہ ہے کہ تقویٰ اختیار کیا جائے

امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ "بر" یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں حرام قرار دی ہیں ان سے بچو[۳]

وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا-

اور گھروں میں دروازوں سے جاؤ

(۱) تہذیب الاحکام، ص ۱۶۶ ج ۴ ح ۴۷۲ (۲) مجمع البیان، ص ۲۸۴ ج ۱۔۲ (۳) جوامع الجامع، ص ۱۰۷ ج ۱

"کتاب محاسن"، مجمع البیان اور عیاشی میں امام باقر علیہ السّلام سے مروی ہے یعنی جیسی زندگی پہلے گزار رہے تھے ویسی ہی زندگی گزارو پہلے بھی دروازے سے گھروں میں داخل ہوتے تھے اب بھی اسی طرح گھروں میں آؤ۔ [1]

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دینی احکام کو امیر المومنینؑ اور ان کی عترت طیّبینؑ سے اخذ کیا جانا چاہیے اس لیے کہ وہ حضرات شہر علم نبی کے دروازہ ہیں جیسا کی آں حضرتؐ نے ارشاد فرمایا: اَنَا مَدِیْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُهَا وَلَا یُوْتَی الْمَدِیْنَةُ اِلَّا مِنْ بَابِهَا۔ میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے اور شہر میں دروازے کے بغیر داخل نہیں ہونا چاہیے۔ [2]

کتاب احتجاج میں امیر المومنین علیہ السّلام سے مروی ہے اللہ تعالیٰ نے علم کے لیے کچھ افراد کو اہل قرار دیا ہے اور بندوں پر ان کی اطاعت کو فرض قرار دیا ہے اس کا قول ہے: وَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا۔ گھروں میں دروازوں کے ذریعہ آؤ۔ یہاں پر بیوت سے مراد علم کے گھر ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے انبیّاء کے سپرد کیا ہے اور ان کے گھروں کے دروازے ان کے اوصیاء ہیں۔ [3]

اور امیر المومنینؑ سے روایت ہے کہ ہم ہی وہ گھر ہیں اللہ نے جن کے دروازوں سے آنے کا حکم دیا ہے ہم اللہ کا دروازہ اور گھر ہیں جن میں آنے کے لیے کہا گیا ہے پس جس نے ہمارا اتباع کیا ہماری ولایت کا اقرار کیا تو گھروں میں دروازے سے آیا اور جس نے ہماری مخالفت کی اور ہمارے غیر کو ہم سے افضل قرار دیا وہ گویا گھر کی پچھلی طرف سے آیا اگر اللہ چاہتا تو براہِ راست انسانوں سے اپنی ہستی کا تعارف کر دیتا یہاں تک کہ وہ اس کے پاس اس کے دروازے سے آیا کرتے لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنا دروازہ، راستہ اور وسیلہ قرار دیا ایسا دروازہ جس کے ذریعہ اللہ تک رسائی ہو جس نے ہماری ولایت سے منہ موڑا اور ہمارے غیر کو ہم پر ترجیح دی وہ گویا گھروں میں پشت سے آیا اور ایسے لوگ صراط مستقیم سے ہٹ گئے۔ [4]

تفسیر مجمع البیان اور تفسیر عیاشی میں امام باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ آل محمد علیہم السّلام اللہ کے دروازے، اس کے راستے، جنت کی طرف بلانے والے، اس کی جانب لے جانے والے اور قیامت تک اس کا راستہ دکھانے والے ہیں۔ [5]

وَاتَّقُوا اللّٰهَ – تم احکام کی تبدیلی کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو

یعنی اس میں اپنی طرف سے کوئی تغیر و تبدّل نہ کرو۔

لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ – تاکہ تم نیکی اور ہدایت کے ذریعہ کامیابی حاصل کرسکو۔

---

(۱) المحاسن، ص ۵۲ ۳ ج ح ۲ ۴۲۷ و مجمع البیان، ص ۲۸۴ ج ۱۔ ۲ و تفسیر عیاشی ص ۸۶ ج ۱ (۲) مجمع البیان، ص ۲۸۴ ج ۱۔ ۲
(۳) الاحتجاج، ص ۳۶۹ ج ۱ (۴) الاحتجاج، ص ۳۳۸ ج ۱ (۵) مجمع البیان، ص ۲۸۴ ج ۱۔ ۲ و تفسیر عیاشی، ص ۸۶ ج ۱ ح ۲۱۰

وَ قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا
يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۹۰﴾
وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ
وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَ لَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى
يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹۱﴾
فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۲﴾
وَ قٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا
عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹۳﴾

۱۹۰- اورتم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جہاد کرو، جوتم سے جنگ کرتے ہیں، مگر زیادتی نہ کرو بلاشبہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

۱۹۱- ان سے لڑو جہاں بھی ان سے تمھارا مقابلہ ہوجائے۔ اور انھیں نکالو جہاں سے انھوں نے تمھیں نکالا ہے۔ اور فتنہ، قتل سے بھی زیادہ برا ہے۔ اور مسجد حرام کے قریب جب تک وہ تم سے لڑائی نہ کریں تم بھی ان سے جنگ نہ کرو، مگر جب وہ وہاں پرلڑائی شروع کردیں تو تم بھی ان کی لڑائی کا جواب دو کہ ایسے کافروں کی یہی سزا ہے۔

۱۹۲- پھر اگر وہ باز آجائیں تو جان لو کہ اللہ معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

۱۹۳- تم ان سے جہاد جاری رکھو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین خالص اللہ کے لیے ہوجائے پھر اگر وہ باز آجائیں تو سمجھ لو کہ ظالموں کے علاوہ اور کسی پر دست درازی روا نہیں۔

۱۹۰- وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ۔

کلمۂ خداوندی کی بلندی اور اسکے دین کی عزّت کے لیے اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جہاد کرو جوتم سے لڑیں۔

یہ آیت اللہ تعالٰی کے قول: كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ (تم اپنا ہاتھ روکے رکھو) کو منسوخ کرتی ہے جیسا کہ مجمع البیان میں ائمہ علیہم السّلام سے مروی ہے۔[1]

---

(۱) مجمع البیان، ص ۲۸۵ ج ۱۔ ۲

وَلَا تَعْتَدُوْا– تم اُن پر زیادتی نہ کرنا

جنگ کا آغاز کرکے، اور بغیر للکارے اچانک حملہ کرکے، اور ان کے اعضاء کو قطع کرکے، عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور جن لوگوں کو قتل نہ کرنے کا معاہدہ کیا گیا ہے انھیں قتل کرکے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ– بلا شبہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

۱۹۱–وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ–

اور تم جہاں بھی انھیں پاؤ تم ان سے جہاد کرو

یہ آیت: وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ (اور خبردار کفار اور منافقین کی اطاعت نہ کیجیے گا اور ان کی اذیت کا خیال ہی چھوڑ دیجیے) (۴۸، احزاب ۳۳) کو منسوخ کرتی ہے، جیسا کہ مجمع البیان میں ائمہ کرام علیہم السّلام سے مروی ہے۔[۱]

وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ–

تم بھی انھیں مکّہ سے نکال باہر کرو جس طرح انھوں نے تمھیں وہاں سے نکال دیا تھا

فتح مکّہ کے روز ان کافروں میں سے جس نے اطاعت نہ کی اسے مکّہ سے نکال دیا گیا۔

وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ–

ان کافروں کا حرم میں شرک کرنا اور تمھیں حرم میں داخل ہونے سے روک دینا (اور فتنہ وفساد پھیلانا) تمھارا ان کافروں کو قتل کرنے سے زیادہ سخت ہے۔[۲]

وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ–

اور مسجد الحرام کے نزدیک جب تک وہ تم سے لڑائی شروع نہ کریں تم قتال کا آغاز نہ کرو اور حرم کی حرمت کو پامال نہ کرو۔

فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ–

پھر اگر وہ لڑائی شروع کردیں تو تم بھی بغیر کسی جھجک کے ان سے جہاد کرو

اس لیے کہ انھوں نے حرم کی توہین کہ ہے اور اس کی عزت کا پاس نہیں کیا۔

كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ– ایسے کافروں کی یہی سزا ہے

انھیں اپنے کیے کی سزا ملی ہے۔

۱۹۲–فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ–

پس اگر وہ قتال (لڑائی) اور شرک سے باز آجائیں تو اللہ تعالٰی ان کے گذشتہ اقدامات کو بخشنے والا اور

(۱) مجمع البیان، ص ۲۸۷ ج ۱۔۲ (۲) طبرسی مجمع البیان، ص ۲۸۶ ج ۱۔۲ و بیضاوی تفسیر انوار التنزیل، ص ۱۰۵ ج ۱

رحم کرنے والا ہے۔

۱۹۳ - وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ۔

اور تم ان سے جہاد جاری رکھو یہاں تک کہ شرک باقی نہ رہے۔

تفسیر مجمع البیان میں امام باقر علیہ السّلام سے یہی مفہوم مروی ہے۔[1]

وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ۔

اور اطاعت وعبادت خالص اور محض اللہ کے لیے ہوجائے اور شیطان کا اس میں کوئی حصّہ باقی نہ رہے۔

فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ۔

پس اگر وہ شرک سے باز آجائیں، تو ایسے لوگوں پر کسی قسم کی زیادتی روا نہیں ہے الّا یہ کہ وہ ظالم ہوں۔

اس آیت میں ''جزاء'' کو لفظ ''اعتداء'' سے واضح کیا گیا ہے تا کہ کلام میں مماثلت اور مطابقت ہوجائے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے ''وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا'' (۴۰،شوریٰ ۴۲) (اور ہر برائی کا بدلہ اسی برائی کی مانند ہوتا ہے)۔

تفسیر عیاشی میں کسی ایک معصوم سے وارد ہوا ہے کہ کسی سے بھی دشمنی روا نہیں ہے سوائے ان لوگوں کی اولاد کے جنھوں نے امام حسین علیہ السّلام کو قتل کیا تھا۔[2]

عِلَلُ الشّرائع میں امام رضا علیہ السّلام سے روایت ہے کہ ان سے سوال کیا گیا اے فرزند رسولؐ آپ اس حدیث کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا: جب قائمؑ کا ظہور ہوگا تو وہ قاتلین حسینؑ کی ذریت کو ان کے آباؤ اجداد کی بدعملی کے پاداش میں قتل کردیں گے تو امام رضا علیہ السّلام نے فرمایا ایسا ہی ہوگا تو دریافت کیا گیا پھر اس آیت: وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى (۱۶۴،انعام ۶) (کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا) کا کیا مفہوم ہے؟ تو امامؑ نے جواب دیا اللہ تعالیٰ کی ہر بات مبنی برصدق ہے اس کا سبب یہ ہے کہ قاتلین حسینؑ کی ذریت اپنے آباؤ اجداد کے کیے پر راضی ہوگی اور اس پر فخر کررہی ہوگی اور جو کسی چیز پر راضی ہو تو اس نے خود یہ کام انجام دیا ہے۔ اگر کسی نے مشرق میں قتل کیا ہو اور مغرب کا کوئی باشندہ اس کے قتل پر راضی ہوجائے تو یہ راضی ہوجانے والا اللہ کے نزدیک اس قاتل کا شریک کار ہے اور جب قائم علیہ السّلام ظہور فرمائیں گے تو اس ذریت کو قتل کردیں گے جو اپنے آباؤ اجداد کے عمل زشت پر راضی تھی۔[3]

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں ان کا قتل اس لیے جائز اور درست ہوگا کہ یہ لوگ اپنے بزرگوں جیسی صفات اور خصوصیات کے حامل ہوں گے اس لیے کہ ان کے آباؤ اجداد کو جس چیز پر قدرت حاصل تھی اگر انھیں بھی حاصل ہوجائے تو یہ لوگ بھی ویسا ہی عمل کریں گے۔ جیسا کہ تیسرے مقدمے میں بیان کیا جاچکا۔

(۱) مجمع البیان، ص ۲۸۷ ج ۱۔۲ (۲) تفسیر عیاشی، ص ۸۶ ج ۱ ح ۲۱۴ (۳) علل الشرائع، ص ۲۲۹ باب ۱۶۴ ح ۱

اَلشَّهۡرُ الۡحَرَامُ بِالشَّهۡرِ الۡحَرَامِ وَالۡحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعۡتَدٰی عَلَیۡکُمۡ فَاعۡتَدُوۡا عَلَیۡهِ بِمِثۡلِ مَا اعۡتَدٰی عَلَیۡکُمۡ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۱۹۴﴾

وَ اَنۡفِقُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ وَ لَا تُلۡقُوۡا بِاَیۡدِیۡکُمۡ اِلَی التَّهۡلُکَةِ ۚۖۛ وَ اَحۡسِنُوۡا ۚۛ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۱۹۵﴾

۱۹۴- ماہ حرام کا بدلہ ماہ حرام ہی ہے۔ اور تمام حرمتوں کا لحاظ برابری کے ساتھ ہوگا لہٰذا جو تم پر ظلم کرے تم بھی اس کی زیادتیوں کے مطابق اس کے ظلم کا جواب دو، البتہ اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ بے شک اللہ متقین کے ساتھ ہے۔

۱۹۵- اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور خود اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور احسان کا طریقہ اختیار کرو بلاشبہ اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

۱۹۴- اَلشَّهۡرُ الۡحَرَامُ بِالشَّهۡرِ الۡحَرَامِ-

کہا گیا ہے کہ حدیبیہ کے سال مشرکین نے ذی القعدہ میں مسلمانوں سے لڑائی کا آغاز کیا، اتفاقاً عمرۂ قضا ادا کرنے کے لیے مسلمانوں کو اسی مہینہ وہاں جانا پڑا۔ مسلمانوں نے اس مہینے کی حرمت کا پاس کرتے ہوئے لڑائی کو ناپسندیدہ قرار دیا تو ان سے کہا گیا کہ ہاں اس مہینے کی حرمت کا تقاضہ تو یہی ہے لیکن چوں کہ مشرکین نے اس کی حرمت کو پامال کیا ہے لہٰذا تم محض جوابی کاروائی کر رہے ہو اس لیے پریشانی کی کوئی بات نہیں۔(۱)

تفسیر مجمع البیان میں امام باقر علیہ السّلام سے بھی یہی مفہوم وارد ہوا ہے۔(۲)

وَالۡحُرُمٰتُ قِصَاصٌ-

یعنی ہر وہ حرمت جس کا لحاظ کرنا اور خیال کرنا ضروری ہے اس میں حکم قصاص جاری ہوگا جب ان مشرکین نے تمھارے مہینے کی حرمت کو برباد کر دیا تو تم بھی ویسا ہی عمل کرو۔

کتاب تہذیب اور تفسیر عیاشی میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ آپ سے مشرکین کے بارے میں سوال کیا گیا کہ کیا انھوں نے محترم مہینوں میں مسلمانوں سے جنگ کی ابتدا کی تھی تو امامؑ نے جواب دیا کہ جب مشرکین نے ان مہینوں کی حرمت کا پاس نہ کرتے ہوئے لڑائی کا آغاز کیا تو مسلمانوں نے یہ دیکھا

(۱) بیضاوی تفسیر انوار التنزیل، ص ۱۰۶ ج ۱ (۲) مجمع البیان، ص ۲۸۷-۲۸۸ ج ۱-۲

کہ اگر انھوں نے ان کا جواب نہ دیا تو وہ مسلمانوں پر اس مہینے میں غلبہ حاصل کرلیں گے اور اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے: اَلشَّهۡرُ الۡحَرَامُ بِالشَّهۡرِ الۡحَرَامِ وَالۡحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ماہ حرام کا بدلہ ماہ حرام ہی ہے۔

فَمَنِ اعۡتَدٰى عَلَيۡكُمۡ فَاعۡتَدُوۡا عَلَيۡهِ بِمِثۡلِ مَا اعۡتَدٰى عَلَيۡكُمۡ ۔

اور تمام حرمتوں کا لحاظ برابری کے ساتھ ہوگا "لہٰذا جو تم پر ظلم کرے تو تم بھی اس کی زیادتیوں کے مطابق اس کے ظلم کا جواب دو (یہ گویا گذشتہ احکام کی تلخیص تھی جو بیان کی گئی)۔(۱)

کتاب تہذیب میں امام صادق علیہ السّلام سے ایک شخص کے بارے میں مروی ہے جس نے حرم میں کسی کو قتل کیا اور حرم میں چوری کی تو امام علیہ السّلام نے فرمایا اس پر حد جاری ہوگی اور اسے رسوا بھی کیا جائے گا اس لیے کہ اس نے حرم کی حرمت کا خیال نہیں رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: فَمَنِ اعۡتَدٰى عَلَيۡكُمۡ فَاعۡتَدُوۡا عَلَيۡهِ بِمِثۡلِ مَا اعۡتَدٰى عَلَيۡكُمۡ۔

یعنی حرم میں اگر کوئی تم پر ظلم کرے تو اس کی زیادتیوں کے مطابق اس کے ظلم کا جواب دو۔

اور فرمایا: فَلَا عُدۡوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيۡنَ (۱۹۳، بقرہ ۲) دشمنی کی اجازت نہیں ہے مگر ظالمین سے دشمنی روا ہے۔(۲)

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۔

دشمن سے بدلہ لینے میں تقوے سے کام لو اور جس بات کی اجازت نہیں دی گئی اس بارے میں کوئی زیادتی نہ کرو۔

وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الۡمُتَّقِيۡنَ ۔

اور یہ بات اچھی طرح جان لو کہ اللہ متقین کے ساتھ ہے وہ ان کی حفاظت کرتا ہے اور ان کے حالات کو بہتر بناتا ہے۔

۱۹۵ ۔ وَاَنۡفِقُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ۔

اور تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو

سبیل اللہ سے مراد جہاد نیز تمام نیکیوں کے کام ہیں۔

وَلَا تُلۡقُوۡا بِاَيۡدِيۡكُمۡ اِلَى التَّهۡلُكَةِ ۔

اور خود اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو

فضول خرچی کر کے اور سبب معاش کو برباد کر کے اور ہر وہ کام کر کے جو ہلاکت تک پہنچا دے۔

---

(۱) تہذیب الاحکام، ص ۲۴۱ ج ۶ ح ۲۴۳ و تفسیر عیاشی ج ۱ ص ۸۷۔۸۶ ح ۲۱۵

(۲) تہذیب الاحکام، ص ۴۱۹ ج ۵ ح ۱۴۵۶

کتاب مجالس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے روایت ہے کہ بادشاہ (حاکم وقت) کی اطاعت واجب ہے، جس نے بادشاہ (حاکم) کی اطاعت کو ترک کردیا گویا کہ اس نے اللہ کی اطاعت کو چھوڑ دیا اور اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کی جب کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ اور تم خود اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو۔

وَاَحْسِنُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ -

اور تم احسان کا طریقہ اختیار کرو، بلاشبہہ اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

کتاب کافی[۱] اور تفسیر عیاشی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی شخص جو کچھ اس کے پاس ہے وہ سب کا سب اللہ کی راہوں میں سے کسی راہ میں خرچ کردے تو اس نے یہ احسان نہیں کیا اور نہ ہی اسے خیر کی توفیق حاصل ہوئی کیا اللہ تعالیٰ نہیں فرما رہا ہے: وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۚ وَاَحْسِنُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ محسنین کے معنی ہیں میانہ روی اختیار کرنے والے۔[۲]

کتاب محاسن میں امام صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جب کوئی مومن اپنے عمل کو بہتر بنا دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہر حسنہ (نیکی) کے بدلے اس کے عمل کو سات سو گنا بڑھا دیتا ہے اور یہ اللہ کے قول سے واضح ہے: يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ (اللہ جس کے عمل کو چاہے بڑھا دے)۔ لہٰذا تم جو بھی عمل کرتے ہو اسے اللہ کا ثواب حاصل کرنے کے لیے انجام دو۔ امام علیہ السّلام سے دریافت کیا گیا کہ مَا الْاِحْسَانُ؟ احسان کیا ہے؟ تو امام علیہ السّلام نے جواب دیا جب تم نماز پڑھو تو رکوع وسجود کو اچھی طرح انجام دو اور جب روزہ رکھو تو ہر اس چیز سے بچو جس سے تمھارا روزہ باطل ہوجائے اور جب حج کرو تو ہر اس بات سے پرہیز کرو جو حج وعمرہ میں تم پر حرام کردی گئی ہے۔ مزید فرمایا ہر وہ عمل جو تم اللہ کے لیے انجام دو اسے میل کچیل سے پاک ہونا چاہیے۔[۳]

---

(۱) الامالی شیخ صدوقؒ، ص ۲۷۷ ح ۲۰ (۲) تفسیر عیاشی، ص ۸۷ ج ۱ ح ۲۱۷

(۳) المحاسن، ص ۳۹۶ ح ۲۸۹ / ۸۸۷ باب ۳۰ الاخلاص

وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ
وَ لَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ
مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ
نُسُكٍ ۚ فَاِذَاۤ اَمِنْتُمْ ۫ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ
الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَ سَبْعَةٍ اِذَا
رَجَعْتُمْ ؕ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۹۶﴾ ع ۸ / ۲۴ / ۸
اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَ لَا
فُسُوْقَ ۙ وَ لَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ؕ وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕؔ وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم
وَ تَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۫ وَ اتَّقُوْنِ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۷﴾
لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ فَاِذَاۤ اَفَضْتُمْ مِّنْ
عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۪ وَ اذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ
وَ اِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۱۹۸﴾
ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَ اسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۹﴾
فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ
فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَاۤ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ
خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾
وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَاۤ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ

قِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾
اُولٰٓئِکَ لَهُمۡ نَصِیۡبٌ مِّمَّا کَسَبُوۡا ؕ وَ اللّٰهُ سَرِیۡعُ الۡحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾
وَاذۡکُرُوا اللّٰهَ فِیۡۤ اَیَّامٍ مَّعۡدُوۡدٰتٍ ؕ فَمَنۡ تَعَجَّلَ فِیۡ یَوۡمَیۡنِ فَلَاۤ اِثۡمَ
عَلَیۡهِ ۚ وَ مَنۡ تَاَخَّرَ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَیۡهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰی ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ
اعۡلَمُوۡۤا اَنَّکُمۡ اِلَیۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ ﴿۲۰۳﴾

---

۱۹۶ – اللہ کی خوشنودی کے لیے حج اور عمرہ کو پورا کرو۔ اور اگر کہیں گھر جاؤ تو جو قربانی میسر آئے اسے اللہ کے جناب میں پیش کر دو۔ اور اپنے سر، نہ مونڈو جب تک قربانی اپنی جگہ پر پہنچ نہ جائے۔ پس اگر تم میں سے کوئی مریض ہو، یا جس کے سر میں کوئی تکلیف ہو تو اسے چاہیے کہ فدیے کے طور پر روزے رکھے یا صدقہ دے یا قربانی کرے۔ پھر جب تمھیں امن نصیب ہو جائے (اور تم حج سے پہلے ملّہ پہنچ جاؤ) تو جو شخص حج کا زمانہ آنے سے پہلے عمرہ کا فائدہ اٹھائے (عمرہ تمتع کرے) وہ حسبِ مقدور قربانی دے اور اگر قربانی میسر نہ ہو تو حج کے زمانے میں تین دن روزے رکھے اور سات روزے گھر پہنچ کر رکھ لے یہ مکمل دس (روزے) ہو گئے یہ (رعایت) ان لوگوں کے لیے ہے جن کے گھر بار مسجد الحرام کے قریب نہ ہوں، اللہ کے (ان) احکام کی خلاف ورزی سے بچو اور خوب جان لو کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔

۱۹۷ – حج کے مہینے سب کو معلوم ہیں، پس جو شخص ان مقررہ مہینوں میں حج کی نیت کرے اسے آگاہ رہنا چاہیے کہ حج کے دوران اس سے کوئی شہوانی فعل، کوئی بدعملی، کوئی لڑائی جھگڑے کی بات سرزد نہ ہو اور تم جو بھی نیک کام انجام دو گے وہ اللہ کے علم میں ہوگا۔ اور (سفرِ حج کے لیے) زادِ راہ ساتھ لے جاؤ یقیناً بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے۔ پس اے عقل مند لوگو! میری نافرمانی سے بچو۔

۱۹۸ – اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ تم حج کے ساتھ ساتھ اپنے رب کا فضل بھی تلاش کرو۔ پھر جب عرفات سے روانہ ہو جاؤ تو مشعرِ حرام (مزدلفہ) کے پاس (ٹھہر کر) اللہ کو یاد کرو جس طرح یاد کرنے کی ہدایت اس نے دی ہے ورنہ اس سے پہلے تو تم لوگ بھٹکے ہوئے تھے۔

۱۹۹ – پھر جہاں سے اور سب لوگ پلٹتے ہیں تم بھی وہیں سے پلٹو اور اللہ سے معافی طلب کرو، یقیناً وہ

معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

۲۰۰- پھر جب اپنے حج کے ارکان ادا کر چکو، تو جس طرح اپنے آباؤ اجداد کو یاد رکھتے ہو اسی طرح اللہ کو یاد رکھو بلکہ اس سے بھی بڑھ کر (یاد کرنے والوں میں فرق ہے) انسانوں میں سے کوئی ایسا ہے جو کہتا ہے کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا ہی میں سب کچھ دے دے، ایسے شخص کے لیے آخرت میں کوئی حصّہ نہیں ہے۔

۲۰۱- اور ان میں سے کوئی یہ کہتا ہے کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی عطا کر اور آتش جہنم سے ہمیں بچا لے۔

۲۰۲- یہ لوگ اپنی کمائی کے اعتبار سے (دونوں جگہ) حصّہ پائیں گے اور اللہ جلد ہی سب کا حساب کر دے گا۔

۲۰۳- یہ گنتی کے چند روز ہیں جو تمھیں ذکرِ خداوندی میں گزارنے چاہئیں۔ پھر جو کوئی جلدی کر کے دو ہی دن میں واپس ہوگیا تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور جو کچھ دیر زیادہ ٹھہر کر پلٹا تو اس پر بھی کوئی عصیان نہیں، بشرطیکہ یہ دن اس نے تقویٰ کے ساتھ بسر کیے ہوں۔ اللہ کی نافرمانی سے بچو اور خوب جان رکھو کہ ایک روز اس کے حضور میں تمھاری پیشی ہونی ہے۔

۱۹۶- وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ-

اور تم حج اور عمرہ کو اس کے مکمل شرائط، ارکان اور طریقے کے ساتھ خالصۃً اللہ کی خوشنودی کے لیے بجالاؤ۔

کتاب کافی اور تفسیر عیاشی میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ آپ سے اس آیت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ حج وعمرہ دونوں واجب ہیں۔[۱] کافی، عِلل اور عیاشی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے آپ نے فرمایا: اَلْعُمْرَةُ وَاجِبَةٌ عَلَى الْخَلْقِ بِمَنْزِلَةِ الْحَجِّ عَلٰى مَنِ اسْتَطَاعَ مخلوقاتِ خداوندی میں استطاعت رکھنے والے پر حج کی طرح عمرہ بھی واجب ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ کہ اللہ کے لیے حج اور عمرہ بجالاؤ۔[۲] پھر دوبارہ دریافت کیا گیا کہ جو شخص حج کے موقع پر عمرہ تمتع بجالائے تو کیا یہ کافی ہوجائے گا تو امامؑ نے فرمایا "بے شک"[۳] ایک روایت میں "اَتِمُّوا" کا مفہوم یہ بیان کیا گیا کہ مکمل طریقے سے حج اور عمرے کو بجالائے اور مُحرِم (احرام پہننے

---

(۱) الکافی ج ۴ ص ۲۶۵ ح ۲ و تفسیر عبّاشی ج ۱ ص ۸۸ ح ۲۲۴

(۲) الکافی، ص ۲۶۵ ج ۴ ح ۴ و علل الشرائع، ص ۴۰۸ ح ۱ و تفسیر عیاشی، ص ۸۸ ج ۱ ح ۲۲۳ (۳) تفسیر عیاشی، ص ۸۸ ج ۱ ح ۲۲۲

والے) پر جو پابندیاں عائد ہوتی ہیں وہ دونوں کے لیے ہیں۔[1]

تفسیر مجمع البیان میں اس لفظ کا مفہوم امام سجادؑ اور امیر المومنینؑ کی زبانی اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ حج وعمرے میں آخر تک ہر رکن کو پورا کرو۔[2]

کتاب خصال اور عیون میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ اس لفظ کا مفہوم ہے کہ حج میں کوئی شہوانی فعل، بدعملی اور لڑائی جھگڑے کی بات سرزد نہ ہو۔[3]

اور تفسیر عیاشی میں امام باقر اور امام صادق علیہما السّلام سے اس لفظ ''اَتِمُّوا'' کا یہی مفہوم بیان کیا گیا ہے۔[4]

کتاب کافی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ امامؑ نے فرمایا جب تم حالت احرام میں آجاؤ تو اس وقت تم پر لازم ہے کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، اللہ کا زیادہ سے زیادہ ذکر کرو اور کم بولو سوائے کلمۂ خیر کے کوئی اور بات زبان سے نہ نکالو اس لیے کہ حج وعمرے کے تمام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی زبان کو محفوظ رکھے سوائے کلمۂ خیر کے کوئی اور بات زبان سے نہ نکالے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَمَنۡ فَرَضَ فِيۡهِنَّ الۡحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوۡقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِى الۡحَجِّ ؕ پس جو ان مہینوں میں حج کی نیت کرے تو اسے چاہیے کہ حج کے دوران شہوت رانی، بدعملی اور لڑنے جھگڑنے سے پرہیز کرے۔[5]

امام صادق علیہ السّلام فرماتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی حج کے لیے روانہ ہو تو اسے چاہیے کہ اپنے حج کا اختتام ہماری زیارت پر کرے اس لیے کہ یہ تکمیل حج کا سامان ہے۔[6]

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ اس زمانے میں ان کے مزارات اور قبروں کی زیارت ان کی بالمشافہہ زیارت اور ملاقات کی قائم مقام ہے جیسا کی دیگر روایات سے واضح ہوتا ہے اِن روایات اور اُن روایات میں کوئی منافات نہیں ہے اس لیے کہ ہر دو حج کی تکمیل کرتی ہیں۔

فَاِنۡ اُحۡصِرۡتُمۡ ۔

اور اگر کہیں تم گھر جاؤ

تو خوف کی وجہ سے یا دشمن یا بیماری کے سبب تم وہاں تک نہ پہنچ سکو اور تم نے حج یا عمرے کا احرام پہن لیا ہو اور تمھیں ان کے بجالانے سے روک دیا گیا ہو۔ ائمہ علیہم السّلام سے مجمع البیان میں یہ روایت وارد ہوئی ہے۔[7]

---

(۱) الکافی، ص ۲۶۵ ج ۴ ح ۱ (۲) مجمع البیان، ص ۲۹۰ ج ۱۔ ۲ (۳) الخصال، ص ۶۰۶ ح ۹
(۴) تفسیر عیاشی، ص ۸۸ ج ۱ ح ۲۲۵ (۵) الکافی، ص ۳۳۸ ج ۴ ح ۳
(۶) عیون اخبار الرضا، ص ۲۶۲، ج ۱، ح ۲۸ (۷) مجمع البیانی ج ۱۔ ۲ ص ۲۹۰

کتاب کافی میں ہے کہ محصور سے مراد وہ ہے جسے روکا نہ گیا اور محصور مریض ہے اور مَصدُود (جسے روک دیا گیا) وہ ہے جسے مشرکین نے لوٹا دیا ہو جس طرح مشرکین نے آں حضرتؐ اور صحابہ کرام کو لوٹا دیا تھا، وہ بیماری کی وجہ سے نہیں رکے تھے اگر کوئی مَصدُود ہو تو اس کے لیے عورتیں جائز ہوں گی اور محصور کے لیے عورتیں حلال نہ ہوں گی۔ ۱

فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ-

پس اگر تم اس حالت میں احرام اتارنا چاہتے ہو تو اونٹ، گائے یا بکری میں سے جو قربانی بھی میسر ہو اسے دے دو۔

کتاب عیون میں امام رضا علیہ السّلام سے مروی ہے کہ بکری کی قربانی اس لیے رکھی تاکہ قوم کے وہ افراد جن کے پاس سرمایہ کم ہے وہ بھی قربانی کر سکیں اس آیت میں امیر، غریب دونوں کے لیے وسعت ہے۔ ۲

تفسیر عیاشی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ بکرے اور دنبے کی قربانی کافی ہے البتہ گائے افضل ہے۔ ۳

کتاب کافی میں امام باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ مَصدُود جس وقت روک دیا جائے اسے چاہیے کہ وہ حالت احرام سے باہر آنے کے لیے ذبح کرے۔ اور ''محصور'' کو چاہیے کہ وہ قربانی کا جانور قربان گاہ تک روانہ کرے اور دنوں کا شمار کرے جب قربانی قربان گاہ تک پہنچ جائے تو یہ اپنی جگہ احرام کی پابندی سے آزاد ہو جائے گا۔ ۴

امام باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جب کوئی گھر جائے تو اپنی قربانی روانہ کر دے پھر جب اسے افاقہ ہو جائے اور وہ آسانی محسوس کرتا ہو اور یہ سمجھتا ہو کہ لوگوں تک پہنچ جائے گا تو اسے روانہ ہو جانا چاہیے، اگر یہ شخص قربانی ہونے سے قبل مکّہ پہنچ جائے تو اس پر لازم ہے کہ احرام پر باقی رہے یہاں تک کہ تمام مناسک بجالائے اور اس کے بعد اپنی قربانی ذبح کرے اس پر کوئی جرمانہ نہیں ہوگا اور اگر وہ مکّہ اس وقت پہنچتا ہے جب قربانی کی جا چکی ہے تو آنے والے سال میں وہ فریضہ حج یا عمرہ بجالائے گا۔ امامؑ سے دریافت کیا گیا وہ احرام میں مکّہ پہنچنے سے پہلے مر گیا تو کیا ہوگا؟ امامؑ نے فرمایا کہ اگر حج اسلام ہو تو اس کی جانب سے حج وعمرہ ادا کیا جائے گا اس لیے کہ اس کا ادا کرنا اس پر واجب ہو چکا تھا۔ ۵

وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ-

اور تم اس وقت تک اپنے سر نہ مونڈو جب تک قربانی قربان گاہ تک نہ پہنچ جائے

---

(۱) الکافی، ص ۳۶۹، ج ۴ ح ۳ (۲) عیون اخبار الرضا، ص ۱۲۰ ج ۲ ح ۱ (۳) تفسیر عیاشی، ص ۸۹ ج ۱ ح ۲۲۷
(۴) الکافی، ص ۳۷۱ ج ۴ ح ۹ (۵) الکافی، ص ۳۷۰ ج ۴ ح ۴

یعنی حالت احرام سے اس وقت تک باہر نہیں آسکتے۔

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا-

پس اگر تم میں سے کسی کو ایسی بیماری ہو کہ وہ قربانی سے پہلے سر مونڈنے پر مجبور ہو جائے۔

اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ-

یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو جیسے زخم یا جوئیں بھر گئی ہوں

فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ-

تو اگر وہ قربانی دینے سے پہلے سر مونڈ لیتا ہے تو اس کو فدیہ دینا ہوگا روزہ رکھ کر یا صدقہ دے کر یا قربانی کر کے۔

امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ اگر کوئی شخص گھر جائے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنی قربانی روانہ کردے پس اگر قربانی دینے سے پہلے اس کے سر میں تکلیف ہو تو وہ جہاں پر گھر گیا ہے اس جگہ ایک دنبہ ذبح کردے یا روزہ رکھ لے یا صدقہ دے، روزہ تین دن رکھنا ہوگا اور چھ مسکینوں کو صدقہ دینا ہوگا جس میں سے ہر مسکین کو نصف صاع ملنا چاہیے۔ (ایک صاع تقریباً ۳ رکلوگرام کا ہوتا ہے) ۱

کتاب کافی اور تفسیر عیاشی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کعب بن عجرہ کے قریب سے گزرے اور جوئیں اس کے سر میں پھیلی ہوئی تھیں اور وہ حالت احرام میں تھا آں حضرتؐ نے اس سے دریافت کیا کہ تمھارے سر میں جو کیڑے ہیں کیا وہ تمھیں اذیت پہنچا رہے ہیں؟ تو اس نے جواب دیا ہاں یارسولؐ اللہ تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اسے حکم دیا کہ وہ سر مونڈ لے، اور اس کا فدیہ یہ ہے کہ تین دن روزے رکھے یا چھ مسکینوں کو صدقہ دے ہر مسکین کو دو مُد ملے گا یا ایک دنبہ قربان کرنا ہوگا۔ ۲ امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا قرآن میں تینوں قسم کے فدیہ کا بیان ہے فدیہ دینے والا مختار ہے جسے چاہے اختیار کرے ایک نہیں تو دوسرا اور دوسرا نہیں تو تیسرا۔ البتہ پہلے فدیہ کا اختیار کرنا زیادہ بہتر ہے۔ ۳

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں پہلے فدیہ (یعنی تین دن روزہ رکھنا) کا اختیار کرنا بہتر اور زیادہ مناسب ہے۔

فَاِذَاۤ اَمِنْتُمْ-

پس جب تمھیں امن مل جائے یعنی حصار سے نکل جاؤ امن وسکون نصیب ہو جائے اور فراخی حاصل ہو جائے۔

---

(۱) الکافی، ص ۳۷۰۔ ۳۷۱ ج ۴ ح ۶ (۲) الکافی، ص ۳۵۸ ج ۴ ح ۲ و تفسیر عیاشی، ص ۹۰ ج ۱ ح ۲۳۱

(۳) تفسیر عیاشی، ص ۹۰ ج ۱ ح ۲۳۲

فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ۔

پس جو شخص عمرے کا احرام اتار کر حج کا احرام باندھنے تک ان چیزوں سے متمتع ہو اور فائدہ اٹھائے جو چیزیں حالت احرام میں اس پر حرام تھیں۔

فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ۔

تو اسے چاہیے کہ وہ حسب مقدور قربانی دے

کتاب کافی میں امام صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ اسے ایک دنبہ کی قربانی دینا ہوگی۔[۱]

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ۔

اگر کسی کے پاس قربانی دینے کے لیے کچھ نہ ہو تو حج کے زمانے میں اور دورانِ حج اسے چاہیے کہ وہ تین دن روزے رکھے۔ افضل یہ ہے کہ سات، آٹھ اور نو ذی الحجہ کو روزہ رکھے۔

کتاب کافی میں امام صادق علیہ السّلام سے بھی مروی ہے کہ آپ سے سوال کیا گیا کہ اگر (متمتع) ''حج تمتع'' کرنے والے کو قربانی کا جانور نہ ملے تو وہ کیا کرے؟ تو امامؑ نے جواب دیا کہ وہ تین دن روزے رکھے ایک دن ترویہ سے پہلے، ترویہ کے دن اور عرفہ کے دن آپ سے دریافت کیا گیا کہ اگر وہ ترویہ کے روز پہنچے تو امامؑ نے فرمایا کہ تشریق کے بعد وہ تین روزے رکھے۔ آپ سے سوال کیا گیا کہ اگر اس کے اونٹ وہاں نہ ٹھہرے ہوئے ہوں تو امامؑ نے فرمایا ''حصبہ'' کے دن کا روزہ رکھے اور اس کے بعد دو دن اور روزے رکھ لے آپ سے سوال ہوا ''حصبہ'' کیا ہے؟ فرمایا کوچ کا دن تو سوال کیا گیا کہ وہ عالم سفر میں روزہ رکھے گا۔ تو امامؑ نے فرمایا بے شک! کیا عرفہ کے دن وہ مسافر نہ تھا؟ ''ہم اہل بیت'' اللہ کے قول: فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ (یعنی ذی الحجہ کے مہینہ میں تین روزے) کے مطابق کہہ رہے ہیں۔[۲]

وَ سَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ۔

اور سات روزے اس وقت جب تم اپنے اہل وعیال کے پاس واپس آجاؤ

پس اگر اسے مکّہ ہی میں ٹھہرنا ہو تو دیکھے کہ اس کے علاقے کے لوگ کب تک اپنے وطن پہونچ سکتے ہیں تو جب اطمینان ہو جائے کہ وہ لوگ پہونچ چکے ہوں گے تو باقی سات روزے بھی رکھ لے ایسی ہی روایت کافی میں ائمہ کرام سے وارد ہوئی ہے۔[۳]

تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ۔

یہ مکمل دس روزے ہو گئے

یہ روزے مکمل قربانی سے کسی طرح کم نہیں۔

---

(۱) الکافی ص ۴۸۷ ج ۴ ح ۱ (۲) الکافی ص ۵۰۶۔۵۰۷ ج ۴ ح ۱ (۳) الکافی ص ۵۰۹ ج ۴ ح ۸

کتاب تہذیب میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ سفیان ثوری سے سوال کیا گیا کہ وہ کاملۃ سے کیا مفہوم سمجھتے ہیں تو انھوں نے کہا ''سات'' اور ''تین'' تو امامؑ نے فرمایا صاحبِ عقل پر یہ بات گراں گزرے گی یہ کہ سات اور تین سے دس کا عدد مراد ہے تو سفیان نے امامؑ سے دریافت کیا وہ کیا ہے؟ امامؑ نے فرمایا غور وفکر سے کام لو تو سفیان نے کہا مولا میرے علم میں نہیں ہے اللہ آپ کا بھلا کرے فرمایئے ''کاملۃ'' سے کیا مراد ہے تو امامؑ نے فرمایا اس کا کمال قربانی کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا ہے خواہ تم نے قربانی کی ہو یا نہ کر سکے ہو۔ [۱]

ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔

یہ تمتع اس کے لیے ہے جس کے اہل مسجد الحرام میں موجود نہ ہوں

اور کتاب تہذیب میں امام باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ آپ سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا اس سے مراد مکّہ کے لوگ ہیں ان کے لیے نہ حج تمتع ہے اور نہ ہی ان کے لیے عمرہ (تمتع) ہے تو دریافت کیا گیا اس کی حد کیا ہے تو فرمایا ۴۸ شرعی میل (جو ہمارے ۵۴ میل ہوتے ہیں) مکّہ کے تمام اطراف سے سوائے عسفان اور ذاتِ عرق کے۔ [۲]

وَاتَّقُوا اللّٰهَ۔

اللہ کا تقویٰ اختیار کرو

اسکے اوامر ونواہی کی حفاظت (پابندی) کرکے بالخصوص حج کے دوران اس کے اوامر ونواہی کو تسلیم کرکے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۔

اور جان لو کہ جو شخص تقویٰ اختیار نہ کرے، امر خداوندی کی مخالفت کرے اور حدودِ الٰہی سے تجاوز کر جائے تو اللہ اسے سخت ترین عذاب دینے والا ہے۔

۱۹۷ – اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ۔

یہاں پر حج کا احرام باندھنے اور مناسک حج ادا کرنے کا وقت مراد ہے اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ یہ سب جانے پہچانے مہینے ہیں یعنی شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ جیسا کہ امام باقر علیہ السّلام اور امام صادق علیہ السّلام کی روایات سے پتا چلتا ہے آپ نے بہت سی احادیث میں فرمایا ہے کہ ان مہینوں کے علاوہ کسی اور مہینے میں حج جائز نہیں اور جو حج کے مہینوں کے علاوہ کسی اور مہینہ میں حج کا احرام باندھے اس کا حج نہیں ہوگا۔ [۳]

فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ۔

کتاب کافی اور تفسیر عیاشی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ حج فرض ہونے کے معنی ہیں

(۱) تہذیب الاحکام ص ۴۰ ج ۵ ح ۱۲۰ (۲) تہذیب الاحکام ص ۴۹۲ ج ۵ ح ۱۷۶۶ (۳) الکافی ص ۲۸۹ ج ۴ ح ۱ و ۲

تلبیہ کہنا، علامات حج کا ظاہر کرنا اور احکام کی پیروی کرنا۔ اگر ان میں سے کسی پر بھی عمل کرلیا تو گویا اس نے اپنے اوپر حج کو فرض قرار دیا ہے۔ [۱]

فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ۔

تو خبردار حج کے دوران اس سے کوئی شہوانی فعل، کوئی بدعملی اور کسی قسم کے لڑائی جھگڑے کی بات نہ ہونے پائے۔

کتاب کافی اور تفسیر عیاشی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ ''رَفَث'' کے معنی ہیں جماع کرنا، فسوق کے معنی ہیں جھوٹ بولنا اور گالی دینا اور جدال کے معنی ہیں کسی کا لَا وَاللهِ اور بَلٰی وَاللهِ کہہ کر جھوٹی قسم کھانا۔ [۲]

کافی کی روایت میں مزید یہ بات بھی ہے کہ ''جدال'' کرنے پر ایک دنبہ اور ''فسوق'' پر گائے اور ''رَفَث'' کی وجہ سے حج فاسد ہوجاتا ہے۔ [۳]

وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللهُ۔

اور تم جو بھی نیک کام انجام دوگے وہ اللہ کے علم میں ہوگا

یہ آیت اس لیے نازل ہوئی ہے تاکہ لوگوں کو نیکیوں پر اُبھارا جائے۔

وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى۔

اور تم اپنے مَعاد کے لیے زادِسفر مہیا کرو اور بہترین زادِسفر تقویٰ ہے

کہا گیا ہے کہ (کچھ) لوگ بغیر زادِسفر کے حج کیا کرتے تھے اس طرح لوگوں پر بوجھ بن جاتے تھے تو انھیں حکم دیا گیا کہ وہ زادِراہ اکٹھا کریں۔ لوگوں پر بوجھ نہ بنیں اور انھیں زحمت میں مبتلا نہ کریں۔ [۴]

وَاتَّقُونِ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ۔

اے صاحبانِ عقل تم صرف مجھ سے ڈرتے رہو۔

اس لیے کہ مقتضائے عقل خوفِ خداوندی ہے۔ تقویٰ پر اس لیے آمادہ کیا گیا ہے کہ تقویٰ کا مقصد خداوندِ عالم تک رسائی اور غیرِ خدا سے بیزاری ہے۔

۱۹۸۔ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ۔

اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ تم حج کے ساتھ ساتھ اپنے رب کا فضل بھی تلاش کرو۔

لوگ حج میں تجارت کرکے خود کو گنہگار محسوس کیا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے دورانِ حج تجارت کو جائز

(۱) الکافی ص ۲۸۹ ج ۴ ح ۲ / تفسیر عیاشی ص ۹۴ ج ۱ ح ۲۵۴ (۲) الکافی ص ۳۳۷ ۔ ۳۳۸ ج ۴ ح ۳ و تفسیر عیاشی ص ۹۵ ج ۱ ح ۲۵۶
(۳) الکافی ص ۳۳۸ ج ۴ ح ۳ (۴) بیضاوی تفسیر انوار التنزیل ص ۱۰۸ ج ۱

قرار دے دیا مجمع البیان میں ائمہ علیہم السّلام سے یہی مفہوم بیان ہوا ہے۔ [۱]

ایک روایت میں ہے کہ فضل سے مراد مغفرت ہے۔ [۲]

تفسیر عیاشی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّكُمۡ کے معنی ہیں ''رزق حاصل کرو'' جب احرام کی پابندی ختم ہوجائے اور مناسک ادا کر چکو تو حج کے دوران خرید و فروخت کی اجازت دے دی گئی ہے۔ [۳]

فَاِذَآ اَفَضۡتُمۡ مِّنۡ عَرَفٰتٍ–

جب تم عرفات سے روانہ ہوجاؤ

''اَفَاضَ الۡمَاءَ'' کے معنی ہیں زیادہ پانی بہانا۔

تفسیر امام حسن عسکری علیہ السّلام میں ہے کہ جب عرفات سے مزدلفہ کے لیے روانہ ہونے لگو۔ [۴]

فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ عِنۡدَ الۡمَشۡعَرِ الۡحَرَامِ–

تو مشعر الحرام کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور نوازشوں کا ذکر کرو

سیّد الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور سیّد الاوصیاء حضرت علی علیہ السّلام پر درود بھیجو۔ [۵]

وَاذۡكُرُوۡهُ كَمَا هَدٰىكُمۡ–

اور اللہ کو اسی طرح یاد رکھو جس طرح اس نے اپنے دین اور رسول اکرمؐ پر ایمان لانے کے لیے تمھاری ہدایت کی ہے۔

کہا گیا ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کا بہترین طریقے سے ذکر کرو جس طرح اس نے تمھاری بہترین ہدایت کی ہے۔ [۶] اور ایک قول یہ بھی ہے کہ تم اللہ کا ایسا ذکر کرو جو اس کی ہدایت کے ہم پلّہ ہو۔ [۷]

وَاِنۡ كُنۡتُمۡ مِّنۡ قَبۡلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيۡنَ–

ورنہ اس ہدایت سے پہلے تم لوگ نرے جاہل تھے۔

تمھیں یہ معلوم نہ تھا کہ اللہ کا ذکر کیسے کیا جاتا ہے اور اس کی عبادت کس طرح کی جاتی ہے۔

تفسیر امام حسن عسکری علیہ السّلام میں ضالّین کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے پہلے تم لوگ اس کے دین سے بے بہرہ تھے۔ [۸]

---

(۱) و (۲) مجمع البیان، ص ۲۹۵ ج ۱۔ ۲ (۳) تفسیر عیاشی، ص ۹۶ ج ۱ ح ۲۶۲

(۴) و (۵) تفسیر امام عسکریؑ، ص ۶۰۵ (۶) بیضاوی تفسیر انوار التنزیل، ص ۱۰۹ ج ۱

(۷) طبرسی تفسیر مجمع البیان، ص ۲۹۵ ج ۱۔ ۲ (۸) تفسیر امام عسکریؑ، ص ۶۰۵

۱۹۹– ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ–

اور پھر تم لوگ وہیں سے پلٹو جہاں سے دوسرے لوگ پلٹتے ہیں۔

ایک قول کے مطابق اس سے مراد عرفات سے پلٹ کر آنا ہے۔ ۱

تفسیر مجمع البیان میں امام باقر علیہ السّلام سے روایت ہے کہ قریش اور حمس کے رہنے والے ان کے حلیف دوسرے لوگوں کے ساتھ عرفات میں قیام نہیں کرتے تھے اور نہ ہی وہاں سے گزرتے تھے اور یہ کہا کرتے تھے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے حرم والے ہیں ہم حرم سے باہر نہیں جائیں گے وہ مشعر میں ٹھہرتے تھے اور وہیں سے پلٹ کر آجاتے تھے تو اللہ نے حکم دیا کہ عرفات میں وقوف کرو اور وہاں سے پلٹ کر آؤ۔ ۲

تفسیر عیاشی میں امام صادق علیہ السّلام سے ایسی بہت سی روایات وارد ہوئی ہیں۔ ۳

امام صادق علیہ السّلام نے فرمایا اس آیت میں حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسماعیلؑ، حضرت اسحٰقؑ اور ان کے بعد آنے والے انبیاء مراد ہیں جو عرفات جاتے اور پھر وہاں سے پلٹ کر آیا کرتے تھے۔ ۴

کتاب کافی میں امام حسین علیہ السّلام سے مروی ہے کہ "الناس" سے مراد ہم لوگ ہیں۔ ۵ اور امام صادق علیہ السّلام سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے حج کے بارے میں روایت ہے کہ امامؑ نے فرمایا صبح کا وقت تھا لوگ آں حضرتؐ کے ساتھ تھے قریش مزدلفہ سے پلٹ جایا کرتے تھے اور یہ ان کی ایک جماعت تھی اور وہ دوسرے لوگوں کو وہاں سے پلٹنے سے روکتے تھے اتنے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم تشریف لے آئے اور قریش یہ توقع کر رہے تھے کہ وہ پہلے کی طرح مزدلفہ سے ہی پلٹ جائیں گے اس وقت اللہ تعالیٰ نے آیت نازل کی: ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَ اسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ تم لوگ وہیں سے پلٹو جہاں سے ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ اور ان کے بعد دوسرے افراد پلٹا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ سے طلبِ مغفرت کرو۔ ۶

(حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السّلام کے زمانے میں عرب کا طریقہ حج یہ تھا کہ وہ ۹ ذی الحجہ کو منیٰ سے عرفات جاتے تھے اور رات کو وہاں سے پلٹ کر مزدلفہ میں ٹھہرتے تھے۔ مگر بعد کے زمانے میں جب قریش کی برہمنیت قائم ہوگئی تو انھوں نے کہا ہم اہل حرم ہیں، ہمارے مرتبے سے یہ بات فروتر ہے کہ ہم عام عرب کے ساتھ عرفات تک جائیں چناں چہ انھوں نے اپنے لیے یہ امتیازی شان قائم کرلی کہ مزدلفہ تک جاکر ہی پلٹ آتے اور عام لوگوں کو عرفات تک جاتے کے لیے چھوڑ دیتے۔ یہی امتیاز بنی خزاعہ و بنی کنانہ کو حاصل ہوگیا اور قریش کے مختلف قبائل بھی ایسا کرنے لگے اسی فخر وغرور کا بُت اس آیت میں توڑا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ جس طرح انبیائے ماسلف سے سلسلہ جاری ہے وہی طریقہ رائج رہے گا یعنی ۹ ذی الحجہ کو سب کو عرفات میں قیام کرنا ہوگا۔ اس کو حج کا رکن اعظم کہا جاتا ہے۔)

---

(۱) بیضاوی انوار التنزیل، ص ۱۰۹ ج ۱ (۲) مجمع البیان، ص ۲۹۶ ج ۱۔۲ (۳) تفسیر عیاشی، ص ۹۷ ج ۱ ح ۲۶۴، ۲۶۶، ۲۶۸
(۴) مجمع البیان، ص ۲۹۶ ج ۱۔۲ (۵) الکافی، ص ۲۴۴۔۲۴۵ ج ۱ ح ۳۳۸ (۶) الکافی، ص ۲۴۷ ج ۴ ح ۴

وَ اسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ۔

تم نے اپنی جہالت کے سبب جو مناسک میں تبدیلی کر دی ہے اس کے لیے اللہ سے معافی طلب کرو۔

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔

بے شک اللہ مغفرت طلب کرنے والوں کو معاف کرنے اور ان پر رحم کرنے والا ہے۔

۲۰۰ - فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا۔

پس جب تم افعال حج سے فراغت پا لو تو اللہ کو اسی طرح یاد رکھو جس طرح تم اپنے باپ دادا کو یاد رکھتے ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ۔

تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کے احسانات کو یاد کرو جو اس نے تم پر کیے ہیں اور اس میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لو جس طرح تم اپنے باپ دادا کے کارنامے اور ان کی یادگاروں کا تذکرہ بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہو۔

تفسیر امام حسن عسکری علیہ السّلام میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اختیار دے دیا ہے اور یہ لازم قرار دیا ہے کہ وہ اپنے باپ دادا کا زیادہ ذکر نہ کریں اس لیے کہ ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ان کے باپ دادا کی نعمتوں سے کہیں زیادہ اور باعظمت ہیں۔ [۱]

تفسیر مجمع البیان میں امام باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جب وہ لوگ حج سے فارغ ہو جاتے تھے تو وہاں پر اکٹھے ہو کر اپنے باپ دادا کے کارنامے اور ان کے موروثی شرف کو شمار کیا کرتے تھے اور ان کی قدیم جنگوں اور بڑی بڑی فیاضیوں کا تذکرہ کیا کرتے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا کہ اپنے باپ دادا کا ذکر کرنے کے بجائے اس مقام پر اللہ کو یاد کرو اور بھرپور طریقے سے یاد کرو اللہ کی نعمتوں کا شمار کرو، اس کی عنایتوں کا شکر ادا کرو اس لیے کہ باپ دادا نے اگر انھیں کچھ دیا ہے اور نوازا ہے تو اس کے مقابلے میں ان پر اللہ کی نعمتیں کہیں زیادہ عظیم ہیں اور اللہ نے ہی ان کے باپ دادا کو ایسے کارنامے کی توفیق دی اور ایسے شرف سے نوازا ہے۔ [۲]

فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا۔

انسانوں میں سے کوئی ایسا ہے جو کہتا ہے کہ ہمارے رب ہمیں دنیا ہی میں سب کچھ دے دے

ایسے لوگوں کی تعداد کم ہے جو صرف دنیا طلب کرتے ہیں اور اکثر لوگ دونوں جہان کی بھلائی چاہتے ہیں اس طرح دنیا کی طلب کرنے والوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے۔

وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ۔

ایسے شخص کے لیے آخرت میں کوئی حصّہ نہیں ہے۔

(۱) تفسیر امام عسکریؑ ص ۶۰۶ (۲) مجمع البیان، ص ۲۹۷ ج ۱۔۲

اس لیے کہ اس کی تمام تر توجہ دنیا کی طرف مرکوز ہے وہ آخرت کے لیے کوئی کام انجام نہیں دیتا اور نہ ہی آخرت میں کسی بھلائی کا خواہش مند ہے۔

۲۰۱ - وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً-

اور کوئی کہتا ہے کہ اے ہمارے رب، ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی عطا کر۔

فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً سے مراد دنیا میں صحت، امن، خوش حالی اور خیر کی توفیق عطا کر اور فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً مفہوم ہے کہ آخرت میں رحمت اور اپنی قربت عنایت کر۔

وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ-

اور ہماری مغفرت فرما کر اور ہمیں معاف کر کے جہنم کے عذاب سے بچا لے۔

کتاب کافی اور تفسیر عیاشی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ اس سے مراد آخرت میں اللہ کی خوشنودی اور جنت ہے اور دنیا میں رزق میں وسعت اور حُسنِ خلق ہے۔ [۱]

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ یہ سب مثالیں مقصود کو سمجھانے کے لیے دی گئی ہیں اور ان میں کوئی باہمی منافات نہیں ہے۔

۲۰۲ - اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا-

یہ لوگ اپنی کمائی کے اعتبار سے حصّہ پائیں گے۔

تفسیر امام حسن عسکری علیہ السّلام میں ہے کہ ''اُولٰٓئِكَ'' سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس انداز سے دعا طلب کرتے ہیں، انھوں نے دنیا اور آخرت کے لیے جو بھی عمل کیا ہے انھیں یقیناً اس کا ثواب ملے گا۔ [۲]

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ آیت میں مَا كَسَبُوْا کہا گیا ہے اس لیے کہ اعمال اچھی صورت میں آئیں گے تو کرنے والے کو انعام ملے گا یا بری صورت میں آئیں گے تو انجام دینے والے کو عذاب ملے گا جیسا کہ صاحبانِ عصمت سے بہت سی روایات میں وارد ہوا ہے۔ حدیث نبوی میں ''اِنَّمَا هِيَ اَعْمَالُكُمْ تُرَدُّ عَلَيْكُمْ'' بلا شبہہ یہ تمھارے اعمال ہی ہیں جو تمھاری طرف لوٹائے گئے ہیں۔ [۳]

وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ-

اللہ تعالیٰ مخلوقات کی کثرت اور ان کے اعمال کی کثرت کے باوجود ان سب کا حساب چشم زدن میں لے لے گا جیسا کہ روایات میں آیا ہے۔ [۴]

تفسیر مجمع البیان میں امیر المومنین علیہ السّلام سے مروی ہے کہ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ

---

(۱) الکافی، ص ۷۱، ج ۵، ح ۲ و تفسیر عیاشی، ص ۹۸، ج ۱، ح ۲۷۴ (۲) تفسیر امام عسکریؑ، ص ۶۰۶
(۳) مفاتیح الغیب، ص ۹۰ (۴) مجمع البیان، ص ۲۹۸، ج ۱-۲

اپنی تمام مخلوقات کا حساب ایک ہی دفعہ میں اس طرح لے لے گا جس طرح وہ انھیں ایک ساتھ رزق فراہم کر دیتا ہے۔ ۱؎

حضرت علی علیہ السّلام سے دریافت کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات کا حساب کس طرح لے گا جب کہ وہ اسے دیکھ نہیں رہے ہوں گے تو فرمایا جس طرح وہ انھیں یکبارگی رزق فراہم کرتا ہے اور وہ اسے نہیں دیکھتے۔ ۲؎

اور تفسیر امام حسن عسکری علیہ السّلام میں ہے کہ ایک حال سے دوسری حالت میں تبدیلی اسے غافل نہیں کرتی اور اسی طرح ایک حساب اسے دوسرے حساب سے غافل نہیں کرسکتا جب وہ ایک کا حساب کررہا ہوگا تو اس وقت وہ ہر ایک کا حساب کررہا ہوگا جوں ہی ایک کا حساب ختم ہوگا اسی وقت ہر ایک کا حساب ختم ہوجائے گا اور اس پر قول خدا صادق ہے: مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ (۲۸، لقمان ۳۱)

تم سب کی خلقت اور تمھارا دوبارہ زندہ کیا جانا سب ایک ہی آدمی جیسا ہے۔ ۳؎

سورۂ انعام میں اس مفہوم کی مزید وضاحت کی جائے گی۔

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ سُرْعَةُ الْحِسَابِ کا دوسرا مفہوم بھی ہے جو اس مفہوم کے ساتھ ملتا جلتا ہے اور اس کی تائید کرتا ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں ہر آن اور ہر لحظہ اپنے بندے کا حساب کر رہا ہے اور اس کے عمل کے اعتبار سے ہر حرکت وسکون پر اس کی جزا دے رہا ہے اور اطاعت کا بدلہ توفیقات کے ذریعہ اور معاصی (نافرمانیوں) کی سزا رسوائیوں کے ذریعہ۔ نیکی، نیکی کو کھینچتی ہے اور برائی، برائی کی جانب آمادہ کرتی ہے اور جو شخص دنیا میں اپنے نفس کا محاسبہ کرتا ہے وہ اس مفہوم کو سمجھ سکتا ہے اسی لیے حدیث میں آیا ہے: حَاسِبُوا اَنْفُسَكُمْ قَبْلَ ان تُحَاسَبُوْا تم دنیا میں خود اپنے نفوس کا محاسبہ کرلو قبل اس کے کہ آخرت میں تمھارا حساب لیا جائے۔ یہ وہ اسرار ہیں کہ جن تک پاک وپاکیزہ افراد ہی کی رسائی ہوسکتی ہے۔ ۴؎

۲۰۳- وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ-

یہ گنتی کے چند روز ہیں جو تمھیں ذکر خداوندی میں گزارنے چاہییں۔

''ایام معدودات'' سے مراد ہے ایام تشریق (۱۰-۱۱-۱۲ رذی الحجہ) یعنی دسویں، گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ۔ ''ذکر اللہ'' سے مراد ہے ہر نماز کے بعد تکبیر کہنا، یوم نحر قربانی کے دن (دسویں ذی الحجہ) ظہر سے لے کر تیسرے دن فجر کی نماز تک جو شخص منیٰ میں ہو۔ اور شہروں میں دس نمازوں تک تکبیر کہنا ذکر اللہ کہلاتا ہے اور تکبیر یہ ہے:

---

(۱) مجمع البیان، ص ۲۹۸ ج ۱-۲ (۲) مجمع البیان، ص ۳۱۳، ج ۳-۴

(۳) تفسیر امام عسکریؑ، ص ۶۰۶ (۴) الکافی، ص ۱۴۳، ج ۸، ح ۱۰۸

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ عَلٰی مَا ھَدَانَا اَللّٰہُ اَکْبَرُ عَلٰی مَا رَزَقَنَا مِنْ بَھِیْمَۃِ الْاَنْعَامِ۔

یہی تکبیریں ائمہ علیہم السّلام سے وارد ہوئی ہیں۔

''اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے اور ہر طرح کی حمد اسی کے لیے ہے، اللہ سب سے بڑا ہے کہ اس نے ہماری ہدایت کی، اللہ سب سے بڑا ہے کہ جس نے ہمیں چوپائے جانور عطا کیے'' ہیں۔ (ہم جن کی قربانی کر رہے ہیں)

کتاب کافی، تفسیر عیاشی اور ان کے علاوہ دیگر کتب میں یہ روایت موجود ہے۔ [۱]

فَمَنْ تَعَجَّلَ۔ جو منیٰ سے جلدی جانا چاہے

فِیْ یَوْمَیْنِ۔ یوم نحر کے دو دن بعد رمی الجمرات سے فارغ ہو کر

فَلَآ اِثْمَ عَلَیْہِ۔ تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے

وَمَنْ تَاَخَّرَ۔ اور جو شخص کچھ دیر سے واپس ہوا

یہاں تک کہ اس نے تیسرے دن بھی رمی کی۔

فَلَآ اِثْمَ عَلَیْہِ۔ تو اس میں بھی کوئی نافرمانی نہیں ہے

کہا گیا ہے کہ اس آیت میں ''اثم'' کے معنیٰ جلدی اور دیر کے مابین تخییر ہے اور اہل جاہلیت کے خیال کو رد کرنا ہے اس لیے کہ ان میں سے بعض لوگ جلدی جانے والوں کو گناہ گار اور بعض لوگ دیر سے جانے والوں کو خطا کار تصور کرتے تھے۔ [۲]

کتاب فقیہ میں ہے کہ امام صادق علیہ السّلام سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا اہل جاہلیت جو کہہ رہے ہیں ویسا نہیں ہے بلکہ آیت میں وسعت کا اعلان کیا جا رہا ہے کہ چاہے یہ کرلے اور چاہے وہ کرلے ہر حال میں جب وہ حج سے واپس جائے گا تو اس کی مغفرت ہو چکی ہوگی۔ اور اس کے نامۂ اعمال میں کوئی گناہ نہ ہوگا۔ [۳]

تفسیر عیاشی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے: جب وہ حج سے واپس ہوگا تو اس کی مغفرت ہو جائے گی اور اس کے ذمّے کوئی گناہ نہ ہوگا۔ [۴]

لِمَنِ اتَّقٰی۔

کتاب فقیہ میں امام باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو خوف خدا رکھتا ہے۔ [۵]

---

(۱) الکافی، ص ۵۱۷ ج ۴ و تفسیر عیاشی، ص ۹۹ ج ۱ ح ۲۷۹ و الفقیہ، ص ۳۳۱ ج ۲ ح ۱۵۵۱ (۲) بیضاوی انوار التنزیل، ص ۱۱۰ ج ۱
(۳) من لا یحضرہ الفقیہ، ص ۲۸۹ ج ۲ ح ۱۴۲۷ (۴) تفسیر عیاشی، ص ۹۹ ج ۱ ح ۲۸۱ (۵) من لا یحضرہ الفقیہ ج ۲ ص ۲۸۸ ح ۱۴۱۷

فرمایا اور روایت میں آیا ہے کہ لِمَنِ اتَّقٰی۔ سے مراد ہے کہ خوف خدا رکھنے والا نو مولود بچے کی طرح گناہوں سے باہر نکل آئے گا۔ [۱]

کتاب تہذیب میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ لِمَنِ اتَّقٰی۔ یعنی جو شخص حالت احرام میں شکار کرنے سے بچ رہا ہو ورنہ اگر اس نے شکار کر لیا تو وہ منیٰ سے جلدی نہیں جا سکتا (یعنی بعد زوال دوسرے روز منیٰ سے روانہ نہیں ہو سکتا)۔ [۲]

تفسیر عیاشی میں اسی مفہوم کی روایت موجود ہے۔ [۳]

کتاب فقیہ میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے جو شخص شکار سے بچ رہا ہو وہ مراد ہے اور اگر اس نے شکار کر لیا تو وہ شخص منیٰ سے تاخیر سے روانہ ہوگا۔ [۴]

تفسیر عیاشی میں امام باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ لِمَنِ اتَّقٰی سے مراد وہ شخص ہے جو شکار کرنے، زنا کرنے، بدعملی اور لڑائی جھگڑے اور ان تمام امور سے بچے جنھیں حالت احرام میں اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔ [۵]

اور تفسیر امام حسن عسکری علیہ السّلام میں ہے کہ ایام تشریق سے دو دن میں جو جلدی کر کے حج سے وطن واپس چلا جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے اور جو تیسرے دن کے تمام ہونے تک دیر کر دے تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں ہے یعنی پچھلے گناہوں میں سے اس کے تمام گناہ اس حج کی وجہ سے معاف ہو گئے اس لیے کہ وہ گناہوں پر شرمندہ تھا اور جن چیزوں سے بچنا چاہیے تھا ان تمام چیزوں سے دوران حج بچتا رہا۔ اور یہ کہ بعد میں ہونے والے گناہوں سے بھی اپنے کو بچائے رکھے اگر کوئی گناہ سرزد ہو گیا تو اس کا گناہ اس کے ذمّے ہوگا اور جس طرح گذشتہ گناہ حج کے سبب معاف ہو گئے تھے اب نہیں ہوں گے بلکہ اس کے لیے اسے نئے سرے سے توبہ کرنی ہوگی۔ [۶]

کتاب کافی اور کتاب فقیہ میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے یعنی جو شخص حج کرنے کے بعد اپنے اہل وعیال تک پہنچنے سے پہلے مر جائے تو اس کے ذمّے کوئی گناہ نہیں ہے اور جو جانے میں تاخیر کرے اور اس دوران اگر وہ گناہان کبیرہ سے بچا رہتا ہے تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں ہے۔ [۷]

امام باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ اِتَّقَی الکِبر کا مفہوم ہے حق کو نہ پہچاننا اور حق والوں پر طعن و تشنیع کرنا۔ [۸]

---

(۱) من لا یحضرہ الفقیہ، ص ۲۸۸ ج ۲ ح ۱۴۱۸ (۲) تہذیب الاحکام، ص ۲۷۳ ج ۵ ح ۹۳۳

(۳) تفسیر عیاشی، ص ۱۰۰ ج ۱ ح ۲۸۶ (۴) من لا یحضرہ الفقیہ، ص ۲۸۸ ج ۱ ح ۱۴۱۵

(۵) تفسیر عیاشی، ص ۹۹ ج ۱ ح ۲۸۰ (۶) تفسیر امام عسکریؑ، ص ۶۱۱ – ۶۱۵

(۷) الکافی، ص ۵۲۱ – ۵۲۲ ج ۴ ح ۱۰ و من لا یحضرہ الفقیہ، ص ۲۸۸ ج ۲ ح ۱۴۲۰ (۸) الکافی، ص ۲۵۲ – ۲۵۳ ج ۴ ح ۲

تفسیر عیاشی میں امام باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ آپ سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا اس سے مراد تم لوگ ہو۔ رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے: لَا يَثْبُتُ عَلٰى وِلَايَةِ عَلِيٍّ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ۔ سوائے متقین کے کوئی بھی علیؑ کی ولایت پر ثابت قدم نہ رہے گا۔[1]

وَاتَّقُوا اللّٰهَ۔

اور اپنے جملہ امور میں اللہ کا خوف رکھو

تفسیر امام حسن عسکری علیہ السّلام میں ہے: اے حاجیو! جن کے تمام سابقہ گناہ ان کے حج کی وجہ سے بخشے جا چکے ہیں جن کے لیے انھوں نے توبہ کی تھی۔ تو دیکھو تم خوف خدا رکھتے ہوئے دوبارہ ان گناہوں کا ارتکاب نہ کرنا کہ ان کا بوجھ تمھارے کندھوں پر آپڑے اور ان کا وزن اٹھانا تمھارے لیے مشکل ہو جائے، ان گناہوں کی مغفرت نہ ہوگی اِلّا یہ کہ اس کے بعد تم صدق دل سے توبہ کرو۔[2]

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ۔

اور جان لو کہ تم سب کو اللہ کے حضور میں جمع ہونا ہے۔

وہ اس روز تمھارے عمل کی جزا دے گا۔

حشر کے معنیٰ ہیں جمع کرنا اور بکھرے ہوؤں کو یکجا کرنا۔

---

(۱) تفسیر عیاشی، ص ۱۰۰ ج ۱ ح ۲۸۵ (۲) تفسیر امام عسکریؑ، ص ۶۱۵

وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یُّعۡجِبُکَ قَوۡلُہٗ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ یُشۡہِدُ اللّٰہَ عَلٰی مَا فِیۡ قَلۡبِہٖ ۙ وَ ہُوَ اَلَدُّ الۡخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾

وَ اِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الۡاَرۡضِ لِیُفۡسِدَ فِیۡہَا وَ یُہۡلِکَ الۡحَرۡثَ وَ النَّسۡلَ ؕ وَ اللّٰہُ لَا یُحِبُّ الۡفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾

وَ اِذَا قِیۡلَ لَہُ اتَّقِ اللّٰہَ اَخَذَتۡہُ الۡعِزَّۃُ بِالۡاِثۡمِ فَحَسۡبُہٗ جَہَنَّمُ ؕ وَ لَبِئۡسَ الۡمِہَادُ ﴿۲۰۶﴾

۲۰۴- انسانوں میں کوئی ایسا ہے، جس کی باتیں دنیاوی زندگی میں تمھیں بھلی لگتی ہیں اور وہ اپنی نیک نیتی پر بار بار خدا کو گواہ ٹھہراتا ہے مگر حقیقت میں وہ سخت جھگڑالو ہے۔

۲۰۵- اور جب اسے اقتدار حاصل ہوجاتا ہے تو اس کی تمام تر کوشش زمین میں فساد پھیلانے، کھیتوں کو غارت کرنے اور نسل انسانی کو تباہ کرنے میں صرف ہوتی ہے حالاں کہ اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔

۲۰۶- اور جب اس سے کہا جاتا ہے کچھ تو خدا کا خوف کر، تو عزت ووقار کا خیال اسے گناہ سے ہٹنے نہیں دیتا ایسے شخص کے لیے تو بس جہنم ہی کافی ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔

۲۰۴- وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یُّعۡجِبُکَ قَوۡلُہٗ-

اور انسانوں میں ایسا شخص بھی ہے جس کی باتیں بھلی لگتی ہیں اور جو تمھارے دل میں جگہ بنا لیتا ہے۔

فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا-

تمھارے سامنے اپنے دین اور اسلام کو ظاہر کرکے اور پرہیزگاری اور احسان سے اسے سجا سنوار کر۔

وَ یُشۡہِدُ اللّٰہَ عَلٰی مَا فِیۡ قَلۡبِہٖ-

وہ بات بات پر قسم کھاتا ہے اور تمھیں یقین دلاتا ہے کہ وہ مومن کامل ہے، مخلص ہے، اور اپنے قول کی تصدیق اپنے عمل سے کررہا ہے۔ لیکن اے نبیؐ ایسا نہیں ہے جیسا وہ ظاہر کررہا ہے۔

وَ ہُوَ اَلَدُّ الۡخِصَامِ-

(حقیقت میں) وہ تو سخت جھگڑالو ہے۔

مسلمانوں سے شدید عداوت رکھتا ہے اور بڑا جھگڑالو ہے۔

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں یہ آیت عام منافقین پر بھی مشتمل ہے خواہ اس کا نزول کسی خاص فرد کے

لیے ہوا ہو۔

۲۰۵ – وَ اِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا –

اور جب وہ آپ کے سامنے سے منہ پھیر لیتا ہے، روانہ ہوجاتا ہے اور بقولے جب حاکم بن جاتا ہے، وَالی ہوجاتا ہے۔ [۱]

تو اس کی دوڑ دھوپ صرف اس لیے ہوتی ہے کہ وہ زمین میں فساد برپا کرے اس کفر کے ذریعہ جو اس کے ظاہری عمل کے برعکس ہے اور اس ظلم کے ذریعہ جو اس کے کیے ہوئے وعدہ کی ضد ہے۔

وَ يُهْلِكَ الْحَرْثَ –

وہ کھیتی باڑی کو جلا دیتا ہے یا انھیں برباد کرڈالتا ہے

وَ النَّسْلَ –

وہ ذرّیت کو قتل کردیتا ہے

وہ جانوروں کو قتل کرکے ان کی نسلیں منقطع کردیتا ہے۔

تفسیر مجمع البیان اور تفسیر قمّی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ اس آیت میں ''حرث'' سے مراد ''دین'' ہے اور ''نسل'' سے مراد ''انسان'' ہیں۔ [۲]

کتاب کافی اور عیاشی میں امیر المومنینؑ سے مروی ہے وہ ظلم اور اپنے برے کردار سے کھیتی باڑی کو برباد اور نسلوں کو تباہ کرڈالتا ہے۔ [۳]

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کے ظلم کی وجہ سے بارش کو روک لیتا ہے اس طرح کھیتی باڑی اور نسلیں تباہ و برباد ہوجاتی ہیں اور اس کے علاوہ بھی اس کے ظلم کے نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ –

اللہ تعالیٰ فساد کو دوست نہیں رکھتا۔

اور فسادی کو سزا ضرور دیتا ہے۔

۲۰۶ – وَ اِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ –

اور جب اس سے کہا گیا کہ خدا کا خوف کر اور بری حرکتیں چھوڑ دے،

اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ –

تو نخوت اور جاہلیت کی حمیّت اسے اس گناہ پر ابھارتی ہے۔

---

(۱) بیضاوی انوار التنزیل، ص ۱۱۱ ج ۱ (۲) مجمع البیان، ص ۳۰۰ ج ۱۔ ۲ و تفسیر قمّی، ص ۷۱ ج ۱

(۳) الکافی، ص ۲۸۹ ج ۸ ح ۴۳۵ و تفسیر عیاشی، ص ۱۰۱ ج ۱ ح ۲۹۰

جس سے بچنے کا حکم دیا گیا تھا اور وہ ضد کے طور پر اس گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو ایک شر کے بعد دوسرے شر کا اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے اور وہ اپنے ظلم میں دوسرے ظلم کا اور اضافہ کر لیتا ہے۔

فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ۔

اس کے برے عمل کی پاداش میں بطور جزا اور عذاب، جہنم کافی ہے

وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ۔

اور وہ تو بہت برا ٹھکانا ہے۔

''مِهَاد'' کے معنی بستر کے ہیں جسے وہ بچھاتا ہے اور چوں کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم کی آغوش میں رہے گا اسی لیے جہنم کو مِهَاد کہا گیا ہے۔

وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّشۡرِیۡ نَفۡسَہُ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰہِ ؕ وَ اللّٰہُ رَءُوۡفٌۢ بِالۡعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾

۲۰۷- اور انسانوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو اپنے نفس کو بیچ کر رضائے الٰہی مول لیتا ہے اور اللہ تو اپنے بندوں پر مہربان ہے۔

۲۰۷-وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّشۡرِیۡ نَفۡسَہُ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰہِ-

اور انسانوں میں سے ایسا شخص ہے جو اپنے نفس کو بیچ دیتا ہے تاکہ اللہ کی راہ میں خرچ ہو اور اس کے بدلے میں اللہ کی مرضی حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ اس کے حصول کے لیے اللہ کی اطاعت پر عمل کرتا ہے اور لوگوں کو بھی یہی حکم دیتا ہے۔

عام مفسرین کے ہاں صحابہ وتابعین کی جماعت سے یہی مروی ہے۔[۱]

تفسیر عیاشی میں اور ہمارے بہت سے اصحاب ائمہؑ سے کئی روایات نقل کرتے ہیں کہ یہ آیت امیر المومنین علیہ السّلام کی شان میں نازل ہوئی۔ شب ہجرت جس وقت وہ نبی اکرمؐ کے بستر پر سوئے تھے اور آں حضرتؐ غار کی طرف روانہ ہوگئے تھے۔[۲]

تفسیر مجمع البیان میں امیر المومنین علیہ السّلام سے مروی ہے کہ اس آیت کا مصداق وہ شخص ہے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے جہاد کرے۔[۳]

نوٹ: (شواہد التنزیل میں ۹ روایتیں بیان کی گئی ہیں جن سے یہ وضاحت ہوتی ہے کہ یہ آیت حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔)

ایک تفسیر میں ہے کہ اس سے مراد رسولؐ اللہ کے منتخب اصحاب ہیں جن پر اہل مکّہ نے ستم ڈھائے تاکہ انھیں دین سے برگشتہ کردیں ان میں سے بلالؓ، صہیبؓ، خبابؓ، عمارؓ اور ان کے والدین تھے۔[۴]

وَ اللّٰہُ رَءُوۡفٌۢ بِالۡعِبَادِ-

اور اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔

روایت ہے کہ حضرت علی علیہ السّلام جب بستر پیغمبرؐ پر سوگئے تو جبریل ان کے سرہانے کھڑے ہوئے اور میکائیل ان کے پائنتیں اور جبریل نے ندا دی:

(۱) شواہد التنزیل، ص ۱۲۳-۱۲۴ ج ۱ (۲) تفسیر عیاشی، ص ۱۰۱ ج ۱
(۳) تفسیر مجمع البیان، ص ۳۰۱ ج ۱-۲ (۴) تفسیر امام حسن عسکریؑ، ص ۶۲۱

بَخٍّ بَخٍّ مَنْ مِثْلُكَ يَا عَلِيَّ بْنَ اَبِي طَالِبٍ يُبَاهِي اللّٰهُ الْمَلَائِكَةَ بِكَ۔

اے علی بن ابی طالبؑ مبارک ہو، مبارک ہو آپ جیسا کون ہوسکتا ہے اللہ آپ کے ذریعہ ملائکہ پر مباہات (حسن وکمال میں ایک دوسرے سے مقابلہ) کررہا ہے۔[۱]

تفسیر میں ہے کہ جولوگ رضائے رب کے خواہاں ہیں تو اللہ انھیں ان کی آرزوؤں کے انتہا تک پہنچا دے گا اوراس میں اضافہ کرے گا جہاں تک ان کی تمنّاؤں کی رسائی بھی ممکن نہیں۔

لیکن جن لوگوں نے فسق وفجور اختیار کیا تو اللہ اپنی اطاعت کی دعوت میں ان سے نرمی کا برتاؤ کرے گا اورجس کے بارے میں یہ علم ہوجائے کہ وہ توبہ کرلے گا تو اس سے وہ اپنی عظیم کرامتوں کے سلسلے کو منقطع نہیں کرتا۔[۲]

(۱) مجمع البیان، ص۳۰۱ ج۱۔۲ (۲) تفسیر امام عسکریؑ، ص۶۲۱

يَاۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا ادۡخُلُوۡا فِى السِّلۡمِ كَآفَّةً ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوۡا خُطُوٰتِ
الشَّيۡطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَـكُمۡ عَدُوٌّ مُّبِيۡنٌ ﴿۲۰۸﴾
فَاِنۡ زَلَـلۡتُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡكُمُ الۡبَيِّنٰتُ فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ
حَكِيۡمٌ ﴿۲۰۹﴾
هَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ يَّاۡتِيَهُمُ اللّٰهُ فِىۡ ظُلَلٍ مِّنَ الۡغَمَامِ وَالۡمَلٰۤـئِكَةُ وَ
ع ۲۵ ۱۴ ۹ قُضِىَ الۡاَمۡرُ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ ﴿۲۱۰﴾ ع
سَلۡ بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ كَمۡ اٰتَيۡنٰهُمۡ مِّنۡ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ ؕ وَمَنۡ يُّبَدِّلۡ نِعۡمَةَ
اللّٰهِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾

۲۰۸- اے ایمان والو! تم سب کے سب اسلام میں داخل ہو جاؤ (اور خبردار) شیطان کی ہرگز پیروی نہ کرنا اس لیے کہ وہ تمھارا اعلانیہ دشمن ہے۔

۲۰۹- جو واضح ہدایات تمھارے پاس آچکی ہیں اس کے بعد بھی اگر تم نے لغزش دکھائی تو خوب جان رکھو کہ اللہ سب پر غالب اور صاحب حکمت ہے۔

۲۱۰- کیا وہ لوگ اس بات کے منتظر ہیں کہ اللہ بادلوں کا چتر لگائے ہوئے فرشتوں کو ساتھ لیے ہوئے خود سامنے آموجود ہو اور فیصلہ ہو جائے آخرکار تمام امور تو اللہ ہی کے حضور پیش کیے جائیں گے۔

۲۱۱- نبی اسرائیل سے پوچھو تو سہی! کیسی کیسی واضح نشانیاں ہم نے انھیں دیں اور جو قوم اللہ کی نعمت کو پالینے کے بعد اسے تبدیل کر دے تو اللہ اسے سخت سزا دیتا ہے۔

۲۰۸- يَاۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا ادۡخُلُوۡا فِى السِّلۡمِ كَآفَّةً-

اے ایمان لانے والو! تم مکمل طور سے تسلیم اور اطاعت کے دائرے میں آجاؤ۔

کتاب کافی اور تفسیر عیاشی میں امام باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ اس سے مراد ہماری ولایت ہے۔[۱]

اور امام باقر علیہ السّلام اور امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ مومنین کو ہماری معرفت کا حکم دیا گیا ہے۔[۲]

---

(۱) الکافی، ص ۴۱۷ ج ۱ ح ۲۹ و تفسیر عیاشی، ص ۱۰۲ ج ۱ ح ۲۹۷ (۲) تفسیر عیاشی، ص ۱۰۲ ج ۱ ح ۲۹۵

"کَآفَّۃً" کے معنیٰ ہیں جمیعاً سب کے سب، پورے کے پورے۔

وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ۔

افتراق اور اختلاف کے ذریعہ شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو

امام حسن عسکری علیہ السّلام کی تفسیر میں ہے کہ "سلم" سے مراد ہے کہ تم سب کے سب مجموعی طور پر حلقہ بگوش اسلام ہوجاؤ اسلام کی تمام باتوں کو تسلیم کرلو اور اس پر عمل کرو اور ان لوگوں کی طرح نہ بنو جو کچھ باتوں کو مان کر صرف ان پر عمل کرتے ہیں اور بعض کا انکار کرکے اسے چھوڑ دیتے ہیں اور ان ہی میں سے حضرت علی علیہ السّلام کی ولایت کو تسلیم کرنا بھی ہے۔ اور فرمایا "خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ" سے مراد وہ نشانات قدم ہیں جو تمھیں گمراہی اور ضلالت کے راستوں پر لے جائیں گے اور تمھیں ان گناہوں کے بجالانے کا حکم دیں گے جو تمھاری ہلاکت کا سبب ہیں۔[۱]

اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ۔

شیطان تمھارا اعلانیہ دشمن ہے۔

اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں۔

۲۰۹۔ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَیِّنٰتُ۔

ان واضح اور روشن ہدایات، دلائل اور شواہد کے آجانے کے بعد بھی، جس سے دعوت اسلام کا حق ہونا ثابت ہوجائے، اگر تم نے اسلام کو تسلیم نہ کیا اور تمھارے قدم لڑکھڑا گئے۔

فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ۔

تو اچھی طرح جان لو بے شک اللہ غالب ہے

وہ تم سے انتقام لینے پر قدرت رکھتا ہے۔

حَكِیْمٌ۔

وہ حکیم و دانا ہے۔

وہ ناحق انتقام نہیں لے گا۔

۲۱۰۔ هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیَهُمُ اللّٰهُ۔

کیا وہ لوگ اس بات کے منتظر ہیں کہ ان پر امر الٰہی یا عذاب الٰہی نازل ہو

فِیْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ۔

بادلوں کے سایے میں

(۱) تفسیر امام عسکریؑ، ص ۶۲۶۔۶۲۷

''غمام'' سے مراد سفید بادل ہیں جو رحمت کا پتا دیتے ہیں اور اگر بادلوں کے ذریعہ عذاب لانا مقصود ہوتو وہ عذاب بڑا سخت ہوتا ہے۔

وَالْمَلٰٓئِكَةُ-

اور فرشتے آئیں گے

عیون اور توحید میں امام رضا علیہ السّلام سے مروی ہے کہ ان لوگوں کو یہ انتظار تھا کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے جھرمٹ میں بادلوں کا چتر لگائے ہوئے نمودار ہوگا۔[۱]

وَقُضِيَ الْاَمْرُ-

اور اگر ایسا ہوا

یعنی فرشتے آئے تو ان لوگوں کی ہلاکت کا حکم آجائے گا۔

وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ-

آخرکار تمام امور تو اللہ ہی کے حضور میں فیصلے کے لیے پیش ہوں گے۔

امام حسن عسکری علیہ السّلام کی تفسیر میں ہے کہ نشانیوں کے واضح کردینے اور معجزات کے ذریعہ ان کے عذر کو قطع کردینے کے بعد بھی یہ جھٹلانے والے کیا اس بات کے منتظر ہیں کہ اللہ تعالیٰ بادلوں کے سایے میں ان کے پاس آئے گا۔ اور فرشتے بھی آئیں گے۔ اے نبی جس طرح اس سے پہلے بھی یہ آپ سے اللہ تعالیٰ کے دنیا میں آنے کا ایک ایسا مطالبہ کرچکے ہیں جو محال ہے جب کہ اللہ کے لیے آنا جائز نہیں اور اسی طرح فرشتوں کے آنے کے متعلق بھی غلط تجویزیں دے چکے ہیں۔ جو نہیں آئیں گے مگر اس نظام بندگی کے زوال کے وقت، اس لیے کہ وہ فرشتے قوموں کو ہلاک کرنے کے لیے آتے ہیں تو فرشتوں کے آنے کے مطالبے کے معاملے میں وہ بے خبر ہیں۔ (وہ نہیں جانتے کہ کیسا غلط مطالبہ کررہے ہیں)۔

کیا وہ لوگ فرشتوں کی آمد کے منتظر ہیں کہ جب وہ فرشتے آئیں گے تو ان لوگوں کی ہلاکت کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور یہ لوگ ہلاک ہوجائیں گے۔[۲]

۲۱۱–سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ-

اے پیغمبر آپ بنی اسرائیل سے دریافت کیجیے کہ ہم نے انبیاء کے ذریعہ ان کے لیے کتنے واضح اور ظاہر معجزات بھیجے ہیں۔ اور توریت میں آیتیں نازل کی ہیں جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے لیے گواہی دے رہی ہیں کہ آنحضرتؐ کی نبوّت صحیح اور درست ہے۔

(۱) عیون اخبار الرضا، ص۱۲۶ ج ا و التوحید، ص ۱۶۳ (۲) تفسیر امام عسکریؑ، ص۶۲۹۔۶۳۰

وَمَنۡ يُّبَدِّلۡ نِعۡمَةَ اللّٰهِ–

جواللہ کی نشانیوں کوتبدیل کردے

یعنی جو ہدایت اور نجات کا سبب ہیں اور اللہ کی بڑی نعمتوں میں سے ہیں ان نشانیوں کوتبدیل کرکے انھیں گمراہی اور رجس میں زیادتی کا باعث بنالے۔

مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡهُ–

ان نشانیوں کو جان لینے اور پہچان لینے کے بعد

یا پہچاننے کی قدرت رکھنے کے بعد۔

فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ–

تو اللہ تعالیٰ انھیں شدید عذاب میں مبتلا کردے گا۔

اس لیے کہ انھوں نے شدید جرم کا ارتکاب کیا ہے۔

زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَ يَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَ اللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾

۲۱۲- جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی، ان کے لیے دنیا کی زندگی بڑی دل فریب اور پسندیدہ بنا دی گئی ہے۔ ایسے لوگ ایمان لانے والوں کا مذاق اڑاتے ہیں، مگر قیامت کے دن پرہیزگار لوگ ہی ان کے مقابلے میں عالی مرتبت ہوں گے، (رہا دنیا کا رزق) تو اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق عطا کرتا ہے۔

۲۱۲- زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا-

راہ کفر اختیار کرنے والوں کے لیے دنیاوی زندگی کو بہت دل فریب اور نہایت دل رُبا بنا دیا گیا ہے۔

وہ ان کی آنکھوں میں حسین نظر آتی ہے، اور ان کے دلوں میں اس کی محبت کو گھول کر پلا دیا گیا ہے۔

یہاں تک کہ اسی دنیا کے چکّر میں وہ ہلاک ہو گئے۔

وَ يَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا -

وہ کفار ان مومنین فقراء کا مذاق اڑاتے ہیں

جن کے پاس مال دنیا میں سے کچھ نہیں۔

وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ-

اور ان مومنین میں سے جو متقین ہیں قیامت کے دن رفیع المنزلت اور عظیم الشان ہوں گے

کیوں کہ وہ ''علیّین'' میں سے اور صاحبِ عزّت وشرف ہوں گے اور وہ کفار ''سجّین'' میں اور ذلت وندامت میں پڑے ہوں گے۔

وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ-

اور اللہ تعالیٰ دونوں جہاں میں جسے چاہے بے حساب رزق دیتا ہے۔

کبھی تو بتدریج دنیا میں رزق کو وسیع کرتا چلا جاتا ہے اور کبھی اس بارے میں مومنین کا امتحان لیتا ہے۔

اور وہ جنّت میں اتنا عطا کرے گا جس کا احاطہ ممکن نہیں۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۗ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ
مُنْذِرِيْنَ ۖ وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا
اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا
جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا
فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ
مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۱۳﴾

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ
قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَ زُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾

۲۱۳۔ ابتدا میں سب لوگ ایک طریقہ پر تھے (پھر یہ حالت باقی نہ رہی اور اختلافات رونما ہوئے) تب اللہ نے انبیاء بھیجے جو خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے تھے اور ان کے ساتھ کتاب برحق نازل کی تاکہ حق کے بارے میں لوگوں کے درمیان جو اختلافات رونما ہوگئے ہیں ان کا فیصلہ کردے اختلافات ان لوگوں نے کیے جنھیں حق کا علم دیا جاچکا تھا، انھوں نے روشن ہدایات پالینے کے بعد محض آپس میں زیادتی کی خاطر مختلف روشیں اپنالیں۔ پس جو لوگ انبیاء پر ایمان لائے، انھیں اللہ نے اپنے اذن سے وہ حق کا راستہ دکھا دیا، جس میں لوگوں نے اختلاف کیا تھا۔ اور اللہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ دکھا دیتا ہے۔

۲۱۴۔ کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یوں ہی تمھیں جنت میں داخلہ مل جائے گا حالاں کہ ابھی تم پر وہ سب کچھ نہیں گزرا ہے جو تم سے پہلے ایمان لانے والوں پر گزر چکا ہے؟ انھوں نے سختیاں جھیلیں، مصیبتیں برداشت کیں اور انھیں خوب جھنجھوڑا گیا (زلزلے کی کیفیت سے دوچار ہونا پڑا) یہاں تک کہ زمانے کا رسول اور مومنین پکار اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی (تو بتایا گیا کہ) بے شک اللہ کی مدد قریب ہی ہے۔

۲۱۳- كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً۔

ابتدا میں سب لوگ ایک طریقے پر تھے۔

تفسیر عیاشی میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ یہ حضرت نوح علیہ السّلام کی بعثت سے پہلے کی بات ہے کہ تمام لوگ ایک طریقہ پر اپنی زندگی گزار رہے تھے۔ سوال کیا گیا کیا وہ لوگ ہدایت یافتہ تھے یا گمراہ تھے تو امامؑ نے فرمایا کہ وہ گم گشتہ راہ تھے نہ مومن تھے اور نہ کافر و مشرک۔[1]

امام صادق علیہ السّلام سے دوسری روایت میں وارد ہوا ہے کہ یہ اس وقت کا ذکر ہے جب آدمؑ اور ان کی نیکوکار ذریت کا خاتمہ ہوگیا اور صرف ان کے وصی شیث علیہ السّلام باقی رہ گئے لیکن ان میں اتنی قدرت نہ تھی کہ اس دین کو ظاہر کرتے جس پر آدمؑ اور ان کی صالح ذریت عمل کر رہی تھی، اس کا سبب یہ تھا قابیل نے انھیں قتل کی دھمکی دی تھی جس طرح اس نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر دیا تھا تو حضرت شیثؑ اپنا دین چھپا کر تقیہ کے عالم میں زندگی گزار رہے تھے اس طرح وہ لوگ دن بدن گمراہ ہوتے چلے گئے اور حضرت آدمؑ کے وصی شیثؑ سمندر کے ایک جزیرے میں عبادت الٰہی میں مصروف ہوگئے اس وقت اللہ تعالیٰ نے مناسب جانا کہ انبیاء کو مبعوث کرے ورنہ اگر ان جاہلوں سے دریافت کریں تو وہ کہیں گے کہ اللہ کا کام ختم ہوگیا ہے۔ امامؑ فرماتے ہیں انھوں نے جھوٹ کہا یہ ان امور میں سے ہے اللہ تعالیٰ جن کے بارے میں ہر سال فیصلہ فرماتا ہے پھر آپ نے اس آیت: فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۝ (۴، دخان ۴۴) کی تلاوت فرمائی کہ اس شب میں اللہ تعالیٰ سال بھر کے تمام احکام کا فیصلہ کر دیتا ہے خواہ ان کا تعلق خوش حالی سے ہو، تنگ دستی یا بارش وغیرہ برسانے سے ہو۔

امام علیہ السّلام سے دریافت کیا گیا کہ انبیاء کی تشریف آوری سے قبل کیا وہ لوگ گمراہی میں پڑے ہوئے تھے یا ہدایت یافتہ تھے؟ تو امام علیہ السّلام نے جواب دیا وہ ہدایت یافتہ نہ تھے بلکہ اللہ کی بنائی ہوئی فطرت پر چل رہے تھے جس فطرت پر اللہ نے انسانوں کو خلق فرمایا ہے اللہ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ اور وہ لوگ اللہ کی رہنمائی کے بغیر ہدایت پانے والے نہیں تھے کیا تم نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا قول نہیں سنا جو فرما رہے تھے: لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ۝ (۷۷، انعام ۶)

''اگر میرے رب نے میری رہنمائی نہیں کی تو میں گمراہ لوگوں میں سے ہو جاؤں گا'' یعنی ان لوگوں میں سے جنھوں نے (میثاق رب) یعنی اللہ سے کیے ہوئے عہد کو بھلا دیا تھا۔[2]

کتاب کافی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السّلام کی تشریف آوری سے قبل لوگ گمراہی میں پڑے ہوئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت اور رہنمائی کی خاطر

(۱) تفسیر عیاشی، ص ۱۰۴ ج ۱ ح ۳۰۶ (۲) تفسیر عیاشی، ص ۱۰۴-۱۰۵ ج ۱ ح ۳۰۹

رسولوں اور انبیاء کو بھیجا۔ ایسا نہیں ہے جیسا کہ ان لوگوں نے کہا کہ اللہ کا کام ختم ہو گیا ان کی باتیں سراسر کذب وافترا پر مبنی ہیں شب قدر میں تمام امور کا فیصلہ ہو جاتا ہے خواہ ان کا تعلق تنگی سے ہو یا فراخی یا بارش سے اللہ تعالیٰ ایک مقررہ اندازے کے اعتبار سے بقدر ضرورت ہر چیز عطا فرماتا ہے۔[۱]

تفسیر مجمع البیان میں امام باقر علیہ السّلام سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ حضرت نوحؑ سے پہلے لوگ ایک طریقے پر چل رہے تھے اور فطرت خداوندی کے مطابق عمل کر رہے تھے نہ تو ہدایت یافتہ تھے اور نہ ہی گمراہ تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو مبعوث فرمایا۔[۲]

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ اس حدیث میں جس ''ضلالت'' کی نفی کی گئی ہے وہ شرک یا کفر اختیار کرنا ہے اور سابقہ حدیث میں جس ضلالت کو ان کے لیے ثابت کیا گیا ہے وہ دین سے خالی اور عاری ہونا ہے اور ان دونوں میں کوئی منافات نہیں ہے۔

تفسیر قمی میں ہے کہ تمام لوگ حضرت نوح علیہ السّلام سے پہلے ایک مذہب پر عمل پیرا تھے انھوں نے باہمی اختلافات کیے تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو مبعوث کیا۔[۳]

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ انبیاء کی بعثت سے قبل اختلافات کے بارے میں کوئی ثبوت نہیں ہے اور آیت میں اختلاف سے مراد بعثت انبیاء کے بعد دین میں اختلاف ہے۔ سابقہ روایات سے تو بظاہر یہی پتا چلتا ہے کہ بعثت انبیاء سے قبل کوئی اختلاف نہ تھا۔

اور کہا گیا ہے کہ بعثت انبیاء کے بعد رسولوں کے بارے میں اختلاف رونما ہوا۔[۴]

فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ -

تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو مبعوث کیا جو خوش خبری سنانے اور ڈرانے کے لیے آئے تھے

تاکہ ان لوگوں پر حجّت قائم ہو جائے۔ کتاب کافی میں امام صادق علیہ السّلام سے یہی تفسیر منقول ہے۔[۵]

وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ -

اور ان کے ساتھ کتاب برحق نازل کی تاکہ حق کے بارے میں لوگوں میں جو اختلافات رونما ہو گئے ہیں وہ ان کا فیصلہ کریں (یہ اختلافات پہلے نہ تھے) بلکہ ان لوگوں نے اختلافات پیدا کیے جنھیں حق کا علم دیا جا چکا تھا۔

یعنی جس کتاب کو اختلافات ختم کرنے کے لیے نازل کیا گیا تھا انھوں نے اسی کتاب کو شدید

---

(۱) الکافی، ص۸۲ ج۸ ح۴۰ (۲) مجمع البیان، ص۳۰۷ ج۱۔۲
(۳) تفسیر قمی، ص۷۱ ج۱ (۴) تفسیر انوار التنزیل ج۱ ص۱۱۳ (۵) الکافی ص۳۷۹ ج۸ ح۵۷۳

اختلافات کا سبب بنالیا۔

مِنۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡهُمُ الۡبَيِّنٰتُ بَغۡيًۢا بَيۡنَهُمۡ۔

انھوں نے روشن ہدایت پالینے کے بعد ازروئے حسد اور ظلم محض دنیا کی لالچ کی خاطر آپس میں اختلافات پیدا کرلیے۔

فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لِمَا اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ مِنَ الۡحَـقِّ بِاِذۡنِهٖ۔

پس جولوگ انبیاء پر ایمان لے آئے انھیں اللہ نے اپنے اذن سے اس حق کا راستہ دکھا دیا جس میں لوگوں نے اختلاف کیا تھا۔

وَاللّٰهُ يَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ۔

اور اللہ جسے چاہتا ہے صراط مستقیم کی ہدایت دے دیتا ہے۔

۲۱۴- اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَـنَّةَ۔

کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یوں ہی جنت میں چلے جاؤ گے؟

یہ جملہ صرف سوچنے والوں کے لیے مایوس کن اور آں حضرتؐ اور مومنین کے لیے ہمّت افزا ہے کہ جن لوگوں نے ان سے اختلاف کیا اور سختی پر اتر آئے ان کے مقابل میں یہ لوگ ثابت قدم رہے اور صبر کا دامن اپنے ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ ۱؎

وَلَمَّا يَاۡتِكُمۡ مَّثَلُ الَّذِيۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِكُمۡ‌ؕ مَسَّتۡهُمُ الۡبَاۡسَآءُ وَالضَّرَّآءُ۔

حالاں کہ ابھی تم پر وہ سب کچھ نہیں گزرا ہے جو تم سے پہلے ایمان لانے والوں پر گزر چکا ہے یعنی انھوں نے سختیاں جھیلیں اور مصیبتیں برداشت کیں نیز انھیں قتل کیا گیا اور ان لوگوں کو اپنے اہل وعیال سے دور ہونا پڑا اور اپنا مال بھی چھوڑنا پڑا۔

وَزُلۡزِلُوۡا۔

اور ان پر جو مصیبتیں آئیں اُن کی وجہ سے اِن کا پورا وجود ہل کر رہ گیا وہ ذہنی اور اعصابی دباؤ کا شکار رہے۔

کتاب کافی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے آپ نے فرمایا ان کو باربار جھنجھوڑا گیا اور آزمائش سے گزارا گیا۔ ۲؎

حَتّٰى يَقُوۡلَ الرَّسُوۡلُ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ۔

یہاں تک کہ شِدّت کی انتہا اور مُدّت کی طوالت کے سبب ان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا اور رسولِ

---

(۱) الکشاف ص۲۵۶ ج ۱ و انوار التنزیل ص ۱۱۳ ج ۱ (۲) الکافی ص ۲۹۰ ج ۸ ح ۴۳۹

وقت اور مومنین یہ کہنے لگے:

مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ۔

کہ آخر اللہ کی نصرت کب آئے گی

انھوں نے طلب نصرت میں جلدی کی اس لیے ان کی ہمّت افزائی کے طور پر ان سے کہا گیا:

اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ۔

گھبراؤ نہیں اللہ کی نصرت، مدد اور کمک تمھارے بہت نزدیک ہے۔ [1]

کہا گیا ہے کہ اس آیت میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تک رسائی اور عظمت و بزرگی کا حصول اس وقت تک ممکن نہیں، جب تک انسان خواہشاتِ نفسانی اور لذّاتِ شہوانی کو ترک نہیں کرتا اور سختیاں اور زحمتیں برداشت نہیں کرتا جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا ہے:

حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ وَحُفَّتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ۔

جنّت کو مصیبتوں کے ساتھ گھیر دیا گیا ہے اور جہنم کو خواہشات کے ساتھ۔ [2]

کتاب خرائج میں امام سجّاد علیہ السّلام سے روایت ہے، ذرا آنکھیں اٹھا کر دیکھو کیا تم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ تم جس مقام پر اب ہو تم سے پہلے کے لوگ اس مقام تک پہنچنے کے لیے کتنی تکلیفیں اٹھاتے رہے، انھیں گرفتار کیا جاتا تھا، ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے جاتے تھے، انھیں سولی پر لٹکا دیا جاتا تھا اس کے بعد امام علیہ السّلام نے اس آیت: وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۭ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاۗءُ وَالضَّرَّاۗءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾ کی تلاوت فرمائی۔ [3]

---

(۱) انوار التنزیل بیضاوی، ص ۱۱۳ ج ۱ (۲) الجامع الصغیر، ص ۵۷۶ ج ۱ ح ۳۲-۳۷۔ روضۃ الواعظین، ص ۳۲۶ و ریاض السالکین، ص ۳۵۱ ج ۲ و تفسیر بیضاوی انوار التنزیل، ص ۱۱۴ ج ۱

(۳) الخرائج والجرائح ج ۳ ص ۱۱۵۶-۱۱۵۵ ح ۶۱ کے ذیل میں

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ؕ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ
وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ
خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۵﴾
كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَ هُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّ هُوَ
خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّ هُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ
لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱۶﴾ ع ۲۶ ۱۰

۲۱۵ـ اے نبی لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں؟ تو آپ جواب دیجیے کہ جو مال بھی تم خرچ کرو وہ اپنے والدین، رشتے داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کرو اور تم جو بھلائی بھی کرو گے اللہ اس سے باخبر ہوگا۔

۲۱۶ـ تم پر جہاد کو فرض کیا گیا ہے جو تمھیں ناگوار ہے، ہوسکتا ہے کہ جس چیز کو تم ناگوار سمجھ رہے ہو اسی میں تمھارے لیے بھلائی ہو۔ اور ہوسکتا ہے کہ جو چیز تمھیں پسند ہو وہ تمھارے لیے بُری ہو۔ اللہ ہر چیز کو جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

۲۱۵ـ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ؕ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ

اے نبی یہ لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں۔ آپ فرما دیجیے کہ تم جو مال بھی خرچ کرو وہ والدین، قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہونا چاہیے۔

سوال یہ پوچھا گیا تھا کہ کیا خرچ کریں تو انھیں جواب دیا گیا کہ کہاں پر خرچ کیا جائے کیوں کہ مصرف اہمیت رکھتا ہے۔ اس لیے کہ یہ اہم نہیں ہے کہ کیا خرچ کیا جارہا ہے اہم یہ ہے کہ کہاں خرچ کیا جارہا ہے۔

اور کہا گیا ہے کہ سوال میں کیا کے ساتھ کہاں بھی شامل تھا یعنی ''مصرف کیا ہوگا'' اگرچہ آیت میں اس کا ذکر نہیں کیا گیا جیسا کہ روایت میں آیا ہے کہ عمرو بن جموح انصاری صاحب ہمت اور مال دار شخص تھا تو اس نے سوال کیا یا رسولؐ اللہ ہم اپنے مال میں سے کیا خرچ کریں اور کہاں خرچ کریں تو یہ آیت نازل ہوئی۔ [1]

(۱) مجمع البیان، ص ۳۰۹ ج ۱۔ ۲ وانوار التنزیل، ص ۱۱۴ ج ۱

وَمَا تَفۡعَلُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيۡمٌ -

اور تم جو بھی بھلائی کرو گے اللہ اس سے باخبر ہے وہ اس کی حقیقت کو جانتا ہے اور اس عمل کا ثواب دے گا۔

۲۱۶- كُتِبَ عَلَيۡكُمُ الۡقِتَالُ وَهُوَ كُرۡهٌ لَّكُمۡ -

تم پر جہاد کو فرض کیا گیا ہے جب کہ وہ تمھیں دشوار اور ناپسندیدہ نظر آتا ہے۔

وَعَسٰٓى اَنۡ تَكۡرَهُوۡا شَيۡـًٔـا وَّهُوَ خَيۡرٌ لَّكُمۡ -

اور ہوسکتا ہے ابتدا میں کوئی چیز تمھیں ناگوار محسوس ہو رہی ہو لیکن اس کا انجام اور مستقبل بہتر ہو

ہمیں اکثر ایسی چیزوں سے واسطہ پڑتا ہے کہ انسان کا دل اسے نہیں مانتا اور اسی پر کامیابی اور بھلائی کا دارومدار ہوتا ہے۔

وَعَسٰٓى اَنۡ تُحِبُّوۡا شَيۡـًٔـا -

اور ہوسکتا ہے کہ شروع میں کوئی چیز تمھیں بہتر نظر آرہی ہو

وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمۡ -

اور انجام کار مستقبل میں وہ تمھارے لیے بہتر نہ ہو

اکثر یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ جس چیز سے انسان کو روکا جارہا ہے دل اسی کی جانب کھنچا چلا جارہا ہے اور وہ اسے کرنا چاہ رہا ہے حالاں کہ وہ جانتا ہے کہ یہ عمل اسے ہلاکت کی جانب لے جائے گا۔ لفظ ''عَسیٰ'' اس لیے لایا گیا کہ نفس جب کسی چیز کا عادی بن جاتا ہے تو امر اسی کی جانب لوٹ جاتا ہے۔

وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ -

اللہ جانتا ہے کہ تمھاری بھلائی کس چیز میں ہے اور تم اس بات سے بالکل بے خبر ہو۔

يَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الشَّهۡرِ الۡحَـرَامِ قِتَالٍ فِيۡهِ‌ؕ قُلۡ قِتَالٌ فِيۡهِ كَبِيۡرٌ‌ؕ وَ صَدٌّ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَكُفۡرٌ ۢ بِهٖ وَالۡمَسۡجِدِ الۡحَـرَامِ وَاِخۡرَاجُ اَهۡلِهٖ مِنۡهُ اَكۡبَرُ عِنۡدَ اللّٰهِ‌ۚ وَالۡفِتۡنَةُ اَكۡبَرُ مِنَ الۡقَتۡلِ‌ؕ وَلَا يَزَالُوۡنَ يُقَاتِلُوۡنَكُمۡ حَتّٰى يَرُدُّوۡكُمۡ عَنۡ دِيۡنِكُمۡ اِنِ اسۡتَطَاعُوۡا‌ؕ وَمَنۡ يَّرۡتَدِدۡ مِنۡكُمۡ عَنۡ دِيۡنِهٖ فَيَمُتۡ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓـئِكَ حَبِطَتۡ اَعۡمَالُهُمۡ فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ‌ ۚ وَاُولٰٓـئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ‌ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۲۱۷﴾

۲۱۷-لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ ماہِ حرام میں لڑنا کیسا ہے؟ تو آپ فرما دیجیے کہ ان مہینوں میں لڑنا بہت برا ہے۔ مگر راہ خدا سے لوگوں کو روکنا اور اللہ سے کفر کرنا اور مسجد حرام کا راستہ خدا پرستوں پر بند کرنا اور حرم کے رہنے والوں کو وہاں سے نکال دینا اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ برا ہے۔ اور فتنہ قتل سے شدید تر ہے۔ اگر ان کا بس چلے تو جب تک وہ تمھیں دین سے برگشتہ نہ کر دیں لڑائی کے سلسلے کو جاری رکھیں گے۔ (اور خوب سمجھ لو کہ) تم میں سے جو کوئی اس دین سے پھرے گا اور کفر کی حالت میں مرجائے گا اس کے اعمال دنیا و آخرت میں ضائع ہو جائیں گے۔ ایسے سب لوگ جہنمی ہیں اور وہ ہمیشہ جہنم ہی میں رہیں گے۔

۲۱۷-يَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الشَّهۡرِ الۡحَـرَامِ قِتَالٍ فِيۡهِ-

اے نبیؐ یہ لوگ آپ سے شہر حرام (محترم مہینے جن میں لڑائی کرنا منع ہے) کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ ماہ حرام میں جنگ کرنا کیسا ہے؟

بیان کیا جاتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے غزوہ بدر سے دو ماہ پیشتر جمادی الاُخریٰ کے مہینہ میں عبداللہ بن جحش کی قیادت میں ایک سَریّہ (وہ لشکر جس میں پیغمبر اکرم تشریف نہ لے جائیں) روانہ کیا تھا تاکہ وہ قریش کے اُس قافلے کی نقل و حرکت پر نظر رکھے جس قافلہ میں عمرو بن عبداللہ حضرمی اور دیگر تین افراد تھے۔ ان لوگوں نے عمرو بن عبداللہ حضرمی کو قتل کر ڈالا اور ان میں سے دو کو قیدی بنالیا اور اونٹوں کے کارواں کو ہنکا کر لے آئے جس میں طائف کا تجارتی سامان تھا۔ یہ واقعہ رجب المرجب کا ہے اور وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ جمادی الاُخریٰ کا مہینہ ہے تو قریش کو جب پتا چلا تو انھوں نے کہا کہ محمدؐ نے تو شہر حرام کو حلال

قرار دے دیا ہے یہ وہ مہینہ ہے جس میں خوف زدہ افراد کو امن ملتا ہے اس کے برعکس اس مہینہ میں لوگوں کو روزگار کے سلسلے میں خوف زدہ کیا گیا۔ یہ بات سریہ والوں پر بہت گراں گزری انھوں نے کہا ہم اس جگہ سے روانہ نہ ہوں گے جب تک ہماری توبہ کی قبولیت کے بارے میں آیت نہ آجائے آں حضرتؐ نے کارواں والوں کو ان کا مال اور ان کے قیدی واپس کردیے۔ تو اس وقت اس آیت کا نزول ہوا: يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ الخ [1]

تفسیر قمی کا مضمون اس سے ملتا جلتا ہے البتہ آخر میں کچھ اور اضافہ ہے کہ قریش نے نبی اکرمؐ کو خط لکھا کہ آپ نے شہر حرام کو حلال کردیا ہے، اس میں خوں ریزی کی اور مال پر قبضہ کرلیا اور بڑی بڑی باتیں بنائیں۔ تو صحابہ نے دریافت کیا رسولؐ اللہ کیا شہر حرام میں قتل کرنے کی اجازت ہے؟ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ –

اے نبی آپ ان لوگوں سے فرمادیجیے کہ شہر حرام میں لڑائی کرنا بہت سخت بات ہے۔ [2]

اس کے بعد آں حضرتؐ پر وحی نازل ہوئی اور آپ نے فرمایا: قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ

وَ صَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ كُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَ اِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ –

یعنی کفار کا اسلام کے راستے کو روکنا اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا انکار کرنا اور مسجد الحرام میں داخل ہونے سے روک دینا اور مسجد الحرام کے نگراں لوگوں یعنی رسول اکرمؐ اور مومنین کو وہاں سے نکال دینا اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ بڑا جرم ہے۔

وَ الْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ –

اور فتنہ قتل سے شدید تر ہے

یعنی باشندگان حرم کو حرم سے نکالنا اور شرک اختیار کرنا قتل سے کہیں زیادہ بڑا گناہ ہے۔

وَ لَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ –

یہ تم سے جنگ کو جاری رکھیں گے تاکہ تمھیں دین سے برگشتہ کردیں

کفار کی دائمی عداوت سے آگاہ کیا جارہا ہے کہ وہ اس وقت تک مسلمانوں کا پیچھا نہ چھوڑیں گے جب تک انھیں دین سے پھیر نہ دیں۔

اِنِ اسْتَطَاعُوْا –

اگر ان کا بس چلے

یعنی یہ لوگ ایسا نہ کرسکیں گے یعنی مسلمانوں کو دین سے برگشتہ نہ کرسکیں گے۔

(۱) مجمع البیان، ص ۳۱۲ ج ۱-۲ (۲) تفسیر قمی، ص ۷۱-۷۲ ج ۱

وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ -

اور یا درکھوتم میں سے اگر کوئی بھی دین سے مرتد ہوجائے گا اور حالت کفر میں اس کی موت واقع ہوگی۔ تو اسلامی منفعت نہ پانے کی وجہ سے دنیا میں ان کے سارے اعمال ضبط اور حبط ہوجائیں گے اور آخرت میں وہ ثواب سے بھی محروم رہے گا۔

وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ -

دوسرے کفار کی طرح یہ لوگ بھی جہنمی ہیں اور اس جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہیں گے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۱۸﴾

يَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۫ وَ اِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ وَيَسْــَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ؕ قُلِ الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱۹﴾ۙ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ؕ وَيَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ؕ وَ اِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۰﴾

۲۱۸- جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے خدا کی راہ میں ہجرت کی اور جہاد کیا وہ رحمت خداوندی کے جائز امیدوار ہیں۔ اور اللہ ان کی لغزشوں کو معاف کرنے والا اور انھیں اپنی رحمت سے نوازنے والا ہے۔

۲۱۹- اے نبی یہ پوچھتے ہیں شراب اور جوئے کا کیا حکم ہے؟ آپ فرما دیجیے ان دونوں چیزوں میں بڑا گناہ ہے، اگرچہ اس میں لوگوں کے لیے منافع بھی ہیں۔ مگر ان دونوں چیزوں کا گناہ ان کے فائدے سے بہت زیادہ ہے۔ اور پوچھتے ہیں ہم راہ خدا میں کیا خرچ کریں تو آپ فرما دیجیے جو تمھاری ضروریات سے زیادہ ہو، اس طرح اللہ تعالیٰ تمھارے لیے اپنے احکام کو صاف صاف بیان کر دیتا ہے تا کہ تم دنیا و آخرت کے بارے میں فکر سے کام لو۔

۲۲۰- یہ لوگ آپ سے یتیموں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں کہ ان سے کیا معاملہ کیا جائے تو آپ فرما دیجیے۔ جس طرز عمل میں ان کے لیے بھلائی ہو وہی اختیار کرنا بہتر ہے اگر تمھارا اور ان کا خرچ مشترک ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں آخر وہ تمھارے بھائی بند ہیں برائی کرنے والے اور بھلائی کرنے والے دونوں کا حال اللہ پر روشن ہے، اللہ چاہتا تو اس معاملے میں تم پر سختی کرتا، مگر وہ صاحب اختیار ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب حکمت بھی ہے۔

۲۱۸- اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ... رَحْمَتَ اللّٰهِ-

جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے خدا کی راہ میں ہجرت کی اور جہاد کیا وہ رحمت خداوندی کے جائز امیدوار ہیں۔

کہا گیا ہے کہ یہ آیت ابن جحش اور ان کے ساتھیوں اور ماہ رجب میں حضرمی کے قتل کیے جانے کے سلسلے میں نازل ہوئی جس وقت ایک گروہ یہ سمجھ رہا تھا کہ اگر وہ گناہ سے بچ بھی گئے تو انھیں کوئی اجر ملنے والا نہیں ہے۔ ۱

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ-

اور اللہ لغزشوں کو معاف کرنے والا ہے

اس لیے کہ حضرمی کا قتل سہواً اور بے احتیاطی کی وجہ سے ہوا۔

رَّحِيْمٌ-

اللہ انھیں اجر و ثواب دے کر اپنی رحمت سے نوازنے والا ہے۔

۲۱۹- يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ-

اے نبی یہ لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں سوال کرتے ہیں؟ تو آپ فرما دیجیے کہ شراب پینے اور جوا کھیلنے میں بہت بڑا گناہ ہے۔

اور خرابی ہے اس لیے کہ یہ دونوں ہر برائی کی کنجیاں ہیں۔

وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ-

بظاہر فائدہ یہ ہے کہ شراب پینے سے وجد و سرور ملتا ہے اور جوئے سے مال حاصل ہوتا ہے۔

وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا-

لیکن اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو ان دونوں کا گناہ اور نقصان ان کے فائدے سے کہیں زیادہ ہے۔ اس لیے کہ ان دونوں سے جو مفاسد وجود میں آتے ہیں وہ بڑے نقصان کا پیش خیمہ ہوتے ہیں۔

کتاب کافی میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے آپ نے فرمایا:

اِنَّ الْخَمْرَ رَأْسُ كُلِّ اِثْمٍ وَمِفْتَاحُ كُلِّ شَرٍّ-

یقیناً شراب ہر گناہ کی اصل اور ہر برائی کی کنجی ہے۔ ۲

اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے برائی کے لیے تالے بنائے ہیں اور ان کی کنجی شراب ہے۔ ۳

---

(۱) تفسیر جوامع الجامع، ص۱۱۹ ج ا و انوار التنزیل، ص۱۱۴ ج ۱

(۳،۲) الکافی، ص۴۰۲-۴۰۳ ج۶ ح ۲ / ۳ / ۹ / ۵

اور فرمایا کہ شراب پینے سے بڑھ کر اللہ کی کوئی اور نافرمانی نہیں ہے۔ اسے پی کر انسان فرض نماز کو ترک کرتا ہے اور بسا اوقات اپنی ماں، بہن اور بیٹی پر حملہ کر دیتا ہے اور اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ ۱

اور امامؑ نے فرمایا کہ یہ شخص بے نمازی سے بھی زیادہ برائی کا ارتکاب کرتا ہے اس لیے کہ اس کی یہ کیفیت ہو جاتی ہے کہ شراب پی کر اپنے رب کو بھول جاتا ہے۔ ۲

وَقَالَ علیہ السّلام یَغْفِرُ اللّٰہُ فِی شَھْرِ رَمَضَانَ اِلَّا لِثَلٰثَۃٍ صَاحِبُ مُسْکِرٍ اَوْصَاحِبُ شَاھِیْنٍ اَوْ مَشَاحِنٍ۔

اور امامؑ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ماہ رمضان میں ہر ایک کو بخش دے گا سوائے تین طرح کے افراد کے، شرابی، جواری اور بدعتی۔ ۳

اور ''میسر'' اسے کہتے ہیں جس پر بازی لگائی جائے یعنی جوا۔ ۴

عربی زبان میں بدعتی کے لیے لفظ مشاحن آیا ہے یعنی وہ شخص جو جماعت کو منتشر کر دے اور افتراق کا بیج بوئے۔ ۵

امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جب بھی کسی نبی کو مبعوث فرمایا تو یہ علم قدرت میں تھا کہ جب اس کے لیے دین کے تمام امور کی تکمیل ہوگی تو اس میں حرمت خمر کا حکم بھی ہوگا اور خمر ہمیشہ سے حرام رہی ہے۔ لوگوں کو بتدریج ایک عادت سے دوسری عادت کی طرف منتقل کیا جاتا ہے اور اگر سب چیزیں ایک ہی وقت میں ان پر لاد دی جاتیں تو پھر دین باقی نہ بچتا۔ ۶

اور امامؑ نے فرمایا کہ اللہ سے زیادہ مہربان کوئی اور نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ وہ بتدریج احکام نازل فرماتا ہے اگر تمام احکام یکبارگی نازل ہو جاتے تو یہ لوگ ہلاکت میں پڑ جاتے۔ ۷

اور ائمہ علیہم السّلام سے مروی ہے کہ سب سے پہلے خمر کی تحریم کے سلسلے میں آیت: یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِ...الخ کا نزول ہوا ہے۔

جب یہ آیہ مبارکہ نازل ہوئی تو پھر قوم کو اس کی حرمت کا احساس ہوا۔ اور انھوں نے جان لیا کہ یہ وہ گناہ ہے جس سے اجتناب لازم ہے۔ اللہ نے اس وقت تمام راستے مسدود نہیں کیے اور فرمایا:

وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ۔

اس میں انسانوں کے لیے سامانِ منفعت ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت نازل فرمائی:

(۱،۲) الکافی ص ۴۰۲۔۴۰۳ ج ۶ ح ۷/۱ (۳) الکافی ص ۴۳۶۔۴۳۷ ج ۶ ح ۱۰

(۴) الکافی ص ۴۳۵ ج ۶ ح ۱ (۵) نہایہ ابن اثیر ص ۴۴۹ ج ۲ میں ہے کہ اوزاعی نے یہ تفسیر بیان کی ہے۔

(۶،۷) الکافی ص ۳۹۵ ج ۶ ح ۳/ اور اسی میں امام محمد باقر علیہ السّلام سے بھی مروی ہے۔

اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۹۰

(۹۰، مائدہ ۵)

بلاشبہ شراب، جوا، بت اور پانسے یہ سب رِجس (گندگی) ہیں جو شیطانی کام ہیں تم ان سے بچتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

انصاب: وہ پتھر جو کعبہ کے اردگرد کھڑے کیے گئے تھے اور وہاں غیر اللہ کے نام پر جانوروں کو ذبح کیا جاتا تھا۔

ازلام: وہ تیر جس سے فال نکالا جاتا ہے۔

تو یہ آیت پہلے سے زیادہ سخت اور حرمت کے بارے میں نہایت شدید تھی اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے تیسری آیت بھی نازل فرمائی تو وہ آیت پہلی دو آیتوں کی بہ نسبت اور زیادہ سخت اور شدید تھی فرمایا:

اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ وَ يَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝۹۱ (مائدہ ۵، آیت ۹۱)

"شیطان تو بس یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے بارے میں تمھارے درمیان بغض اور عداوت پیدا کردے اور تمھیں ذکر خدا اور نماز سے روک دے تو کیا تم واقعاً رک جاؤ گے"۔

تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ شراب سے اجتناب کرو، اور پھر وہ اسباب وعلل بھی بیان فرمائے جن کی وجہ سے شراب حرام ہوگئی اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کی حرمت کے حکم کو نہایت واضح انداز میں چوتھی آیت میں اس طرح بیان فرمایا ہے:

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ وَ الْاِثْمَ وَ الْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ (۳۳، اعراف ۷)

پیغمبر آپ کہہ دیجیے کہ میرے رب نے تمام بدکاریوں کو حرام قرار دیا ہے خواہ وہ ظاہری ہوں یا باطنی اور گناہ اور ناحق ظلم وزیادتی کو بھی حرام کردیا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت میں فرمایا: يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ ؕ ...الخ

اس طرح اللہ تعالیٰ نے آگاہ کیا کہ شراب اور اس کے علاوہ دوسری چیزوں میں گناہ ہے اور وہ چیزیں حرام ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کو فرض قرار دینا چاہتا ہے تو اسے یکے بعد دیگرے نازل کرتا ہے تاکہ لوگ اس کے عادی بن جائیں اور حکم خداوندی کو تسلیم کرنے اور نہیٔ خداوندی سے رک جانے میں انھیں کسی قسم کی پریشانی نہ ہو اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم کو اس تدبیر سے نازل کیا کہ اسے قبول کرنے میں کسی قسم کی زحمت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔[1]

(۱) الکافی، ص ۴۰۶۔۴۰۷، ج ۶ ح ۲

اورعلی بن یقطین سے مروی ہے کہ مہدی نے امام علی بن موسٰی الرّضا علیہ السّلام سے خمر (شراب) کے بارے میں سوال کیا کہ کیا کتاب اللہ سے اس کی حرمت ثابت ہے؟ اس لیے کہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ محض شراب پینے سے منع کیا گیا ہے اور اس کی حرمت کا انھیں علم نہیں ہے۔ تو ابوالحسن امام علی بن موسٰی الرّضا علیہ السّلام نے جواب دیا اے مہدی قران مجید میں اس کی حرمت کا ذکر موجود ہے اس نے دریافت کیا کہ اے ابوالحسن قرآن کی کس آیت سے شراب کی حرمت ثابت ہوتی ہے؟ تو امام علیہ السّلام نے فرمایا ارشاد باری ہے:

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَاظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ۔ (۳۳، اعراف ۷)

اے پیغمبر آپ فرما دیجیے کہ میرے رب نے تمام بدکاریوں کو حرام قرار دیا ہے خواہ وہ ظاہری ہوں یا باطنی نیز گناہ اور ناحق ظلم وزیادتی کو بھی حرام کردیا ہے۔

اس کے بعد امام علیہ السّلام نے فرمایا کہ آیت میں لفظ ''اثم'' سے بعینہ خمر (شراب) مراد ہے اور اللہ تعالٰی نے دوسرے مقام پر فرمایا ہے:

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ ؕ قُلْ فِیْهِمَاۤ اِثْمٌ كَبِیْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ۔

اے پیغمبر یہ لوگ آپ سے خمر اور میسر کے بارے میں سوال کرتے ہیں فرما دیجیے ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے فائدے بھی ہیں۔

قرآن کریم میں لفظ ''اثم'' خمر اور میسر (شراب اور جوا) دونوں کے لیے استعمال ہوا ہے اور یہ فرمایا کہ ان دونوں کا گناہ سب سے بڑا ہے۔ تو مہدی نے کہا اے علی بن یقطین کیا یہ ہاشمی فتویٰ ہے تو میں نے کہا بے شک یہ علم تو صرف اہل بیتؑ کے پاس ہے۔ علی بن یقطین کہتے ہیں کہ مہدی سے صبر نہیں ہوا اور مجھ سے کہا صَدَقْتَ یَارَافِضِیُّ اے رافضی تم نے سچ کہا۔[1]

وَیَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ۔

یہ لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ کیا خرچ کریں۔

کہا گیا ہے کہ سوال کرنے والے کا نام ابن جموح ہے اس نے پہلے یہ سوال کیا کہ کیا اور کس پر خرچ کریں اس کے بعد اس نے خرچ کی کیفیت اور مقدار کے بارے میں سوال کیا۔[2]

قُلِ الْعَفْوَ۔

اے نبی آپ اس کے جواب میں فرما دیجیے کہ جو تمھارے اخراجات اور ضروریات سے بچ رہے۔

اور ''عفو'' جُھد کی نقیض ہے یعنی اخراجات کے بعد جو آسانی سے بچ جائے اس میں کوئی زحمت اور دشواری نہ ہو۔ کسی نے کہا ہے: ع

(۱) الکافی ص۴۰۶ ج۶ ح۱ (۲) طبرسی جامع الجوامع ص۱۲۰ ج۱ و انوار التنزیل ص۱۱۶ ج۱ و تفسیر کشاف ص۲۶۳ ج۱

خذی العفو منی تستدیمی مؤدتی

میری بچت مجھ سے لے لو اور میری محبت کو دوام بخش دو۔

(یہ جملہ عرب کے ایک دانش مند اسماء بن خارجہ نزاری نے اپنی زوجہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا)[۱]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے مروی ہے کہ تم میں سے کوئی شخص مال لے کر آتا ہے اور پورا کا پورا صدقہ کر دیتا ہے اور پھر بیٹھ کر لوگوں کا دست نگر بن جاتا ہے (یہ درست نہیں ہے) بلکہ صدقہ اخراجات میں سے بچت کے اعتبار سے ہوگا۔[۲]

کتاب کافی، تفسیر عیاشی اور مجمع البیان میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ عَفو کے معنی ہیں ''الوسط'' یعنی میانہ روی اور اعتدال۔[۳]

مجمع البیان اور قمی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے:

لَا اِقْتَارَ وَلَا اِسْرَافَ۔

نہ تو اپنے اہل وعیال پر تنگی کرو اور نہ ہی فضول خرچی سے کام لو۔[۴]

تفسیر تبیان اور تفسیر مجمع البیان میں امام باقر علیہ السّلام سے مروی ہے:

اِنَّ الْعَفْوَ مَا یَفْضُلُ عَنْ قُوْتِ السَّنَةِ۔

سال بھر کی ضروریات سے جو کچھ بچ جائے وہ عفو ہے۔[۵]

تفسیر مجمع البیان میں مروی ہے کہ یہ آیت، زکوٰۃ کی آیت سے منسوخ ہوگئی۔[۶]

كَذٰلِكَ۔

یعنی اللہ نے جس طرح یہ واضح کر دیا کہ عَفو، جُہد سے زیادہ بہتر ہے۔

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ۔

اسی طرح وہ تمھارے لیے آیات کو صاف صاف بیان کر دیتا ہے تاکہ تم اس معاملے میں غور وفکر سے کام لو۔

---

(۱) الکشاف ج۱ ص ۲۶۲ (۲) انوار التنزیل، ص ۱۱۶ ج ۱ و کشاف، ص ۲۶۳ ج ۱

(۳) الکافی، ص ۵۲ ج ۴ ح ۳ و تفسیر عیاشی، ص ۱۰۶ ج ۱ ح ۳۱۴ و مجمع البیان ج ۱۔۲ ص ۳۱۶

(۴) مجمع البیان، ص ۳۱۶ ج ۱۔۲ و قمی، ص ۷۲ ج ۱ (۵) تفسیر تبیان، ص ۲۱۴ ج ۲ و مجمع البیان، ص ۳۱۶ ج ۱۔۲

(۶) مجمع البیان، ص ۳۱۶ ج ۱۔۲

۲۲۰-فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ-

دنیا اور آخرت میں

یعنی دونوں جہاں کے امور میں جو باتیں زیادہ سودمند اور مفید ہوں انھیں اختیار کرلو۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى-

اے نبی یہ لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ یتیموں سے کیسا سلوک کریں؟

تفسیر قمی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی :

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا۔ (۱۰،النساء ۴)

جو لوگ ظالمانہ انداز سے یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں وہ درحقیقت اپنے شکم میں آگ بھر رہے ہیں۔

تو جس جس کے پاس کوئی یتیم مقیم تھا اسے اس نے گھر سے نکال دیا اور ان کے نکالنے سے متعلق آں حضرتؐ سے سوال پوچھا گیا تو یہ آیت نازل ہوئی تھی۔[1]

تفسیر مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السّلام اور امام باقرؑ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ :

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۠ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ۝ (۲،النساء ۴)

اور یتیموں کو ان کا مال دے دو اور اچھے مال کو برے مال سے تبدیل نہ کرو اور نہ ان کا مال اپنے مال سے ملا کر کھاؤ کہ یہ بڑا سخت گناہ ہے۔

تو ان لوگوں نے یتیموں کے ساتھ میل جول کو ناپسند کرنا شروع کیا یتیموں کو یہ بات بہت شاق گزری اور انھوں نے آں حضرتؐ سے اس بات کی شکایت کی اس وقت یہ آیت نازل ہوئی :[2]

قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ -

اے پیغمبر فرمادیجیے کہ معاملہ کی درستی کے لیے مل جل کر رہنا، الگ اور علیحدہ رہنے سے بہتر ہے۔

وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ-

اگر تم ان سے میل جول رکھو گے اپنے ساتھ شریک قرار دو گے تو یہ لوگ تمھارے دینی بھائی ہیں اور ایک بھائی کا دوسرے پر یہ حق ہے کہ وہ مل جل کر رہے۔

کتاب کافی میں امام صادق علیہ السّلام سے اور تفسیر عیاشی میں امام باقر علیہ السّلام سے مروی ہے، آپ نے فرمایا کہ تم یتیموں کے مال میں سے اتنا نکالو جتنا ان کے اخراجات کے لیے کافی ہو اور اپنے مال

---

(۱) قمی ،ص ۷۲،ج ۱ (۲) مجمع البیان ،ص ۴،ج ۳۔۴

میں سے اپنی ضرورت کے مطابق نکال لو اور پھر خرچ کرو کیا تم نے نہیں دیکھا کہ یتیموں میں چھوٹے اور بڑے دونوں طرح کے بچے ہوتے ہیں اور بعض کے لباس بعض سے بہتر ہوتے ہیں۔اور بعض، بعض سے زیادہ کھاتے ہیں بلکہ جتنا دے دو وہ کھاجاتے ہیں تو امامؑ نے فرمایا جہاں تک لباس کا تعلق ہے تو ہر یتیم جیسی پوشاک پہنتا ہے اس کے مطابق قیمت ادا کرنی ہوگی اب رہا کھانا تو سب کے اخراجات ایک جیسے ہوں گے ہوسکتا ہے کہ چھوٹا بڑے جتنا کھاتا ہو۔ [۱]

اور ایک روایت میں ہے کہ یتیموں کے مال میں کسی قسم کی کمی نہ کرنا اس لیے کہ یہ آگ ہے۔ [۲]

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ۔

اور اللہ بہتر جانتا ہے کہ مفسد کون اور مصلح کون ہے

اور اللہ جانتا ہے کہ کس نے ان یتیموں کو اپنے ساتھ بھلائی اور خیر کے لیے رکھا ہے اور کون ہے جس کی نیّت میں فساد اور برائی ہے تو وہ اسی اعتبار سے انھیں جزا و سزا دے گا۔

کتاب کافی اور تفسیر عیاشی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ ان سے سوال کیا گیا کہ ہم اپنے ایک بھائی کے گھر جاتے ہیں جس میں یتیم بھی رہتے ہیں اور ان کے ساتھ ان کے خدّام بھی ہیں ہم ان کے فرش پر بیٹھتے ہیں ان کا پانی پیتے ہیں اور ان کا خادم ہماری بھی خدمت کرتا ہے اور کبھی کبھار ہم اپنے بھائی کے گھر کھانا بھی کھا لیتے ہیں جس میں ان یتیموں کا کھانا بھی شامل ہے آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے تو امامؑ نے فرمایا کہ اگر تمھارا ان کے پاس جانا ان کے لیے فائدہ مند ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اگر اس میں نقصان ہو تو نہ جاؤ۔ امامؑ نے فرمایا ہر فرد اپنے نفس سے زیادہ آگاہ ہوتا ہے، تم اپنی حالت سے بہتر واقف ہو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ۔ [۳]

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ۔

اور اگر اللہ چاہتا تو اس معاملہ میں تمھیں مشقّت میں ڈالتا اور مداخلت کو پسند نہ کرتا

اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ۔

بلاشبہ اللہ غالب اور ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے

حَكِيْمٌ۔

اس کی حکمت جس بات کی متقاضی ہوتی ہے جملہ امور اسی کے مطابق انجام پاتے ہیں۔

(۱) الکافی ص ۱۳۰ ج ۵ و تفسیر عیاشی ص ۱۰۷ ج ۱ ح ۳۱۸ (۲) الکافی ص ۱۲۹۔ ۱۳۰ ج ۵

(۳) الکافی ص ۱۲۹ ج ۵ ح ۴ و تفسیر عیاشی ص ۱۰۷ ج ۱ ح ۳۲۰

وَ لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَ لَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَ لَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚۖ وَ اللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾

ع ۵ ۲۷ ۱۱

۲۲۱– اور تم لوگ مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرنا جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں، کہ ایک مومن کنیز مشرک عورت سے بہتر ہے، چاہے وہ تمھیں کتنی ہی بھلی معلوم ہو، اور اپنی لڑکیوں کا نکاح مشرک مردوں سے کبھی نہ کرنا جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائیں کہ ایک مومن غلام مشرک مرد سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمھیں بہت پسند ہو، یہ لوگ تمھیں آگ کی طرف بلاتے ہیں اور خدا اپنے حکم سے جنّت اور مغفرت کی دعوت دیتا ہے اور وہ اپنے احکام واضح طور پر لوگوں کے سامنے بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

۲۲۱– وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ –

تم مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرنا جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں

وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَتْكُمْ –

اور ایک مومنہ کنیز مشرک عورت سے بہتر ہے خواہ وہ مشرک عورت تمھیں اپنے جمال، مال و دولت سے متاثر کرے اور تمھیں اس کی طرف رغبت بھی ہو۔

وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا –

اور اپنی لڑکیوں کا نکاح مشرک مردوں سے نہ کرنا جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائیں

وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَكُمْ –

اور ایک مومن غلام ایسے مشرک آزاد مرد سے بہتر ہے جو تم کو اپنے مال، جمال اور احوال سے متاثر کرے۔

اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ –

اس لیے کہ یہ مشرک مرد اور مشرک عورتیں تمھیں کفر کی جانب بلا رہے ہیں جو جہنّم تک لے جاتا ہے تو

ان کا حق یہ ہے کہ نہ تو ان سے دوستی بڑھاؤ اور نہ ہی رشتۂ ازدواج استوار کرو۔

وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ –

اور اللہ ایسے عمل کی طرف دعوت دے رہا ہے جو جنت میں لے جانے والا اور مغفرت کا سبب ہے یعنی ایمان واطاعت۔

بِاِذْنِهٖ –

اپنے حکم اور توفیق سے

وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ –

وہ اپنے اوامر ونواہی کو انسانوں کے لیے واضح طور پر بیان کر رہا ہے

لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ –

تاکہ وہ نصیحت قبول کریں اور اس کی عظمت کو نظر میں رکھیں۔

ع وَ یَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ الۡمَحِیۡضِ ؕ قُلۡ ہُوَ اَذًی ۙ فَاعۡتَزِلُوا النِّسَآءَ فِی
الۡمَحِیۡضِ ۙ وَ لَا تَقۡرَبُوۡہُنَّ حَتّٰی یَطۡہُرۡنَ ۚ فَاِذَا تَطَہَّرۡنَ فَاۡتُوۡہُنَّ مِنۡ
حَیۡثُ اَمَرَکُمُ اللّٰہُ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیۡنَ وَ یُحِبُّ الۡمُتَطَہِّرِیۡنَ ﴿۲۲۲﴾

۲۲۲- یہ لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ حیض کا کیا حکم ہے، آپ فرما دیجیے کہ وہ ایک تکلیف ہے تو دورانِ حیض عورتوں سے الگ رہو، اور ان کے قریب نہ جاؤ جب تک وہ پاک صاف نہ ہو جائیں۔ پھر جب وہ پاک ہو جائیں تو ان کے پاس اس طرح جاؤ جیسا کہ اللہ نے تم کو حکم دیا ہے۔ اللہ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو توبہ کرنے والے اور پاکیزگی اختیار کرنے والے ہیں۔

۲۲۲- وَ یَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ الۡمَحِیۡضِ-

اے نبی یہ لوگ آپ سے حیض کے بارے میں دریافت کرتے ہیں

قُلۡ ہُوَ اَذًی-

اے نبی آپ فرما دیجیے وہ اذیّت کا باعث ہے

وہ گندگی ہے اور جو بھی اس کی قربت اختیار کرے گا وہ باعثِ اذیت اور موجب نفرت ہوگی۔

فَاعۡتَزِلُوا النِّسَآءَ فِی الۡمَحِیۡضِ-

تو حیض کے دوران ان سے مباشرت کرنے سے اجتناب کرو

وَ لَا تَقۡرَبُوۡہُنَّ حَتّٰی یَطۡہُرۡنَ-

جب تک خون بند نہ ہو جائے اس وقت تک ہمبستری کرنے کے لیے قریب نہ جاؤ۔

اور جس نے ''تَطَّہَّرۡنَ'' والی قرأت اختیار کی تو اس کا مفہوم ہوگا کہ جب تک وہ غسل کر کے پاک نہ ہو جائیں ان کے قریب نہ جاؤ۔

کتاب کافی میں ہے کہ امام صادق علیہ السّلام سے دریافت کیا گیا کہ: جس عورت کو حیض آ رہا ہو اس کا شوہر اس سے کس طرح استفادہ کر سکتا ہے۔ تو امامؑ نے فرمایا: دورانِ حیض سوائے شرم گاہ کے ہر چیز کی اجازت ہے۔[۱]

اور ایک روایت میں ہے:

فَلۡیَاۡتِہَا حَیۡثُ شَآءَ مَا اتَّقٰی مَوۡضِعَ الدَّمِ۔

(۱) الکافی ص ۵۳۸ ج ۵ ح ۱

خون کی جگہ سے بچتے ہوئے جس طرح چاہے بیوی سے لطف اندوز ہو۔ ۱
اورائمہ علیہم السّلام سے اس باب میں بے شمار روایات وارد ہوئیں ہیں۔ ۲

فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللّٰهُ ؕ-

پس جب وہ پاک ہوجائیں تو ان سے اولاد حاصل کرنے کے لیے ان کے قریب جاؤ جس طرح اللہ نے تمھیں حکم دیا ہے۔

امام صادق علیہ السّلام سے ایسی ہی روایت وارد ہوئی ہے۔ ۳

اور مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللّٰهُ ؕ سے مراد ہے کہ وہ کچھ بجالاؤ جس کا تمھیں حکم دیا گیا ہے اور تمھارے لیے حلال کیا گیا ہے اور طلب اولاد کا مفہوم اس آیت کے لفظ ''مِنْ'' سے حاصل ہوتا ہے۔

کتاب کافی میں امام صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ آپ سے ایسی عورت کے بارے میں سوال کیا گیا جسے ماہواری آرہی تھی اور اس کا آخری دن تھا کہ خون رک گیا اس نے غسل نہیں کیا تو اس کا شوہر کیا کرے؟ تو امامؑ نے جواب دیا اگر اس کا شوہر بے تاب ہوتو بیوی کو حکم دے کہ وہ اپنی شرم گاہ کو دھولے پھر اگر شوہر چاہے تو غسل سے پہلے اس کے ساتھ ہم بستری کرسکتا ہے۔ ۴

اور دوسری روایت میں ہے کہ امامؑ نے فرمایا غسل کرنا میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے۔ ۵

امامؑ سے سوال کیا گیا کہ اگر حیض کے بعد وہ عورت تیمّم کرلے تو کیا شوہر کے لیے حلال ہوجائے گی تو امامؑ نے فرمایا ہاں پاک ہونے کے بعد حلال ہے۔ ۶

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ -

بے شک اللہ گناہوں سے توبہ کرنے والوں، پانی سے طہارت کرنے والوں اور گندگی سے دور رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

کتاب کافی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ بے شک اللہ اس بندے کو پسند کرتا ہے جو آزمائش سے گزرا ہو، توبہ کرنے والا ہو اور جس شخص سے کوئی گناہ سرزد نہ ہوا ہو وہ بہرحال افضل ہے۔ ۷

اور امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ لوگ روئی اور پتھر کے ٹکڑوں سے استنجا کیا کرتے تھے پھر اس کے بعد پانی سے طہارت کا حکم آیا اور یہ بہترین عادت ہے تو رسول اکرمؐ نے لوگوں کو پانی سے طہارت کا حکم دیا اور خود بھی اس پر عمل کیا اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں یہ آیت نازل فرمائی: إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ

---

(۱) تہذیب الاحکام، ص ۱۵۴ ج ۱ ح ۴۳۶ (۲) تہذیب الاحکام، ص ۱۵۴ ج ۷ ح ۴۳۸
(۳) تہذیب الاحکام، ص ۱۴ ج ۷ ح ۱۶۵۷ (۴) الکافی، ص ۵۳۹ ج ۵ ح ۱ (۵) الکافی، ص ۵۳۹ ج ۵ ح ۲
(۶) تہذیب الاحکام، ص ۴۰۵ ج ۱ ح ۱۲۶۸ (۷) الکافی، ص ۴۳۵ ج ۲ ح ۹

التَّوَّابِیْنَ وَ یُحِبُّ الْمُتَطَھِّرِیْنَ بے شک اللہ توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ ۱

کتاب عِلل الشرائع اور تفسیر عیاشی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ امام نے فرمایا کہ لوگ تین پتھروں سے استنجا کیا کرتے تھے اس لیے کہ وہ تازہ کھجوریں کھایا کرتے تھے ان کا براز (پاخانہ) مینگنیوں کی طرح خارج ہوتا تھا۔ انصار کے ایک شخص نے کدّو کھالیا تو اس کا شکم نرم پڑ گیا (گیلا پاخانہ ہوا) اور اس نے پانی سے استنجا کیا تو نبی اکرمؐ نے اسے اپنے پاس بلوایا وہ شخص ڈرتا ہوا آپ کے پاس آیا کہ کہیں اس کے بارے میں کوئی ناپسندیدہ امر نازل نہ ہوا ہو کیوں کہ اس نے پانی سے استنجا کیا تھا۔ تو آں حضرتؐ نے اس سے دریافت کیا کہ کیا آج تم نے معمول سے ہٹ کر کوئی عمل کیا ہے؟ تو اس نے کہا اے اللہ کے رسولؐ خدا کی قسم پانی سے استنجا کرنے کا سبب یہ ہوا کہ میں نے کدّو کھالیا تو میرا شکم نرم ہوگیا اور پتھر صفائی کے لیے کافی نہیں ہوا اس لیے میں نے پانی سے استنجا کیا تو آں حضرتؐ نے فرمایا تمہیں مبارک ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے بارے میں آیت نازل کی ہے: اِنَّ اللہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَ یُحِبُّ الْمُتَطَھِّرِیْنَ چوں کہ تم نے یہ عمل کیا ہے اس لیے تم سب سے پہلے اس آیت کے مصداق ہو یعنی اول توبہ کرنے والے اور سب سے پہلے طہارت کرنے والے۔ اور اللہ اس عمل کرنے والے کو دوست رکھتا ہے۔ ۲

ایک روایت میں ہے کہ وہ شخص براء بن معرور تھا جس کا تعلق انصار سے تھا۔ کتاب فقیہ میں یہ دونوں روایتیں مرسل طریقے سے آئی ہیں۔ (یعنی ان کی سندیں بیان نہیں کی گئی ہیں) ۳

---

(۱) الکافی، ص ۱۸ ج ۳ ح ۱۳ (۲) علل الشرائع ص ۲۸۶ ح ۱ باب ۲۰۵ و تفسیر عیاشی، ص ۱۰۹۔۱۱۰ ج ۱ ح ۳۲۸

(۳) من لا یحضرہ الفقیہ، ص ۲۰۔۲۱ ج ۱ ح ۵۹

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ وَ قَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوٓا أَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۲۳﴾

۲۲۳- عورتیں تمھاری کھیتیاں ہیں۔ تمھیں اختیار ہے جس طرح چاہو اپنی کھیتی میں جاؤ، اور اپنے مستقبل کی فکر کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور خوب جان لو کہ ایک دن تمھیں اُس سے ملاقات کرنی ہے اور اے نبی آپ مومنین کو خوش خبری سنا دیں۔

۲۲۳- نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ۔

تمھاری عورتیں تمھاری کھیتیاں ہیں۔

یہ تشبیہ اس لیے دی ہے کہ جس طرح کھیت میں بیج بویا جاتا ہے اسی طرح ارحام میں نطفہ ڈالا جاتا ہے۔

فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ۔

تم جس طرح چاہو اپنی کھیتی میں جاؤ

کہا گیا ہے تم جس سمت سے چاہو اپنی کھیتی میں آؤ۔ [۱]

تفسیر عیاشی اور قمی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جب چاہو عورت کی قربت حاصل کرو۔

دوسری روایت میں ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ جس وقت چاہے تم اسے استعمال کر سکتے ہو۔ [۲]

اور دوسری روایت میں ہے "عورت ایک کھلونا ہے اسے اذیّت نہ دی جائے اور یہ کھیتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ [۳]

وَ قَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ۔

اور تم نے اعمال صالحہ کا جو ذخیرہ جمع کر رکھا ہے اسے اپنے نفوس کے لیے پہلے سے بھیج دو اور ایک قول کے مطابق اس سے مراد اولاد کا حصول ہے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد مباشرت کرتے وقت نام تجویز کرنا ہے۔ [۴]

وَ اتَّقُوا اللّٰهَ۔

تم اللہ سے ڈرو

---

(۱) انوار التنزیل، ص ۱۱۸، ج ۱ (۲) عیاشی، ص ۱۱۱، ج ۱ ح ۳۳۴ و قمی، ص ۷۳، ج ۱

(۳) تفسیر عیاشی، ص ۱۱۱ ج ۱ ح ۳۳۶ (۴) انوار التنزیل، ص ۱۱۸ ج ۱

یعنی جن چیزوں سے روک دیا گیا ہے انہیں اختیار نہ کرو۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ۔

اور یہ بات ملحوظ رکھو کہ تمھیں اللہ سے ملاقات کرنی ہے

تو ایسا زادِ سفر اکھٹا کرو جس کی وجہ سے ذلّت و رسوائی سے بچ جاؤ۔

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔

اور اے پیغمبر آپ مومنین کو خوش خبری سنا دیں۔

ہوسکتا ہے اس سے مراد یہ ہو کہ اے نبی جو آپ کی تصدیق کرے اور آپ کے حکم کو تسلیم کرے اسے بشارت دے دیں کہ اللہ سے ملاقات ہوگی نیز اُسے کرامت اخروی اور جنت کی دائمی نعمتیں بھی ملیں گی۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَ تَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴿۲۲۴﴾
لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَ لٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ﴿۲۲۵﴾

۲۲۴- اللہ کے نام کو ایسی قسمیں کھانے کے لیے استعمال نہ کرو، جن کا مقصود نیکی تقویٰ اور بندگانِ خدا کو بھلائی کے کاموں سے باز رکھنا ہو۔ اللہ تمھاری ساری باتیں سُن رہا ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔
۲۲۵- جو بے معنیٰ قسمیں بلا ارادہ تم کھاتے ہو، اُن پر اللہ گرفت نہیں کرتا مگر جو قسمیں تم سچے دل سے کھاتے ہو، اُن کی باز پرس وہ ضرور کرے گا، اللہ بہت درگزر کرنے والا اور بردبار ہے۔

۲۲۴- وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ-

خبردار تم، اللہ کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ۔

''عُرضہ'' کے معنی ہیں کہ کوئی چیز درمیان میں آکر رکاوٹ بن جائے اور کسی شخص کو اس کام سے باز رکھے۔ اور ایک مفہوم یہ بھی کہ کسی امر میں رکاوٹ ڈال دے۔ تو پہلی بنیاد پر مفہوم یہ ہوگا کہ تم نے مختلف طرح کے خیر کی جو قسم کھائی ہے تو اللہ کو اس کے لیے رکاوٹ قرار نہ دو۔ اس مقام پر قسم سے مراد وہ امور ہوں گے جن کے بارے میں قسم کھائی گئی ہے۔

اور اسی کی تفسیر میں امام جعفر صادق علیہ السّلام کا قول وارد ہوا ہے کہ جب تم کو دو آدمیوں کے مابین صلح کے لیے بلایا جائے تو یہ مت کہو: عَلَیَّ یَمِیْنٌ اَنْ لَا اَفْعَلَ۔ میں نے قسم کھائی ہے کہ میں ایسا نہیں کروں گا۔[۱]

اور دوسرا مفہوم لیں تو معنیٰ یہ ہوں گے کہ اللہ کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ اور زیادہ قسمیں کھا کر اس کا مذاق نہ اڑاؤ اور امام علیہ السّلام نے اس سلسلے میں فرمایا ہے: لَا تَحْلِفُوْا بِاللّٰهِ صَادِقِیْنَ وَلَا کَاذِبِیْنَ فَاِنَّ اللّٰهَ یَقُوْلُ وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَیْمَانِکُمْ۔ تم اللہ کے نام پر جھوٹی یا سچی قسم نہ کھاؤ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم اللہ کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ۔[۲]

اور ایک روایت میں ہے:

مَنْ حَلَفَ بِاللّٰهِ کَاذِبًا کَفَرَ وَمَنْ حَلَفَ بِاللّٰهِ صَادِقًا اَثِمَ۔

جو اللہ کی جھوٹی قسم کھاتا ہے وہ کافر ہے اور جو اللہ کی سچی قسم کھاتا ہے وہ گناہ گار ہے۔

(۱) الکافی، ص ۲۱۰ ج ۲ ح ۶ (۲) الکافی، ص ۴۳۴ ج ۷ ح ۱

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم اللہ کو اپنی قسموں کا ہدف نہ بناؤ آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی وَلَا تَجۡعَلُوا اللّٰهَ الخ ۔[۱]

اور تیسری بات کافی میں مروی ہے اور عیاشی نے اپنی تفسیر میں اُن دو باتوں کو ایک ہی روایت میں نقل کیا ہے[۲] اور امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ قسم کی ایک قِسم یہ بھی ہے کہ وہ قسم کھالے کہ اپنے بھائی اپنی والدہ اور اسی طرح دیگر رشتے داروں سے بات نہیں کرے گا۔[۳]

اَنۡ تَبَرُّوۡا وَ تَتَّقُوۡا وَ تُصۡلِحُوۡا بَيۡنَ النَّاسِ۔

پہلے معنیٰ کی بنیاد پر یہ قسموں کی وضاحت ہے یعنی وہ امور جن کے بارے میں قسم کھائی گئی ہے وہ نیکی، تقویٰ اور اصلاح بین الناس کے لیے ہوں۔

اور دوسرے معنیٰ کی بنیاد پر یہ جملہ روکنے اور باز رکھنے کے لیے آیا ہے کہ میں تم کو روکتا ہوں نیکی، تقویٰ اور اصلاح بین الناس کے ارادے سے اس لیے کہ قسم کھانے والا اللہ کے حضور گستاخی کرتا ہے اور اللہ کی جناب میں گستاخی کرنے والا نہ تو نیک ہوسکتا ہے، نہ متقی اور نہ ہی اصلاحِ ذاتِ البین (باہمی اصلاح) میں قابل بھروسہ ہوسکتا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قسم کھانے والے کی مذمت کی ہے۔ فرمایا: وَلَا تُطِعۡ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيۡنٍ ۙ﴿۱۰﴾ (۱۰، القلم ۶۸) ہر جھوٹی قسم کھانے والے پست نسب کی اطاعت نہ کرو۔[۴]

وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ۔

اللہ تمھاری قسموں کا سننے والا اور تمھاری باتوں کا جاننے والا ہے۔

۲۲۵ – لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغۡوِ فِيۡۤ اَيۡمَانِكُمۡ۔

اللہ تعالیٰ تم سے اُن قسموں کے بارے میں کوئی مواخذہ نہیں کرے گا یعنی سزا نہیں دے گا اور نہ ہی تم سے کفّارہ کا مطالبہ ہوگا جو بے معنیٰ قسمیں ہوں بلا ارادہ ہوں خود بخود زبان سے جاری ہو جائیں جیسے عربوں کی عادت تھی کہ وہ اکثر کہا کرتے تھے ''لَا وَاللّٰهِ'' اور ''بَلٰى وَاللّٰهِ'' ان کا مقصد اس قسم کے ذریعہ اپنی بات کو اہم ثابت کرنا ہوا کرتا تھا۔ مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السّلام اور امام محمد باقر علیہ السّلام سے یہی مفہوم وارد ہوا ہے۔[۵]

وَلٰكِنۡ يُّؤَاخِذُكُمۡ بِمَا كَسَبَتۡ قُلُوۡبُكُمۡ۔

البتہ وہ اُن قسموں کے بارے میں تم سے باز پرس کرے گا جس میں زبان کے ساتھ ساتھ تمھارا دل بھی شریک ہو۔

(۱) الکافی، ص ۴۳۵ ج ۷ ح ۴ (۲) تفسیر عیاشی، ص ۱۱۲ ج ۱ ح ۳۴۰ (۳) تفسیر عیاشی، ص ۱۱۲ ج ۱ ح ۳۳۹
(۴) اقتباس از انوار التنزیل، ص ۱۱۸ ج ۱ (۵) مجمع البیان، ص ۳۲۳ ج ۱-۲

اورتم نے ارادۃً ایسا کیا ہو جیسا کہ ارشاد باری ہے: بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ۔ (۸۹،المائدہ ۵)
جن قسموں کی گرہ دل نے باندھ لی ہے۔
اگر اس قسم میں دل شامل ہے تو عقد، نیت اور قصد وارادہ ہے۔

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ۔

اور اللہ بخشنے والا ہے
اس اعتبار سے کہ تم سے بے معنیٰ قسموں کا مواخذہ نہیں کرے گا۔

حَلِيْمٌ۔

بردبار ہے۔
اس اعتبار سے کہ وہ قسم کے بارے میں جلدی مواخذہ نہیں کرتا اس انتظار میں کہ یہ قسم کھانے والا توبہ کرلے گا۔

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ
اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾

وَ اِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾

وَ الْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَ لَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ
يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ
الْاٰخِرِ ؕ وَ بُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ
وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَ لِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ
۲۸ ع ۷ ۱۲ دَرَجَةٌ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۸﴾ ع

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَ لَا يَحِلُّ
لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا
حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا
فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَ مَنْ يَّتَعَدَّ
حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ
طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ
اللّٰهِ ؕ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۰﴾

وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ
سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۪ وَ لَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَ مَنْ
يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ وَ لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۫ وَ

اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ مَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ
يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۳۱﴾ ع ۲۹ ۳ ۱۳
وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ
اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ
مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَ اَطْهَرُ ؕ وَاللّٰهُ
يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۲﴾

۲۲۶- جو لوگ اپنی عورتوں سے تعلق نہ رکھنے کی قسم کھا بیٹھے ہیں اُن کے لیے چار مہینے کی مہلت ہے اگر انھوں نے رجوع کرلیا تو اللہ بخشنے والا ہے اور مہربان ہے۔

۲۲۷- اور اگر انھوں نے طلاق دینے کی ٹھان لی ہے تو وہ یہ جان لیں کہ اللہ سننے والا اور ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

۲۲۸- جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو، وہ تین مرتبہ ایّام آنے تک اپنے آپ کو روکے رکھیں۔ اور اُن کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اللہ نے اُن کے رحم میں جو کچھ خلق فرمایا ہے وہ اُسے پوشیدہ رکھیں، اگر اُن کا ایمان اللہ اور روزِ آخرت پر ہے۔ اُن کے شوہر اگر مصالحت پر آمادہ ہوں تو وہ اس عدّت کے دوران انھیں پھر اپنی زوجیت میں لے لینے کے زیادہ حق دار ہیں۔ عورتوں کے لیے بھی معروف طریقے پر وہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے حقوق اُن پر ہیں، البتہ مردوں کو ان پر ایک درجہ (فوقیت) حاصل ہے۔ اور (اُن سب پر) اللہ کی ذات ہے (جو) غالب اور صاحبِ حکمت ہے۔

۲۲۹- طلاق صرف دوبار ہے یا تو پھر سیدھے طریقے سے عورت کو روک لیا جائے یا بھلے طریقے سے اس کو رخصت کردیا جائے۔ اور رخصت کرتے ہوئے ایسا کرنا تمھارے لیے جائز نہیں ہے کہ جو کچھ تم انھیں دے چکے ہو اس میں سے کچھ واپس لے لو الّا یہ کہ زوجین کو حدودِ الٰہی پر قائم نہ رہنے کا اندیشہ ہو ایسی صورت میں اگر تمھیں یہ خوف ہے کہ وہ دونوں حدودِ الٰہی پر قائم نہ رہیں گے تو پھر ان دونوں کے درمیان یہ معاملہ طے ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ عورت اپنے شوہر کو کچھ معاوضہ دے کر علاحدگی حاصل کرلے۔ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں ان سے تجاوز نہ کرنا اور جو لوگ حدودِ خداوندی سے تجاوز

کرتے ہیں وہ ظالم ہیں۔

۲۳۰- پھر اگر دوبار طلاق دینے کے بعد شوہر نے (تیسری بار) طلاق دے دی تو وہ عورت پھر اُس کے لیے حلال نہ ہوگی مگر یہ کہ اس کا نکاح کسی اور سے ہو اور وہ اسے طلاق دے دے۔ تب اگر پہلا شوہر اور یہ عورت دونوں یہ خیال کریں کہ یہ حدود الٰہی پر قائم رہیں گے تو ان پر رجوع کرنے میں کوئی حرج نہیں، یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں اللہ انھیں اس قوم کے لیے واضح کر رہا ہے جو (حدود الٰہی کو توڑنے کے) انجام سے باخبر ہیں۔

۲۳۱- اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو اور اُن کی عدّت پوری ہو جائے پھر یا تو بھلے طریقے سے انھیں روک لو یا اَحسن طریقے سے انہیں رخصت کر دو۔ محض ستانے کے لیے انہیں نہ روکے رکھنا کیوں کہ یہ زیادتی ہوگی اور جو ایسا کرے گا وہ درحقیقت اپنے آپ پر ظلم کرے گا۔ اللہ کی آیات کا مذاق نہ بناؤ اور اللہ نے تمھیں جن نعمتوں سے سرفراز کیا ہے انھیں پیش نظر رکھو اور وہ تمھیں نصیحت کرتا ہے کہ جو کتاب و حکمت اس نے تم پر نازل کی ہے اس کا احترام ملحوظ رکھو، اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور خوب جان لو کہ اللہ کو ہر بات کی خبر ہے۔

۲۳۲- جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دے چکو، اور وہ اپنی عدّت پوری کر لیں۔ تو پھر اس میں رکاوٹ نہ بنو کہ وہ اپنے (زیر تجویز) شوہروں سے نکاح کر لیں۔ جب کہ وہ معروف طریقے سے باہمی مناکحت پر آمادہ ہوں۔ تمھیں نصیحت کی جاتی ہے (کہ ایسی حرکت ہرگز نہ کرنا) اگر تمھارا ایمان اللہ اور روز آخرت پر ہے۔ تمھارے لیے شائستہ اور پاکیزہ طریقہ یہی ہے کہ تم اس سے باز رہو اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

۲۲۶- لِلَّذِیْنَ یُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ-

جو لوگ اپنی بیویوں کو تنگ کرنے کے لیے یہ قسم کھاتے ہیں کہ اپنی بیویوں سے مجامعت نہیں کریں گے۔

"اِیْلَاء" کے معنیٰ ہیں قسم کھانا اور اس کا تعدیہ علیٰ سے ہوتا ہے لیکن چوں کہ اس قسم میں دوری کا مفہوم ہے اس لیے "مِنْ" سے تعدیہ کیا گیا۔

تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ-

تو اُن کو چار مہینے انتظار کرنا ہوگا

اور اس دوران وہ کسی شے کا مطالبہ نہ کریں۔

فَاِنۡ فَآءُوۡ-

پس اگر ان کے شوہر ان کی جانب واپس آجائیں

تو وہ قسم کا کفارہ ادا کریں، اگر مجامعت کی صلاحیت ہو تو مجامعت کریں اور نہایت عاجزی کے ساتھ ان سے عہد و پیمان کریں۔

فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ-

تو اللہ ان کے اس عمل پر سزا نہیں دے گا بلکہ وہ بخشنے اور رحم کرنے والا ہے۔

۲۲۷- وَاِنۡ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ-

پس اگر انھوں نے طلاق دینے کا فیصلہ کر لیا ہے تو اللہ ان کی طلاق کو سننے والا اور ان کی نیتوں کا جاننے والا ہے۔

تفسیر قمی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ ''اِیۡلَاء'' کے معنیٰ ہیں کہ کوئی شخص یہ قسم کھالے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ ہمبستری نہیں کرے گا پس اگر وہ عورت اس امر پر صبر کر سکتی ہے تو صبر سے کام لے اور اگر اس امر کو وہ امامؑ کی خدمت میں لے کر آئے گی تو وہ شوہر کو چار ماہ کی مہلت دے گا پھر اس کے بعد اس سے کہے گا یا تو اسے دوبارہ اپنے نکاح میں واپس لاؤ (یعنی زن و شوہر کے تعلقات قائم کرو) یا اسے طلاق دے کر آزاد کر دو پس اگر شوہر انکار کرے گا تو امامؑ اسے ہمیشہ کے لیے اس سے جدا کر دے گا۔[1]

کتاب کافی میں امام جعفر صادق علیہ السّلام اور امام باقر علیہ السّلام سے مروی ہے انھوں نے فرمایا کہ اگر کوئی قسم کھائے کہ وہ اپنی بیوی کے قریب نہیں جائے گا تو چار مہینہ تک بیوی کو کسی بات کا حق نہیں ہے اور چار ماہ تک اپنی بیوی کو اپنے سے دور رکھنے پر اسے کسی قسم کا گناہ بھی نہیں ہے۔ پس اگر چار مہینے گزر جائیں اور شوہر نے اس سے جنسی تعلقات قائم نہ کیے ہوں تو اگر بیوی خاموش رہے اور راضی ہو تو شوہر کے لیے جائز رہے گی۔ لیکن اگر وہ اپنا معاملہ حاکم شرع کے پاس لے کر جائے تو شوہر سے کہا جائے گا کہ اگر تم رجوع کر لو تو اس سے تعلقات قائم کر سکتے ہو یا یہ کہ اسے طلاق دے دو اس سے علاحدگی اختیار کر لینا ارادۂ طلاق تصوّر کیا جائے گا پس جب اُسے حیض آجائے اور وہ پاکیزہ ہو جائے تو اس وقت اس کو طلاق دے دے اور جب تک تین ایّام ماہواری نہیں آجاتے شوہر کو اسے واپس لانے کا حق ہے۔ یہ ایلاء کا مفہوم ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے اور وہ سنتِ رسولؐ اللہ سے بھی ثابت ہے۔[2]

۲۲۸-وَالۡمُطَلَّقٰتُ-

یعنی وہ شادی شدہ عورتیں جنھیں خون حیض آتا ہو اور انہیں طلاق دی جائے۔

(۱) تفسیر قمّی، ص ۷۳، ج ۱ (۲) الکافی، ص ۱۳۱، ج ۶، ح ۴

يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ۔

تو ان پر لازم ہے کی تین دفعہ ایّام ماہواری تک انتظار کریں۔

یعنی کسی سے شادی نہ کریں۔ اگر چہ شہوت اور طبیعت کا ہیجان اُنھیں انتظار سے روکے گا اس لیے کہ عورتیں مردوں کا قرب چاہتی ہیں مگر شریعت کے نزدیک تین مہینے عدّت طلاق قرار دی گئی ہے (تاکہ واپسی کی راہ ہموار رہے)

کتاب کافی میں امام باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ اِقْراء کے معنیٰ ہیں طہارت، پاکیزگی۔[۱]

زرارہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السّلام سے دریافت کیا کہ میں نے ربیعۃ الرای سے سنا ہے کہ وہ کہ رہے تھے کہ جب عورت تیسرے حیض کا خون دیکھے تو مرد سے جدا ہو جائے اور ''قُرء'' (طہارت) دونوں حیض کے درمیان میں ہوتا ہے اور اس نے یہ گمان کیا ہے کہ یہ اس کی اپنی رائے ہے تو امام محمد باقر علیہ السّلام نے فرمایا اس نے جھوٹ کہا میری جان کی قسم اس نے اپنی رائے سے ایسا نہیں کہا بلکہ اس نے یہ بات حضرت علی علیہ السّلام سے اخذ کی ہے تو میں نے دریافت کیا کہ امام علی علیہ السّلام نے اس بارے میں کیا فرمایا ہے؟ تو امام باقر علیہ السّلام نے فرمایا کہ حضرت علی علیہ السّلام فرماتے تھے کہ عورت جب تیسرا حیض دیکھ لے تو اس کی عدّت ختم ہو جاتی ہے اور شوہر کا اس پر کوئی حق باقی نہیں رہتا اور قُرُوْء (طہارت) دو حیض کے درمیان ہے۔ اور عورت اس وقت تک شادی نہیں کرسکتی جب تک تیسرے حیض سے غسل نہ کرلے۔[۲]

اور دوسری روایت میں ہے کہ میں نے ربیعۃ الرای کو یہ کہتے ہوئے سُنا میری رائے یہ ہے کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے جس ''اِقراء'' (قُرُوْءٍ) کا ذکر کیا ہے وہ درحقیقت دو حیض کے درمیان طہارت کا نام ہے تو امام علیہ السّلام نے فرمایا وہ جھوٹ بولتا ہے اس نے اپنی رائے سے ایسا نہیں کیا بلکہ یہ بات حضرت علی علیہ السّلام سے اُس تک پہنچی ہے تو میں نے کہا اللہ آپ کا بھلا کرے فرمایئے کیا علی علیہ السّلام ایسا فرماتے تھے؟ تو امامؑ نے فرمایا: ہاں ''قُرْء'' سے مراد طُہر (پاکیزگی) ہے جس میں خون اکٹھا ہو کر ایک جگہ جمع ہو جاتا ہے جب حیض آتا ہے تو وہ نکل جاتا ہے۔[۳]

امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے جس عورت کو حیض نہیں آتا اور ایسی مستحاضہ جسے حیض نہیں آتا اور جس کے لیے طہارت نہیں ہے ان سب کی عدّت تین مہینے ہے اور جس عورت کو حیض آتا ہو اور وہ عورت جس کی ماہواری کا سلسلہ جاری رہتا ہے اس کی عدّت تین مرتبہ پاک ہونا ہے اور قُرُوْء کے معنیٰ ہیں دو حیض کے درمیان خون کا جمع ہو جانا۔[۴]

---

(۱) الکافی، ص۸۹ ج۶ ح۴ (۲) الکافی، ص۸۸ ج۶ ح۹ (۳) الکافی، ص۸۹ ج۶ ح۱ (۴) الکافی، ص۱۰۰ ج۶ ح۸

وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ۔

اور اُن عورتوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اللہ نے ان کے رحم میں جو کچھ خلق فرمایا ہے اسے پوشیدہ رکھیں۔ جلد از جلد عدّت پوری کرنے اور واپسی کے حق کو باطل قرار دینے کے لیے۔

تفسیر مجمع البیان میں امام صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ اس سے مراد حمل اور حیض ہے۔[۱]

وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ

تفسیر قمی میں ہے عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے حمل، حیض یا پاکیزہ ہونے کو اپنے شوہر سے پوشیدہ رکھے اللہ تعالیٰ نے تین چیزیں عورتوں کے ذمّے رکھی ہیں طُہر حیض اور حمل۔[۲]

تفسیر عیاشی میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ کسی عورت کے لیے مناسب نہیں ہے کہ طلاق کے موقع پر وہ اپنے حمل کو مخفی رکھے اور اس کے شوہر کو حمل کا علم نہ ہو جب کہ وضعِ حمل تک اس کا شوہر اس کا زیادہ حق دار ہے۔[۳]

اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔

اگر ان کا ایمان اللہ اور آخرت کے دن پر ہے

اس لیے کہ جو کچھ اللہ نے خلق فرمایا ہے اس کا چھپانا منافی ایمان ہے۔

وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا۔

ان کے شوہر اگر مصالحت پر آمادہ ہوں، اور انھیں تنگ کرنا مقصود نہ ہو

تو اس عدّت کے دوران انھیں پھر اپنی زوجیت میں لے لینے کے زیادہ حق دار ہیں۔

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ۔

اور عورتوں کے لیے وہی معروف حقوق ہیں جو مردوں کے حقوق اُن پر ہیں

معروف سے مراد وہ حقوق ہیں جو شریعت کے نزدیک اجنبی نہیں اور نہ ہی عورتوں کی عادتوں کے خلاف ہیں عورتوں کو چاہیے کہ مردوں کو ان باتوں کے لیے مجبور نہ کریں جو ان کے پاس نہیں ہیں۔ اور مردوں کو چاہیے کہ عورتوں کو ان امور کے لیے مجبور نہ کریں جو ان کے بس میں نہیں۔

وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ۔

اور مردوں کو عورتوں پر حق کے اعتبار سے ایک درجہ فضیلت حاصل ہے

کتاب فقیہ میں ہے کہ امام صادق علیہ السّلام سے یہ سوال کیا گیا کہ بیوی کا حق اس کے شوہر پر کیا ہے؟ تو امامؑ نے فرمایا يُشْبِعُ بَطْنَهَا وَيَكْسُوْا جُثَّتَهَا وَاِنْ جَهِلَتْ غَفَرَلَهَا کہ اس کے کھانے پینے، تن ڈھانپنے

(۱) مجمع البیان، ص ۳۲۶ ج ۱۔ ۲ (۲) تفسیر قمی، ص ۷۴ ج ۱ (۳) تفسیر عیاشی، ص ۱۱۵ ج ۱ ح ۳۵۶

کا اہتمام کرے اور اگر اس سے کوئی نادانی ہو جائے تو اسے معاف کر دے۔[۱]

کتاب فقیہ اور کتاب کافی میں امام باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ ایک عورت نے آں حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ سوال کیا کہ شوہر کا حق اس کی بیوی پر کیا ہے؟ تو آں حضرتؐ نے جواب دیا کہ وہ اپنے شوہر کی اطاعت کرے اس کی نافرمانی نہ کرے، اور اس کی اجازت کے بغیر اس کے گھر سے کوئی صدقہ نہ دے اور اس کی اجازت کے بغیر سنّتی روزہ نہ رکھے، وہ شوہر کی خواہش کو رد نہ کرے خواہ وہ پالان شتر پر کیوں نہ ہو۔ وہ شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے چلی گئی تو اس کے واپس آنے تک آسمان وزمین اور رحمت و غضب کے فرشتے اس پر لعنت بھیجتے ہیں۔ اس عورت نے سوال کیا یا رسولِ خدا مرد پر سب سے بڑا حق کس کا ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا اس کے والدین کا۔ تو اس عورت نے سوال کیا عورت پر سب سے بڑا حق کس کا ہے؟ تو آپ نے فرمایا اس کے شوہر کا۔[۲]

وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ-

جو شخص احکام کی مخالفت کرے اللہ اس سے انتقام لینے کی قدرت رکھتا ہے

حَكِيْمٌ-

وہ شریعت کے احکام کو حکمت اور مصلحت کے اعتبار سے نافذ کرتا ہے۔

۲۲۹-اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ-

یعنی طلاق رجعی صرف دو مرتبہ ہوتی ہے اور تیسری مرتبہ طلاق بائن ہوتی ہے۔

تفسیر مجمع البیان میں نبی کریمؐ سے روایت کی گئی ہے کہ آپ سے سوال کیا گیا تیسری طلاق کا حکم کہاں ہے تو آپؐ نے فرمایا "اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ" "یعنی بھلے طریقے سے اس کو رخصت کر دیا جائے۔"[۳]

فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ-

یعنی رجوع کر کے اچھے سلوک سے اسے روک لیا جائے

اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ-

یعنی رجوع ہونے کے بعد تیسری مرتبہ طلاق دیدے

جیسا کہ مذکورہ حدیث میں بیان کیا گیا، یا یہ کہ وہ اس سے رجوع نہ کرے یہاں تک اس کے بارے میں واضح ہو جائے (کہ وہ حاملہ ہے یا نہیں) اور وہ عدت سے باہر آجائے۔ تو اِمساک کے معنیٰ ہیں روک لینا اور تسریح کا مفہوم ہے آزاد کر دینا۔

---

(۱) من لایحضرہ الفقیہ، ص۲۷۹ ج۳ ح ۱۳۲۷ (۲) من لایحضرہ الفقیہ، ص۲۷۷، ج۳، ح۱۳۱۴ والکافی، ص۵۰۶-۵۰۷، ج۵، ح۱ (۳) مجمع البیان، ص۳۲۶ ج۱-۲

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا۔

اور طلاق دے کر رخصت کرتے وقت تمھارے۔لیے یہ جائز نہیں ہے کہ تم نے جو مہر کی رقم دی ہے اسے واپس لے لو۔

اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ۔

(اس جملہ میں صیغۂ خطاب صیغۂ غیب سے بدل گیا) ''اِلَّآ'' یہ کہ زوجین کو حدود الٰہی پر قائم نہ رہنے کا اندیشہ ہو''یا یہ کہ خطاب حکّام کی طرف راجع ہے اس۔لیے کہ لین دین انھیں کے حکم سے واقع ہوتا ہے۔

اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ سے مراد یہ ہے کہ ''زوجیت کے وظائف جو ان پر لازم ہیں انھیں قائم نہ رکھ سکیں۔''

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ۔

ایسی صورت میں اگر یہ خوف ہو کہ وہ دونوں حدود الٰہی پر قائم نہ رہیں گے تو پھر ان دونوں کے درمیان یہ معاملہ طے ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ عورت اپنے شوہر کو کچھ معاوضہ دے کر اس سے ''خلع'' علاحدگی حاصل کرلے۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا۔

یہ احکام اللہ تعالیٰ نے متعیّن کر دیے ہیں ان کی مخالفت نہ کرو بلکہ انھیں سچے دل سے تسلیم کرلو

وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔

اور یاد رکھو! جو بھی حدود الٰہی کی مخالفت کرے گا تو وہ ظالمین میں سے ہوگا۔

حدود الٰہی سے تجاوز کرنے والوں کو روکنے کے بعد دوبارہ نہایت سختی کے ساتھ دھمکی دی گئی ہے۔

تفسیر عیاشی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ ''خلع'' لینے والی عورت سے اُس کے شوہر نے جو رقم (خواہ وہ مہر ہو یا اس سے زیادہ) لی ہے وہ اس کے لیے جائز ہو جائے گی۔اور یہ قول خدا کے مطابق ہے: فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ یعنی عورت اپنے آپ کو آزاد کرانے کے لیے جو فدیہ (رقم) شوہر کو دیدے تو اسے رقم کے دینے میں اور شوہر کو اس رقم کو لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اس عمل کو انجام دینے کے بعد عورت شوہر سے جدا ہو جائے گی اور وہ اپنے نفس کی مختار ہوگی چاہے تو اس سے دوبارہ نکاح کرلے یا نکاح نہ کرے۔ اگر نکاح کرے گی تو گویا دوسرے مرحلے میں داخل ہو جائے گی۔[۱]

اور کتاب کافی میں اسی سے ملتی جلتی روایت ہے۔[۲]

۲۳۰۔فَاِنْ طَلَّقَهَا۔

پس اگر دو طلاق کے بعد اسے تیسری بار طلاق دے۔

---

(۱) تفسیر عیاشی، ص ۱۱۷ ج ۱ ح ۳۶۷ (۲) الکافی، ص ۱۳۹۔۱۴۱ ج ۶

تفسیر مجمع البیان میں امام باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ اس سے مراد تیسری مرتبہ طلاق دینا ہے۔[1]

فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۢ بَعْدُ۔

تو شوہر کے لیے اس طلاق کے بعد اس سے تزویج (شادی) کرنا جائز نہیں ہوگا۔

حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ۔

جب تک وہ عورت اس کے علاوہ کسی اور شخص سے نکاح نہ کرلے

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ۔

پس اگر وہ دوسرا شوہر طلاق دیدے تو ان دونوں کا نکاح کرنے کے بعد ایک دوسرے سے رجوع کرلینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ۔

اگر وہ دونوں اس بات کا یقین رکھتے ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے جو حقوق زوجیت معیّن کیے ہیں وہ انھیں پورا کریں گے اور شریعت کے حدود کی پابندی کریں گے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ۔

یہ احکام اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدیں ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے لیے وضاحت کررہا ہے جو سمجھتے ہیں اور تقاضائے علم سے باخبر ہیں۔

کتاب کافی میں امام صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ سے ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے اپنی بیوی کو ایسی طلاق دی کہ جب تک دوسرا شوہر اس سے نکاح نہ کرے اس کے لیے جائز نہیں ہوسکتی تو دوسرے شخص نے اس عورت سے متعہ کرلیا تو کیا اس پہلے شوہر کے لیے اس عورت سے نکاح کرنا جائز ہوگا امامؑ نے فرمایا نہیں۔[2]

(یعنی چوں کہ متعہ میں طلاق نہیں ہوتی۔ اس لیے یہ جائز نہیں لیکن اگر اس عورت سے کوئی شخص نکاح کرے اور اس کے بعد وہ طلاق دے دے تو پہلے شوہر کے لیے وہ جائز ہوجائے گی)

تفسیر عیاشی میں اس بات کا اضافہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ط دوسرے شوہر کے طلاق دینے کے بعد ان دونوں کے باہمی رجوع کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اگر یقین ہوجائے کہ وہ احکام خداوندی کی پابندی کرتے ہوئے حدود الٰہی کو قائم کریں گے۔ اور متعہ میں طلاق نہیں ہوتی۔ (بلکہ متعینہ مدّت کا گزرجانا ہی دونوں میں علیٰحدگی کردیتا ہے)۔[3]

کتاب کافی میں امام صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ آپ سے ایسے شخص کے بارے میں سوال

(۱) مجمع البیان، ص ۳۲۶ ج ۱۔ ۲ (۲) الکافی، ص ۴۲۵ ج ۵ ح ۲ (۳) تفسیر عیاشی، ص ۱۱۸ ج ۱ ح ۳۷۱

کیا گیا کہ جس نے وہ طلاق دی جس کے بعد عورت اس کے لیے جائز نہیں جب تک اس کے علاوہ کسی اور شخص سے نکاح نہ کر لے۔ اس کے بعد کسی شخص نے اس عورت سے شادی کر لی اور ہمبستری نہیں کی تو امام نے فرمایا ایسی عورت پہلے شوہر کے لیے جائز نہیں ہو گی جب تک کہ ہمبستری نہ ہو جائے۔[1]

۲۳۱–وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ–

اور جب تم عورتوں کو طلاق دیدو اور ان کی عدّت پوری ہو جائے، "بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ" کے معنی ہیں عدّت پوری ہونے کے قریب ہو جائے، اس لیے کہ لفظ بُلُوغ کا اطلاق قریب پر بھی اسی طرح ہوتا ہے جس طرح پہنچنے پر ہوتا ہے۔ اور اَجَل کا اطلاق مُدّت کی انتہا تک ہوتا ہے جس طرح صرف مُدّت کو بھی اجل کہتے ہیں۔

فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ–

تو انھیں بھلے طریقے سے روک لو۔

یعنی انھیں کسی قسم کی تکلیف دیے بغیر ایسے اسباب فراہم کرو جس سے تم ان کی جانب رجوع کر سکو۔

اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ–

یا اَحسن طریقے سے انہیں رخصت کر دو

یعنی ان کی عدّت کو پورا ہونے دو تا کہ وہ خود اپنی مرضی سے اپنے مستقبل کا فیصلہ کر لیں۔

وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا–

اور محض ستانے کی غرض سے انھیں نہ روکے رکھنا

لِّتَعْتَدُوْا–

(یہ زیادتی ہوگی) تا کہ طویل مدّت تک انھیں اپنے جال میں پھنسائے رکھو۔

یا انھیں فدیہ دینے پر مجبور کر دو۔

کتاب فقیہ میں ہے کہ امام صادق علیہ السّلام سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا اس کا مفہوم یہ ہے کہ مرد عورت کو طلاق دیتا ہے اور پھر عدّت پوری ہونے سے قبل اس سے رُجوع کر لیتا ہے پھر اسے طلاق دیتا ہے اور تین بار ایسا ہی کرتا ہے (اس کا مقصد ستانا ہوتا ہے) اس لیے اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے سے روک دیا ہے۔[2]

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ–

اور جو ایسا کرے گا وہ درحقیقت اپنے آپ پر ظلم کرے گا

اس لیے کہ اُسے عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

---

(۱) الکافی، ص ۴۲۵ ج ۵ ح ۴ (۲) من لایحضرہ الفقیہ، ص ۳۲۳ ج ۳ ح ۱۵۶۷

وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا۔

آیات الٰہی یعنی اس کے اوامر و نواہی کا مذاق نہ بناؤ

یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام پر بے جا تنقید کر کے اُن کا مذاق نہ اڑاؤ۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ۔

اور اللہ تعالیٰ نے تمھیں جو نعمتیں دی ہیں انھیں ہمیشہ یاد رکھو

کہ اس نے تمھاری بیویوں اور تمھارے اموال کو تمھارے لیے مباح کر دیا ہے۔

وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ۔

اور قرآن کریم اور ان علوم کا احترام ملحوظ رکھو جو دین کی حقیقت کو تم پر واضح کر رہے ہیں۔

يَعِظُكُمْ بِهٖ۔

وہ تمھیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم اس سے نصیحت حاصل کرو۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ۔

اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور خوب جان لو کہ اللہ کو ہر بات کی خبر ہے۔

یہ جملہ بطور تاکید اور تہدید (دھمکی) کہا گیا ہے۔

۲۳۲-وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ۔

اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دے چکو اور وہ اپنی عدت پوری کر لیں۔

فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ۔

تو پھر اس میں رکاوٹ نہ بنو کہ وہ اپنے (زیر تجویز) شوہروں سے نکاح کر لیں

یعنی بطور ظلم انھیں نکاح کر لینے سے نہ روکو، اس میں رکاوٹ نہ ڈالو۔ کہا گیا ہے کہ اس آیت میں یا تو ان کے شوہروں سے خطاب ہے یا اُن کے سرپرستوں سے خطاب کیا گیا ہے کہ انھیں اُن کے من پسند شوہروں سے نکاح کرنے میں رکاوٹ نہ ڈالیں یا ان دونوں سے خطاب ہے۔ یا تمام انسانوں سے خطاب ہے۔[1]

''عَضْل'' کے لفظی معنیٰ ہیں رکاوٹ ڈالنا۔ تنگی پیدا کرنا۔

اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ۔

جب کہ شوہر اور بیوی دونوں معروف طریقے پر مناکحت کے لیے راضی ہوں

''معروف'' وہ شرائط جو دین اور مروّت کے اعتبار سے قابلِ قبول ہوں۔

(۱) جوامع الجامع، ص ۱۲۷ ج ۱

ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔

یہ امر ونہی ان افراد کے لیے ہے جن کا ایمان اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ہے اس لیے کہ وہی نصیحت کرنے والا اور وہی فائدہ پہنچانے والا ہے۔

ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ۔

ان تمام امور پر عمل کرنا تمھارے لیے زیادہ سودمند اور گناہوں سے پاک رہنے کا باعث ہے

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔

اور اللہ جانتا ہے کہ کس چیز میں تمھارا فائدہ اور تمھاری بھلائی ہے اور تم اپنی کم علمی کی بنا پر اس کی افادیت سے بے خبر ہو۔

وَ الْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۗ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ وَ اِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۳﴾

۲۳۳۔ جو (باپ) یہ چاہتے ہوں کہ ان کی اولاد پوری مدّت رضاعت تک دودھ پیے، تو مائیں اپنے بچوں کو کامل دو سال تک دودھ پلائیں۔ اس صورت میں بچّے کے باپ کو معروف طریقے سے کھانے اور کپڑے کا انتظام کرنا ہوگا۔ مگر کسی پر اس کی گنجائش سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالنا چاہیے۔ نہ تو ماں کو اس وجہ سے تکلیف میں ڈالا جائے کہ بچّہ اس کا ہے اور نہ ہی باپ کو اس وجہ سے تنگ کیا جائے کہ اولاد اس کی ہے۔ دودھ پلانے والی کا حق (جیسا کہ بچّے کے باپ پر ہے) ویسا ہی اس کے وارث پر بھی ہے۔ لیکن اگر فریقین باہمی رضامندی اور مشورے سے دودھ چھڑانا چاہیں تو ایسا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اور اگر تمہارا خیال اپنی اولاد کو کسی دوسری عورت سے دودھ پلوانے کا ہو تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اس کا جو بھی معاوضہ طے کرو اسے معروف طریقے پر ادا کرو، اللہ سے ڈرو اور یہ جان لو کہ تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔

۲۳۳۔ وَ الْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ۔

یہ تاکیدی حکم بطور خبر بیان کیا گیا ہے۔

"وَ الْوَالِدٰتُ" سے مراد مائیں ہیں خواہ وہ طلاق یافتہ ہوں یا غیر مطلّقہ، ایک قول کے مطابق اس سے مراد صرف طلاق یافتہ مائیں ہیں اس لیے کہ سیاق کلام اس پر دلیل ہے۔[۱]

کتاب کافی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ آزاد عورتوں کو دودھ پلانے پر مجبور نہیں کیا

(۱) انوار التنزیل، ص ۱۲۳ ج ۱

جاسکتا ہے، البتہ کنیز ہو تو اُسے مجبور کیا جاسکتا ہے۔[۱]

میں (فیض کاشانی) یہ کہتا ہوں کہ احتمال یہ ہے کہ آیت کا مفہوم یہ ہو کہ دودھ پلانا ماؤں کا حق ہے اگر وہ دودھ پلانا چاہیں تو انہیں اس حق سے نہ روکا جائے اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے مروی ہے: لَيْسَ لِلصَّبِيِّ لَبَنٌ خَيْرٌ مِنْ لَبَنِ اُمِّهٖ۔ بچّے کے لیے ماں کے دودھ سے بہتر کوئی اور دودھ نہیں ہے۔[۲]

کتابِ کافی اور کتابِ فقیہ میں امیر المومنین علیہ السّلام سے مروی ہے: مَامِنْ لَبَنٍ رُضِعَ بِهِ الصَّبِيُّ اَعْظَمُ بَرَكَةً عَلَيْهِ مِنْ لَبَنِ اُمِّهٖ۔ کوئی دودھ ماں کے دودھ سے بڑھ کر برکت والا نہیں ہے جسے بچّے کو پلایا جائے۔

کہا گیا ہے کہ اگر بچہ ماں کے علاوہ کسی اور کا دودھ نہ پیۓ تو اس کی ماں پر اُسے دودھ پلانا واجب ہے یا اس کی زندگی کا انحصار ماں کے ہی دودھ پر ہو۔ یا ماں کے علاوہ کوئی اور عورت موجود نہ ہو جو بچّے کو دودھ پلائے۔[۳]

حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ۔

مکمّل دو سال تاکیدی اندازِ بیان ہے تاکہ بھول چوک نہ ہو

لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ۔

یہ حکم اس کے لیے ہے جو مدّت رضاعت کو پورا کرنا چاہتا ہے

یا ''يُرْضِعْنَ'' سے متعلّق ہے یعنی بیویاں اپنے شوہروں کی وجہ سے بچّے کو دو سال دودھ پلائیں اس لیے کہ بچّہ کا نفقہ اس کے والد کے ذمّے ہے اور اس آیت میں رضاعت کی انتہائی مُدّت جو دو سال ہے اسے بیان کیا گیا ہے۔ اور اس سے کم کا جواز بھی ہے۔

وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ۔

یعنی یہ جس کا بیٹا ہے اور جو اس بچّہ کا باپ ہے

اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ بچّہ کا تعلق باپ سے ہوتا ہے اس لیے اس کی طرف نسبت دی گئی ہے یہ نہیں کہا ''عَلَى الزَّوْجِ'' شوہر پر ذمّے داری ہے۔ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ کہہ کر دودھ پلانے کے وجوب کی طرف اشارہ ہے اور یہ بھی جتادیا گیا ہے کہ دودھ پلانے کے اخراجات کی ذمّے داری باپ کے اوپر ہے۔

رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ۔

اگر وہ بچّے کو دودھ پلاتی ہیں تو ان کی خوراک اور پوشاک کا معقول انتظام بچّے کے باپ کے ذمّے ہے۔ (یہ حکم ان عورتوں کے لیے ہے جو مطلّقہ ہوں اور دودھ پلائیں ورنہ بیویوں کے اخراجات تو ویسے ہی

(۱) الکافی، ص ۴۰، ۱ ج ۶ ح ۴ (۲) عیون اخبار الرضا، ص ۳۴ ج ۲ ح ۶۹

(۳) الکافی، ص ۴۰ ج ۶ ح ۱ و من لا یحضرہ الفقیہ، ص ۳۰۵ ج ۳ ح ۱۴۶۵

شوہر کی ذمّے داری میں شامل ہے)۔

لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا۔

کسی کو بھی اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دی جائے گی

یعنی دونوں ایک دوسرے کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہ دیں گے اور والد کو بچّے کی وجہ سے کسی پریشانی میں مبتلا نہ کیا جائے گا۔

لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا۔

اور نہ ہی ماں اپنے بچّے کی وجہ سے اپنے شوہر کو تنگ کرے گی

یعنی یہ کہ بچّے کے باپ کو ستانے کی خاطر یا ناراضی کے سبب بچّے کو دودھ پلانا ترک کردے بالخصوص جب بچّہ اس سے مانوس ہو چکا ہو، یا وہ اپنے شوہر سے ایسی چیزوں کا مطالبہ کرے جو عُرفِ عام سے ہٹ کر ہوں۔ یا بچے کے بارے میں اس کے باپ کو تنگ کرے یا حمل کے خوف سے اپنے شوہر کو دور رکھے یہ سمجھ کر کہ یہ دودھ پینے والے بچّے کے لیے نقصان دہ ہوگا۔

وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ۔

اور نہ ہی باپ اپنے بچّے کی وجہ سے اپنی بیوی کو تنگ کرے

بچّے کو اس سے علاحدہ کرکے، اگر وہ دودھ پلانا چاہتی ہو تو اس سے روک کر بالخصوص جب بچّہ اُس سے مانوس ہو چکا ہو۔ یا اُسے مجبور بنا کر، یا جو کچھ اس پر واجب ہے اُسے نہ دے کر یا حمل کے خوف سے جماع کو ترک کر کے کہ کہیں یہ عمل شیر خوار بچّے کے لیے نقصان دہ نہ ہو۔

کتاب کافی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ آپ سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ دودھ پلانے والیوں میں ایک ایسی عورت تھی جو اپنے شوہر کو یہ کہہ کر اپنے سے دور کر دیتی تھی کہ میں تمھیں اس بات کی اجازت نہیں دوں گی اس لیے کہ مجھے حمل کا خطرہ ہے جو میرے دودھ پیتے بچّے کے لیے زہر قاتل ہے اور جب کوئی عورت اپنے شوہر کو ہمبستری کی دعوت دیتی تھی تو وہ یہ کہہ کر انکار کر دیتا تھا کہ میں ڈرتا ہوں کہ ہمبستری کے ذریعہ اپنے بیٹے کو قتل کرنے کا سبب نہ بنوں تو اس طرح وہ عورت کو چھوڑ دیتا تھا اور اس سے ہمبستری نہیں کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس بات سے منع فرمایا کہ نہ تو مرد عورت کو اذیّت پہنچائے اور نہ ہی عورتیں مرد کی اذیّت کا سبب بنیں۔[1]

امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو ایسی حالت میں طلاق دے کہ وہ حاملہ ہو تو جب تک وضعِ حمل نہ ہو اس کے اخراجات کی ذمّے داری شوہر کی ہوگی اور جب وضعِ حمل ہو جائے

---

(۱) الکافی، ص ۱۴۱ ج ۶ ح ۶

تو اسے دودھ پلانے کی اجرت دینا ہوگی اِلّا یہ کہ ایسی عورت مل جائے جو اس سے کم اُجرت پر راضی ہو جائے پس اگر اس کی مطلقہ بیوی اسی اُجرت پر راضی ہو تو اسے اپنے بچّے کو دودھ چھڑانے تک دودھ پلانے کا زیادہ حق ہے۔[۱]

وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ۔

اور دودھ پلانے والی کا حق جیسا کہ بچّے کے باپ پر ہے، ویسا ہی اس کے وارث پر بھی ہے۔

یعنی شوہر کے مرنے کے بعد جو اس بچّے کا وارث ہوگا۔

تفسیر عیاشی میں امام باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ آپ سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا گیا تو امام نے فرمایا: اَلنَّفَقَةُ عَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ مَاعَلَى الْوَالِدِ۔ بچّے کے باپ پر اخراجات کی جو ذمّے داری تھی ویسی ہی اس کے وارث پر ہوگی۔[۲]

اور امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ آپ سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ وارث کے لیے مناسب نہیں ہے کہ عورت (بچہ کی ماں) کو تکلیف دے اور یہ کہے کہ میں اس کے بچّے کو اس کے پاس آنے کی اجازت نہیں دوں گا اور یہ کہ اس کے بچّے کو اذیّت پہنچائے اور ان پر روزی کو تنگ کر دے۔[۳]

کتاب کافی میں امام صادق علیہ السّلام سے اللہ تعالیٰ کے قول "وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ" کی تفسیر میں مروی ہے کہ آپ نے منع فرمایا کہ بچّے کو نقصان پہنچایا جائے یا رضاعت کے بارے میں اس کی ماں کو اذیّت دی جائے اور بچّے کی ماں کو حق نہیں ہے کہ دو سال سے زیادہ رضاعت کو طول دیدے۔[۴]

کتاب فقیہ میں امیر المومنین علیہ السّلام سے روایت ہے کہ آپ نے ایک ایسے شخص کے بارے میں فیصلہ کیا جس کا انتقال ہو گیا تھا اور اس نے ایک بچّہ چھوڑا تھا جس کے لیے دودھ پلانے والی آیا کی ضرورت تھی تو امامؑ نے فرمایا کہ بچّے کی رضاعت کی اُجرت اس کے ماں باپ کے ترکہ سے ادا کی جائے گی۔[۵]

فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا۔

تفسیر مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے اس کی تفسیر یہ منقول ہے کہ اگر وہ دو سال سے پہلے دودھ چھڑانا چاہیں۔[۶]

عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا۔

(تو اگر) یہ باہمی رضامندی اور مشورے سے ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

---

(۱) الکافی، ص ۱۰۳ ج ۶ ح ۲ (۲) تفسیر عیاشی، ص ۱۲۱ ج ۱ ح ۳۸۳ (۳) تفسیر عیاشی، ص ۱۲۱ ج ۱ ح ۳۸۴
(۴) الکافی، ص ۱۰۳ ج ۶ ح ۳ (۵) من لایحضرہ الفقیہ، ص ۳۰۹ ج ۳ ح ۱۴۸۷ (۶) مجمع البیان، ص ۳۳۵ ج ۱-۲

وقت مقرّر کردینے کے بعد اس آیت کے ذریعہ وقت میں وسعت دی گئی ہے۔اور دونوں کی رضامندی کا اعتبار بچّے کی بہتری کے لیے اور اس خوف سے کیا گیا کہ ان دونوں میں سے کوئی بھی ایسا اقدام نہ کرے جس میں بچّے کا نقصان ہو۔

وَ اِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْۤا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ-

اور اگر تمھارا ارادہ اپنی اولاد کو کسی دوسری عورت سے دودھ پلوانے کا ہو تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے

اِذَا سَلَّمْتُمْ-

اور جب تم بچّہ کو دودھ پلانے کے لیے دودھ پلانے والیوں کے حوالے کرو

تو اس کا جو بھی معاوضہ طے کرو۔

مَّاۤ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ-

وہ اسے معروف طریقے پر ادا کرو

یعنی اتنا معاوضہ دو، جو نگاہِ شریعت میں مستحسن ہو۔

کتاب کافی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے مروی ہے کہ: وَلَا تُسْتَرْضَعُ الْحَمْقَاءُ وَلَا الْعَمْشَاءُ فَاِنَّ اللَّبَنَ يَعْدِيْ بچّے کو احمق اور کمزور نظر والی دایہ کا دودھ نہیں پلانا چاہیے اس لیے کہ دودھ بیماری کو منتقل کرتا ہے۔[1]

اور امیر المومنین علیہ السّلام سے مروی ہے کہ: اُنْظُرُوْا مَنْ تُرْضِعُ اَوْلَادَكُمْ فَاِنَّ الْوَلَدَ يَشِبُّ عَلَيْهِ۔ یہ دیکھو کہ کون تمھاری اولاد کو دودھ پلا رہا ہے اس لیے کہ اولاد اسی سے پروان چڑھتی ہے۔[2]

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ وہ بچّہ اسی دودھ کو پی پی کر جوان بنتا ہے۔

وَ اتَّقُوا اللّٰهَ-

بچوں کی نگہداشت اور دودھ پلانے والی کی تلاش میں خوف خدا سے کام لو اور شریعت کے مطابق اقدام کرو۔

وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ-

اور یہ جان لو کہ تم جو عمل کر رہے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔

اس آیت کے ذریعہ لوگوں کو ابھارنا اور ڈرانا مقصود ہے۔

---

(۱) یہ روایت کافی کے علاوہ عیون اخبار الرضاص ۳۴ ج ۲ پر بھی ہے۔ (۲) الکافی، ص ۴۴ ج ۶ ح ۱۰

وَ الَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ
اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا
فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۳۴﴾
وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ
اَنْفُسِكُمْ ۗ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَ لٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ
سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۬ۚ وَ لَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى
يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ۗ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ
فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۳۵﴾ ع ۳۰ ۴ ۱۴

۲۳۴- تم میں سے جو لوگ مر جائیں اور اُن کے بعد اُن کی بیویاں زندہ ہوں تو وہ اپنے آپ کو چار مہینے دس دن تک روکے رکھیں۔ پھر جب اُن کی عدّت پوری ہو جائے تو انھیں اختیار ہے، اپنی ذات کے معاملہ میں معروف طریقے سے جو چاہیں کریں۔ تم پر اُن کی کوئی ذمّے داری نہیں ہے، اللہ تم سب کے اعمال سے باخبر ہے۔

۲۳۵- عدّت کے دوران تم ان بیوہ عورتوں سے منگنی کا ارادہ اشارے، کنائے میں ظاہر کرو خواہ دل میں چھپائے رکھو دونوں صورتوں میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اللہ جانتا ہے کہ اُن کا خیال تو تمھارے دل میں آئے گا ہی۔ مگر دیکھو خفیہ عہد و پیمان نہ کرنا، اگر کوئی بات کرنی ہے تو معروف طریقے سے کرو۔ اور عقد نکاح کا فیصلہ اس وقت تک نہ کرو جب تک کہ عدّت پوری نہ ہو جائے۔ خوب سمجھ لو کہ اللہ تمھارے دلوں کے حالات سے بخوبی باخبر ہے۔ لہٰذا اللہ سے ڈرو اور یہ بھی جان لو کہ اللہ بردبار ہے وہ (چھوٹی چھوٹی) باتوں سے درگزر فرماتا ہے۔

۲۳۴- وَ الَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا-

تم میں سے جن لوگوں کا انتقال ہو جائے اور اُن کے بعد ان کی بیویاں زندہ ہوں تو وہ اپنے شوہروں کے انتقال کے بعد چار مہینے دس دن اپنے آپ کو روکے رکھیں۔

چار مہینے دس دن کی مدّت اس لیے مقرر کی گئی کہ شکم مادر میں اگر لڑکا ہو تو تین ماہ اور لڑکی ہو تو چار ماہ

میں حرکت کرتی ہے تو دونوں کی انتہائے مدّت کو بیان کیا گیا۔ اور دس دن کا اضافہ اس لیے ہوا کہ شکم مادر میں بچّے کی حرکت واضح ہوجائے اس لیے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ شروع میں حرکت کمزور ہو تو محسوس نہیں ہوتی۔ ۱

کتاب علل الشّرائع میں امام رضا علیہ السّلام سے مروی ہے اس پر اس مُدّت کا پورا کرنا واجب ہے جب اسے شوہر کی طرف سے مصیبت پہنچے اور وہ وفات پاجائے جس طرح شوہر اپنی زندگی میں اپنی بیوی سے نہ ملنے کی قسم کھالے تو اس مُدّت کا پورا کرنا اس پر واجب ہے اور یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ ہمبستری کو ترک کرنے میں عورت چار مہینے سے زیادہ صبر نہیں کرسکتی اسی وجہ سے اس مُدّت کو واجب قرار دیا گیا۔ ۲

اور امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ طلاق یافتہ عورت کو تین مہینہ میں تسکین ملتی ہے جب کہ بیوہ کو تسکین پانے کے لیے چار ماہ اور دس دن درکار ہیں۔ ۳

کتاب تہذیب میں امام باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ ہر قسم کے نکاح میں جب شوہر کا انتقال ہوجائے تو عورت پر لازم ہے خواہ وہ آزاد ہو یا کنیز اور نکاح مؤقت (متعہ) ہو یا دائمی یا ملکیت میں آئی ہو، عدّت ہر حال میں چار مہینہ دس دن ہوگا۔ ۴

فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ-

پس جب وہ عورتیں اس عدّت کی مُدّت کو پورا کرلیں تو اے مرنے والے کے وارثو! ان عورتوں کو اپنی ذات کے معاملے میں مکمّل اختیار حاصل ہے۔

عدّت کے دوران جو چیزیں حرام تھیں اب انھیں بجالانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

بِالْمَعْرُوفِ-

لیکن یہ طریقہ ایسا ہونا چاہیے جو شرعی اعتبار سے درست اور رائج ہو

وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ-

تم جو کچھ عمل کررہے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔

وہ اس سے متعلّق تمھیں جزا یا سزا دے گا۔

۲۳۵- وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ-

عدّت کے دوران تم ان بیوہ عورتوں سے منگنی کا ارادہ اشارے کنائے میں ظاہر کردو تو کوئی حرج نہیں ہے۔

جیسے یہ کہو: تم خوبصورت ہو، نیکوکار ہو، میں ایسی بیوی چاہتا ہوں جس میں یہ اوصاف ہوں اور وہ کچھ اوصاف بیان بھی کردے اور اسی قسم کی گفتگو جس سے یہ اندازہ لگایا جائے کہ یہ شخص اس عورت سے نکاح کا

---

(۱) انوار التنزیل، ص ۱۲۴ ج ۱ (۲) علل الشرائع، ص ۵۰۷ ج ۲ ح ۱ باب ۲۷۷ (۳) علل الشرائع ص ۵۰۸ ج ۲ باب ۲۷۷ (۴) تہذیب الاحکام، ص ۱۵۷ ج ۸ ح ۵۴۵

متمنّی ہے تاکہ وہ عورت اگر اس شخص کی طرف مائل ہو تو اپنے آپ کو اس کے لیے مختص کر دے البتہ بالصّراحت بیان کرنا درست نہیں ہے۔

اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ۔

یا تم اس بات کو اپنے دل میں چھپائے رکھو زبان سے یا اشارے کنائے سے بھی اس کا ذکر نہ کرو۔

عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ۔

اللہ جانتا ہے کہ ان کا خیال تمھارے دل میں ضرور آئے گا۔

اس لیے کہ تم انھیں چاہتے ہو ان کی طرف مائل ہو تمھیں ڈر ہے کہ کوئی تم سے پہلے ان سے اپنی خواہش کا اظہار نہ کر دے تو ایسی صورت میں اُن سے اظہار خیال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا۔

مگر دیکھو ان سے کوئی خفیہ معاہدہ نہ کرنا

اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا۔

تنہائی میں صرف اشارے کنائے سے نکاح کی بات کر سکتے ہو

جو شریعت کے دائرے کے اندر ہو لیکن صراحۃً کہنا درست نہیں ہے۔

وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ۔

اور عقدِ نکاح کا فیصلہ اس وقت تک نہ کرو جب تک عدّت کی مدّت پوری نہ ہو جائے

کتاب کافی میں امام صادق علیہ السّلام سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا گیا: "وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا" سے کیا مراد ہے؟ تو امام علیہ السّلام نے فرمایا کہ عدّت پوری کرنے سے پہلے مرد عورت سے یہ کہے: اُوَاعِدُكِ بَيْتَ آلِ فُلَانٍ۔ فلاں خاندان کے گھر کو ملاقات کے لیے معیّن کر لیتے ہیں تاکہ وہاں پر منگنی ہو جائے۔ اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا سے مراد منگنی کے بارے میں طے کرنا ہے۔[1]

اور ایک روایت میں ہے مرد یہ کہے: مَوْعِدُنَا بَيْتُ آلِ فُلَانٍ۔ فلاں خاندان کا گھر ہماری ملاقات کی جگہ ہے، پھر وہ اس عورت سے یہ مطالبہ کرے کہ عدّت پوری ہونے کے بعد وہ وہاں جانے میں سبقت نہ کرے قول معروف یہ ہے کہ عدّت کے پورے ہونے سے قبل نکاح کا قصد کیے بغیر امر حلال کو حاصل کرنا۔[2]

دوسری روایت میں ہے کہ وہ اس عورت سے مل کر یہ کہے: اِنِّیْ فِيْكِ لَرَاغِبٌ وَاِنِّیْ لِلنِّسَاءِ لَمُكْرِمٌ فَلَا تَسْبِقِيْنِیْ بِنَفْسِكِ۔ میں تمھاری طرف مائل ہوں، میں عورتوں کی عزّت و حرمت کا قائل ہوں تم مجھ سے پہلے سبقت نہ کرنا۔ راز یہ ہے کہ وعدہ گاہ پر تنہائی میں ملاقات نہ کریں۔[3]

(۱) الکافی، ص ۴۳۴ ج ۵ ح ۱ (۲) الکافی، ص ۴۳۴ ج ۵ ح ۲ (۳) الکافی، ص ۴۳۵ ج ۵ ح ۴

میں (فیض کاشانی) کہتاہوں کہ یہ تمام روایات اس قول معروف کی تفسیر کرتی ہیں جو وعدہ گاہ پر مشتمل ہیں۔ اور آخر میں ''سِرّ'' کی تفسیر یہ ہے کہ وعدہ گاہ یعنی خلوت میں ملاقات سے روک دیا گیا ہے۔ حدیث کے الفاظ لَا یَخلو سے متنبّہ کیا گیا ہے کہ خلوت میں ملاقات کرنا منع ہے منگنی کا اظہار منع نہیں ہے۔ اس حدیث سے یہ پتا چلتاہے کہ لوگ منگنی کے اظہار کے بہانے ناشائستہ گفتگو کیا کرتے تھے جس سے انھیں روکا گیا اور ایک احتمال یہ بھی ہے کہ ''بِالْمَوَاعِدَةِ سِرًّا'' ''خفیہ وعدہ سے مراد'' منگنی کے اظہار کی آڑ میں مباشرت وغیرہ ہے اور بیت آل فلاں سے مراد اس کام کے لیے جگہ کا تعیّن کرنا ہے۔

امام کاظم علیہ السّلام سے مروی ہے کہ اگر مرد یہ کہے کہ: اواعدک بیت آل فلاں تو اسے گناہ کی دعوت دے رہاہے اور اس کے لیے وقت معیّن کررہاہے۔ اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا اور قول معروف یہ ہے کہ منگنی کے لیے سامنے اور حلال طریقے سے اشارے کنائے میں اظہار کیا جائے۔ [۱]

تفسیر عیاشی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ آپ نے اس آیت کے ذیل میں فرمایا کہ جب عورت اپنی عدّت کے دن پورے کررہی ہوتو تم اس سے عمدہ انداز سے گفتگو کرکے اپنی طرف مائل کرسکتے ہو مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ میں یہ کروں گا اور وہ کروں گا۔ مباشرت کے سلسلے میں کسی قبیح بات کی اجازت نہیں ہے بلکہ ہر بُری بات سے منع کیا گیا ہے۔ [۲]

دوسری روایت میں ہے جب عورت عدّت میں ہوتو اس سے کہے:

یَاھٰذِہٖ مَآاُحِبُّ اِلَّا مَآاَسَرَّكِ وَلَوْ قَدْ مَضٰى عِدَّتُكِ لَا تَفُوْتِيْنِيْ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ وَلَا تَسْبِقِيْ بِنَفْسِكِ۔

اے فلانی! میں اسی بات کو پسند کرتاہوں جس میں تمھاری خوشی ہو جب عدّت گزر جائے تو تم مجھے ان شاء اللہ اپنے سے دور نہ پاؤ گی لیکن تم اس معاملہ میں عُجلت سے کام نہ لینا اور یہ سب کچھ عقد نکاح کا قصد کیے بغیر ہو۔ [۳]

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ۔

اور یہ بات سمجھ لو کہ اللہ تمھارے دلوں کے حالات سے بخوبی آگاہ ہے کہ تم ایسی بات کا ارادہ کررہے ہو جو جائز نہیں ہے۔

فَاحْذَرُوْهُ۔ لہٰذا ایسے ارادے سے باز آجاؤ

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ۔

اور اچھی طرح جان لو! کہ جو شخص کسی معصیت کا ارادہ کرلے لیکن عمل نہ کرے تو اللہ ایسے شخص سے درگزر کرنے والا ہے، اور بردبار ہے کہ سزا دینے میں عُجلت سے کام نہیں لیتا بلکہ توبہ کی مُہلت دیتا ہے۔

(۱) الکافی، ص ۴۳۵ ج ۵ ح ۳ (۲) تفسیر عیاشی، ص ۱۲۳ ج ۱ ح ۳۹۴ (۳) تفسیر عیاشی، ص ۱۲۳ ج ۱ ح ۳۹۵

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚۖ وَّ مَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَ عَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۳۶﴾

وَ اِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَ قَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّاۤ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ وَ اَنْ تَعْفُوْۤا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؕ وَ لَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۷﴾

۲۳۶- تم پر کوئی گناہ نہیں ہے، اگر تم اپنی عورتوں کو ہاتھ لگانے یا مہر مقرر کرنے سے پہلے طلاق دے دو، اس صورت میں انھیں کچھ نہ کچھ دینا ضرور چاہیے خوش حال اپنی حیثیت کے مطابق اور غریب اپنی بساط بھر، معروف طریقے سے ادا کرے۔ نیک آدمیوں پر یہ حق مقرّر کیا گیا ہے۔

۲۳۷- اگر تم نے ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دی ہو اور مہر مقرر کیا جا چکا ہو تو اس صورت میں نصف مہر دینا ہوگا یہ اور بات ہے کہ عورت نرمی برتے (اور مہر نہ لے) یا وہ ولی جس کے اختیار میں عقد نکاح ہے، نرمی سے کام لے اور مہر کی رقم کو معاف کر دے اور تم (یعنی مرد) نرمی سے کام لو تو یہ تقویٰ کے نزدیک لے جاتا ہے۔ اور آپس کے معاملات میں فیّاضی کو فراموش نہ کرو، اللہ تمھارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔

۲۳۶- لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ-

تم پر مہر یا کسی قسم کی ذمّے داری کا گناہ نہیں ہے۔

اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ-

اگر تم مباشرت کرنے سے قبل ہی اپنی عورتوں کو طلاق دیدو

اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً-

مگر یہ کہ مہر کی رقم معین کر لو

اگر مطلّقہ کو مباشرت سے قبل طلاق دے دی اور مہر کی رقم کا تعیّن ہو چکا تھا تو نصف مہر ادا کرنا ہوگا

جیسا کہ آیت میں مذکور ہے اور اگر مہر متعیّن نہ تھا تو اس کو فائدہ پہنچانے کے سوا کوئی اور حق نہیں ہے جیسا کہ اس آیت میں آیا ہے اور یہ دونوں حکم اُس روایت میں بھی آئے ہیں جسے عیاشی اور کافی نے اپنی کتابوں میں امام صادق علیہ السّلام سے روایت کی ہے۔[۱]

وَّ مَتِّعُوۡهُنَّ -

یعنی اپنے مال میں سے عطا کرو جس سے انھیں فائدہ پہنچے

عَلَی الۡمُوۡسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَی الۡمُقۡتِرِ قَدَرُهٗ -

جو دولت مند ہیں وہ اپنی حیثیت کے مطابق اور جو غریب ہیں وہ اپنی حالت کے اعتبار سے مہر کے ضمن میں کچھ نہ کچھ ضرور دے۔

''قَدَر'' کے معنی ہیں وہ مقدار جس کی مقدرت اور طاقت رکھتا ہو۔

مَتَاعًا بِالۡمَعۡرُوۡفِ -

مقصد فائدہ پہنچانا ہے اس طریقے سے جسے شریعت نے پسند کیا ہو اور معاشرہ بھی اُسے اچھی نگاہ سے دیکھتا ہو۔

حَقًّا عَلَی الۡمُحۡسِنِیۡنَ -

احسان کرنے والوں پر شریعت نے یہ حق مقرّر کر دیا ہے۔

کتاب کافی اور تفسیر عیاشی میں ہے کہ امام صادق علیہ السّلام سے ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا گیا کہ جو اپنی بیوی کو طلاق دے رہا ہے کیا وہ اس کو فائدہ پہنچائے تو امامؑ نے فرمایا ہاں کیا وہ پسند نہیں کرتا ہے کہ محسنین میں سے ہو، کیا وہ پسند نہیں کرتا کہ متّقین میں سے ہو۔[۲]

امام باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ آپ سے ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جو اپنی بیوی کو ہمبستری سے پہلے طلاق دینا چاہتا ہے تو امامؑ نے فرمایا کہ طلاق دینے سے قبل اسے فائدہ پہنچائے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَّ مَتِّعُوۡهُنَّ عَلَی الۡمُوۡسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَی الۡمُقۡتِرِ قَدَرُهٗ۔[۳]

تفسیر عیاشی میں امام کاظم علیہ السّلام سے مروی ہے کہ آپ سے مطلّقہ عورت کے بارے میں سوال کیا گیا کہ کیا مطلّقہ کو شوہر سے کسی قسم کا فائدہ حاصل ہوگا؟ تو امامؑ نے فرمایا شوہر کے پاس جتنا مال ہے اس کے مطابق اُسے فائدہ ملے گا۔[۴]

کتاب کافی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے آپ نے فرمایا مطلّقہ کو ویسا ہی فایدہ ملے گا جیسا

---

(۱) تفسیر عیاشی، ص ۱۲۴ ج ا ح ۳۹۷ والکافی، ص ۱۰۶ ج ۶ ح ۱ (۲) الکافی ص ۱۰۴۔۱۰۵ ج ۶ ح ۱ و تفسیر عیاشی، ص ۱۲۴ ج ا ح ۳۹۶
(۳) تہذیب الاحکام، ص ۱۴۱ ج ۸ ح ۴۸۹ (۴) تفسیر عیاشی، ص ۱۲۴ ج ا ح ۴۰۲

اس کی حیثیت کی عورت کو ملتا ہے۔ [۱]

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ دونوں کے حالات کو نظر میں رکھا جائے گا کتاب فقیہ میں مروی ہے کہ صاحبِ ثروت سے گھر اور خادم کا فائدہ ملے گا اور درمیانی حیثیت کے آدمی سے لباس کا فائدہ حاصل ہوگا اور غریب آدمی سے درہم یا انگوٹھی مل جائے گی۔ [۲]

اور روایت کی گئی ہے کہ کم از کم دوپٹہ یا اس جیسی ہی کوئی چیز کیوں نہ ہو۔ [۳]

کتاب فقیہ اور تہذیب میں امام باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ سورۂ احزاب میں جو "فَمَتِّعُوْهُنَّ" کا لفظ آیا ہے (۴۹ احزاب ۳۳) وہ بھی بعینہٖ اسی حکم میں ہے امام علیہ السّلام نے فرمایا: تم جو نیکی کر سکتے ہو اس سے انھیں آراستہ کرو اس لیے کہ وہ عورتیں تمھارے پاس سے نہایت شِدّتِ غم اور عالمِ وحشت اور بڑی مصیبت اور اپنے دشمنوں کی شماتت (دوسروں کی مصیبت پر خوش ہونا) لیے ہوئے واپس جائیں گی۔ بے شک اللہ کریم ہے، اسے ان باتوں سے شرم آتی ہے اور وہ صاحبانِ حیا کو دوست رکھتا ہے، تم میں سب سے زیادہ قابلِ تکریم وہ ہے جو اپنی بیویوں کے ساتھ عزّت کا برتاؤ کرتا ہے (ہم عنقریب حدیث کا بقیہ حصّہ بھی بیان کریں گے) [۴]

۲۳۷– وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ–

اگر تم نے اپنی بیویوں کو ہاتھ لگانے سے قبل یعنی ہمبستری سے پہلے طلاق دی ہو اور مہر مقرّر کیا جا چکا ہو تو اس صورت میں نصف مہر دینا ہوگا۔

یعنی تم نے مہر کی جو رقم مقرر کی تھی ان عورتوں کو نصف مہر لینے کا حق ہے۔

اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ–

مگر یہ کہ وہ مطلقہ عورتیں جس نصف مہر کی حق دار تھیں اس سے دست بردار ہو جائیں اور اپنے شوہروں سے اس کا مطالبہ نہ کریں۔

اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ–

یا جو اُن عورتوں کے عقد نکاح کا ولی ہے وہ نرمی سے کام لیتے ہوئے مہر کی رقم کو معاف کر دے۔

کتاب فقیہ اور تہذیب میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے ولی سے مراد باپ ہے یا جو عورت کا وکیل اور اس کے امر کا ولی ہو جیسے بھائی یا کوئی اور قرابت دار۔ [۵]

کتاب کافی میں امام صادق علیہ السّلام سے بہت سی احادیث میں وارد ہوا ہے کہ ولی سے مراد باپ،

---

(۱) الکافی، ص ۱۰۸ ج ۶ ح ۱۱ (۲، ۳، ۴) من لا یحضرہ الفقیہ، ص ۳۲۷ ج ۳ ح ۱۵۸۲ / ۱۵۸۳ / ۱۵۸۰ و تہذیب الاحکام، ص ۱۴۱ ج ۸ ح ۴۸۸ (۵) من لا یحضرہ الفقیہ، ص ۳۲۷ ج ۳ ح ۱۵۸۴ و تہذیب الاحکام، ص ۱۴۲ ج ۸ ح ۴۹۳

بھائی اور وہ ہے جس کے بارے میں وصیّت کی ہو، اور وہ شخص جو عورت کے مال میں خرید وفروخت کا مجاز ہو اگر وہ مہر کی رقم معاف کردے تو جائز ہے۔ ۱

اور ایک روایت میں ہے کہ اگر اس کا باپ معاف کردے تو جائز ہے اور اس کا بھائی اگر اس کا ولی ہو اور اس کے امور کا نگراں ہو تو وہ بھی معاف کرسکتا ہے اس لیے کہ وہ باپ کی جگہ پر ہے اور اگر بھائی ولی نہ ہو اور نہ ہی اس کے امور کا نگراں ہو تو پھر اسے کسی امر کی اجازت نہیں ہے۔ ۲

اور امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے: الَّذِیْ بِیَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ سے مراد وہ ولی ہے جو نکاح کا ذمّے دار ہے وہ مہر کی کچھ رقم لے لے اور کچھ چھوڑ دے مکمّل مہر کو چھوڑنے کا اختیار اسے حاصل نہیں ہے۔ ۳

تفسیر مجمع البیان میں امام باقر علیہ السّلام اور امام صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جس کے ہاتھ میں عقد نکاح کی ذمّے داری ہے وہی ولی مانا جائے گا۔

امیر المومنین علیہ السّلام نے فرمایا ہمارے نزدیک ولی باپ ہے یا باپ کی موجودگی میں دادا بھی ولی ہے اس لڑکی کے لیے جو نابالغ ہو، ان دونوں کے علاوہ کسی کو ولایت کا حق نہیں ہے مگر یہ کہ یہ دونوں کسی اور کو ولی بنادیں۔ مگر پہلی بات اظہر ہے اور یہی راہِ صواب ہے۔ ۴

"عَفْوُ الزوج" کے معنیٰ ہیں شوہر معاف کردے یعنی واپس نہ کرے اس لیے کہ وہ لوگ ہمبستری سے پہلے مہر کو اپنے لیے مباح کرلیتے تھے۔

وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى۔

اور اگر تم (مرد) نرمی سے کام لو تو یہ تقویٰ سے قریب تر ہے

کتاب کافی میں امام باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ ایک شخص نے قسم کھائی کہ وہ اپنے غلام کو مارے گا پھر اس نے قسم کو پورا نہیں کیا، جب امام علیہ السّلام سے اس بارے میں دریافت کیا گیا تو امامؑ نے فرمایا کیا خداوند عالم نہیں فرماتا ہے: وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى اور یہ کہ معاف کردو معاف کرنا تقویٰ سے نزدیک کردیتا ہے۔ ۵

وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَیْنَكُمْ۔

اور ایک دوسرے کے ساتھ حسنِ سلوک کو فراموش نہ کرو اس میں کوتاہی نہ ہونے دو

تفسیر مجمع البیان میں حضرت علی علیہ السّلام سے مروی ہے کہ آپس میں فیّاضی کو کسی لمحہ بھی فراموش نہ کرو۔ ۶

(۱) الکافی، ص۱۰۶ ج۶ ح ۲/۳ (۲) تفسیر عیاشی ج۱ ص۱۲۶ ح ۴۱۰ (۳) تفسیر عیاشی ج۱ ص ۱۲۵ ح ۴۰۷
(۴) مجمع البیان ص ۳۴۱۔ ۳۴۲ ج ۱۔۲ (۵) الکافی، ص۴۶۰۔ ۴۶۱ ج ۷ ح ۴ (۶) مجمع البیان، ص۳۴۱ ج۱۔۲

اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ۔

بے شک اللہ تمھارے ہر عمل پر نگران ہے۔

تفسیر عیاشی میں امام باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ لوگوں پر ایک دور آئے گا کہ ہر شخص کے ہاتھ میں جو کچھ ہوگا وہ اس سے بُخل کرے گا اور باہمی سخاوت و فیّاضی کو فراموش کردے گا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَلَا تَنۡسَوُا الۡفَضۡلَ بَيۡنَكُمۡ ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک کو فراموش نہ کرو۔[1]

کتاب عیون میں امیر المومنین علیہ السّلام سے مروی ہے کہ انسانوں پر ایک ایسا گزند پہنچانے والا دور آئے گا کہ مومن کے ہاتھ میں جو کچھ ہوگا وہ اس سے بُخل کرے گا اور اُس کا اس بات پر ایمان نہ ہوگا جسے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے: وَلَا تَنۡسَوُا الۡفَضۡلَ بَيۡنَكُمۡ تم باہمی فضل و کرم کو فراموش نہ کرو۔[2]

نہج البلاغہ میں ہے کہ امیر المومنین علیہ السّلام نے فرمایا ہے کہ لوگوں پر ایک ایسا گزند پہنچانے والا دور آئے گا۔ جس میں مال دار اپنے مال میں بخل کرے گا حالاں کہ اُسے یہ حکم نہیں دیا گیا۔ چناں چہ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے کہ "آپس میں حسنِ سلوک کو فراموش نہ کرو۔" اس زمانہ میں شریر لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے اور نیکوکار ذلیل و خوار سمجھے جائیں گے۔ مجبور و بے بس لوگوں سے خرید و فروخت کی جائے گی حالاں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے مجبور و مضطر لوگوں سے (اونے پونے) خریدنے کو منع کیا ہے۔

(نہج البلاغہ کلمات قصار ۴۶۸)

---

(۱) تفسیر عیاشی، ص ۱۲۷۔۱۲۸ ج ۱ ح ۴۱۴ (۲) عیون اخبار الرضا، ص ۴۵ ج ۲ ح ۱۶۸

حٰفِظُوۡا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوۃِ الۡوُسۡطٰی ٭ وَ قُوۡمُوۡا لِلّٰہِ قٰنِتِیۡنَ ﴿۲۳۸﴾
فَاِنۡ خِفۡتُمۡ فَرِجَالًا اَوۡ رُکۡبَانًا ۚ فَاِذَاۤ اَمِنۡتُمۡ فَاذۡکُرُوا اللّٰہَ کَمَا عَلَّمَکُمۡ
مَّا لَمۡ تَکُوۡنُوۡا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۳۹﴾

۲۳۸- اپنی نمازوں کا خیال رکھو، خصوصاً درمیانی نماز، اور اللہ کے آگے نہایت خضوع وخشوع کے ساتھ کھڑے رہو۔

۲۳۹- بد امنی کی حالت ہوتو خواہ پیدل ہوخواہ سوار جس طرح ممکن ہونماز پڑھو، اور جب امن کی حالت بحال ہوجائے، تو اللہ کو اس طرح یاد کرو جس طرح اس نے تمھیں سکھا دیا ہے، جس سے تم پہلے ناواقف تھے۔

۲۳۸- حٰفِظُوۡا عَلَی الصَّلَوٰتِ-

وقت کی پابندی اور ارکان کی پاس داری کے ساتھ نماز مسلسل ادا کرتے رہو

وَ الصَّلٰوۃِ الۡوُسۡطٰی-

خصوصیت کے ساتھ درمیانی نماز کا خیال رکھو یا اس نماز کا جو افضل ہے

عرب کے لوگ افضل کو اَوْسَط کہا کرتے تھے ''وُسطیٰ'' اَوْسَط کا مؤنث ہے۔

وَ قُوۡمُوۡا لِلّٰہِ قٰنِتِیۡنَ-

اور نماز میں نہایت خضوع وخشوع کے ساتھ کھڑے رہو

''قٰنِتِیۡنَ'' یعنی حالتِ قیام میں دُعا طلب کرو، نیز قنوت کے معنی اطاعت اور خشوع کے بھی ہیں۔[۱]

کتاب کافی اور تہذیب میں امام باقر علیہ السّلام سے ''صَلٰوۃِ وُسْطٰی'' کے بارے میں مروی ہے آپ نے فرمایا اس سے مراد ظہر کی نماز ہے، یہ پہلی نماز ہے جسے آں حضرتؐ نے ادا فرمایا تھا۔ اور یہ دن کے درمیانی حصے میں ادا ہوتی ہے، اور دن کی دو نمازوں صبح اور عصر کے درمیان میں ہے۔[۲]

یہ آیت بروز جمعہ نازل ہوئی جب کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سفر میں تھے۔ اس نماز میں آں حضرتؐ نے قنوت کو پڑھا اور اُسے سفر اور حضر دونوں میں رہنے دیا اور نماز میں مقیم کے لیے دو رکعت کا اضافہ فرمایا اور نبی اکرمؐ نے مقیم کے لیے جن دو رکعتوں کا اضافہ فرمایا تھا بروز جمعہ دو خطبوں نے اُن کی جگہ لے لی جو نماز امام کے ساتھ ادا کی جائے گی اور جو شخص جمعہ کے دن فرادیٰ نماز پڑھے گا اسے چار رکعت نماز

---

(۱) مجمع البیان، ص ۳۴۳ ج ۱۔۲ (۲) الکافی، ص ۲۷۱ ج ۳ ح ۱

پڑھنی ہوگی جیسے عام دنوں میں ظہر کی نماز ادا کرتا ہے۔ ۱

اور امامِ صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ نماز وسطیٰ یعنی دن کی درمیانی نماز تو اس سے مراد نماز ظہر ہے اسی وجہ سے ہمارے اصحاب زوال ہوتے ہی نماز ادا کرتے ہیں۔ ۲

تفسیرِ مجمع البیان میں حضرت علی علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جمعہ کے دن اس سے مراد نمازِ جمعہ ہے اور بقیہ دنوں میں ظہر کی نماز مراد ہے۔ ۳

تفسیر قمی میں مروی ہے کہ آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۚ وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ اور اس کے بعد فرمایا اس سے مراد ہے کسی شخص کا نماز کا استقبال کرنا اس کی پابندی کرنا تا کہ اس سے غافل نہ ہو جائے اور کوئی چیز اس سے دور نہ کر دے۔ ۴

اور تفسیر عیاشی کی روایت ہے کہ قنوت سے مراد دُعا ہے۔ ۵

اور دوسری روایت میں ہے کہ اس سے مراد قنوت پڑھتے ہوئے، اطاعت کرتے ہوئے اور پورے ذوق وشوق کے ساتھ۔ ۶

کتاب کافی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے مروی ہے کہ شیطان مومن سے اس وقت تک خوف زدہ رہے گا جب تک وہ پابندی سے پنج گانہ نماز ادا کرتا رہے گا۔ اور اگر وہ نمازوں کو ضائع کر دے گا تو شیطان اس پر جری ہو جائے گا اور اس کو بڑے بڑے گناہوں میں داخل کر دے گا۔ ۷

امام باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ نماز جب پابندیِ وقت کے ساتھ بلند ہوتی ہے تو پڑھنے والے کی طرف صاف شفّاف اور روشن شکل میں نمودار ہوتی ہے اور کہتی ہے کہ "تو نے میری حفاظت کی اللہ تیری حفاظت کرے گا" اور جب وہ ناوقت بلند ہوتی ہے اور حدود کی پابندی کے بغیر ادا ہوتی ہے تو نمازی کی طرف سیاہ اور تاریک صورت میں واپس آتی ہے اور کہتی ہے تو نے مجھے برباد کیا اللہ تجھے برباد کر دے گا۔ ۸

اور امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے، کہ جو شخص پنج گانہ واجب نمازوں کی حدود کو قائم رکھے گا، اور پابندی وقت کے ساتھ اُنھیں ادا کرے گا تو جب روزِ قیامت وہ اللہ کے حضور میں جائے گا تو اس کے پاس ایک عہد و پیمان ہوگا جس کی بنیاد پر وہ جنّت میں داخل ہوگا اور جو نماز کی حدود کا خیال نہیں رکھے گا اور نہ ہی وقت کی پابندی کے ساتھ نماز ادا کرے گا تو جب وہ اللہ سے ملے گا تو اس کے پاس کوئی عہد نامہ نہ ہوگا اگر وہ چاہے تو اس شخص پر عذاب نازل کرے اور چاہے تو اسے معاف کر دے۔ ۹

---

(۱) تہذیب الاحکام، ص ۲۴۱ ج ۲ ح ۹۵۴ (۲) تفسیر عیاشی، ص ۱۲۸ ج ۱ ح ۴۱۹ (۳) مجمع البیان، ص ۳۴۳ ج ۱-۲
(۴) تفسیر قمی، ص ۷۹ ج ۱ (۵) تفسیر عیاشی، ص ۱۲۸ ج ۱ ح ۴۲۰ (۶) تفسیر عیاشی، ص ۱۲۷ ج ۱ ح ۴۱۶
(۷) الکافی، ص ۲۶۹ ج ۳ ح ۸ (۸) الکافی، ص ۲۶۸ ج ۳ ح ۴ (۹) الکافی، ص ۲۶۷ ج ۳ ح ۱

۲۳۹-فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا-

پس اگر تمھیں چور، درندوں یا کسی اور چیز کا خوف ہو تو تمھارا اختیار ہے خواہ پیدل خواہ سوار ہو کر جس طرح چاہو نماز ادا کرلو!

کتاب کافی میں مروی ہے کہ اس آیت کے بارے میں امام صادق علیہ السّلام سے سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر نمازی کو چور یا درندوں کا خطرہ ہو تو تکبیر کہہ کر اشارے سے نماز ادا کرلے۔[۱]

اور کتاب فقیہ میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ آپ سے "صلاۃ الزّحف" (لشکر کی پیش قدمی کے وقت جو نماز ہو) کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: تَكْبِيرٌ وَ تَهْلِيلٌ۔اس میں تکبیر (اللہ اکبر) اور تہلیل (لاالٰہ الااللہ) کہنا ہے اس کے بعد آپ نے اس آیت: فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا۔ کی تلاوت فرمائی۔

اور امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ تم اگر کسی خوفناک سرزمین پر ہو اور تمھیں چور یا درندوں کا ڈر ہو تو تم اپنی سواری کے اوپر بھی واجب نماز ادا کر سکتے ہو۔

امام باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جس شخص کو چور کا ڈر ہو وہ اپنی سواری پر اشارے سے نماز ادا کرسکتا ہے۔[۲]

فَإِذَا أَمِنْتُمْ-

پس جب خوف زائل ہو جائے

فَاذْكُرُوا اللَّهَ-

کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ہے تم نمازِ امن ادا کرو یا امن ملنے پر خدا کا شکر ادا کرو۔[۳]

كَمَا عَلَّمَكُمْ-

جس طرح تمھیں سکھایا گیا ہے

یا ایسا شکر ادا کرو جو تمھارے علم کے مطابق ہو۔

مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ-

جس کا تمھیں علم نہیں تھا یعنی علم شریعت اور نماز کی کیفیت۔

(۱) الکافی، ص ۴۵۷ ج ۳ ح ۶ (۲) من لایحضرہ الفقیہ، ص ۲۹۵ ج ۱ ح ۱۳۴۴۔۱۳۴۶۔۱۳۴۵

(۳) انوار التنزیل، ص ۱۲۷ ج ۱

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا
اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ
فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۴۰﴾
وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۴۱﴾
كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۴۲﴾ ع

۳۱ ع ۷ ۱۵

۲۴۰- تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ کر جائیں، اُن کو چاہیے کہ اپنی بیویوں کے حق میں یہ وصیت کر جائیں کہ ایک سال تک اُن کو نان ونفقہ دیا جائے اور وہ گھر سے نہ نکالی جائیں۔ پھر اگر وہ خود نکل جائیں تو اپنی ذات کے معاملے میں معروف طریقے سے وہ جو کچھ بھی کریں اس کی ذمّے داری تم پر عائد نہیں ہوتی، اللہ ہر چیز پر غالب اور دانا ہے۔

۲۴۱- اسی طرح جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو، انھیں بھی مناسب طور پر کچھ نہ کچھ دے کر رخصت کیا جائے۔ یہ حق ہے متقی لوگوں پر۔

۲۴۲- اس طرح اللہ اپنے احکام تمھیں صاف صاف بتلا رہا ہے تاکہ تم سمجھ بوجھ سے کام لو۔

۲۴۰- وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا-

اور تم میں سے جو لوگ انتقال کے وقت اپنے بعد بیویاں چھوڑ کر جا رہے ہوں۔

وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ-

تو انھیں چاہیے کہ مرنے سے پہلے یہ وصیت کر جائیں کہ ان کے ترکہ میں سے اُن بیویوں کو ایک سال تک نان ونفقہ دیا جائے گا۔

غَيْرَ اِخْرَاجٍ- اور وہ گھر سے نہ نکالی جائیں گی

تفسیر عیاشی میں روایت ہے کہ یہ حکم آغاز اسلام میں تھا اس کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا جب کوئی شخص مر جاتا تھا تو ایک سال تک اس کے مال میں سے اس کی بیوی پر خرچ کیا جاتا تھا پھر اسے بغیر میراث دیے ہوئے گھر سے نکال دیا جاتا تھا۔ پھر اس آیت کو ''رُبع'' اور ''ثُمن'' کی آیت نے منسوخ کر دیا عورت کے اخراجات اس حصّے میں سے کیے جائیں گے جو اُسے میراث میں ملا ہے۔[1]

(۱) تفسیر عیاشی، ص ۱۲۹ ج ۱ ح ۴۲۷

("رُبُع" میراث میں سے چوتھا حصہ وَ لَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ۔ اگر تمھاری کوئی اولاد نہ ہوتو عورتوں کوتمھارے ترکہ میں سے ایک چوتھائی ملے گا (۱۲، النساء ۴) "ثُمُن" میراث میں سے آٹھواں حصہ۔ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ۔ اگر تمھارے کوئی اولاد ہوتو ان عورتوں کوتمھارے ترکہ سے آٹھواں حصہ ملے گا۔ (۱۲، النساء ۴))

تفسیر مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے بھی اسی قسم کی روایت ملتی ہے۔[۱]

فَاِنْ خَرَجْنَ ـ

پس اگر وہ خاوند کے گھر سے باہر چلی جائیں

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ـ

تو وہ شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے جو کچھ کریں مثلاً بناؤ، سنگھار یا نئے شوہروں کی تلاش تو اس کی ذمّے داری تم پر عائد نہیں ہوتی۔

وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ـ

جو اللہ کے حکم کی مخالفت کرتا ہے تو اللہ اُس سے انتقام لینے پر قادر ہے

حَكِيْمٌ ـ

دانا ہے ان کی بہتری کا خیال رکھنے والا ہے۔

۲۴۱ ـ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ـ

اسی طرح جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو انھیں بھی مناسب طور پر کچھ نہ کچھ دے کر رخصت کر دیا جائے یہ حق ہے متقین پر۔

ہر طرح کی مطلقہ عورت کے حق کو ثابت کیا ہے جب کہ اس سے پہلے ایک طرح کی مطلقہ کے حق کو واضح کیا گیا تھا۔ اور ایسی احادیث بھی گزری ہیں جو عمومیّت کی طرف راہنمائی کرتی ہیں۔[۲]

کتابِ فقیہ میں امام باقر علیہ السّلام سے مروی ہے طلاق دیتے وقت عورتوں کو فائدہ پہنچانا، کچھ دینا دلانا واجب ہے خواہ "قُربت" ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو اور یہ فائدہ طلاق دینے سے پہلے ہوگا۔[۳]

اور کتاب تہذیب میں امام کاظم علیہ السّلام سے مروی ہے کہ آپ سے اُس مطلقہ کے بارے میں سوال کیا گیا جس کے شوہر پر اُسے فائدہ پہنچانا واجب ہے تو امامؑ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ جب طلاق باین (تیسری طلاق) ہو۔[۴]

اور ایک روایت میں ہے کہ لَا تُمَتَّعُ الْمُخْتَلَعَةُ جس عورت نے خُلع لی ہو اُسے کوئی فائدہ نہیں ملے گا۔[۵]

(۱) مجمع البیان، ص ۳۴۵ ج ۱۔ ۲ (۲) تہذیب الاحکام، ص ۱۴۱ ج ۸ ح ۴۸۸ (۳) من لا یحضرہ الفقیہ، ص ۳۲۸ ج ۳ ح ۱۵۸۸
(۴) تہذیب الاحکام، ص ۱۴۱۔ ۱۴۲ ج ۸ ح ۴۹۱ (۵) الکافی، ص ۱۴۴ ج ۶ ح ۲

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ اس بارے میں اختلاف ہے۔ کہا گیا ہے کہ اسی کو دینا واجب ہے جس کے مہر کا تعیّن نہ کیا گیا ہو اور یہ روایت ہے امام باقرؑ اور امام صادقؑ سے اور کہا گیا ہے کہ ہر مطلّقہ کو دینا لازم ہے سوائے خُلعؔ (الف) لینے والی، مبارات اور مُلاعنت (ب) والی کے۔

ہر مطلّقہ کو سوائے اس کے حصّے کے کچھ نہ ملے گا اگر دخول سے قبل طلاق دی گئی تو اُسے مہر کا نصف ملے گا۔ اور دیگر فوائد حاصل نہ ہوں گے اور ہمارے اصحاب نے بھی اس کی روایت کی ہے اور یہ بطور استصحاب ہے اور جو کچھ اس سے قبل آیت میں کہا گیا تھا وہ اس آیت میں خصوصی طور سے کہا گیا ہے اگر یہ دونوں آیتیں ایک ساتھ نازل ہوئی ہیں اور اگر وہ آیت اس آیت سے متاخّر ہے تو گویا منسوخ ہو چکی ہے۔ اس لیے کہ ہمارے ہاں دے دلا کر رخصت کرنے کی بات صرف اس مطلّقہ کے لیے ہے جس سے ہمبستری نہ کی ہو اور اس کا مہر معیّن نہ ہو اور جس عورت سے ہمبستری کر چکا ہو تو اگر اس کے مہر کا تعیّن نہ ہو تو اُسے اسی جیسی عورت کے برابر مہر ملے گا یعنی دونوں کی حیثیت اور معیار کا مقابلہ کر کے اور اگر مہر کا تعیّن پہلے سے ہو چکا ہے تو اُسے وہ مہر دے دیا جائے گا اور جو غیرِ مدخولہ ہے اور مہر کا تعیّن ہو چکا تھا تو اسے نصف مہر دیا جائے گا اور ان حالات میں اسے دیگر فوائد نہیں ملیں گے۔ تو پتا چلا کہ اس آیت میں خصوصی حکم ہے عمومی نہیں۔[۱]

کتاب کافی میں امام صادق علیہ السّلام سے اس آیت کے ذیل میں بہت سی روایات ہیں امامؑ نے فرمایا کہ عدّت گزر جانے کے بعد اسے دے دلا کر رخصت کرنا ہو گا صاحب ثروت اپنی حیثیت کے مطابق دے گا اور غریب و نادار اپنی بساط کے مطابق ادا کرے گا۔ امامؑ نے فرمایا کہ عدّت کے دوران یہ کیسے دے دلا کر رخصت کرے گا جب کہ وہ اس سے امید لگائے بیٹھی ہے اور یہ اُس سے امید کر رہا ہے اور اللہ جو چاہے گا ان کے مابین ہو جائے گا۔[۲]

۲۴۲ ۔ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ۔

اللہ تعالیٰ اسی طرح تمھارے لیے اپنی آیتوں کو واضح کر کے بیان کرتا ہے تا کہ تم اُسے سمجھو اور اپنی عقل کو کام میں لاؤ۔

(الف) ''خُلع'' وہ عورت جو شوہر کی طرف راغب نہیں وہ اپنا مہر یا اپنا کوئی مال اُسے اس شرط پر دے کہ وہ اُسے طلاق دے دے اس کو خلع کہتے ہیں۔ (ب) ''مبارات'' اگر بیوی اور شوہر ایک دوسرے کو نہ چاہتے ہوں اور عورت کچھ رقم شوہر کو اس شرط پر دے کہ وہ اُسے طلاق دے دے۔ ''ملاعنت'' جب شوہر اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگائے۔

(۱) مجمع البیان، ص ۳۴۵۔۳۴۶ ج ۱۔۲ (۲) الکافی، ص ۱۰۵ ج ۶ ح ۴

ع اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ هُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۠ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ۟ ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴۳﴾

۲۴۳- کیا تم نے کبھی ان لوگوں کے حال پر بھی غور کیا، جو موت کے ڈر سے اپنے گھر بار چھوڑ کر نکلے تھے اور ہزاروں کی تعداد میں تھے؟ اللہ نے اُن سے فرمایا، مر جاؤ پھر اس نے انھیں دوبارہ زندگی عطا کی۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ انسان پر بڑا فضل کرنے والا ہے۔ مگر اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔

۲۴۳- اَلَمْ تَرَ-

کیا تم نے نہیں دیکھا، غور نہیں کیا۔

سوالیہ انداز حیرت و استعجاب کے لیے ہے اور اس طرح اُن لوگوں کے قصّہ کی طرف توجہ دلائی گئی۔

اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ هُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ-

جو اپنے گھر بار چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے اور وہ ہزاروں کی تعداد میں تھے

''اُلُوف'' اَلف کی جمع ہے یعنی ہزاروں۔

فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا -

اللہ نے انہیں موت دے دی، اُن سے کہا مر جاؤ

اس جملہ کی مثال ایسی ہی ہے جیسے ارشاد فرماتا ہے: اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۸۲﴾ اس کا حکم یہ ہے کہ جب وہ کسی شے کا ارادہ کرتا ہے تو ''کُنْ'' کہتا ہے اور وہ شے وجود میں آجاتی ہے۔

(۸۲یٰس ۳۶)

ثُمَّ اَحْيَاهُمْ-

پھر انھیں دوبارہ حیات عطا کر دی

کتاب کافی میں امام باقر علیہ السّلام اور امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ یہ لوگ شام کے شہروں میں سے کسی شہر کے باشندہ تھے، جب شہر میں طاعون کی وبا پھیل گئی اور لوگوں نے اس کا احساس کیا تو دولت مند لوگ اپنی طاقت کے بل بوتے پر شہر سے باہر چلے گئے اور غُرباء اپنی کمزوری کی وجہ سے اسی شہر میں رُکے رہے تو جو لوگ اس شہر میں تھے ان میں سے اکثر لوگ مر گئے اور جو لوگ شہر سے باہر نکل گئے ان میں کم لوگ موت سے ہمکنار ہوئے، تو جو لوگ باہر نکل گئے تھے انھوں نے کہا اگر ہم بھی ٹھہرے رہتے تو ہم

میں اکثر لوگ مر جاتے اور جو لوگ ٹھہرے رہے تھے انھوں نے کہا اگر ہم باہر نکل جاتے تو ہم میں سے کم لوگوں کی موت واقع ہوتی۔ امامؑ نے فرمایا سب نے مل کر طے کیا کہ اب جب بھی کوئی وبا پھیلے گی اور انھیں اس کا پتا چل جائے گا تو سب شہر سے باہر چلے جائیں گے۔ لہٰذا وبا کے آنے پر سب لوگ باہر چلے گئے اور موت کے ڈر سے وبا سے دور ہوگئے تو انھوں نے مختلف شہروں کا رُخ کیا پھر وہ ایک تباہ حال بستی کے قریب سے گزرے جس کے باشندے جلا وطن ہو چکے تھے اور وبا نے انھیں فنا کر ڈالا تھا۔ یہ لوگ اسی بستی میں اتر پڑے جب انھوں نے اپنے اسباب اتار لیے اور اطمینان کی سانس لی تو اللہ تعالیٰ نے ان سب کو مرنے کا حکم دیا اور وہ سب کے سب فوراً ہی مرگئے اور اُن کی بوسیدہ ہڈیاں نظر آنے لگیں اور یہ لوگ گزرگاہ کے قریب تھے۔ راہ گیروں نے جب انھیں اس حال میں دیکھا تو ان کی ہڈیوں کو ایک جگہ جمع کردیا۔ وہاں سے بنی اسرائیل کے نبیوں میں سے ایک نبی گزرے جن کا نام حزقیل تھا۔ جب انھوں نے ان بوسیدہ ہڈیوں کو دیکھا تو روئے اور گریہ کیا اور کہا اے میرے پروردگار تو اگر چاہے تو انھیں اسی وقت زندگی بخش دے جس طرح تو نے انھیں موت دی ہے یہ زندہ ہو کر تیرے شہروں کو آباد کریں گے اور تیرے بندوں کو جنم دیں گے اور تیری دوسری مخلوقات کے ساتھ مل کر تیری عبادت میں مصروف رہیں گے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی طرف وحی کی کیا آپ کی یہی خواہش ہے تو انھوں نے عرض کیا بے شک اے میرے پروردگار۔ تو اللہ نے ان لوگوں کو دوبارہ زندگی عطا کردی۔ امامؑ نے فرمایا اللہ نے اُن سے کہا اے نبی خدا تم یہ کلمات کہو انھوں نے وہی کیا جیسا اللہ تبارک وتعالیٰ نے حکم دیا تھا۔ امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا اور وہ اسم اعظم تھا جب حضرت حزقیل نے اسم اعظم کا ورد کیا تو کیا دیکھا کہ ہڈیاں اڑ کر اِدھر سے اُدھر جا رہی ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ سب زندہ ہوگئے اور ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے اور تسبیحِ خداوندی، تکبیر الٰہی اور تہلیل ربّانی میں مصروف ہوگئے تو حضرت حزقیل علیہ السّلام نے اس وقت کہا: ”میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔“

راوی نے کہا، امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا انھی لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی تھی۔[1]

کتاب عوالی میں امام صادق علیہ السّلام سے ایک حدیث کے ذیل میں مروی ہے جس میں آپ نے ایران کے اک تہوار (نوروز) کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے کسی نبی نے اپنے رب سے گذارش کی کہ وہ اس قوم کے افراد کو زندہ کردے جو ہزاروں کی تعداد میں تھے اور موت کے ڈر سے اپنے شہروں سے باہر نکل آئے تھے اور اللہ نے انھیں موت دے دی تھی تو اللہ نے اُس نبی کی طرف

(۱) الکافی، ص ۱۹۸-۱۹۹ ج ۸ ح ۲۳۷

وحی کی کہ ان کی قبروں پر پانی چھڑکو تو اسی دن (نوروز کے دن) ان پر پانی چھڑکا گیا اور وہ زندہ ہو گئے اُن کی تعداد تیس ہزار تھی تو نوروز کے دن پانی چھڑکنا ایک قدیمی طریقہ بن گیا جس کا سبب رَاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ ہی جانتے ہیں۔[۱]

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ امام باقر علیہ السّلام سے اس قوم کے بارے میں سوال کیا گیا اللہ تعالیٰ نے جنھیں موت کا حکم دیا تھا اور پھر زندہ کر دیا سائل (الف) نے کہا کیا انھیں زندگی دی گئی جسے لوگوں نے دیکھ لیا پھر انھیں دوبارہ موت سے ہمکنار کر دیا گیا یا انھیں دنیا میں واپس لایا گیا کہ انھوں نے گھروں میں سکونت اختیار کی اور کھانوں سے لطف اندوز ہوئے امامؑ نے فرمایا ایسا نہیں ہے بلکہ اللہ نے انھیں دنیا میں پلٹا دیا جہاں انھوں نے گھروں میں سکونت اختیار کی، کھانے کھائے، عورتوں سے شادیاں کیں اور جب تک اللہ نے چاہا انھوں نے زندگی بسر کی اور جب موت کا وقت آ گیا تو اس وقت وہ لوگ موت سے ہم آغوش ہوئے۔[۲]

اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ

بے شک اللہ انسانوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے

انھیں ایسی چیزیں دکھاتا ہے جس سے یہ عبرت حاصل کرتے ہیں۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ

لیکن اکثر لوگ ان واقعات سے عبرت حاصل نہیں کرتے۔

(۱) عوالی اللیالی، ص ۴۰۔۱۴۱ ج ۳ ح ۱۱٦ (۲) مجمع البیان، ص ۳۴۷ ج ۱۔۲ (الف) سائل سے مراد حمران بن المین ہیں

وَ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ﴿۲۴۴﴾
مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةًؕ
وَ اللّٰهُ یَقْبِضُ وَ یَبْصُۜطُ۪ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ﴿۲۴۵﴾

۲۴۴- (مسلمانو)! اللہ کی راہ میں جہاد کرو اور جان رکھو کہ بے شک اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔
۲۴۵-تم میں سے کون ہے جو اللہ کو قرضِ حَسَنہ دے تا کہ اللہ اُسے کئی گُنا بڑھا چڑھا کر واپس کرے گھٹانا اور بڑھانا اللہ کے اختیار میں ہے اور تمھیں اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔

۲۴۴-وَ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ-

اورتم راہِ خدا میں جنگ کرو
اس لیے کہ موت سے فرار کرنا ممکن نہیں ہے۔

وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ-

اور جان رکھو کہ پیچھے رہ جانے والے اور آگے بڑھ جانے والے جو کچھ کہہ رہے ہیں اللہ اُن کی باتیں سن رہا ہے۔

عَلِیْمٌ-

اور جو کچھ وہ زبان سے تو نہیں کہہ رہے ہیں البتہ دل میں چھپائے ہوئے ہیں اللہ اُن سب کو جانتا ہے۔

۲۴۵-مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا-

تم میں سے کون ہے جو اخلاص اور نفس کی پاکیزگی کے ساتھ حلال وطیب مال میں سے اللہ کو قرض حَسَنہ دے۔

فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً-

تا کہ اللہ اُس مال کو دگنا کر کے بڑھا چڑھا کے تمھیں لوٹا دے
اس پر اللہ کے علاوہ کوئی اور قدرت نہیں رکھتا۔

وَ اللّٰهُ یَقْبِضُ وَ یَبْصُۜطُ-

چوں کہ اللہ اُس مال کو گھٹا بھی سکتا ہے اور بڑھا بھی سکتا ہے
لہٰذا جب اس نے تمھیں وُسعتِ مال عطا کی ہے تو اس میں بُخل سے کام نہ لو۔

وَ اِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ-

تم سب کو اسی کی طرف واپس جانا ہے۔

تا کہ وہ تمھارے بھیجے ہوئے اعمال کے مطابق تمھیں جزا دے۔

کتاب فقیہ میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ یہ آیت امامؑ کو عطیّہ دینے کے تعلق سے نازل ہوئی ہے۔[۱]

کتاب کافی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ امامؑ کی خدمت میں تحفہ پیش کرنے سے زیادہ اللہ کے نزدیک کوئی اور شے پسندیدہ نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ پیش کردہ دراہم کو جنّت میں اُحد کے پہاڑوں کی طرح کردے گا پھر فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے: مَنۡ ذَا الَّذِىۡ يُقۡرِضُ اللّٰهَ قَرۡضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضۡعَافًا كَثِيۡرَةً ؕ امامؑ نے فرمایا خدا کی قسم یہ آیت امام کو عطیّہ دینے کے لیے خصوصی طور سے نازل ہوئی۔[۲]

کتاب معانی الاخبار اور مجمع البیان میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر جب یہ آیت "مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيۡرٌ مِّنۡهَا" (۸۴ قصص ۲۸) (جو ایک نیکی کرے گا تو ہم اس سے بہتر بدلہ دیں گے) نازل ہوئی تو آں حضرتؐ نے فرمایا: "اَللّٰهُمَّ زِدۡنِىۡ" یا اللہ اس میں کچھ اور اضافہ فرمادے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا "مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشۡرُ اَمۡثَالِهَا" (جو ایک نیکی کرے ہم اسے دس گنا بدلہ دیں گے) (۱۶۰، انعام ۶) تو نبی اکرمؐ نے اس سے بھی زیادہ کی خواہش کی تو ارشاد باری ہوا: مَنۡ ذَا الَّذِىۡ يُقۡرِضُ اللّٰهَ قَرۡضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضۡعَافًا كَثِيۡرَةً ؕ تو آں حضرتؐ نے سمجھ لیا کہ اللہ کے پاس اتنا زیادہ اجر ہے کہ نہ جس کو گنا جا سکتا ہے اور نہ ہی اُس کی حد معیّن کی جا سکتی ہے۔[۳]

---

(۱) من لا یحضرہ الفقیہ، ص ۴۲ ج ۲ ح ۱۸۹ (۲) الکافی، ص ۵۳۷ ج ۱ ح ۲

(۳) معانی الاخبار ص ۳۹۷/۳۹۸ ح ۵۴ و مجمع البیان ص ۳۴۹ ج ۲۱

وقف لازم

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰی ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِیٍّ
لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ قَالَ هَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ
كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ قَالُوْا وَ مَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِیْ
سَبِیْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِیَارِنَا وَ اَبْنَآئِنَا ؕ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَیْهِمُ
الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۴۶﴾
وَ قَالَ لَهُمْ نَبِیُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ قَالُوْٓا اَنّٰی
یَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَیْنَا وَ نَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَ لَمْ یُؤْتَ سَعَةً
مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَیْكُمْ وَ زَادَهٗ بَسْطَةً فِی الْعِلْمِ
وَالْجِسْمِ ؕ وَاللّٰهُ یُؤْتِیْ مُلْكَهٗ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۴۷﴾
وَقَالَ لَهُمْ نَبِیُّهُمْ اِنَّ اٰیَةَ مُلْكِهٖۤ اَنْ یَّاْتِیَكُمُ التَّابُوْتُ فِیْهِ سَكِیْنَةٌ
مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ بَقِیَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰی وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ
ع ۳۲ ۱۶ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۧ ﴿۲۴۸﴾
فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِیْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ
شَرِبَ مِنْهُ فَلَیْسَ مِنِّیْ ۚ وَ مَنْ لَّمْ یَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّیْۤ اِلَّا مَنِ
اغْتَرَفَ غُرْفَةًۢ بِیَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ ؕ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ
وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْیَوْمَ بِجَالُوْتَ وَ جُنُوْدِهٖ ؕ
قَالَ الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِیْلَةٍ غَلَبَتْ
فِئَةً كَثِیْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۲۴۹﴾
وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ

اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۵۰﴾
فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۙ۫ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ
وَالْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ؕ وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ
بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۵۱﴾
تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۵۲﴾

۲۴۶- کیا تم نے اس معاملے پر بھی غور کیا، جو موسیٰ کے بعد سرداران بنی اسرائیل کو پیش آیا تھا؟ انھوں نے اپنے نبی سے کہا! ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کردیں تاکہ ہم اللہ کی راہ میں جنگ کریں۔ نبی نے دریافت کیا، کہیں ایسا تو نہ ہوگا کہ تم کو لڑائی کا حکم دیا جائے اور تم لڑائی میں حصّہ نہ لو۔ وہ کہنے لگے، بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم خدا کی راہ میں جنگ نہ کریں۔ جب کہ ہمیں اپنے گھروں سے نکال دیا گیا ہے۔ اور ہماری اولاد کو ہم سے جدا کردیا گیا ہے۔ مگر جب ان کو جنگ کا حکم دیا گیا تو چند افراد کے سوا باقی سب منہ پھیر کر چلے گئے اور اللہ ان ظالمین سے اچھی طرح آگاہ ہے۔

۲۴۷- ان کے نبی نے ان سے کہا کہ اللہ نے طالوت کو تمھارے لیے بادشاہ بنایا ہے یہ سن کر وہ کہنے لگے! بھلا وہ ہم پر بادشاہی کیسے کرسکتا ہے، اس کے مقابلے میں بادشاہی کے ہم زیادہ حق دار ہیں، وہ تو کوئی بڑا صاحب ثروت نہیں ہے۔ نبی نے جواب دیا اللہ نے تمھارے مقابلہ میں اسی کو منتخب کیا ہے اور اسے علمی اور جسمانی دونوں طاقتیں زیادہ عطا کی گئی ہیں۔ اور اللہ جسے چاہتا ہے اقتدار عطا کرتا ہے اور اللہ صاحبِ وسعت اور صاحبِ علم ہے۔

۲۴۸- ان کے نبی نے ان لوگوں کو یہ بھی بتایا کہ خدا کی طرف سے طالوت کے بادشاہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ تمھارے پاس ایک تابوت (صندوق) آئے گا جس میں تمھارے رب کی طرف سے تمھارے لیے سکونِ قلب کا سامان ہے، جس میں آلِ موسیٰ اور آلِ ہارون کے چھوڑے ہوئے تبرّکات ہیں، فرشتے جسے اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ اگر تم صاحبان ایمان ہو تو تمھارے لیے اس تابوت (صندوق) میں بہت بڑی نشانی ہے۔

۲۴۹- پھر جب طالوت لشکر لے کر روانہ ہوئے تو انھوں نے کہا کہ اللہ ایک دریا کے ذریعہ تمھارا

امتحان لینے والا ہے جو اس کا پانی پیے گا وہ میرا ساتھی نہیں اور جو پانی نہ چکھے البتہ چلّو میں پانی بھر لے، تو وہ میرا ساتھی ہوگا۔ مگر تھوڑے سے گروہ کے سوا سب لوگ دریا سے سیراب ہوئے۔ پھر جب طالوت اوران کے مومن ساتھی دریا پار کرکے آگے بڑھے، تو انھوں نے طالوت سے کہہ دیا کہ آج ہم میں جالوت اوراس کے لشکر سے مقابلہ کی طاقت نہیں ہے۔ لیکن جو لوگ یہ سمجھتے تھے کہ انھیں ایک دن اللہ سے ملاقات کرنی ہے، انھوں نے کہا بارہا ایسا ہوا ہے کہ ایک چھوٹا گروہ اللہ کے اذن سے بڑے گروہ پر غالب آگیا ہے۔ اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

۲۵۰ – اور جب وہ جالوت اوراس کے لشکر کے مقابلہ پر آگئے تو انھوں نے دعا کی اے ہمارے رب ہم پر صبر کا فیضان کر اور ہمیں ثابت قدم کردے اور اس کافر گروہ پر ہمیں فتح نصیب کر۔

۲۵۱ – آخرکار اذن خداوندی سے انھوں نے کافروں کو مار بھگایا۔ اور داؤد نے جالوت کو قتل کردیا اور اللہ نے داؤد کو سلطنت اور حکمت سے نوازا اور جو چاہا انھیں سکھا دیا۔ اگر اسی طرح اللہ تعالیٰ انسانوں کے ایک گروہ کو دوسرے سے نہ ہٹاتا رہتا تو زمین کا نظام بگڑ جاتا۔ لیکن دنیا کے لوگوں پر اللہ کا بڑا احسان ہے (کہ وہ اس طرح رفع فساد کا انتظام کرتا رہتا ہے)

۲۵۲ – یہ اللہ کی آیات ہیں، جو ہم آپ کو حق کے ساتھ سنا رہے ہیں اور آپ یقیناً رسولوں میں سے ہیں۔

---

۲۴۶ – اَلَمۡ تَرَ اِلَى الۡمَلَاِ مِنۡۢ بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مُوۡسٰى –

اے محمدؐ! کیا آپ کے علم میں یہ بات آئی کہ حضرت موسیٰؑ کے انتقال کے بعد بنی اسرائیل کے سرداروں کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا؟

اِذۡ قَالُوۡا لِنَبِىٍّ لَّهُمُ –

جب انھوں نے اپنے نبی کی خدمت میں یہ عرض داشت پیش کی

تفسیر مجمع البیان میں امام باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ اُن نبی کا نام اشموئیل تھا۔(۱) جو عربی میں اسماعیل ہے۔

ابۡعَثۡ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ –

آپ ہمارے لیے کوئی حاکم مقرر فرمادیں تاکہ ہم اس کے ساتھ اللہ کی راہ میں جنگ کے لیے نکل

---

(۱) مجمع البیان، ص ۳۵۰ ج ۱ ۔ ۲

کھڑے ہوں۔

ہم اس کی تدبیر کو سمجھیں اور اس کی رائے پر عمل کر کے کسی نتیجے پر پہنچ جائیں۔

تفسیر مجمع البیان اور تفسیر عیاشی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ اس دور میں بادشاہ لشکر کے ساتھ جایا کرتا تھا اور نبی اُن کے امور کو استحکام بخشتا اور اپنے رب کی جانب سے انھیں احکام سناتا تھا۔ا

قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا -

نبی نے اُن سے دریافت کیا کہیں ایسا تو نہ ہوگا کہ تم کو لڑائی کا حکم دیا جائے اور تم لڑائی میں حصّہ نہ لو۔

جس طرح تم نے اس سے پہلے معاہدہ کی خلاف ورزی کی تھی۔

قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَآئِنَا -

تو وہ کہنے لگے! بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم خدا کی راہ میں جنگ نہ کریں جب کہ ہمیں اپنے گھروں سے نکال دیا گیا اور ہمارے بچوں کو قید کر کے زبردستی ہم سے جدا کر دیا گیا ہے۔

فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ -

مگر جب انھیں جنگ کا حکم دیا گیا تو چند افراد کے سوا باقی سب منہ پھیر کے چلے گئے اور اللہ ظالمین سے اچھی طرح باخبر ہے۔

آیت کا آخری حصّہ راہ فرار اختیار کر جانے والوں کے لیے ایک طرح کی سرزنش ہے۔

۲۴۷- وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا -

اُن کے نبی نے اُن سے کہا کہ اللہ نے طالوت کو تمھارے لیے بادشاہ مقرر کیا ہے۔ یہ سن کر وہ کہنے لگے بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ وہ ہم پر حکومت کرنے کی اہلیّت کیسے رکھ سکتے ہیں؟

وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ -

جب کہ ہم خود اُن کے مقابلے میں بادشاہی کے زیادہ حق دار ہیں

وراثت اور طاقت کے اعتبار سے۔

وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ -

وہ مال دنیا کے اعتبار سے ثروت مند تو نہیں ہیں

قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ -

تو نبی نے جواب دیا کہ اللہ نے تمھارے مقابلے میں انھیں منتخب کیا ہے اور انھیں علم اور جسم دونوں لحاظ

(۱) مجمع البیان، ص ۳۵۱ ج ۱۔ ۲ تفسیر عیاشی، ص ۱۳۲ ج ۱ ح ۴۳۷

سے تم پر فوقیت دی ہے اور فضیلت عطا کی ہے۔

وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ -

اور اللہ جسے چاہتا ہے اقتدار سے نوازتا ہے

وَاللّٰهُ وَاسِعٌ -

اللہ بڑے فضل والا ہے وہ محتاج کو دولت دے کر غنی بنا دیتا ہے

عَلِيْمٌ -

وہ جانتا ہے کہ بادشاہت کا کون زیادہ حقدار ہے۔

چوں کہ اُن لوگوں نے غربت کی بنیاد پر ان کے اقتدار کو ناممکن جانا تھا اس لیے اللہ نے اُن لوگوں کے اس خیال کو رد کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اللہ نے انھیں منتخب قرار دیا ہے اور تم سے افضل قرار دیا ہے اور اللہ اپنی مصلحتوں کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اس لیے کہ حکومت کرنے کے لیے وافر علم کی شرط ہے تاکہ وہ سیاسی امور کی معرفت حاصل کرے اور قوی ہیکل ہو، تاکہ دلوں پر اس کا رعب داب قائم ہو اور دشمن کے مقابلے اور جنگ کی سختیوں کے دوران وہ طاقت ور رہے۔ ایسا نہ ہو جیسا تم لوگوں نے بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو علم اور طاقت میں وافر حصّہ عطا کیا ہے۔

اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اقتدار کا بلاشرکت غیرے مالک ہے وہ جسے چاہے صاحب قدرت بنادے وہ صاحب فضل ہے اس لیے انھیں غنی کر دیا اور علیم ہے اسی لیے اُن کو منتخب کر لیا۔[1]

تفسیر قمی میں امام باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے چلے جانے کے بعد نافرمانیاں شروع کر دیں، دینِ خداوندی میں تبدیلی کی اور حکم الٰہی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، ان کے درمیان اللہ کے نبی تھے جو امر و نہی کے فرائض انجام دے رہے تھے بنی اسرائیل نے اُن کی اطاعت بھی نہیں کی۔[2]

ایک روایت میں ہے کہ وہ ''ارمیا'' نبی تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر جالوت کو مسلط کر دیا جو قبطی تھا اس نے انھیں طرح طرح کی اذیّتیں دیں، ان کے مَردوں کو قتل کیا اور انھیں دربدر کر دیا ان کے اموال کو چھین لیا، ان کی عورتوں کو دور کر دیا، انھوں نے اپنے نبی سے مدد مانگی اور کہا کہ آپ اللہ سے دعا طلب کریں کہ ہمارے لیے کسی بادشاہ کو مقرر کر دے ہم جس کے ساتھ اللہ کی راہ میں جنگ کریں اس وقت بنی اسرائیل کے ایک خاندان میں نبوّت تھی اور دوسرے خاندان میں بادشاہت تھی اور اللہ تعالیٰ نے نبوّت و بادشاہت کو ایک خاندان میں یکجا نہیں کیا تھا اس سبب سے انھوں نے کہا ہمارے لیے ایسا بادشاہ مقرر کر دیں تاکہ ہم اس

(۱) انوار التنزیل، ص ۱۲۹ ج ۱ (۲) تفسیر قمی، ص ۸۱ ج ۱

کی قیادت میں اللہ کی راہ میں جنگ کریں تو ان کے نبی نے اُن سے کہا "کہیں ایسا تو نہیں ہوگا کہ تم کو لڑائی کا حکم دیا جائے اور تم لڑائی میں حصّہ نہ لو، وہ کہنے لگے بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم خدا کی راہ میں جنگ نہ کریں جب کہ ہمیں اپنے گھروں سے نکال دیا گیا ہے اور ہماری اولاد کو ہم سے جدا کردیا گیا ہے۔" اور وہی ہوا جیسا اللہ نے کہا تھا۔" پس جب ان کو جنگ کا حکم دیا گیا تو چند افراد کے سوا باقی سب منہ پھیر کر چلے گئے۔" تو ان کے نبی نے اُن سے کہا کہ "اللہ نے طالوت کو تمھارے لیے بادشاہ مقرر کیا ہے۔" تو اس بات سے وہ ناراض ہوگئے اور کہنے لگے بھلا وہ ہم پر بادشاہی کیسے کرسکتا ہے بلکہ ہم خود اس کے مقابلہ میں بادشاہی کے حقدار ہیں۔ وہ تو کوئی صاحب ثروت نہیں ہے۔ نبوت لاوی کی اولاد میں تھی۔ اور بادشاہت اولادِ یوسف میں۔ اور طالوت یوسف کے بھائی بنیامین کی اولاد میں سے تھا اور اس کا تعلق نہ تو خاندانِ نبوّت سے تھا اور نہ ہی خانوادہ سلطنت سے، ان کے نبی نے اُن سے کہا: اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَ زَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ اللہ نے تمھارے مقابلہ میں ان کو منتخب کیا ہے اور انھیں علمی اور جسمانی دونوں طاقتیں زیادہ عطا کی ہیں اور اللہ جسے چاہتا ہے اقتدار عطا کرتا ہے، اور اللہ صاحب وسعت اور صاحب علم ہے۔

طالوت جسمانی اعتبار سے ڈیل ڈول والے اور نہایت قوی اور شجاع تھے اور علم میں بھی اُن سب سے زیادہ تھے مگر مالی اعتبار سے ان کے پاس کچھ نہ تھا، بنی اسرائیل نے انھیں غُربت کا طعنہ دیا اور کہا: وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ اس کے پاس مال نام کی تو کوئی شے نہیں ہے۔(۱)

۲۴۸- وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖۤ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ بَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ-

ان کے نبی نے انھیں بتایا کہ خدا کی طرف سے طالوت کے بادشاہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ تمھارے پاس ایک تابوت آئے گا جس میں تمھارے رب کی طرف سے تمھارے لیے سکون قلب کا سامان ہے جس میں آلِ موسیٰ اور آلِ ہارون کے چھوڑے ہوئے تبرّکات ہیں۔ فرشتے جسے اٹھائے ہوئے ہوں گے۔

امام علیہ السّلام نے فرمایا کہ وہ تابوت تھا جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ پر نازل کیا تھا۔ اُن کی ماں نے انھیں اس میں رکھ کر پانی میں ڈال دیا تھا یہ تابوت بنی اسرئیل کے پاس تھا جس کے ذریعہ وہ برکت حاصل کیا کرتے تھے جب حضرت موسیٰؑ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انھوں نے اسی صندوق میں "الواح" اپنی زرہ اور نبوّت کی جو نشانیاں اُن کے پاس تھیں وہ سب رکھ دیں اور اُسے اپنے وصی یوشع کے سپرد کردیا۔ یہ تابوت ان ہی لوگوں کے پاس رہا، پس جب بنی اسرائیل نے نافرمانیاں شروع کیں اور تابوت

(۱) تفسیر قمی، ص۸۱ ج۱

کو بنظر حقارت دیکھا تو اللہ نے اس تابوت کو اُن سے اٹھا لیا، پس جب انھوں نے اپنے نبی سے بادشاہ کا مطالبہ کیا اور اللہ نے ان کی طرف طالوت کو بادشاہ مقرر کیا کہ وہ اُن کی قیادت میں قتال کریں تو اس وقت اللہ نے تابوت انھیں واپس کردیا۔[1] جیسا کہ فرمایا ہے: اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ بَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ فرمایا بقیہ سے مراد انبیاء کی ذریت ہے۔[2]

تفسیر عیاشی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ آپ سے اللہ تعالیٰ کے قول: بَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ۔ کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد انبیاء کی (باقیات) ہے۔[3]

کتاب کافی اور عیاشی میں امام باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ آپ سے جب اس آیت کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا کہ تابوت میں الواح کے حصے تھے جس میں علم وحکمت کی باتیں تھیں۔

عیاشی نے اس روایت میں مزید ذکر کیا کہ علم آسمان سے آیا الواح میں لکھا گیا اور تابوت میں رکھا گیا۔[4]

کتاب معانی میں ہے کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام سے دریافت کیا تابوت موسیٰ کی حقیقت کیا تھی اور اس کی وسعت کتنی تھی۔ تو امام علیہ السّلام نے فرمایا کہ تین ہاتھ لمبا اور دو ہاتھ چوڑا تھا۔ امام علیہ السّلام سے دریافت کیا گیا کہ اس میں کیا تھا؟ تو امام علیہ السّلام نے فرمایا حضرت موسیٰ کا عصا اور سکینہ۔[5]

تفسیر مجمع البیان میں امیر المومنین علیہ السّلام سے روایت ہے کہ سکینہ میں جنّت کی تیز وتند ہواؤں جیسی رحمت تھی جس کا چہرہ انسانوں جیسا تھا۔[6]

امام باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ بقیہ سے مراد حضرت موسیٰ کا عَصَا اور لَوح کے ٹکڑے تھے۔[7]

کتاب کافی میں امام باقر علیہ السّلام سے ہے کہ ملائکہ اُسے اٹھائے ہوئے ہیں۔[8]

اور ایک روایت میں ہے کہ جب تک بنی اسرائیل میں تابوت چکّر لگاتا رہا اس وقت تک حکمرانی اُن کے پاس موجود رہی اور جہاں ہتھیار گردش کرے گا تو اس وقت تک ہمارے پاس حکومت وعلم کا وجود رہے گا۔[9]

دوسری روایت میں ہے کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام سے سوال کیا گیا کہ سکینہ کیا ہے تو امامؑ نے فرمایا کہ رحمت ہے جو جنت سے نکلتی ہے جس کی شکل انسانوں سے ملتی جلتی ہے اور وہ خوشبودار ہے حضرت ابراہیمؑ پر بھی اس کا نزول ہوا تھا جب ابراہیمؑ دیوار کعبہ کو بلند کررہے تھے تو یہ بیت اللہ کے اطراف میں محوِ

---

(۱) تفسیر قمی، ص ۸۱۔ ۸۲ ج ۱ (۲) تفسیر عیاشی، ص ۱۳۳ ج ۱ ح ۴۴۱ (۳) تفسیر عیاشی، ص ۱۳۳ ج ۱ ح ۴۴۱
(۴) الکافی ص ۳۱۷ ج ۸ ح ۵۰۰ و تفسیر عیاشی ص ۱۳۳ ج ۱ ح ۴۴۰ (۵) معانی الاخبار ص ۲۸۴۔ ۲۸۵ ح ۲
(۶) مجمع البیان، ص ۳۵۳ ج ۱۔ ۲ (۷) مجمع البیان، ص ۳۵۳ ج ۱۔ ۲ (۸) الکافی ص ۳۱۶ ج ۸ ح ۴۹۸
(۹) الکافی ص ۲۳۸ ج ۱ ح ۲

طواف تھی امامؑ سے سوال کیا گیا کہ وہ کیا ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فِيهِ سَكِينَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ۔ تو امامؑ نے فرمایا کہ وہ سکینہ تابوت کے اندر تھا اس میں ایک طشت رکھا ہوا تھا جس میں اجساد انبیاء کو غسل دیا جاتا تھا اور یہ تابوت بنی اسرائیل میں انبیاء کے ساتھ ساتھ محوِ گردش رہا پھر وہ ہمارے پاس آ گیا۔[۱]

تفسیر مجمع البیان میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ تابوت بنی اسرائیل کے دشمن عمالقہ کے قبضہ میں تھا۔ جب بنی اسرائیل کا زوال ہوگیا اور وہ حادثات سے دُچار ہوگئے تو عمالقہ نے اس صندوق کو ان سے اپنے قبضہ میں لے لیا۔ اس کے بعد اللہ نے ان سے چھین کر بنی اسرائیل کو دوبارہ وہ صندوق لوٹا دیا جسے فرشتے اٹھائے ہوئے تھے۔[۲]

ظاہری امر یہ ہے کہ ''سکینہ'' سے مراد امن اور اطمینان ہے جسے اللہ نے اس صندوق میں رکھ دیا ہے تاکہ اس کے ذریعہ بنی اسرائیل سکون حاصل کریں۔ اور ''بقیہ'' سے علم کے بقایا جات یا انبیاء کی نشانیاں بھی مراد ہوسکتی ہیں یا یہ لفظ تمام اشیاء پر مشتمل ہے۔[۳]

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ۔

اگر تم صاحبان ایمان ہو تو اس تابوت میں تمھارے لیے بہت بڑی نشانی ہے۔

آیت کا یہ حصّہ یا تو نبی اکرمؐ کی گفتگو کا آخری حصّہ ہے جو بنی اسرئیل سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا یا اللہ تعالیٰ کا خطاب ہے۔

۲۴۹ – فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ۔

پس جب طالوت اپنے شہر سے لشکر کے ساتھ عمالقہ سے جنگ کرنے کے لیے روانہ ہوئے

قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُم بِنَهَرٍ فَمَن شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي۔

تو لشکر والوں سے کہا کہ اللہ ایک دریا کے ذریعہ تمھارا امتحان لے گا جو اس دریا کا پانی پی لے گا وہ میری جماعت اور میرے متّبعین میں سے نہیں رہے گا۔

وَمَن لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ۔

اور جو پانی نہ چکھے البتہ چلّو میں پانی بھر لے وہ میرا ساتھی ہوگا

چلّو میں پانی بھر لینے کی اجازت دی گئی ہے یعنی صرف ایک چلّو پانی پی سکتے ہیں۔

فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ۔

مگر تھوڑے سے گروہ کے سوا سب لوگ پانی سے سیراب ہوئے

(۱) الکافی ص ۲۔۱۷ ج ۳ ح ۵ (۲) مجمع البیان، ص ۵۳ ۳ ج ۱۔۲ (۳) تفسیر مجمع البیان، ص ۳۵۳ ج ۱۔۲

کتاب کافی وتفسیر عیاشی میں امام باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ وہ کل تین سو تیرہ افراد تھے جن میں سے کچھ نے چلّو میں پانی بھرلیا اور کچھ نے پانی کا ذائقہ تک نہیں چکھا۔[۱]

ایک روایت میں ہے کہ جس نے صرف ایک چلّو بھر پانی پینے پر اکتفا کی تو وہ سیراب ہوگیا اور جس نے رج کر زیادہ پانی پیا اس پر پیاس کا غلبہ ہوگیا، اس کے ہونٹ سیاہ پڑ گئے اور اس میں چلنے کی طاقت باقی نہ رہی۔ آخرت کا قصد کرنے والوں کے لیے یہی حال دنیا کا ہے۔[۲]

فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ-

پس جب طالوت اوران کے تھوڑے سے ساتھیوں نے دریا کو عبور کیا

اور جالوت کے کثیر لشکر کو دیکھا تو اس کی کثرت تعداد سے گھبرا کر جن لوگوں نے ایک چلّو بھر پانی پیا تھا۔

قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ-

یہ کہا کہ آج کے دن جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلے کی ہم میں طاقت نہیں ہے

قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلَاقُوا اللَّهِ-

جنھوں نے چلّو بھر پانی بھی نہیں پیا تھا اور انہیں اللہ سے ملاقات کا یقین تھا وہ کہنے لگے

كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ-

کہ بارہا ایسا ہوا ہے کہ چھوٹا گروہ اذنِ خداوندی سے بڑے گروہ پر غالب آگیا ہے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

۲۵۰- وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ-

اور جب وہ جالوت اور اس کے لشکر کے مقابلہ پر آگئے تو انھوں نے دُعا کی اے ہمارے رب ہم پر صبر کا فیضان کر اور ہمیں ثابت قدم کردے اور اس کافر گروہ پر ہمیں فتح وظفر نصیب کر۔

۲۵۱- فَهَزَمُوهُمْ بِإِذْنِ اللَّهِ وَقَتَلَ دَاوُودُ جَالُوتَ وَآتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ-

توانھوں نے اذنِ خداوندی سے انھیں (کافروں) شکست دے دی اور داوٗد نے جالوت کو قتل کردیا

اور اللہ نے داوٗد کو اقتدار اور دانائی عطا کی اور جو کچھ چاہا سکھا دیا۔

تفسیر قمی میں امام رضا علیہ السّلام سے مروی ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے نبی پر وحی کی کہ جالوت کو وہی قتل کرے گا جس کے جسم پر موسیٰ علیہ السّلام کی زرہ پوری اترے گی اور وہ لاوی بن یعقوب علیہ السّلام کی نسل

---

(۱) الکافی، ص ۳۱۶ ج ۸ ح ۴۹۸ وتفسیر عیاشی، ص ۱۳۴ ج ۱ ح ۴۴۳

(۲) انوار التنزیل، ص ۱۳۱ ج ۱ وتفسیر ابی سعود، ص ۲۴۲-۲۴۳ ج ۱

سے ایک شخص ہے جس کا نام داؤد ہے جو آشی کا فرزند ہے اور آشی ایک چرواہا تھا جس کے دس بیٹے تھے جن میں داؤد سب سے چھوٹے تھے، پس جب طالوت کو بنی اسرائیل کا بادشاہ بنایا گیا اور انھوں نے بنی اسرائیل کو جالوت سے جنگ کے لیے جمع کیا تو ''آشی'' کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ خود بھی حاضر ہو اور اپنی اولاد کو بھی لے کر آئے جب وہ آگئے تو طالوت نے یکے بعد دیگرے سب کو زرہ پہنائی لیکن وہ یا تو کسی کے لمبی ہو جاتی یا چھوٹی رہ جاتی تو انھوں نے ''آشی'' سے کہا کیا تم اپنے بیٹوں میں سے کسی کو چھوڑ آئے ہو تو اس نے کہا ہاں ان میں سب سے چھوٹے کو بھیڑوں کی نگرانی کے لیے چھوڑ آیا ہوں اُسے پیغام بھیج کر بلایا گیا۔ جب وہ گوپھن لیے ہوئے آ رہا تھا تو راستے میں تین پتھروں نے اُسے آواز دے کر کہا یَادَاوُدُ خُذْنَا ''اے داؤد تم ہمیں اٹھا لو'' انھوں نے وہ پتھر اٹھا کر توبڑے (گھاس کا تھیلا) میں رکھ لیے۔ وہ بہترین حملہ آور، قوی الجثہ اور بہادر تھے جب وہ طالوت کے پاس آئے تو انھوں نے ان کو حضرت موسیٰ کی زرہ پہنائی جو ان کے جسم پر موزوں ہوگئی۔ پس طالوت لشکر کو لے کر روانہ ہوئے اور ان کے نبی نے اُن سے کہا کہ اللہ اس صحرا میں تمھارا امتحان ایک دریا کے ذریعہ لے گا جو اس میں سے پی لے گا تو وہ حزب اللہ (الٰہی گروہ) میں سے نہیں ہوگا مگر جو پانی نہیں پئے مگر یہ کہ چلّو بھر پانی لے لے وہ حزبُ اللہ میں سے ہوگا پس جب وہ دریا کے کنارے پہنچے تو اللہ نے ہر ایک کو صرف ایک چلّو پانی پینے کی اجازت دیدی۔ سب نے پانی پیا سوائے تھوڑے آدمیوں کے پانی پینے والوں کی تعداد ساٹھ ہزار (۶۰۰۰۰) تھی یہ درحقیقت ان کا امتحان تھا جیسے خداوند عالم نے بیان فرمایا ہے۔(۱)

امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جنھوں نے نہ پانی پیا اور نہ چلّو میں پانی بھرا وہ تین سو تیرہ افراد تھے۔ جب انھوں نے دریا کو عبور کیا اور جالوت کے لشکر پر نظر کی تو پانی پینے والوں نے کہا کہ آج کے دن جالوت اور اس کے لشکر کا مقابلہ کرنے کی ہم طاقت نہیں رکھتے ہیں اور جنھوں نے پانی نہیں پیا تھا انھوں نے کہا ''پروردگار! تو ہم پر صبر کا فیضان کر، ہمیں ثابت قدم رکھ اور قوم کافر کے مقابلہ میں ہمیں فتح و نصرت عطا فرما۔''

داؤد آگے بڑھے اور جالوت کے مقابل آکر کھڑے ہوگئے جالوت ہاتھی پر سوار تھا اور اس کے سر پر تاج تھا جس کی پیشانی پر ایک یاقوت جڑا ہوا تھا جو جگمگا رہا تھا اور اس کا لشکر اس کے سامنے موجود تھا۔ داؤد نے ان پتھروں میں سے ایک پتھر جالوت کے میمنہ (دائیں طرف کے سپاہیوں) پر پھینکا وہ پتھر ہوا میں بلند ہوا اور اُن پر گر پڑا جس سے میمنہ کو شکست ہوگئی، دوسرا پتھر اٹھا کر مَیسَرہ (بائیں طرف کے سپاہیوں) کی جانب پھینکا جس سے میسرہ کو بھی شکست سے دُچار ہونا پڑا اور جالوت کی طرف ایک پتھر پھینکا جو یاقوت

---

(۱) تفسیر قمی، ص ۸۲ ج ۱

سمیت اس کی پیشانی کو شگاف کرتا ہوا اس کے دماغ تک پہنچ گیا اور وہ زمین پر گر کر مر گیا۔ اور اسی بارے میں اللہ کا قول ہے: فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۙ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ۔ انھوں نے جالوت اور اس کے لشکر والوں کو اذن خداوندی سے شکست دیدی اور داؤد نے جالوت کو قتل کرڈالا اور اللہ نے انھیں سلطنت اور دانائی عطا کی۔ ۱

تفسیر عیاشی کی روایت میں ہے کہ داؤد جب لشکر میں شامل ہوئے تھے تو انھوں نے سپاہیوں سے سُنا کہ وہ جالوت کے معاملہ کو بڑھا چڑھا کے بیان کر رہے ہیں تو داؤد نے اُن سے کہا کہ تم لوگ جالوت کے معاملہ کو اتنی اہمیت کیوں دے رہے ہو خدا کی قسم اگر میں اسے دیکھ لوں تو قتل کرڈالوں لوگوں میں اس بات کا چرچا ہو گیا یہاں تک کہ وہ طالوت کی خدمت میں پہنچ گئے طالوت نے دریافت کیا اے جوان تمھارے پاس کتنی طاقت ہے اور تمھارا تجربہ کیا ہے تو داؤد نے جواب دیا کہ ایک شیر نے ریوڑ میں ایک دنبہ کو دوڑا کر پکڑ لیا میں نے شیر کے سر کو پکڑا اس کے جبڑوں کو چیرا اور اس کے منھ سے دنبہ کو باہر نکال لیا۔ تو طالوت نے ایک زرہ منگوا کر داؤد کو دی جو اُن کے قد پر پوری اتری تو طالوت نے کہا بخدا ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ جالوت کو قتل کرادے، جب صبح ہوئی اور وہ طالوت کی طرف پلٹ کر آئے اور مڈبھیڑ ہوئی تو داؤد نے کہا مجھے بتلادو کہ جالوت کہاں ہے جب انھوں نے جالوت کو دیکھا تو پتھر اٹھا کر گوپھن میں ڈال کر جالوت کی طرف پھینکا وہ آنکھوں کے درمیان ٹکرایا اور دماغ میں گھس گیا وہ اپنی سواری پر الٹ گیا اور لوگوں نے کہا داؤد نے جالوت کو قتل کردیا۔ داؤد نے لوگوں پر حکومت کی یہاں تک کہ طالوت کو لوگ بھلا بیٹھے اور تمام بنی اسرائیل داؤد کے گرد جمع ہوگئے اور اللہ نے ان پر زبور کو نازل کیا اور انھیں لوہے کی صنعت سکھائی اور لوہے کو اُن کے لیے نرم کردیا۔ ۲

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ۔

اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کے سبب سے بعض کو دفع نہ کرتا تو زمین فاسد ہوجاتی

اگر اللہ مومنین کی مدد سے کفار کو دور نہ کرتا۔

ایک قول کے مطابق اللہ تعالیٰ نیکو کاروں کے ذریعہ سے فاجروں کو ہلاک کر کے انسانوں کا دفاع کرتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو زمین کا نظام تباہ ہوجاتا یعنی کفر اور ہلاکت عام ہوجاتی۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ۔

لیکن اللہ تمام جہانوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے۔

کتاب کافی اور تفسیر عیاشی میں امام صادق علیہ السلام سے مروی ہے آپ نے فرمایا خداوند عالم شیعہ

(۱) قمی، ص ۸۲۔ ۸۳ ج ۱ (۲) تفسیر عیاشی، ص ۵۔ ۱۳۴ ج ۱ ح ۴۴۵

نماز گزاروں کی برکت سے ہمارے شیعوں میں جو بے نمازی ہیں ان کی بلاؤں کو دور کر دیتا ہے اس لیے کہ اگر سب نماز کو ترک کر دیں گے تو بلا اور عذاب کا نزول سب پر ہوگا۔ ۱

خداوند عالم زکوٰۃ دینے والے شیعوں کی برکت سے زکوٰۃ نہ دینے والے شیعوں کی بلاؤں کو دور کر دیتا ہے اگر سب کے سب زکوٰۃ نہ دیں تو بلا سب پر نازل ہو۔

خداوند عالم حج بجالانے والے شیعوں کی برکت سے حج نہ کرنے والے شیعوں کی بلاؤں کو دور کر دیتا ہے اگر سب کے سب حج نہ کریں تو عذاب سب پر نازل ہو۔ ۲

اور وہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ خدا کی قسم، یہ آیت تمھارے بارے میں نازل ہوئی ہے اور تمھارا غیر اس سے مراد نہیں ہے۔ ۳

تفسیر مجمع البیان میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے مروی ہے کہ اگر رکوع کرنے والے بندے، دودھ پیتے ہوئے بچّے اور چرنے والے جانور نہ ہوتے تو تم پر عذاب ٹوٹ کر آتا۔

اور آں حضرتؐ سے دوسری روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک بہترین مردِ مسلم کی وجہ سے اس شخص کی اولاد، اس کی اولاد کی اولاد اور تمام اہل خانہ یہاں تک اس کے پڑوس کے گھروں اور پڑوسیوں کی بھی حفاظت کرتا ہے اور جب تک وہ پاک اور مقدس شخص زندہ ہے اور ان کے درمیان میں موجود ہے سب کے سب اس کے وجود کے سبب اللہ کے حفظ و امان میں رہتے ہیں۔ ۴

۲۵۲ – تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ۔

یہ آیات الٰہی ہیں جنھیں ہم حق کے ساتھ تم پر تلاوت کر رہے ہیں اور بے شک تم ہمارے رسولوں میں سے ہو

یہ اشارہ ہے جملہ واقعات کی طرف جنھیں بیان کیا گیا جن میں ہزاروں افراد کا مرنا طالوت کی حکمرانی، طالوت کا آنا، ظالموں کا شکست کھانا، ایک نوجوان کے ہاتھوں جالوت کا قتل ہوجانا وغیرہ وغیرہ۔

نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ۔

ہم ان واقعات کو اس طرح بیان کر رہے ہیں کہ اس میں اہل کتاب کو کسی قسم کا شک و شبہہ نہیں ہوگا اس لیے کہ یہ اُن کتابوں میں موجود ہے۔

وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ۔

اور اے نبی آپ رسولوں میں سے ہیں اس لیے کہ آپ ان لوگوں کو یہ واقعات بغیر کسی سابقے اور بغیر کسی سے سنے ہوئے سنا رہے ہیں۔

---

(۱) انوار التنزیل، ص ۱۳۱ ج ۱ (۲) الکافی، ص ۴۵۱ ج ۲ ح ۱ و عیاشی ص ۱۳۵ ج ۱ ح ۴۴۶

(۳) تفسیر عیاشی، ص ۱۳۵۔۱۳۶ ج ۱ (۴) مجمع البیان، ص ۳۵۷ ج ۱۔۲ / مجمع البیان، ص ۳۵۷ ج ۱۔۲

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ
بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ
الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا
جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ
وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۗ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۲۵۳﴾

۲۵۳ – یہ رسول وہ ہیں جنھیں ہم نے ایک دوسرے پر فضیلت عطا کی ہے، ان میں کوئی ایسا تھا اللہ نے جس سے کلام کیا، اور کسی کو اس نے بلند درجات عطا کیے۔ اور ہم نے عیسٰی بن مریم کو روشن نشانیاں عطا کیں اور روح القدس سے اُن کی مدد کی۔ اگر اللہ چاہتا تو ممکن نہ تھا کہ ان رسولوں کے آنے کے بعد جو لوگ روشن نشانیاں دیکھ چکے ہیں وہ آپس میں لڑتے۔ انھوں نے باہم اختلاف کیا پھر اُن میں سے کوئی ایمان لایا اور کسی نے کفر اختیار کیا۔ ہاں، اللہ چاہتا تو وہ ہرگز نہ لڑتے مگر اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

۲۵۳ – تِلْكَ الرُّسُلُ –

اشارہ ہے رسولوں کی اس جماعت کی طرف جن کا تذکرہ اس سورے میں کیا گیا

فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ –

ہم نے اُن میں سے بعض کو وہ فضائل دیے ہیں جو دوسرے بعض میں نہیں ہیں

مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ –

ان میں سے کوئی ایسا ہے اللہ نے جس سے گفتگو کی

بغیر کسی سفیر کے جیسے حضرت موسٰی علیہ السّلام سے جب رات کے وقت وہ طور پر حیران کھڑے تھے، اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے شب معراج جب وہ قابَ قوسین او ادنٰی کی منزل پر فائز تھے ان دونوں رسولوں کے درمیان کافی فاصلہ تھا۔

وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ –

حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو ان کے غیر پر کئی اعتبار سے فضیلت دی

جس طرح انھیں جو ہزارہا معجزات عطا ہوئے وہ کسی اور کو نہیں دیئے۔ انھیں جنوں اور انسانوں کی طرف

مبعوث کیا گیا۔ اور قیامت تک باقی رہنے والے معجزے (قرآن) سے مخصوص کیا گیا۔

کتاب عیون میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے روایت ہے: مَاخَلَقَ اللّٰهُ خَلْقًا اَفْضَلُ مِنِّى وَلَا اَكْرِمَ عَلَيْهِ مِنِّى۔

اللہ تعالیٰ نے کوئی اور مخلوق پیدا نہیں کی جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مجھ سے زیادہ افضل اور اکرم (زیادہ عزت والی) ہو۔

حضرت علی علیہ السّلام نے فرمایا کہ میں نے آں حضرتؐ سے سوال کیا اے اللہ کے رسول آپ افضل ہیں یا حضرت جبرئیل علیہ السّلام تو آں حضرتؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے انبیا و مرسلین کو ملائکہ مقربین پر فضیلت عطا کی ہے اور مجھے تمام انبیا اور مرسلین سے افضل قرار دیا ہے، فرشتے تو ہمارے خادم اور ہمارے چاہنے والوں کے خادم ہیں۔ (۱)

وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ۔

اور ہم نے عیسٰی بن مریم کو معجزات عطا کیے

جیسے مُردوں کو جلانا، جذام اور برص کے مریضوں کو شفا دینا۔

وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ۔

اور ہم نے جبرئیل امین کے ذریعہ اُن کی مدد کی

جیسا کہ امام حسن عسکری علیہ السّلام کی تفسیر میں گزرا۔ (۲)

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ۔

رسولوں کے آنے کے بعد اگر اللہ چاہتا تو لوگ آپس میں جھگڑا نہ کرتے

مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۔

جب کہ واضح معجزات بھی آچکے تھے

اس لیے کہ یہ لوگ دین میں اختلاف کر رہے تھے اور بعض کو بعض پر فضیلت دے رہے تھے۔

وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ۔

انھوں نے اختلاف سے کام لیا ان میں سے کچھ لوگوں نے دین خداوندی کو قبول کرلیا

وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ۔

اور کچھ نے روگردانی کر کے اس کا انکار کردیا

(۱) عیون اخبار الرضا، ص ۲۶۲ ج ۱ ح ۲۲ (۲) تفسیر امام عسکریؑ ص ۳۷۱ سورۂ بقرہ آیت ۸۷ کے ذیل میں

وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقۡتَتَلُوۡا ۔

اور اگر اللہ چاہتا تو یہ آپس میں ہرگز جھگڑا نہ کرتے

تاکید کی وجہ سے یہ جملہ دہرایا گیا۔

وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ يَفۡعَلُ مَا يُرِيۡدُ ۔

لیکن اللہ، اپنے عدل اور فضل کی وجہ سے کسی کو تنہا چھوڑ دیتا ہے اور کسی کی حفاظت کرتا ہے۔

تفسیر عیّاشی میں ہے کہ امیر المومنین علیہ السّلام سے سوال کیا گیا کہ جنگ جمل کے دن ہم نے بھی تکبیر کہی اور انھوں نے بھی تکبیر کہی ہم نے بھی لا الٰہ کہا اور انھوں نے بھی لا الٰہ کہا ہم نے بھی نماز پڑھی اور انھوں نے بھی نماز پڑھی تو پھر ہم ان سے کیوں جنگ کر رہے تھے تو آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی اور کہا: "مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ" کے مصداق ہم لوگ ہیں ہم لوگ ایمان پر قائم رہے اور انھوں نے کفر اختیار کیا۔[1]

اور ایک روایت میں ہے آپ نے فرمایا کہ جب اختلاف واقع ہوا تو ہم اللہ، رسول، کتاب اور حق کے اعتبار سے سب سے افضل تھے اس لیے کہ ہم وہ ہیں جو باایمان رہے اور انھوں نے کفر کیا اور اللہ نے اپنی مشیّت اور ارادے سے چاہا کہ ان سے قتال ہو۔[2]

(۱) تفسیر عیاشی، ص ۱۳۶ ج ۱ ح ۴۴۸ (۲) امالی شیخ طوسیؒ، ص ۱۹۸ ح ۳۳۷

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّ لَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۵۴﴾

۲۵۴ – اے ایمان لانے والو! جو کچھ مال و متاع ہم نے تم کو بخشا ہے، اس میں سے خرچ کرو قبل اس کے کہ وہ دن آئے جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی، نہ دوستی کام آئے گی اور نہ ہی سفارش چلے گی اور ظالم اصل میں وہی ہیں جو کفر کی روش اختیار کیے ہوئے ہیں۔

۲۵۴ – يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّ لَا شَفَاعَةٌ۔

۲۵۴ – اے صاحبان ایمان، ہم نے تمھیں جو کچھ مال و متاع بخشا ہے، اس میں سے خرچ کرو قبل اس کے کہ وہ دن آئے جب تم نہ اپنی کوتاہیوں کا تدارک کر سکو گے اور نہ ہی عذاب سے چھٹکارے پر قدرت رکھ سکو گے اس لیے کہ اس دن نہ تو تجارت ہوگی کہ جس کی آمدنی کو خرچ کرو اور عذاب سے بچنے کے لیے اس میں سے فدیہ دے دو۔ اور نہ ہی دوستی ہوگی کہ تمھارے دوست عذاب کے موقع پر تمھاری مدد کریں، یا فیاضی سے کام لیں اس لیے کہ اس دن سارے دوست ''ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے سوائے متّقین کے۔'' اور ''اس روز ہر شخص اپنی اپنی حالت میں مبتلا ہوگا کسی کو دوسرے کی فکر نہ ہوگی۔'' اور اس روز شفاعت بھی نہیں ہوگی۔ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ﴿۱۰۹﴾ (۱۰۹، طٰہٰ ۲۰) (مگر جسے رحمان شفاعت کی اجازت مرحمت فرمائے اور اس کی بات سے راضی ہو) کہ تم لوگ کسی شفیع سے سفارش کرا کے اپنے گناہوں کی معافی تلافی کر سکو۔[۱]

ایک احتمال یہ بھی ہے کہ اس دن سے مراد موت کا دن ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول میں گزرا: وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْــًٔا وَّ لَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّ لَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّ لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾ (۴۸، بقرہ ۲)

اس دن سے ڈرو جس دن کوئی کسی کا بدل نہ بن سکے گا اور نہ کسی کی سفارش قبول ہوگی اور نہ ہی کوئی معاوضہ لیا جائے گا اور نہ ہی کسی کی مدد کی جائے گی۔

وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ – اور کافر ہی در حقیقت ظالم ہیں۔

اس لیے کہ ان کا ظلم خود اپنے ہاتھوں انتہا کو پہنچ چکا ہے۔ اور اُن کی محرومیوں نے انھیں اس حد تک پہونچا دیا ہے۔ یہ جملہ اسی طرح ہے جیسے کہا جائے ''فُلَانٌ هُوَ الْفَقِيْهُ فِي الْبَلَدِ'' اس شہر میں تو فلاں شخص فقیہ ہے یعنی وہ سب سے افضل ہے، اسے دوسروں پر تقدّم حاصل ہے۔

---

(۱) اقتباس از انوار التنزیل، ص ۱۳۲ ج ۱

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلۡحَیُّ الۡقَیُّوۡمُ ۬ۚ لَا تَاۡخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوۡمٌ ؕ لَهٗ
مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَشۡفَعُ عِنۡدَهٗۤ اِلَّا
بِاِذۡنِهٖ ؕ یَعۡلَمُ مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡهِمۡ وَمَا خَلۡفَهُمۡ ۚ وَلَا یُحِیۡطُوۡنَ بِشَیۡءٍ مِّنۡ
عِلۡمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرۡسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ ۚ وَلَا یَـُٔوۡدُهٗ
حِفۡظُهُمَا ۚ وَهُوَ الۡعَلِیُّ الۡعَظِیۡمُ ﴿۲۵۵﴾
لَاۤ اِكۡرَاهَ فِی الدِّیۡنِ ۙ قَدۡ تَّبَیَّنَ الرُّشۡدُ مِنَ الۡغَیِّ ۚ فَمَنۡ یَّكۡفُرۡ
بِالطَّاغُوۡتِ وَیُؤۡمِنۡۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسۡتَمۡسَكَ بِالۡعُرۡوَةِ الۡوُثۡقٰی ۗ لَا انۡفِصَامَ
لَهَا ؕ وَاللّٰهُ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ﴿۲۵۶﴾
اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ۙ یُخۡرِجُهُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ ۬ؕ وَالَّذِیۡنَ
كَفَرُوۡۤا اَوۡلِیٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوۡتُ ۙ یُخۡرِجُوۡنَهُمۡ مِّنَ النُّوۡرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ ؕ
اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ هُمۡ فِیۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۲۵۷﴾ ع ۳۴ ۴ ۲

۲۵۵- اللہ کے علاوہ کوئی اور معبود نہیں ہے وہ زندہ جاوید ہے اور تمام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے۔ نہ اسے نیند آتی ہے اور نہ اونگھ۔ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے، اسی کا ہے۔ کون ہے جو اس کی جناب میں اس کی اجازت کے بغیر سفارش کرسکے۔ جو کچھ ان کے سامنے ہے اور جو ان کے پسِ پشت ہے وہ اُن سب سے واقف ہے۔ یہ لوگ اس کے علم کے ایک حصّہ کا بھی احاطہ نہیں کرسکتے، الّا یہ کہ وہ خود ہی کسی چیز کا علم دینا چاہے۔ اس کی کرسیِ علم و اقتدار زمین و آسمان سے وسیع تر ہے۔ اور ان کی نگہبانی اس کے لیے کوئی تھکا دینے والا کام نہیں وہ عالی مرتبہ بھی ہے اور صاحب عظمت بھی۔

۲۵۶- دین میں کسی طرح کا جبر نہیں ہے، ہدایت گمراہی سے الگ اور واضح ہوچکی ہے۔ اب جو کوئی طاغوت کا انکار کرکے اللہ پر ایمان لے آیا تو گویا وہ اس کی مضبوط رسی سے متمسک ہوگیا ہے جس کے ٹوٹنے کا امکان باقی نہیں۔ اور اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔

۲۵۷- اللہ مومنین کا ولی ہے وہ انھیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آتا ہے اور جو لوگ کفر کی

راہ اختیار کرتے ہیں شیاطین (طاغوت) ان کے ولی ہیں وہ انھیں روشنی سے نکال کر تاریکیوں میں لے جاتے ہیں، وہی درحقیقت جہنّمی ہیں اور وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔

۲۵۵-اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ-

اللہ کے علاوہ کوئی بھی عبادت کا مستحق نہیں ہے

اَلْحَيُّ-

وہ صاحب علم اور صاحب قدرت ہے زندۂ جاوید ہے

الْقَيُّوْمُ-

وہ دائم و قائم ہے وہ مخلوقات کی تدبیر اور اُن کی حفاظت کرتا ہے

لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ-

اُسے نہ اونگھ آتی ہے اور نہ ہی وہ سوتا ہے

اس لیے کہ یہ سب جسم و جسمانیات کے لوازمات ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام صفات سے مبرّا اور منزّہ ہے۔

تفسیر عیّاشی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ انھوں نے کسی شخص کو دیکھا کہ اپنی ٹانگ کو اپنی ران پر رکھے ہوئے بیٹھا ہے تو اس سے کہا گیا اس طرح بیٹھنا مکروہ ہے اس نے کہا نہیں، یہودیوں کا کہنا ہے کہ پروردگار جب زمین و آسمان کی تخلیق سے فارغ ہوا تو آرام کرنے کی خاطر کرسی پر اسی طرح بیٹھا تھا تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۔[1]

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ-

آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے وہ اُن سب کا مالک ہے

اور اِن کی تدبیر بھی اسی کے اختیار میں ہے۔ اس جملہ کے ذریعہ اس کے قیّوم ہونے کی تاکید اور اس کے واحد و فرد ہونے کی دلیل ہے اور ''بِمَافِيْهِمَا'' یعنی جو کچھ آسمان و زمین میں ہے اس سے مراد جو کچھ بھی اُن میں پایا جاتا ہے ان کی حقیقتوں میں داخل ہے یا ان دونوں سے خارج ہے اور ان میں جاگزیں ہے۔

کتاب کافی اور تفسیر قمی میں امام رضا علیہ السّلام سے مروی ہے کہ وہ اس آیت کی تلاوت اس طرح فرماتے تھے: لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ.... الخ

اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان اور زمین کے نیچے ہے۔ وہ غیب و شہود

---

(۱) تفسیر عیاشی، ص ۱۳۷ ج ۱ ح ۴۵۲

کا عالم ہے وہ مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ ۱؎

مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَشۡفَعُ عِنۡدَہٗۤ اِلَّا بِاِذۡنِہٖ۔

کون ہے جو اس کی جناب میں اس کی اجازت کے بغیر شفاعت کر سکے۔

یہ اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور عظمت کا بیان ہے اور یہ کہ کوئی بھی نہ اس کی برابری کر سکتا ہے اور نہ ہی اس کے نزدیک پہنچ سکتا ہے۔ وہ بلا شرکت غیرے فیصلہ کرتا ہے کہ جسے چاہے شفاعت اور کفالت کا حق دے دے نہ یہ کہ وہ از روئے دشمنی و مخالفت شفاعت سے روک دے۔

یَعۡلَمُ مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡہِمۡ۔

جو کچھ ان کی نگاہوں کے سامنے ہے اُسے بھی جانتا ہے

وَمَا خَلۡفَہُمۡ۔

اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے۔ اور ان کی نگاہوں سے اوجھل ہے اور وہ بعد میں باقی نہیں رہے گا اللہ اُن سب باتوں کا علم رکھتا ہے جیسا کہ تفسیر قمی میں امام رضا علیہ السّلام سے مروی ہے۔ ۲؎

وَلَا یُحِیۡطُوۡنَ بِشَیۡءٍ مِّنۡ عِلۡمِہٖۤ۔

وہ اس کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتے

یعنی اس کی معلومات کا احاطہ نہیں کر سکتے۔

اِلَّا بِمَا شَآءَ۔

اِلّا یہ کہ وہ خود ہی ان کو بتا دے

تفسیر قمی میں ''اِلَّا بِمَا شَآءَ'' سے مراد ہے مگر وہی جسے وہ بذریعہ وحی بتا دے۔ ۳؎

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کسی شے کے علم کا احاطہ کرنے سے مراد ہے کہ وہ جانتا ہے کہ اس شے کی ماہیّت اور حقیقت کیا ہے: یَعۡلَمُ مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡہِمۡ وَمَا خَلۡفَہُمۡ ۚ وَلَا یُحِیۡطُوۡنَ بِشَیۡءٍ مِّنۡ عِلۡمِہٖۤ۔ دونوں جملے اس بات کی دلالت کرتے ہیں کہ اللہ کا علم ذاتی ہے، مکمّل ہے اور اس کی وحدانیت کی جانب رہنمائی کرتا ہے۔

وَسِعَ کُرۡسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ۔

اس کا علم آسمان و زمین سے زیادہ وسعت والا ہے

کتاب توحید میں ''کُرسی'' سے مراد علم ہے۔ ۴؎

کتاب کافی اور تفسیر عیّاشی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ آپ سے سوال کیا گیا کہ

---

(۱) الکافی ج ص ۲۸۹۔۲۹۰ ج ۱ ح ۷ ۳۴ و تفسیر قمی ص ۸۴ ج ۱ (۲، ۳) تفسیر قمی ص ۸۴ ج ۱

(۴) التوحید ص ۳۲۷ باب ۵۲

آسمان و زمین کرسی سے وسیع ہیں یا کرسی آسمان و زمین سے زیادہ وسعت رکھتی ہے تو امامؑ نے جواب میں فرمایا: اِنَّ کُلَّ شَیءٍ فِی الْکُرْسِیِ۔ کُرسی میں ہر چیز موجود ہے۔[۱]

تفسیر قمی میں ہے کہ حضرت علی علیہ السّلام سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا گیا تو امام علیہ السّلام نے فرمایا آسمان و زمین اور ان کے درمیان جو کچھ ہے وہ کرسی کے اندرونی حصے میں ایک مخلوق کی حیثیت رکھتے ہیں اور چار فرشتے ہیں جو اذنِ خداوندی سے کرسی کو اٹھائے ہوئے ہیں۔[۲]

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ کرسی سے مراد وہ جسم ہو سکتا ہے جو عرش کے نیچے ہے جس کے نیچے آسمان و زمین ہیں چوں کہ وہ عالم جسمانی کو گھیرے ہوئے ہے اس لیے وہ اس کا مستقر (ٹھکانا) ہے اور اس کے اوپر عرش بمنزلہ چھت کے ہے۔ اور حدیث نبوی میں ہے کہ ساتوں آسمان اور ساتوں زمین کُرسی کے ساتھ ایک حلقہ کی مانند ہیں جو صحرا میں پڑا ہوا ہے اور عرش کی فضیلت کرسی کے مقابل میں ایسی ہی ہے جیسے وہ صحرا اُس حلقہ کے مقابلہ میں افضل ہے۔

اسے روایت کیا ہے عیّاشی نے امام صادق علیہ السّلام سے اور اس سے مراد عرش کا ظرف (پیالہ) بھی لیا جا سکتا ہے۔[۳]

کتاب توحید میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ آپؑ سے عرش و کرسی کی حقیقت دریافت کی گئی تو آپؑ نے فرمایا ایک پہلو کے اعتبار سے عرش سے مراد جملہ مخلوقات ہیں اور کُرسی اس کا ظرف ہے اور دوسرے اعتبار سے عرش سے مراد وہ عِلم ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں، رسولوں اور اپنی حجّتوں کو مطّلع کرتا ہے۔ اور کرسی وہ عِلم ہے جس سے نبیوں، رسولوں اور اپنی حجّتوں میں سے کسی کو بھی آگاہ نہیں کیا۔[۴]

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ جملہ مخلوقات سے مراد عالم جسمانی کا مجموعہ ہے اور اس کا ظرف (برتن) عالَم ملکوت اور عالَم جبروت ہے اس لیے کہ عالم جسمانی کا استقرار اور قیام ان دونوں پر موقوف ہے اور اکثر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کرسی کا عرش میں ہونا عرش کے کرسی میں ہونے کے منافی نہیں ہے اس لیے کہ ایک عالَم کی کیفیت دوسرے عالَم سے مختلف ہے ان میں سے ایک عالَمِ عقلیِ اجمالی ہے جب کہ دوسرا عالَم نفسانیِ تفصیلی ہے۔ اور کبھی کرسی کو بطورِ کنایہ اقتدار کے معنیٰ میں مراد لیا جاتا ہے اس لیے کہ یہ بادشاہ کے بیٹھنے کی جگہ ہے۔[۵]

اور کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کی تصویر ہے اور تخیّلاتی طور پر حسّی تمثیل دی گئی ہے ورنہ،

---

(۱) الکافی، ص ۲۳۱ ج ۱ ح ۵ و تفسیر عیاشی، ص ۱۳۷ ج ۱ ح ۴۵۴ (۲) تفسیر قمّی، ص ۸۵ ج ۱
(۳) تفسیر عیاشی ص ۱۳۷ ح ۴۵۰ (۴) یہ روایت توحید میں نہیں بلکہ معانی الاخبار میں ہے۔ ص ۲۹ ح ۱
(۵) تفسیر قرآن صدر المتالھین، ص ۱۶۱ ج ۴

نہ تو کرسی ہے، نہ اس پر بیٹھنا ہے اور نہ ہی بیٹھنے والا ہے۔ جس کا شاہد ربّ جلیل کا یہ قول ہے: وَالْاَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌۢ بِیَمِیْنِهٖ (۶۷، زُمر ۳۹) (روز قیامت تمام زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور سارے آسمان اسی کے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے)۔

وَلَا یَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا۔

آسمان اور زمین کی حفاظت اُسے مشقت میں نہیں ڈالتی

وَهُوَ الْعَلِیُّ۔

وہ بلند ہے

اس اعتبار سے کہ کوئی اس کا مثیل اور نظیر نہیں ہے اس تک وہم وخیال کی بھی رسائی نہیں ہوسکتی۔

الْعَظِیْمُ۔

وہ ایسا صاحبِ عظمت ہے۔

کہ اس کے سوا ہر شے حقیر اور پست نظر آتی ہے اور فہم وادراک بھی اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔

کتاب خصال میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے مروی ہے کہ قرآن کریم کی سب سے عظیم آیت ''آیۃ الکرسی'' ہے۔[۱]

کتاب مجمع اور جوامع میں امیرالمومنین علیہ السّلام سے مروی ہے میں نے نبی اکرم کو منبر کے زینوں پر یہ کہتے ہوئے سنا ہے:

مَنْ قَرَاَ اٰیَةَ الْكُرْسِی فِیْ دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ مَكْتُوْبَةٍ لَمْ یَمْنَعْهُ مِنْ دُخُوْلِ الْجَنَّةِ اِلاَّ الْمَوْتُ وَلَا یُوَاظِبُ عَلَیْهَا اِلاَّ صِدِّیْقٌ اَوْعَابِدٌ وَمَنْ قَرَاَهَا اِذَا اَخَذَ مَضْجَعَهٗ اٰمَنَهُ اللّٰهُ عَلٰی نَفْسِهٖ وَجَارِهٖ وَجَارِ جَارِهٖ وَالْاَبْیَاتِ حَوْلَهٗ۔

جو شخص ہر نماز واجب کے بعد آیت الکرسی کی تلاوت کرے گا تو اُسے جنت میں جانے کے لیے سوائے موت کے کوئی اور رکاوٹ نہیں ہے۔ جو شخص سچا ہے اور عبادت گذار ہے وہی اس کی پابندی کرے گا۔

اور جو شخص سوتے وقت اس کی تلاوت کرے گا تو اللہ تعالیٰ (اس کی برکت سے) اُسے، اس کے پڑوسی کو، اور پڑوسی کے پڑوسی کو اور اردگرد کے تمام گھروں کو امن عطا کرے گا۔[۲]

۲۵۶۔ لَاۤ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ ۙ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ۔

امور دین میں کوئی جبر نہیں ہے جب کہ راہِ ہدایت گمراہی سے واضح ہوچکی ہے

تفسیر قمی میں ہے کہ کسی کو دین کی پابندی پر مجبور نہیں کیا جائے گا مگر جب کہ اس پر گمراہی کے بعد

(۱) الخصال، ص ۴۲۲ ح ۵۲۲ ح ۱۳ (۲) مجمع البیان، ص ۳۶۰ ج ۱۔ ۲ و جوامع الجامع، ص ۱۴۰ ج ۱ (۳) تفسیر قمّی، ص ۸۴ ج ۱

ہدایت کا راستہ واضح ہو جائے۔ ۳

اور ایک قول کے مطابق اِکراہ (زبردستی) درحقیقت غیر کا الزام ہے کہ وہ دین کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتا تو اسے زبردستی قرار دیتا ہے لیکن ہدایت کا راستہ گمراہی سے واضح ہو چکا ہے۔ ایمان کو کفر سے واضح آیات کے ذریعہ متمیّز کیا جاچکا ہے اور دلائل و براہین سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ ایمان ہدایت ہے جو ابدی سعادت (خوش نصیبی) تک پہنچاتا ہے اور کفر گمراہی ہے جو سرمدی بدبختی تک لے جاتا ہے۔ اور عقل مند پر جب یہ امر واضح ہو گیا تو وہ ایمان کی جانب تیزی سے قدم بڑھائے گا تا کہ سعادت و نجات کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے اور دین کو بغیر کسی جبر و زبردستی کے قبول کرلے۔ ۱

کہا گیا ہے کہ احادیث سے پتا چلتا ہے کہ دین کے معاملے میں کسی سے زبردستی کرنے کی اجازت نہیں ہے "لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ" کے معنیٰ ہیں "لَا تُكْرِهُوْا فِي الدِّيْنِ" تم دین میں زبردستی نہ کرو یا تو اس کے معنیٰ عام ہیں اور یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اس قول: جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ (۷۳، توبہ ۹)

(کفار اور منافقین سے جہاد کرو اور اُن سے سختی سے پیش آؤ) سے منسوخ ہو چکی ہے یا یہ اہل کتاب کے لیے مخصوص ہے جب وہ جزیہ دے دیں تو کہا گیا کہ اُن سے دین کے بارے میں زبردستی نہ کرو۔ ۲

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ –

جو شخص شیطان کا انکار کرے

"طاغوت" کے معنیٰ شیطان کے ہیں۔ تفسیر مجمع البیان میں امام صادق علیہ السّلام سے اسی طرح مروی ہے۔ ۳

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں لفظ طاغوت عام ہے اللہ کے علاوہ جس کی پرستش کی جائے خواہ وہ بت ہو یا جادۂ حق سے روکنے والا ہو۔ جیسا کہ دوسری روایات سے مستفاد ہوتا ہے۔

وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ –

اللہ پر ایمان لائے

یعنی توحید کو تسلیم کرے اور رسولوں کی تصدیق کرے۔

فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى –

تو وہ مضبوط رسی سے متمسّک ہو گیا ہے

یعنی اس نے اپنے نفس کو مضبوط رسّی سے متمسّک کرنا چاہا ہے اور یہ استعارہ ہے ایسے تمسّک کرنے والے کا جو حق پر ہو اور جس نے غور و فکر کے بعد دینِ قویم (سیدھا اور سچا دین) کو اپنا یا ہو۔

(۱) بیضاوی انوار التنزیل، ص ۱۳۴ ج ۱ (۲) انوار التنزیل، ص ۱۳۴ ج ۱ (۳) مجمع البیان، ص ۳۶۴ ج ۱۔۲

کتاب کافی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ اس سے مراد اللہ پر ایمان ہے جو یکتا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ [۱]

اور امام باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ اس سے مراد ہم اہل بیتؑ کی موّدت ہے۔ [۲]

لَا انْفِصَامَ لَهَا -

یہ رسّی مضبوط ہے، ٹوٹنے والی نہیں ہے

کتاب معانی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے مروی ہے:

مَنْ اَحَبَّ اَنْ يَسْتَمْسِكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى الَّتِيْ لَا انْفِصَامَ لَهَا فَلْيَسْتَمْسِكْ بِوَلَايَةِ اَخِيْ وَوَصِيِّيْ عَلِيِّ ابْنِ اَبِيْ طَالِبٍ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِ فَاِنَّهٗ لَا يَهْلِكُ مَنْ اَحَبَّهٗ وَتَوَلَّاهُ وَلَا يَنْجُوْا مَنْ اَبْغَضَهٗ وَعَادَاهُ۔

جو چاہتا ہے کہ ایسی مضبوط رسی سے تمسّک رکھے جو ٹوٹنے والی نہیں ہے تو اسے چاہیے کہ وہ میرے بھائی اور میرے وصی علی بن ابی طالب صلوات اللہ علیہ سے تمسّک رکھے۔ اس لیے کہ جو انھیں دوست رکھے گا اور ان کی محبت کا دم بھرے گا وہ ہلاک نہ ہوگا اور جو ان سے بغض رکھے گا اور دشمنی کرے گا وہ نجات نہ پا سکے گا۔ [۳]

وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ -

اللہ تمھاری باتوں کو سن رہا ہے اور تمھاری نیتوں کو جانتا ہے۔

۲۵۷ - اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا -

اللہ مومنین کے امور کا متولّی ہے

يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ -

وہ اپنی ہدایت اور توفیق کے ذریعہ انھیں جہالت اور گناہوں کے اندھیروں سے نکالتا ہے

اِلَى النُّوْرِ -

اور ہدایت ومغفرت کے نور تک پہنچاتا ہے

کتاب خصال میں امام صادق علیہ السّلام اپنے آباؑ و اجداد اور وہ امیر المومنینؑ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا:

اَلْمُؤْمِنُ يَتَقَلَّبُ فِيْ خَمْسَةٍ مِنَ النُّوْرِ مَدْخَلُهٗ نُوْرٌ وَمَخْرَجُهٗ نُوْرٌ وَعِلْمُهٗ نُوْرٌ وَكَلَامُهٗ نُوْرٌ وَمَنْظَرُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِلَى النُّوْرِ۔

مومن پانچ طرح کے نور میں گردش کرتا رہتا ہے اس کا آنا نور ہے اس کا جانا نور ہے، اس کا علم نور ہے،

---

(۱) الکافی، ص ۱۴، ج ۲ ح ۱ (۲) المناقب ابن شہر آشوب، ص ۲- ۳ ج ۴

(۳) معانی الاخبار، ص ۳۶۸ ج ۱ (۴) الخصال، ص ۲۷۷ باب ۵ ح ۲۰

اس کا کلام نور ہے اور روز قیامت اس کی نگاہ نور کی جانب ہی مرکوز ہوگی۔ ۴

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ۔

اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا تو شیاطین ان کے اولیاء اور سرپرست ہوں گے

يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ۔

وہ انھیں نور سے نکال کر اندھیروں کی جانب لے جائیں گے

یعنی وہ ان کافروں کو نورِ فطرت سے نکال کر بناوٹی اور مصنوعی فساد کی طرف لے جائیں گے۔ ۱

کتاب کافی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ نور سے مراد آلِ محمدؑ ہیں اور ظلمات سے مراد ان کے دشمن ہیں۔ ۲

ابن ابی یعفور سے روایت ہے کہ امام صادق علیہ السّلام نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ۔ یعنی اللہ تعالیٰ گناہوں کے اندھیروں سے نکال کر توبہ اور مغفرت کے نور کی طرف لے آتا ہے۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ اور جنھوں نے کفر اختیار کیا تو شیاطین اُن کے اولیاء ہیں وہ انھیں نور اسلام سے نکال کر کفر کے اندھیروں میں ڈھکیل دیتے ہیں۔ ۳

اُولٰٓـئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔

یہی لوگ جہنمی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے

تفسیر عیّاشی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ کوئی شخص کتنا ہی عابد و زاہد کیوں نہ ہو اگر دشمن امیرالمومنینؑ ہے تو جہنم میں جائے گا۔ ۴

تفسیر قمی میں ہے وہ ہمیشہ کے لیے جہنّم میں رہیں گے، اور ہر طرح کی حمد اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ ۵

---

(۱) بیضاوی انوار التنزیل ص ۱۳۴ ج ۱ (۲) یہ روایت تفسیر عیاشی میں ہے ص ۱۳۸۔۱۳۹، ج ۱، اس کا سراغ کافی میں نہیں ملا و تفسیر برہان، ص ۲۴۴ ج ۱ (۳) الکافی ص ۳۷۵۔۳۷۶ ج ۱ (۴) تفسیر عیاشی، ص ۱۳۹ ج ۱ ح ۴۶۲ (۵) تفسیر قمّی ص ۸۵ ج ۱

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَ اُمِیْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۚ﴿۲۵۸﴾

۲۵۸- کیا تم نے اس شخص کے حال پر غور کیا، جس نے ابراہیم کے پروردگار کے بارے میں اُن سے بحث کی اس بنا پر کہ اس شخص کو اللہ نے حکومت دے رکھی تھی۔ جب ابراہیم نے کہا میرا رب وہ ہے جو جلاتا بھی ہے اور مارتا بھی ہے تو اس نے جواب دیا زندگی اور موت تو میرے اختیار میں بھی ہے ابراہیم نے کہا اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو ذرا اُسے مغرب سے نکال لا یہ سُن کر وہ منکرِ حق ششدر رہ گیا، اللہ ظالمین کو راہِ راست نہیں دکھایا کرتا۔

۲۵۸- اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ-

یہ جملہ استعجابیہ ہے غرور کی کج بحثی اور حماقت کو واضح کر رہا ہے۔ جو حضرت ابراہیمؑ سے ان کے رب کے بارے میں جھگڑا کر رہا تھا۔

اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ-

وہ اپنے اقتدار کے نشے میں چور تھا، اُسے حکومت کا غُرور تھا اس لیے بجائے اللہ کا شکر ادا کرنے کے وہ حضرت ابراہیمؑ سے رب کے بارے میں بلاوجہ جھگڑ رہا تھا۔ [۱]

کتاب خصال میں برقی سے مرفوع روایت ہے کہ دنیا میں (بہت بڑے) چار بادشاہ ہوئے ہیں دو مومنین میں سے اور دو کافرین میں سے۔ مومن بادشاہوں میں حضرت سلیمانؑ اور ذوالقرنین ہیں اور کافروں میں نمرود اور بخت نصر تھے۔ [۲]

اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ-

جب ابراہیمؑ نے کہا میرا رب وہ ہے جو جلاتا بھی ہے اور مارتا بھی ہے

تفسیر مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے۔ یہ واقعہ ابراہیمؑ کے آگ میں ڈالے جانے کے بعد کا ہے۔ [۳]

(۱) بیضاوی انوار التنزیل، ص ۱۳۵ ج ۱ (۲) الخصال، ص ۲۵۵ ج ۱ ح ۱۳۰ (۳) مجمع البیان، ص ۳۶۷ ج ۱-۲

قَالَ اَنَا اُحۡیٖ وَاُمِیۡتُ۔

نمرود کہنے لگا میں بھی زندگی اور موت پر اختیار رکھتا ہوں
جسے قتل ہونا ہے اسے معاف کر کے اور جو زندہ ہے اُسے قتل کر کے۔

اور امام صادق علیہ السّلام سے ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے اُس سے کہا کہ اگر تو اپنے دعویٰ میں سچا ہے تو جسے تو نے قتل کر دیا ہے اسے زندہ کر کے دکھا دے۔[۱]

قَالَ اِبۡرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاۡتِیۡ بِالشَّمۡسِ مِنَ الۡمَشۡرِقِ فَاۡتِ بِهَا مِنَ الۡمَغۡرِبِ۔

تو ابراہیم نے کہا: اللہ تو وہ ہے جو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اسے مغرب سے نکال دے

حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے نمرود کے فاسد استدلال سے اعراض کر کے ایسی دلیل پیش کی جس کا جواب دینا اُس کے بس میں نہ تھا تاکہ جھگڑا ختم ہو جائے اور فساد مِٹ جائے تو اس لیے انھوں نے خفی (پوشیدہ) مثال کو چھوڑ کر جلی اور واضح مثال پیش کر دی کیوں کہ اس عمل پر سوائے اللہ کے اور کسی کو قدرت حاصل نہیں ہے، اور اس لیے بھی تاکہ کسی دوسری دلیل کی ضرورت باقی نہ رہے۔[۲]

فَبُهِتَ الَّذِیۡ كَفَرَ۔

منکر حق یہ بات سن کر ششدر ہو گیا

قمی میں ''بُهِتَ'' کے معنیٰ ہیں اِنۡقَطَعَ یعنی اس دلیل نے اسے حیران کر کے ہر چیز سے منقطع کر دیا۔ اس لیے وہ جانتا تھا کہ سورج کا وجود اُس سے پہلے سے ہے۔[۳]

وَاللّٰهُ لَا یَهۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ۔

جن لوگوں نے ہدایت کو قبول نہ کر کے اپنے نفسوں پر ظلم ڈھایا ہے اللہ ان کی کج بحثی اور جھگڑنے کے سبب انھیں نہ تو نجات کا راستہ دکھاتا ہے اور نہ ہی اُنھیں جنّت کی راہوں سے آشنا کرتا ہے۔

کتاب کافی اور تفسیر عیّاشی میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے اپنی قوم کی مخالفت مول لی اور اُن کے معبودوں پر نکتہ چینی کی۔ یہاں تک کہ وہ رفتہ رفتہ نمرود تک پہنچ گئے اور انھوں نے نمرودیوں سے مباحثہ کیا۔[۴]

---

(۱) مجمع البیان، ص ۳۶۷ ج ۱ ۔ ۲ (۲) اقتباس از انوار التنزیل، ص ۱۳۵ ج ۱ (۳) تفسیر قمی، ص ۸۶ ج ۱
(۴) الکافی، ص ۳۶۸ ج ۸ ح ۵۵۹ و تفسیر عیاشی، ص ۱۳۹ ج ۱ ح ۴۶۴ و بیضاوی انوار التنزیل، ص ۱۳۵ ج ۱

اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰى قَرْیَةٍ وَّ هِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَ شَرَابِكَ لَمْ یَتَسَنَّهْ ۚ وَ انْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَ لِنَجْعَلَكَ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَ انْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَیْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۵۹﴾

۲۵۹- یا پھر اس شخص کی طرف دیکھو، جس کا گزر ایک بستی کے پاس سے ہوا جو چھتوں کے بل اوندھی پڑی تھی (ویران تھی) تو اس نے کہا: اس بستی والوں کو جو مر چکے ہیں اللہ کس طرح دوبارہ زندگی عطا کرے گا، اس پر اللہ نے اس کی روح قبض کر لی اور وہ سو برس تک مردہ پڑا رہا، پھر اللہ نے اسے دوبارہ زندگی بخشی اور اس سے پوچھا بتاؤ کتنی مدّت پڑے رہے وہ کہنے لگا ایک دن یا چند گھنٹے رہا ہوں گا۔ تو اللہ نے کہا تم پر سو برس اس حالت میں گزر چکے ہیں۔ اب ذرا اپنے کھانے اور پانی کو تو دیکھو کہ اس میں ذرا سا بھی تغیّر رونما نہیں ہوا، دوسری طرف اپنے گدھے پر بھی نظر کرو۔ اور یہ ہم نے اس لیے کیا ہے کہ ہم تمھیں لوگوں کے لیے ایک نشانی بنانا چاہتے ہیں۔ پھر دیکھو ہڈیوں کے اس پنجر کو ہم کس طرح اٹھا کر گوشت پوست چڑھاتے ہیں پس جب حقیقت اس پر نمایاں ہوگئی تو اس نے کہا میں جانتا ہوں کہ اللہ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے۔

۲۵۹- اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰى قَرْیَةٍ-

کہا جاتا ہے کہ جس شخص کا گزر بستی کے قریب سے ہوا تھا وہ پیغمبر ''ارمیاہ'' تھے یا اُن کا نام عُزیر تھا جو نبی تھے۔ اس بارے میں ہم احادیث پیش کریں گے۔

وَّ هِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا-

اس کی دیواریں اس کے چھتوں پر گر گئی تھیں یعنی وہ بستی ویران ہوگئی تھی

قَالَ اَنّٰى یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا-

تو اس نے کہا کہ اللہ اس بستی کو کیسے زندگی بخشے گا اور کب زندگی عطا کرے گا جب کہ وہ مردہ ہو چکی ہیں۔

یہ جملہ اعتراف ہے کہ یہ شخص زندہ کرنے کے طریقے کی معرفت نہیں رکھتا یا زندگی بخشنے والے کی قدرت کی عظمت کو اجاگر کرنا چاہتا ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ اپنی آنکھوں سے مردوں کو زندہ ہوتے ہوئے دیکھے تاکہ اس کی بصیرت میں اضافہ ہو۔

فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ-

تو اللہ نے خود اس کو سو سال تک کے لیے موت سے ہم کنار کر دیا

ثُمَّ بَعَثَهٗ-

پھر دوبارہ زندگی عطا کی

قَالَ كَمْ لَبِثْتَ-

اور اس سے دریافت کیا تم اس جگہ کتنے عرصے تک پڑے رہے

قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ-

تو اس نے جواب دیا میں ایک دن یا چند گھنٹے پڑا رہا ہوں گا

قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ-

تو اللہ نے فرمایا (ایسا نہیں ہے) بلکہ تم یہاں سو سال تک پڑے رہے ہو

فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ-

تم ذرا اپنے کھانے اور پانی کو دیکھو کہ مرور زمانہ کے باوجود اس کے ذائقہ میں کسی قسم کا تغیّر واقع نہیں ہوا۔

وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ-

اب ذرا اپنی سواری گدھے کی طرف نظر کرو

کہ اس کی ہڈیاں کس طرح بکھر گئیں، بوسیدہ ہوگئیں اور ٹکڑے ٹکڑے ہوگئیں۔

وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ-

اور یہ ہم نے اس لیے کیا ہے کہ ہم تمھیں لوگوں کے لیے ایک نشانی بنانا چاہتے ہیں

وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ-

اور تم ہڈیوں کو دیکھو

كَيْفَ نُنْشِزُهَا-

ہم نے انھیں کس طرح ایک دوسرے کے اوپر رکھا ہوا ہے

یہ لفظ ''نُنْشِزُهَا'' ایک قرأت کے مطابق ''نَشْر'' سے ہے کہ اللہ مردوں کو دوبارہ زندگی عطا کرے گا۔

ثُمَّ نَكۡسُوۡهَا لَحۡمًا۔

اور ہم ادھر اُدھر سے اس پر گوشت پوست چڑھا دیں گے

فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ۔

پھر جب اس پر حقیقت آشکار ہوگئی

قَالَ اَعۡلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ۔

تو اس نے کہا: میں جانتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

تفسیر قمی میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جب بنی اسرائیل نے نافرمانیاں شروع کردیں اور اپنے رب کے حکم سے سرکشی اور گستاخی کرنے لگے تو اللہ نے چاہا کہ اُن پر ایسے شخص کو مسلّط کردے جو انھیں ذلیل و رسوا کرے اور قتل کرڈالے تو اللہ تعالیٰ نے ارمیا کی طرف وحی کی کہ میں نے شہروں میں سے ایک شہر کا انتخاب کیا اور اس میں بہترین درخت کی کاشت کی لیکن وہ تبدیل ہوکر خاردار درخت بن گیا۔ ارمیا نے بنی اسرائیل کے منتخب علما سے اس وحی کا ذکر کیا تو انھوں نے کہا! آپ اپنے رب سے رجوع کریں تاکہ وہ ہمیں بتائے کہ اس مثال کی تشریح کیا ہے؟ ارمیا نے سات دن روزے رکھے تو اللہ نے ان پر وحی کی: اے ارمیا شہر سے مراد بیت المقدس ہے اور اس میں جو درخت اُگایا گیا ہے وہ بنی اسرائیل ہیں جنھیں میں نے اس شہر میں سکونت عطا کی ہے انھوں نے نافرمانیوں کے کام انجام دیے، میرے دین کو بدل ڈالا اور میری نعمتوں کا انکار کردیا۔ تو میں نے اپنے آپ سے قسم کھائی کہ میں ان لوگوں کو ایک ایسی آزمائش میں ڈالوں گا جسے دیکھ کر دانش مندوں کو بھی حیرت ہوگی اور میں ان پر اپنی بدترین مخلوق کو مسلّط کردوں گا جو پست نسب کے لوگ اور بری غذا کھانے والے افراد ہوں گے۔ وہ اُن لوگوں پر زبردستی مسلط ہوجائیں گے اور ان کے جنگجویوں کو قتل کرڈالیں گے اور ان کی عورتوں کو اسیر بنالیں گے اور یہ لوگ اپنی جن بستیوں پر نازاں ہیں وہ انھیں برباد کرڈالیں گے اور جن مکانات کی وجہ سے یہ لوگ دوسروں پر افتخار کرتے ہیں وہ سو سال تک گھورے (گندگی) میں پڑے رہیں گے۔ تو ارمیا کا اپنے گدھے پر اس مقام سے گزر ہوا بطور زادِ سفر ان کے پاس انجیر اور پھلوں کا رس تھا انھوں نے خشکی میں رہنے والے درندوں، دریائی جانوروں اور فضائی مردہ خور پرندوں کو دیکھا جو مردوں کا گوشت کھا رہے تھے تو انھوں نے کچھ دیر تک غور کیا اور کہا "اللہ تعالیٰ انھیں کیسے زندہ کرے گا جب کہ درندے ان کا گوشت کھا رہے ہیں" تو اللہ تعالیٰ نے اسی جگہ انھیں موت سے ہم کنار کردیا اور وہ ارشاد باری ہے: اَوۡ كَالَّذِىۡ مَرَّ عَلٰى قَرۡيَةٍ وَّهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوۡشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى يُحۡىٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعۡدَ مَوۡتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ پس جب بنی اسرائیل پر اللہ کو رحم آیا اور اس نے بخت نصر کو ہلاک کرڈالا تو بنی اسرائیل کو دنیا کی طرف پلٹایا جب اللہ نے بخت نصر کو بنی اسرائیل پر مسلّط کیا تھا تو عزیر وہاں

سے روانہ ہو کر ایک چشمہ میں داخل ہوئے اور وہاں سے غائب ہو گئے اور ارمیا سو سال تک مردہ پڑے رہے پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں زندگی عطا کی۔ اللہ نے سب سے پہلے آنکھوں میں حیات کی رمق پیدا کی جب انھوں نے دیکھنا شروع کیا تو اللہ نے سوال کیا "تم یہاں کتنے عرصے تک پڑے رہے؟" تو انھوں نے جواب دیا "ایک دن" پھر جب سورج کو دیکھا کہ بلند ہو گیا ہے تو کہا دن کا کچھ حصّہ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ...الخ" بلکہ تم تو سو سال تک یہاں مردہ پڑے رہے ہو، ذرا اپنے کھانے اور پانی پر نظر کرو اس میں کسی قسم کا تغیر تک رونما نہیں ہوا اور اپنے گدھے کو بھی دیکھو اور ہم تمھیں انسانوں کے لیے نشانی بنانے والے ہیں۔ تم ذرا ان ہڈیوں کو دیکھو ہم انھیں کس طرح اوپر تلے جوڑتے ہیں پھر اس پر گوشت چڑھاتے ہیں تو انھوں نے بوسیدہ اور شکستہ ہڈیوں کو دیکھنا شروع کیا جو ان کے پاس جمع ہونے لگیں اور وہ گوشت جسے درندوں نے کھا لیا تھا ہڈیوں کے گرد اِدھر اُدھر سے جمع ہونے لگا اور ہڈیوں سے چمٹنے لگا یہاں تک کہ یہ خود بھی اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کا گدھا بھی اٹھ کھڑا ہوا تو انھوں نے کہا "میں جانتا ہوں کہ اللہ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے۔[1]

اور تفسیر عیّاشی میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے جو روایت کی گئی ہے اس میں ارمیا کا قصہ آغاز سے انجام تک اسی طرح بیان کیا گیا ہے البتہ اس روایت میں حضرت یحییٰ کے خون کا تذکرہ اور نہ ہی دانیال کے کنویں کا ذکر ہے بلکہ بخت نصر کا اجمالی تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر بخت نصر کو مسلّط کر دیا اس نے اُن سے وہ سلوک کیا جس کا تمھیں علم ہے۔ اس کے بعد بخت نصر نے نبی تک پیغام بھیجا کہ آپ نے انھیں اپنے رب کی جانب سے آگاہ کر دیا اور انھیں یہ بھی بتلا دیا کہ میں اُن کے ساتھ کیا سلوک کروں گا۔ پس اگر آپ چاہیں تو میرے پاس قیام فرمائیں اور اگر چاہیں تو کہیں اور تشریف لے جائیں انھوں نے جواب دیا کہیں اور چلا جاؤں گا اس کے بعد انھوں نے پھلوں کا رس اور انجیر کو اپنا زادِ سفر بنایا اور نکل کھڑے ہوئے جب وہ شہر نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تو انھوں نے تاحدّ نگاہ مردوں کو دیکھ کر کہا کہ اللہ تعالیٰ ان مردوں کو کیسے زندہ کرے گا تو اللہ نے انھیں سو سال تک کے لیے موت دیدی۔ انھیں صبح کے وقت موت آئی اور جب زندہ ہوئے تو شام کا وقت تھا ابھی سورج ڈوبا نہیں تھا اور سب سے پہلے اللہ نے ان کی آنکھوں کو خلق فرمایا جیسے کوئی سفیدی میں ڈوبا ہوا ہو پھر ان سے سوال کیا آپ کتنے دنوں تک یہاں پڑے رہے تو انھوں نے جواب دیا ایک دن، جب سورج پر نظر پڑی جو ابھی غروب نہیں ہوا تھا تو کہنے لگے دن کا کچھ حصّہ (چند گھنٹے) تو اللہ نے کہا آپ سو سال تک یہاں پر رہے ہیں ذرا اپنے کھانے اور پانی پر نظر کرو اس کا ذائقہ بھی تبدیل نہیں ہوا اور اپنے گدھے کو دیکھو اور ہم تمھیں انسانوں کے لیے نشانیاں قرار دیں گے، ہڈیوں کو

---

(۱) تفسیر قمّی، ص ۸۶۔۹۱ ج ۱

دیکھو ہم انھیں اوپر تلے کس طرح جوڑتے ہیں اور اس پر کیسے گوشت چڑھاتے ہیں۔ امامؑ نے فرمایا تو انھوں نے ہڈیوں کو دیکھا کہ کس طرح ایک دوسرے سے پیوست ہوتی ہیں اور ان میں رگیں کس طرح بنتی ہیں جب وہ ٹھیک ٹھاک ہوگئے تو کہنے لگے ''میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔[۱]

اور کتاب احتجاج میں امام صادقؑ سے روایت ہے آپؑ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ارمیا پیغمبر کو موت سے ہم کنار کردیا جب انھوں نے بیت المقدس اور اس کے اطراف کی تباہی پر نظر کی جس وقت بخت نصر نے وہاں کے لوگوں سے جنگ کی تھی تو ارمیا نے کہا اللہ اس بستی کو مردہ ہونے کے بعد کیسے (بسائے گا) زندہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں سو سال تک کے لیے موت سے ہم آغوش کردیا اس کے بعد دوبارہ حیات عطا کی انھوں نے اپنے اعضا کو دیکھا کہ وہ کس طرح آپس میں جُڑتے ہیں اور کس طرح ان پر گوشت چڑھتا ہے اور جوڑوں اور رگوں کو باہم ملتے ہوئے دیکھا تو امامؑ نے فرمایا کہ جب وہ ٹھیک ٹھاک ہوئے اور اٹھ کر بیٹھ گئے تو کہا ''میں جانتا ہوں کہ اللہ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے۔[۲]

کتاب اکمال میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ اس کی تصدیق کتاب اللہ سے ہوتی ہے کہ آیات سے مراد دلائل ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً (۵۰ مومنون ۲۳)

ہم نے فرزند مریم (عیسیٰ) اور ان کی ماں کو آیت یعنی حجّت قرار دیا ہے۔

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جب ارمیا کو موت کے بعد دوبارہ حیات عطا کی تو ان سے فرمایا تم اپنے گدھے پر نظر کرو ہم تمھیں انسانوں کے لیے آیت یعنی حجت بنانے والے ہیں۔[۳]

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے ایک حدیث مروی ہے جس میں آپؐ نے بخت نصر کا ذکر فرمایا ہے اور یہ کہ اس نے اپنے ۷۴ سالہ دورِ حکومت میں حضرت یحییٰ بن زکریّاؑ کے خون کے بدلے میں جن یہودیوں کو قتل کیا تھا اُن کا تذکرہ ہے۔ آں حضرتؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے عُزیرؑ کو اس بستی والوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا اللہ نے جنھیں موت دے کر دوبارہ حیات بخشی تھی ان کا تعلق مختلف بستیوں سے تھا وہ موت کے خوف سے بھاگے تھے اور انھیں حضرت عُزیرؑ کے پڑوس میں قتل کردیا گیا اور یہ لوگ مومن تھے، حضرت عُزیرؑ ان کے پاس آیا کرتے اور ان کی باتیں سنا کرتے تھے وہ ان کے ایمان کے بارے میں جانتے تھے اور اسی وجہ سے ان لوگوں کو دوست رکھتے تھے اور اسی بات پر ان سے مواخات قائم کی تھی وہ ایک دن اُن کے پاس سے چلے گئے پھر جب واپس آئے تو انھیں منہ کے بل گرا ہوا اور مردہ پایا عُزیرؑ کو اُن لوگوں کے مرنے کا بہت افسوس ہوا اور ان کی اچانک موت پر بڑا تعجّب ہوا کہ سب کے سب ایک دن میں مرگئے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں بھی سو سال تک کے لیے موت سے ہمکنار کردیا۔ وہ سو سال تک انھیں کے درمیان پڑے رہے اس کے بعد

---

(۱) تفسیر عیاشی، ص ۱۴۰ ج ۱ ح ۴۶۶ (۲) الاحتجاج ص ۸۸ ج ۲ (۳) اکمال الدین واتمام النعمہ، ص ۳۰

اللہ نے انھیں دوبارہ حیات عطا کی۔ اس بستی کے باشندوں کی تعداد ایک لاکھ تھی اللہ نے ان سب کو موت کی نیند سلا دیا تھا۔ بخت نصر کے ہاتھوں ان میں سے کوئی نہیں بچا۔ ۱

اور امام جعفر صادق علیہ السّلام سے ایک حدیث میں بخت نصر کے بنی اسرائیل پر غلبہ حاصل کرنے کا ذکر ہے اور انھیں قتل کرنا، ان کی ذریت کو قیدی بنانا اور قیدیوں میں سے دانیالؑ اور عُزیرؑ کو چن لینا بھی ہے جب کہ دونوں چھوٹے تھے۔ اور دانیالؑ نوّے سال تک اُن کے قید میں رہے پھر اس کے بعد ان کے کنویں میں ڈالے جانے اور کنویں سے نکالے جانے کا ذکر ہے۔ اس میں قمی کی روایت سے مختلف واقعہ لکھا ہے پھر امامؑ نے فرمایا کہ دانیال کو امور مملکت کی نظارت تفویض کی گئی اور لوگوں کے مابین فیصلہ کرنے کا کام بھی سپرد ہوا تھا کچھ ہی دنوں کے بعد اُن کا انتقال ہوگیا اور جملہ امور حضرت عُزیرؑ کی جانب منتقل ہو گئے لوگ اُن کے پاس جمع ہوتے ان کی باتیں سنتے اور ضروریات دین کا علم حاصل کرتے، اللہ تعالیٰ نے عُزیرؑ کو سو سال کے لیے ان کے درمیان سے غائب کر دیا اور پھر دوبارہ مبعوث کیا۔ ۲

تفسیر مجمع البیان میں امیرالمومنین علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جب عُزیرؑ اپنے گھر سے نکلے تو ان کی بیوی حاملہ تھیں اور عُزیر کی عمر پچاس سال تھی۔ اللہ نے سو سال تک انھیں موت عطا کی پھر دوبارہ زندہ کیا جب وہ اپنے گھر واپس آئے تو پچاس سال کے ہی لگ رہے تھے اور اُن کا بیٹا سو سال کا تھا ان کا بیٹا اُن سے بڑا لگ رہا تھا اور یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے۔ ۳

تفسیر عیّاشی میں ہے کہ ابن الکوّا نے حضرت علی علیہ السّلام سے دریافت کیا اے امیرالمومنینؑ کیا دنیا والوں میں کوئی بیٹا ایسا بھی ہے جو باپ سے بڑا ہو آپ نے فرمایا ہاں وہ عُزیرؑ کا بیٹا ہے جب ان کا گزر ایک تباہ حال بستی کے قریب سے ہوا وہ اپنی جاگیر سے واپس آرہے تھے گدھے پر سوار تھے ان کے پاس ایک ٹوکری تھی جس میں انجیر تھی اور ایک کوزے میں پھلوں کا رس تھا انھوں نے اس تباہ حال بستی کو دیکھ کر کہا کہ اللہ اس بستی کو دوبارہ کیسے بسائے گا جب کہ اس کے سب لوگ مر چکے ہیں تو اللہ نے انھیں سو سال تک کے لیے موت دے دی اس عرصے میں ان کی اولاد کی اولاد بھی ہوگئی اس کے بعد اللہ نے انھیں دوبارہ اسی جگہ زندہ کیا جہاں انھیں موت آئی تھی لہٰذا یہ اولاد اپنے باپ سے بڑی ہے۔ ۴

روایت میں ہے کہ وہ اپنی قوم کے پاس اپنے گدھے پر سوار ہو کر پہنچے اور کہا کہ میں عُزیر ہوں ان لوگوں نے انھیں جھٹلا دیا تو پھر عُزیر نے اپنے حافظے کی بنیاد پر توارت کی تلاوت کی اور ان سے پہلے کسی اور نے توریت کو زبانی یاد نہیں کیا تھا تو لوگوں نے اس طرح انھیں پہچانا اور کہنے لگے وہ اللہ کے بیٹے ہیں۔ ۱

(۱ و ۲) اکمال الدین واتمام النعمہ، ص ۲۲۵۔۲۲۶ / ص ۱۵۷۔۱۵۸

(۳) مجمع البیان، ص ۳۷۰ ج ۱۔۲ (۴) تفسیر عیاشی، ص ۱۴۱ ج ۱ ح ۴۶۸

بیان کیا جاتا ہے کہ جب وہ اپنے گھر واپس لوٹے تھے تو جوان تھے اور اُن کی اولاد بوڑھی تھی جب بھی وہ کوئی بات کرتے تو سو سال کا قصہ سناتے۔ ۲

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ ان روایتوں میں باہمی توافق اسی وقت ممکن ہے جب ہم یہ تسلیم کریں کہ یہ واقعہ دو مرتبہ ظہور پذیر ہوا ایک مرتبہ ارمیا کے ساتھ جب انھوں نے بخت نصر کے مقتولین کے زندہ ہونے پر تعجب کیا تھا کہ اللہ انھیں کیسے زندہ کرے گا ۳ اور دوسری مرتبہ عُزیرؑ کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا جب انھوں نے اپنے ان اصحاب کے دوبارہ زندہ ہونے پر تعجب کا اظہار کیا تھا کہ اللہ ان مردوں کو کیسے جلائے گا جو ایک ہی دن میں موت کے گھاٹ اُتر گئے تھے ۴ لیکن ارمیا کے ساتھ یہ واقعہ ایک مرتبہ پیش آیا کہ انھیں موت آگئی۔ ۵ مگر عُزیرؑ کے ساتھ دو مرتبہ یہ واقعہ پیش آیا ایک مرتبہ غیبت کے ذریعہ ۶ اور دوسری مرتبہ موت کے ذریعہ۔ ۷ قمی کی روایت اور اکمال کی روایت میں قصہ دانیالؑ کے بارے میں کافی منافات ہے۔ ۸ اس لیے کہ ایک روایت میں یہ کہا گیا ہے بخت نصر نے بنی اسرائیل کو حضرت یحییٰؑ بن زکریاؑ کے خون کا بدلہ لینے کے لیے قتل کیا تھا ۹ یہ روایت تو قمی اور عیاشی کے مطابق ہے لیکن دوسری روایت میں ہے کہ حضرت یحییٰؑ کی ولادت ان معاملات کے کافی عرصہ بعد ہوئی تھی۔ صحیح علم تو اللہ کے پاس ہے۔ ۱۰

(۱و۲) الکشاف، ص ۳۰۷ ج ۱ و انوار التنزیل، ص ۱۳۶ ج ۱ / ص ۱۳۶ ج ۱
(۳) الاحتجاج ص ۸۸ ج ۲
(۴) اکمال الدین و اتمام النعمۃ ص ۲۲۵۔۲۲۶
(۵) الاحتجاج ص ۸۸ ج ۲
(۶) تفسیر قمی ص ۸۶۔۹۱ ج ۱ و اکمال الدین و اتمام النعمۃ ص ۱۵۸
(۷) مجمع البیان ص ۳۷۰ ج ۱۔۲ و اکمال الدین و اتمام النعمۃ ص ۲۲۵۔۲۲۶
(۸) تفسیر قمی ص ۸۶۔۹۱ ج ۱
(۹) اکمال الدین و اتمام النعمۃ ص ۱۵۷۔۱۵۸ باب ۷
(۱۰) تفسیر قمی ص ۸۶۔۹۱۔ ج ۱

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی ؕ قَالَ اَ وَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ
قَالَ بَلٰی وَلٰكِنْ لِّیَطْمَىِٕنَّ قَلْبِیْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ
فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ
سَعْیًا ؕ وَ اعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۶۰﴾ ع ۳۵ / ۳

۲۶۰ - اور اس وقت کو یاد کرو، جب ابراہیم نے کہا تھا، میرے مالک مجھے یہ دکھا دے کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے۔ تو اللہ نے دریافت کیا، کیا تمھارا اس پر ایمان نہیں ہے، انھوں نے عرض کی ایمان تو ہے مگر اطمینان قلب درکار ہے، فرمایا اچھا تو چار پرندے لو اور انھیں اپنے سے مانوس کرلو پھر ان کا ایک ایک جز الگ الگ پہاڑ پر رکھ دو، اس کے بعد انھیں پکارو وہ تمھارے پاس دوڑتے ہوئے چلے آئیں گے۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ اللہ نہایت بااقتدار اور صاحبِ حکمت ہے۔

۲۶۰ - وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی -

اور اس وقت کو یاد کرو جب ابراہیم نے کہا تھا میرے مالک مجھے یہ دکھادے کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ نے یہ مطالبہ اس لیے کیا تھا کہ وہ عین الیقین کی منزل پر فائز ہو جائیں۔

قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ -

اللہ نے دریافت کیا، کیا تمھارا اس بات پر ایمان نہیں

کہ مَیں چیزوں کو مرکّب کر کے انھیں دوبارہ زندہ کرنے پر قدرت رکھتا ہوں اللہ نے ابراہیم سے یہ بات کہی جب کہ اللہ کے علم میں تھا کہ ایمان کے معاملے میں ان کی جڑیں سب سے زیادہ مضبوط ہیں اور وہ اس بارے میں سب سے زیادہ ثباتِ قدم رکھتے ہیں۔ تاکہ وہ خود ہی جواب دے کر سامعین کو اپنے سوال کرنے کی غرض سے آگاہ کر دیں۔ [۱]

قَالَ بَلٰی وَلٰكِنْ لِّیَطْمَىِٕنَّ قَلْبِیْ -

ہاں! میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں لیکن میں نے سوال اس لیے کیا ہے تاکہ وحی و بیان کے ساتھ آنکھوں سے دیکھ کر اپنی بصیرت اور سکونِ قلب میں اضافہ کروں۔ [۲]

(۱و۲) انوار التنزیل، ص ۱۳۶ ج ۱

کتاب محاسن اور عیّاشی میں ہے کہ امام رضا علیہ السّلام سے سوال کیا گیا کہ کیا حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے دل میں کسی قسم کا شک و شبہہ تھا؟ تو امامؑ نے فرمایا نہیں وہ تو درجۂ یقین پر فائز تھے البتہ وہ اللہ سے اپنے یقین میں اضافہ کے خواہش مند تھے۔[۱]

قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ -

تو ارشاد فرمایا کہ چار پرندے لو اور انھیں اپنے آپ سے مانوس کرلو

اگر ''صِرْهِنَّ'' پڑھا جائے تو معنی ہوں گے اپنے آپ سے انھیں قریب کرلو تاکہ تمھیں غور وفکر کرنے میں آسانی ہو تم ان کی کیفیت اور نوعیت کو جان سکو تاکہ ان کے زندہ ہو جانے کے بعد تمھیں ان کے پہچاننے میں کوئی دشواری نہ ہو۔

ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا -

پھر انھیں ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو، انھیں باہم مخلوط کردو اور اجزا کو پہاڑ پر الگ الگ رکھ دو

ثُمَّ ادْعُهُنَّ -

پھر تم اُن سے کہو کہ تمھارے پاس آجائیں تم انھیں آواز دے کر پکارو

يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا -

وہ تمھارے پاس دوڑتے ہوئے چلے آئیں گے

وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ -

اور جان لو کہ اللہ جس چیز کا ارادہ کرلے اس سے عاجز نہیں ہوتا وہ صاحبِ حکمت ہے جو کچھ کرتا ہے وہ پورے تدبّر کے ساتھ انجام دیتا ہے۔

کتاب کافی[۲] اور تفسیر عیّاشی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جب ابراہیم علیہ السّلام نے آسمان وزمین کے ملکوت (بادشاہت، سلطنت) کا مشاہدہ کیا تو آپ نے ساحل سمندر پر ایک مردار کو دیکھا جس کا نصف حصّہ پانی میں تھا اور نصف خشکی پر، سمندری درندے آکر اس حصّے کو کھا رہے ہیں جو پانی کے اندر ہے اور پھر واپس چلے جاتے ہیں پھر ان درندوں میں سے بعض بعض پر غالب آکر انھیں کھا جاتے ہیں۔ اور خشکی کے درندے آکر اس مردار میں سے کھاتے ہیں اور ان میں سے بعض بعض پر غالب آکر ایک دوسرے کو کھا جاتے ہیں تو یہ دیکھ کر ابراہیم علیہ السّلام کو بڑی حیرت ہوئی اور انھوں نے کہا: رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى۔ ''پروردگار! مجھے یہ دکھا دے کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے۔'' یعنی جو جانور ایک دوسرے کو کھا گئے ہیں ان کو ایک دوسرے سے الگ کرکے کیسے زندہ کرے گا؟ تو ارشاد باری ہوا: اَوَلَمْ تُؤْمِنْ۔ ''کیا تمھارا

---

(۱) المحاسن، ص ۳۸۵ ج ۱ ح ۸۵۱ و تفسیر عیاشی، ص ۱۴۳ ج ۱ ح ۴۷۱ (۲) الکافی، ص ۳۰۵ ج ۸ ح ۴۷۳

اس بات پر ایمان نہیں ہے" تو ابراہیمؑ نے جواب دیا: بَلٰی۔ "بے شک ایمان ہے" وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ "لیکن میں اطمینان قلب چاہتا ہوں" جس طرح میں نے دوسری چیزوں کو دیکھا ہے اسی طرح مردوں کو زندہ ہوتے ہوئے دیکھ لوں۔ اس وقت ارشاد رب العزت ہوا: فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا "کہ اے ابراہیم تم چار پرندے لے لو پھر انھیں اپنے سے مانوس کرو پھر انھیں ٹکڑے ٹکڑے کرکے اور مخلوط کرکے مختلف پہاڑوں پر رکھ دو" جس طرح یہ مرداران درندوں کے کھانے سے مخلوط ہوگیا تھا۔ ابراہیمؑ نے ان پرندوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے ان کے گوشت کو مخلوط کر دیا۔ پھر ہر پہاڑی پر اس کے اجزا کو رکھ دیا اور حکم خداوندی کے مطابق انھیں آواز دی وہ پرندے ابراہیمؑ کے پاس ان کی آواز پر لبّیک کہتے ہوئے چلے آئے ان پہاڑیوں کی تعداد دس تھی جن پر پرندوں کو رکھا گیا تھا۔[1]

کتاب عُیون میں امام رضا علیہ السّلام سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السّلام پر وحی کی کہ میں اپنے بندوں میں سے کسی کو خلیل بنانا چاہتا ہوں اگر وہ مجھ سے مردوں کو زندہ کرنے کے بارے میں سوال کرے گا تو میں اُسے منظور کرلوں گا ابراہیمؑ کے دل میں یہ خیال آیا کہ ہوسکتا ہے کہ وہ خلیل وہی ہوں تو انھوں نے رب سے دُعا کی: رَبِّ اَرِنِیْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ ؕ تاکہ مجھے اطمینان حاصل ہوجائے کہ میں وہی خلیل ہوں تو ارشادِ رب العزت ہوا چار پرندے لے لو پھر انھیں مانوس کرو پھر ان کے اجزا کو مختلف پہاڑوں پر رکھ دو پھر انھیں آواز دو وہ دوڑتے ہوئے آجائیں گے اور یہ جان لو کہ اللہ ہر چیز پر غالب اور صاحبِ حکمت ہے تو ابراہیمؑ نے گِدھ، بطخ، مور اور مُرغ کو لیا انھیں ٹکڑے ٹکڑے کیا اور باہمی مخلوط کرکے اپنے گرد پہاڑوں پر رکھ دیا انھوں نے دس حصے کیے تھے اور انھیں دس پہاڑوں پر رکھا تھا اور ان کی چونچ کو اپنی انگلی میں دبالیا تھا پھر ان پرندوں کو نام لے کر پکارا اور اپنے نزدیک دانا اور پانی رکھ لیا تو وہ اجزا اِدھر اُدھر سے اُڑے یہاں تک کہ بدن بنا اور ہر بدن اپنی گردن اور سر سے آکر مل گیا تو ابراہیمؑ نے ان کی چونچ کو چھوڑ دیا تو وہ اُڑے اور پھر زمین پر آکر پانی پیا اور دانا کھایا اور کہنے لگے اے اللہ کے نبی آپ نے ہمیں زندگی بخشی ہے اللہ آپ کو زندہ رکھے تو ابراہیمؑ نے جواب دیا "اللہ ہی حیات عطا کرتا ہے اور موت دیتا ہے اور وہ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے۔"[2]

تفسیر عیّاشی میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ ابراہیمؑ نے ایک ہاون (اوکھلی) منگوایا اور اس میں تمام پرندوں کو کوٹا اور ان کے سروں کو اپنے پاس رکھا پھر انھوں نے حکم خداوندی کے مطابق ان اجزا کو پہاڑ پر رکھ دیا اور آواز دی وہ یہ دیکھ رہے تھے کہ ان کے پر کس طرح نکل رہے ہیں اور رگیں کس طرح بن رہی ہیں یہاں تک کہ اُن کے بال و پر مکمل ہوگئے اور انھوں نے ابراہیمؑ کا قصد کیا ابراہیمؑ نے کچھ سروں کو سامنے کیا لیکن وہ اس پرندے کا سر نہ تھا جب اس کا سر آیا تو وہ اس سے

(۱) الکافی ص ۳۰۵ ج ۸ ح ۴۷۳ و تفسیر عیاشی ص ۱۴۲ ج ۱ ح ۴۶۹ (۲) عیون اخبار الرضا ص ۱۹۸ باب ۱۵ ح ۱

پیوست ہوگیا اس طرح ان کی تخلیق تکمیل کو پہنچی۔ ۱

کتاب خصال اور تفسیر عیّاشی میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ ابراہیم علیہ السّلام نے ہُدہُد اور سبز ہُدہُد (چھوٹے پرندوں کو شکار کرنے والا ایک جانور) مور اور کوّے کو پکڑا انھیں ذبح کیا اور ان کے سروں کو علاحدہ کرکے ان کے بدن کو پاؤں میں ان کے پروں، گوشت اور ہڈیوں سمیت کوٹ ڈالا یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے میں پیوست ہوگئے پھر ان کے دس حصّے بنائے اور انھیں دس پہاڑوں پر رکھ دیا۔ پھر اپنے پاس دانا اور پانی رکھ لیا، اس کے بعد ان کی چونچوں کو اپنی انگلی میں دبا کر کہا اے پرندو! اذنِ خداوند عالم سے تیزی سے آجاؤ تو ہر حصّے میں سے گوشت، پر، ہڈی اُڑی یہاں تک کہ ان کا بدن پہلے جیسا مکمل ہوگیا اور ہر بدن آکر اپنی اپنی گردن سے چپک گیا جس میں اس کی چونچ تھی تو ابراہیمؑ نے اس کی چونچ کو چھوڑ دیا وہ زمین پر اترا اس نے پانی پیا اور دانا کھایا اور وہ پرندے حکم خدا سے گویا ہوئے اے اللہ کے نبی آپ نے ہمیں زندگی بخشی اللہ آپ کو زندہ وسلامت رکھے تو ابراہیم علیہ السّلام نے کہا ایسا نہیں ہے بلکہ اللہ ہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے۔ اس آیت کی یہ ظاہری تفسیر تھی اور اس کی باطنی تفسیر یہ ہے کہ چار ایسے افراد کو منتخب کریں جو آپ کی بات کے وزن کو برداشت کرسکیں انھیں اپنا علم و دیعت کریں اور پھر انھیں زمین کے اطراف میں روانہ کردیں تاکہ لوگوں پر حجّتِ الٰہی بن کر رہیں اور جب آپ انھیں بلانا چاہیں تو اسمِ اکبر کے ذریعہ انھیں آواز دیں وہ تیزی کے ساتھ اذنِ خداوندی سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوجائیں گے۔ ۲

کتاب عِلل الشرائع اور تفسیر مجمع البیان میں سے مروی ہے کہ وہ پرندے مُرغ، کبوتر، مور اور کوّا تھے۔ ۳
تفسیر عیّاشی میں بھی یہی نام مذکور ہیں۔ ۴

اور ایک روایت میں کوّے کی جگہ ہُدہُد کا نام ہے اور دوسری روایت میں بطخ اور کبوتر کی جگہ شُتر مرغ کا نام ہے۔ ۵

اس قصّہ میں اشارہ ہے کہ ہر نفس کو جب ابدی زندگی عطا ہوگی تو اس کی جسمانی طاقت کو فنا کردیا جائے گا جس کے کرشمے خواہشات کی محبّت اور زیب وزینت، طمع، بے جا آرزوئیں، نفس کی خباثت اور خواہشات کی طرف تیزی سے لپکنا ہے۔ مذکورہ پرندے ان تمام اوصاف سے مُرصّع ہیں انھیں آپس میں ایک دوسرے سے اس لیے ملایا گیا تاکہ اُن کا غلبہ ختم ہوجائے اور ان میں اطاعت کا جذبہ ابھر آئے جب انھیں پکارا جائے تو وہ تقاضائے عقل و شرع کے مطابق دوڑتے ہوئے چلے آئیں پرندوں سے اس لیے مخصوص کیا کہ وہ انسانوں سے قریب ہیں اور اُن میں تمام حیوانی صفات پائی جاتی ہیں۔

---

(۱) تفسیر عیاشی، ص ۱۴۳۔۱۴۴ ج ۱ (۲) الخصال، ص ۲۶۴۔۲۶۵ ج ۱ ح ۱۴۶ و تفسیر عیاشی، ص ۱۴۵۔۱۴۶ ج ۱ ح ۴۷۷
(۳) علل الشرائع، ص ۳۶ ح ۸ و مجمع البیان، ص ۳۷۳ ج ۱۔۲ (۴) عیاشی، ص ۱۴۲ ج ۱ ح ۴۷۰
(۵) عیاشی، ص ۱۴۳ ج ۱ ح ۴۷۵

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۱﴾

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿۲۶۳﴾

---

۲۶۱ – جولوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ بویا جائے اور اس میں سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں، اسی طرح اللہ جس کے عمل کو چاہتا ہے افزونی عطا کرتا ہے، وہ فراخ دست بھی ہے اور علیم بھی ہے۔

۲۶۲ – جولوگ اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور خرچ کر کے نہ احسان جتلاتے ہیں اور نہ ہی کسی کو تکلیف پہنچاتے ہیں، ان کا اجر اُن کے رب کے پاس ہے ان کے لیے نہ تو کسی قسم کا خوف ہے اور نہ حُزن و ملال۔

۲۶۳ – ایک میٹھا بول اور کسی ناگوار بات پر چشم پوشی اس خیرات سے بہتر ہے جس کے پیچھے اذیّت رسانی ہو اور اللہ بڑا بے نیاز اور بردبار ہے۔

---

۲۶۱ – مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ .... لِمَنْ يَّشَآءُ۔

جولوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایسے کاشتکار کی ہے جو ایک دانا زمین میں بوتا ہے جس سے سات بالیاں نکلتی ہیں اور اُن میں سے ہر بالی میں سَو دانے ہوتے ہے خرچ کرنے والے کے اعتبار سے، اس کے خلوص کی بنیاد پر، اس کی مشقت کے لحاظ اور مصرف کو مدّنظر رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس میں اضافہ بھی فرما سکتا ہے۔

تفسیر قمّی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ: اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ سے مراد

"لِمَنْ اَنْفَقَ مَالَهٗ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ" ہے یعنی جو اپنا مال اللہ کی رضامندی کے حصول کی خاطر خرچ کرے۔[1]

کتاب ثواب الاعمال اور تفسیر عیاشی میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جب کوئی بندۂ مومن نیک عمل بجالاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہر نیکی کے بدلے میں اس کے عمل کو سات سو گنا کر دیتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے قول سے ثابت ہے: وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ۔ "اللہ" جس کے عمل کو چاہے اس میں اضافہ کردے۔[2] عیاشی نے اس حدیث کے آخری حصّہ میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ امامؑ نے فرمایا کہ تم اللہ سے حصول ثواب کی خاطر جو بھی عمل کرتے ہو اُسے احسن طریقے سے بجالاؤ۔ امامؑ سے سوال کیا گیا کہ "احسان کیا ہے؟" تو امامؑ نے جواب میں فرمایا جب تم رکوع کرو تو اسے نہایت اطمینان سے انجام دو اور جب روزہ رکھو تو ان امور سے بچو جن سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے اور جب حج کے لیے روانہ ہوؤ تو حج وعمرے میں جو چیزیں تم پر حرام ہیں ان سے اجتناب کرو اور مزید فرمایا کہ تم جو عمل بھی انجام دو اُسے ہر طرح کی گندگی اور برائی سے پاک ہونا چاہئے۔[3]

وَاللّٰهُ وَاسِعٌ –

اللہ فراخ دست ہے

اس نے جسے زیادہ عطا کیا ہے اس پر تنگی نہیں کرے گا۔

عَلِيْمٌ –

وہ جانتا ہے۔

کہ خرچ کرنے والے کی نیّت کیا ہے اور وہ کتنا خرچ کررہا ہے۔

۲۶۲ – اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ........ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ –

اور جو لوگ اپنے مال کو راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں اور پھر خرچ کرکے نہ تو احسان جتلاتے ہیں اور نہ ہی کسی کو تکلیف پہنچاتے ہیں، اُن کا اجر اُن کے رب کے پاس ہے اور دنیا میں اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ انھیں کسی قسم کا خوف نہ ہوگا اور نہ ہی انھیں کوئی حُزن وملال ہوگا۔

لفظ "مَنّ" کے معنیٰ ہیں جس پر احسان کیا ہے اس کے سامنے اپنے احسان کو بار بار جتلانا۔

لفظ "اَذٰی" کے معنیٰ ہیں اپنی عطا کردہ نعمت کے سبب اس پر زیادتی کرنا اور ظلم ڈھانا۔

اور لفظ "ثُمّ" اس لیے لایا گیا تا کہ اِنفاق (خرچ کرنا) اور مَنّ وَاَذٰی کو ترک کرنے کا فرق بتلایا جائے۔

---

(۱) تفسیر قمّی، ص ۹۲ ج ۱ (۲) ثواب الاعمال، ص ۱۶۸ و تفسیر عیاشی، ص ۱۴۷ ج ۱ ح ۴۸۱

(۳) تفسیر عیاشی، ص ۱۴۶ ج ۱ ح ۴۷۸

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے متعدد روایات میں وارد ہوا ہے "کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سی عادتوں کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے اور اُن میں سے ایک یہ ہے کہ صَدَقہ کرنے کے بعد احسان جتلایا جائے۔[۱]

تفسیر مجمع البیان اور تفسیر قمی میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے: مَنْ اَسْدٰی الٰی مُؤْمِنٍ مَعْرُوْفًا ثُمَّ اٰذَاہُ بِالْكَلَامِ اَوْ مَنَّ عَلَيْهِ اَبْطَلَ اللّٰهُ صَدَقَتَهٗ۔ جو بھی کسی بندۂ مومن پر احسان کرے پھر اپنی باتوں سے اسے اذیّت پہنچائے یا احسان جتلاتا رہے تو اللہ تعالیٰ اس کے صدقے کو باطل قرار دیتا ہے۔[۲]

۲۶۳ – قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّ مَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى –

"وَقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ" ایک میٹھا بول، شیریں کلامی، بہترین گفتگو

"وَّ مَغْفِرَةٌ" ضرورت مند کی حاجت روائی سے معذرت کر لینا یا شیریں کلامی کے سبب مغفرت خداوندی کا پا لینا یہ اس صدقہ سے بہتر ہے جس کے بعد کچوکے لگا کر اذیّت پہنچائی جائے یعنی اس احسان کی ضرورت نہیں ہے کہ پہلے احسان کرے اور اس کے بعد مسلسل اذیّتیں دیتا رہے۔

وَاللّٰهُ غَنِيٌّ –

اللہ بے پرواہ ہے

اسے ایسے خرچ کرنے والے کی ضرورت نہیں ہے جو احسان جتلائے اور اذیّت پہنچائے۔

حَلِيْمٌ –

(بردبار) یہ اللہ کی صفت ہے کہ وہ حلم والا ہے کیوں کہ وہ سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا۔

---

(۱) الخصال، ص ۲۷۳ ح ۱۹ (۲) مجمع البیان، ص ۳۷۷ ج ۱ – ۲ و تفسیر قمی، ص ۹۱ ج ۱

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ
يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ
كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ لَا
يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶۴﴾
وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ
اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۢ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ
لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۶۵﴾

۲۶۴- اے ایمان لانے والو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور دکھ دے کر اس شخص کی طرح خاک میں نہ ملا دو، جو اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے، نہ اس کا ایمان اللہ پر ہے اور نہ ہی روز آخرت پر۔ اس کے خرچ کرنے کی مثال ایسی ہے، جیسے ایک چٹان تھی جس پر مٹی کی ایک تہہ جمی ہوئی تھی، جب زور کا مینہ برسا، تو ساری مٹی بہہ گئی اور صرف چٹان باقی رہ گئی ایسے لوگ خیرات کر کے جو نیکی کماتے ہیں اس سے اُن کے ہاتھ کچھ نہیں آتا، اور کافروں کو سیدھی راہ دکھانا اللہ کا طریقہ نہیں۔

۲۶۵- اور (اس کے برخلاف) جو لوگ اپنا مال محض اللہ کی خوشنودی کے لیے دل کے پورے ثبات و قرار کے ساتھ خرچ کرتے ہیں، ان کے خرچ کرنے کی مثال ایسی ہے جیسے کسی سطحِ مرتفع پر ایک باغ ہو، اگر زور کی بارش ہو جائے تو دُگنا پھل لائے، اور اگر زور کی بارش نہ بھی ہو تو ایک ہلکی پھوار ہی اس کے لیے کافی ہو جائے اور تمھارا ہر عمل اللہ کی نظر میں ہے۔

۲۶۴- يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا .... وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ۔

اے ایمان لانے والو! جب تم صدقہ دیتے ہو تو دینے والوں پر احسان جتلا کر اور انھیں اپنی باتوں سے اذیّت پہنچا کر اپنے صدقہ کو باطل نہ کرو اس شخص کی طرح جو اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے نہ اس کا ایمان اللہ پر ہے اور نہ ہی وہ آخرت کو تسلیم کرتا ہے اس لیے کہ وہ مال خرچ کر کے نہ تو اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی کا طلب گار ہے اور نہ ہی آخرت کے ثواب کا امیدوار ہے تو ایسا صدقہ دیتے وقت اس کی مثال ایک ایسی چکنی چٹان کی طرح ہے جس پر مٹی جم گئی ہو پھر ایک موسلا دھار بارش ہوئی اور وہ مٹّی کو

بہا کر لے گئی اور چٹان پھر چکنی ہوگئی اس پر مٹی کا نام ونشان بھی باقی نہ رہا۔ ان کے اس عمل کا انھیں کوئی نہ دنیا میں پہنچا اور نہ ہی اس کا ثواب انھیں آخرت میں ملے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کافروں کو نیکی اور سیدھے راہ کی ہدایت نہیں کیا کرتا۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خرچ کر کے ریاکاری کرنا، احسان جتلانا اور اذیّت پہنچانا کافروں کی عادت ہے۔ مومنوں کو چاہیے کہ ان باتوں سے کنارہ کشی اختیار کریں۔

۲۶۵–وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ.........وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ–

اور ان لوگوں کی مثال جو اپنا مال محض اللہ کی رضا مندی کے لیے دل کے پورے ثبات اور قرار کے ساتھ خرچ کرتے ہیں۔

تفسیر قمی میں ہے کہ: وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ۔ سے مراد ہے کہ احسان جتلانے اور اذیّت پہنچانے کے بارے میں اپنے نفس کو ثابت قدم رکھتے ہیں یعنی مال خرچ کرنے کے بعد نہ احسان جتلاتے ہیں اور نہ ہی اذیّت پہنچاتے ہیں۔ [1]

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ وہ لوگ اپنے نفوس کو ایسی اطاعت کا عادی بناتے ہیں اور ایسے امور کی پیروی نہیں کرتے جو نفوس کو فاسد کر دیتی ہیں جیسے احسان جتلانا، اذیت دینا، دکھاوا کرنا، ریاکاری، خود پسندی وغیرہ بلکہ وہ اپنا عمل صرف اللہ کی رضامندی کے لیے بجالاتے ہیں۔

تفسیر عیاشی میں امام باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ یہ آیت حضرت علی علیہ السّلام کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ [2]

كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ–

یعنی جب وہ اپنے مال میں سے زکوۃ دیتے ہیں تو اس کی مثال ایک ایسے باغ کی سی ہے جو سطح مرتفع پر واقع ہو، جس کا درخت دل فریب منظر پیش کرتا ہے، اس کا پھل تیزی سے نشوونما پاتا ہے اور موسلا دھار بارش کا سیلاب بھی اُسے نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اور اگر موسلا دھار بارش ہو جائے تو بارش کے سبب جو پھل کی مقدار ہوتی اس سے دُگنا پھل دیتا ہے۔

تفسیر مجمع البیان میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ اس جملہ کا مفہوم یہ ہے کہ اس باغ کا پھل دُگنا ہوجاتا ہے جس طرح اس شخص کا ثواب دُگنا ہوجاتا ہے جو اپنا مال اللہ کی خوشنودی کے لیے خرچ کر دیتا ہے۔ [3]

فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ–

اور اگر اس باغ تک موسلا دھار بارش نہ پہنچے تو ہلکی پھوار ہی کونپلوں کی نشوونما کے لیے کافی ہو جاتی

---

(۱) تفسیر قمی، ص ۹۲ ج ۱ (۲) تفسیر عیاشی، ص ۱۴۸ ج ۱ ح ۴۸۵ (۳) مجمع البیان، ص ۳۷۸ ج ۱۔ ۲

ہے۔ ''طَل'' سے مراد شبنم ہے جو رات کے وقت درختوں اور نباتات پر گرتی ہے۔ کہا گیا ہے کہ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ یہ مومنین جو کچھ مال خرچ کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑھتا رہتا ہے۔ وہ کسی حال میں بھی ضائع نہیں ہوتا اگر چہ پیش آمد حالات کے تحت اس میں فرق ہوسکتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے حالات کی تمثیل ایک باغ سے دی ہے جو سطحِ مرتفع پر واقع ہے اور ان کے صدقات جو کم اور زیادہ ہوتے ہیں اُنھیں موسلا دھار بارش اور ہلکی بارش سے تشبیہ دی ہے یہ ایک نہایت موزوں اور مناسب تمثیل ہے۔[1]

وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ۔

اور اللہ تمھارے ہر ہر عمل سے جو تم بجالاتے ہو باخبر اور آگاہ ہے۔

اس جملہ میں ریاکاری سے متنبہ کرنا اور خلوص کی جانب رغبت دلانا مقصود ہے۔

(۱) بیضاوی تفسیر انوار التنزیل، ص۱۳۹ ج۱

أَيَوَدُّ أَحَدُكُمْ أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيلٍ وَّ أَعْنَابٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ لَهُ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ فَأَصَابَهَآ إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿۲۶۶﴾

۲۶۶- کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے پاس ایک باغ ہو کھجوروں، انگوروں اور ہر قسم کے پھلوں سے لدا ہوا جس میں نہریں جاری ہوں اور جب کہ وہ خود بوڑھا ہو اور اس کے کم سن بچے ہوں کہ ایسے میں وہ باغ ایک تیز بگولے کی زد میں آ کر جھلس جائے۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنی نشانیاں تم پر واضح کرتا ہے تا کہ تم غور وفکر کرو۔

۲۶۶- أَيَوَدُّ أَحَدُكُمْ أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيلٍ وَّ أَعْنَابٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ لَهُ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ-

اس آیت میں ''ہمزہ'' انکاری ہے یعنی کوئی ایسا نہیں چاہتا۔

کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے پاس ایک ہرا بھرا باغ ہو جو نہروں سے سیراب ہو جس میں کھجوروں، انگوروں اور ہر قسم کے پھلوں کے درخت ہوں۔

باغ میں صرف دو پھلوں کا نمایاں طور سے تذکرہ ان پھلوں کے شرف اور کثرت منفعت کی بنیاد پر کیا گیا ہے اور اس کے بعد ہر طرح کے پھلوں کا تذکرہ کر کے یہ واضح کیا کہ اس باغ میں ہر قسم کے درخت موجود ہیں اور جائز ہے کہ یہاں ثمرات سے منافع (فائدے) مراد لیے جائیں۔

وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ-

وہ شخص بوڑھا ہو گیا

اس کے لیے فقر و فاقہ کی مصیبت کو برداشت کرنا اور اہل وعیال کی کفالت کرنا بڑھاپے کی وجہ سے بہت مشکل کام ہو۔

وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ-

اور اس کی اولاد ابھی کم سن ہے وہ کسب معاش کے قابل نہیں

فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ۔

اتنے میں تیز وتند آتشین بگولے کی زد میں آکر وہ باغ جھلس جاتا ہے۔

''الاِعْصَار'' تیز وتند ہوا (جھکڑ) جو بگولے کی شکل میں زمین سے بلند ہوکر آسمان کی طرف جائے۔

تفسیر قمّی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جو اللہ کی رضامندی کی خاطر مال خرچ کرے پھر جسے صدقہ دیا جاتا ہے اس پر احسان جتلائے تو اس کی مثال ایسے شخص کی ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کیا ہے کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے پاس ایسا باغ ہو جو بہت زیادہ پھل دار ہو اور وہ بوڑھا ہو اور اس کی اولاد کم سن ہو کہ اتنے میں آتشین بگولا آکر اس کے تمام سرمایہ کو خاکستر کردے۔ امام علیہ السّلام نے فرمایا اعصار تیز وتند ہوا ہے پس جو شخص کسی پر صدقہ کرنے کے بعد احسان جتلاتا ہے تو اس کی مثال ایسی ہی ہے جس کے پاس بہت پھل دار باغ ہو اور وہ شخص بہت بوڑھا ہو چکا ہو اور اس کی اولاد کم سن اور کمزور وناتواں ہو اتنے میں تیز وتند جھونکا آئے یا آگ آکر اس کے تمام سرمایہ کو جلا کر خاکستر کردے۔[1]

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ تمھارے لیے اپنی آیتوں کو واضح طور سے بیان کرتا ہے تاکہ تم اس میں غور وفکر کرکے عبرت حاصل کرو۔

(۱) تفسیر قمّی ص ۹۲ ج ۱

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ
مِنَ الْأَرْضِ ۖ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ وَلَسْتُمْ بِآخِذِيهِ إِلَّا
أَنْ تُغْمِضُوا فِيهِ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ﴿٢٦٧﴾
الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ ۖ وَاللَّهُ يَعِدُكُمْ مَغْفِرَةً
مِنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٦٨﴾
يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا
كَثِيرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿٢٦٩﴾

۲۶۷- اے ایمان والو! جو مال تم نے کمایا ہے اور جو کچھ ہم نے تمھارے لیے زمین سے نکالا ہے اس میں سے بہتر حصّہ خرچ کرو۔ اور اس کی راہ میں دینے کے لیے بری چیز کا انتخاب نہ کرو، جس کا لینا تمھیں خود گوارا نہ ہو مگر یہ کہ اس سے چشم پوشی کر لو تمھیں یہ جان لینا چاہیے کہ اللہ بے نیاز اور لائق حمد ہے۔

۲۶۸- شیطان تمھیں فقر و فاقہ سے ڈراتا اور شرمناک طرزِ عمل اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے اور اللہ تمھیں اپنی بخشش اور فضل کی امید دلاتا ہے، اللہ بڑا صاحب وسعت اور دانا ہے۔

۲۶۹- وہ جسے چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے اور جسے حکمت مل گئی تو اسے خیر کثیر (بڑی دولت) مل گیا۔ ان باتوں سے وہی لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں جو دانش مند ہیں۔

۲۶۷- يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ-

اے ایمان والو! تم نے جو کچھ حلال اور صحیح طریقے سے کمایا ہے اس میں سے خرچ کرو۔ اور ان پاک و پاکیزہ چیزوں میں سے خرچ کرو جو ہم نے تمھارے لیے زمین سے اُگائی ہیں یا نکالی ہیں۔ اناج، پھل اور معدنیات۔

کتاب کافی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ لوگ زمانۂ جاہلیت میں غلط ذرائع سے روزی کماتے تھے۔ جب وہ مسلمان ہو گئے تو انھوں نے اس کمائی میں سے صدقہ نکالنا چاہا تو اللہ نے انھیں منع کر دیا اور فرمایا کہ اپنی حلال کمائی میں سے اللہ کی راہ میں صدقہ کرو۔[1]

(۱) الکافی ص ۴۸ ج ۴ ح ۱۰

وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ -

اس کی راہ میں دینے کے لیے کسی بری چیز کا انتخاب نہ کرو

مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ -

تم یہ خراب مال خرچ تو کر رہے ہو

وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ -

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ خراب مال تمھیں دیا جائے تو تم انکار کردو گے اور اسے قبول نہیں کرو گے۔

اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ -

مگر یہ کہ تم اس معاملہ میں چشم پوشی سے کام لو۔ (تا کہ عیب کی وجہ سے اس جنس کی قیمت کم ہو جائے)

کتاب کافی اور تفسیر عیاشی میں امام صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب آں حضرتؐ درخت خرما کی زکوٰۃ دینے کا حکم فرماتے تو لوگ رنگ برنگی کھجوریں لے کر آتے جو سب سے خراب کھجوریں ہیں تا کہ ان میں زکوٰۃ ادا کریں۔ ایک کھجور کا نام "جعرور" اور "معافارۃ" تھا جس کا گودا کم اور گٹھلی بڑی تھی اور کچھ لوگ اس کے ساتھ عمدہ کھجوریں بھی لے آیا کرتے تھے تو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا ان دونوں کھجوروں کو آپس میں مخلوط نہ کرو۔ اور آیندہ خراب کھجوریں لے کر نہ آنا اور اسی بارے میں اس آیت کا نزول ہوا: وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ ..... [1]

فرمایا کہ "اِغماض" کا مفہوم ہے کہ دونوں طرح کی کھجوریں لے لی جائیں۔

کتاب عیاشی میں امام باقر علیہ السّلام سے روایت ہے کہ اہل مدینہ صدقہ فطر (زکوٰۃ فطرہ) کو لے کر مسجد رسول اللہ میں آتے تھے ان میں کھجوروں کا ایسا گچھا ہوتا تھا جسے وہ "جعرور" اور "معافارۃ" کہا کرتے تھے جن کی گٹھلیاں بڑی جن کا گودا کم اور جن کا مزا کڑوا ہوتا تھا۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے کھجور کا وزن کرنے والے سے کہا ان دونوں قسموں کی کھجوروں کا وزن نہ کرو شاید انھیں شرم آجائے اور آئندہ ایسی کھجوریں لے کر نہ آئیں۔ تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا سے تُنْفِقُوْنَ تک نازل فرمائی۔ [2]

تفسیر مجمع البیان میں امیر المومنین علیہ السّلام سے مروی ہے کہ یہ آیت اس قوم کے بارے میں نازل ہوئی کہ جو رڈی کھجوریں صدقہ کی کھجوروں میں ملا دیتی تھی۔ [3]

---

(۱) الکافی، ص ۴۸ ج ۴ ح ۹ عیاشی، ص ۱۴۸۔۱۴۹ ج ۱ ح ۴۸۹ (۲) تفسیر عیاشی، ص ۱۵۰ ج ۱ ح ۴۹۳

(۳) مجمع البیان، ص ۳۸۰ ج ۱۔۲

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے مروی ہے آپ نے فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ يَقْبَلُ الصَّدَقَاتِ وَلَا يَقْبَلُ مِنْهَا إِلَّا الطَّيِّبَ۔

بے شک اللہ صدقات کو قبول کرتا ہے، لیکن ان میں سے صرف طیّب کو قبول کرتا ہے۔ [1]

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ ۔

اور یہ بات جان لو کہ اللہ تمھارے خرچ کرنے سے مستغنی ہے

وہ صرف تمھارے فائدے کے لیے اس کا حکم دیتا ہے۔

حَمِيْدٌ ۔

وہ قابل ستائش ہے۔

کہ وہ قبول کرلیتا ہے اور صدقہ دینے والوں میں نام لکھ لیتا ہے۔

۲۶۸ ۔ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ ۔

شیطان تمھیں اس بات سے ڈراتا ہے کہ اگر نیک کام میں خرچ کروگے تو محتاج ہوجاؤگے اور یہ کہ بہترین مال اللہ کی راہ میں دینے کی کیا ضرورت ہے۔

لفظ ''وَعد'' خیر اور شر دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے اس کا مفہوم وعدہ کرنا اور ڈرانا دونوں ہے۔

وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۔

اور شیطان تمھیں بخل پر ابھارتا ہے اور زکوٰۃ دینے سے روکتا ہے۔ عرب والے بخیل کو فاحش کہتے تھے۔

وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۔

اور اللہ تعالیٰ اس انفاق (خرچ کرنے) کے عوض تم سے گناہوں کی بخشش اور اپنے فضل وکرم کا وعدہ کرتا ہے دنیا اور آخرت دونوں میں یا صرف دنیا یا صرف آخرت میں۔

وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۔

اور جو اس کی راہ میں خرچ کرتا ہے، اللہ اس کے لیے اپنے فضل کو بڑھا دیتا ہے اور یہ جانتا ہے کہ کون اس کی راہ میں خرچ کر رہا ہے۔

۲۶۹ ۔ يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۔

وہ جسے چاہے حکمت (یعنی علم کی تحقیق اور عمل کی مضبوطی) عطا کرتا ہے، اور جسے حکمت عطا ہوئی اسے خیر کثیر عطا ہوگیا اور اس سے وہی لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں جو وہم اور خواہشات کے شائبے سے عاری

(۱) مجمع البیان، ص ۳۹۰ ج ۱۔ ۲

اور خالص عقل کے مالک ہیں۔

کتاب کافی اور تفسیر عیاشی میں اس آیت کے بارے میں روایت ہے کہ اس سے مراد اللہ کی اطاعت اور امام کی معرفت ہے۔ ۱

یہ بھی مروی ہے کہ اس سے مراد امام کی معرفت اور ایسے گناہان کبیرہ سے اجتناب ہے جن کے لیے اللہ نے جہنم کا عذاب واجب قرار دیا ہے۔ ۲

تفسیر عیاشی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ حکمت کے معنیٰ معرفت اور دین میں سمجھ بوجھ حاصل کرنا ہے، پس جس نے تم میں سے تفقّہ (دین میں سمجھ بوجھ حاصل کرنا) حاصل کرلیا وہ ''حکیم'' ہے۔ مرنے والے مومنین میں سے ابلیس کو فقیہ کی موت زیادہ پسندیدہ ہے۔ ۳

تفسیر قمّی میں ہے کہ خیر کثیر سے امیر المومنینؑ اور ائمہؑ کی معرفت مراد ہے۔ ۴

کتاب مصباح الشّریعہ میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ: ''حکمت معرفت کی روشنی، تقویٰ کی میراث اور سچائی کا پھل ہے۔ اور اگر تم یہ کہو کہ کیا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکمت سے بڑھ کر، بہتر، اعلیٰ، ارفع، افضل اور اکمل کوئی اور نعمت نہیں دی ہے؟ تو میں کہوں گا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَاۤءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۭ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۶۹﴾

ما یذّکّر کا مفہوم ہے کہ کوئی بھی یہ نہیں جانتا کہ حکمت میں کیا چیز ودیعت کی گئی اور کون سی بات مہیا کی گئی مگر وہی جسے میں نے اپنے لیے چن لیا ہے اور اس حکمت کو اس کے لیے مخصوص کر دیا ہے۔ حکمت سے مراد کتاب ہے اور حکیم کا وصف یہ ہے کہ آغاز امور میں ثابت قدم رہے اور اس کے انجام کے وقت توقّف کرے۔ حکیم اس کو بھی کہتے ہیں جو مخلوق خداوندی کی خدائے ذوالجلال کی جانب رہنمائی کرتا ہے۔ ۵

تفسیر مجمع البیان میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے مروی ہے کہ خداوند عالم نے مجھے قرآن عطا کیا اور قرآن ہی کے برابر مجھے حکمت عطا کی اور جس گھر میں حکمت نہ ہو وہ گھر ویران ہے، خبردار دین کا فہم حاصل کرو، علم کو اپناؤ اور جاہل نہ مرو۔ ۶

کتاب خصال میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے مروی ہے:

رَاْسُ الْحِكْمَةِ مَخَافَةُ اللّٰهِ۔

حکمت کی بنیاد خوف خداوندی ہے۔ ۷

---

(۱) الکافی، ص ۱۸۵ ج ۱ ح ۱۱ و عیاشی، ص ۱۵۱ ج ۱ ح ۴۹۶ (۲) تفسیر عیاشی ج ۱ ص ۱۵۱ ح ۴۹۷
(۳) تفسیر عیاشی ج ۱ ص ۱۵۱ ح ۴۹۸ (۴) تفسیر قمّی، ص ۹۲ ج ۱ (۵) مصباح الشریعہ، ص ۱۹۸-۱۹۹
(۶) مجمع البیان، ص ۳۸۲ ج ۱-۲ (۷) الخصال، ص ۱۱۱ باب ۳ ح ۸۳

کتاب خصال اور کتاب کافی میں آں حضرتؐ سے مروی ہے کہ سفر کے دوران ایک دن آپ کی ملاقات سواروں کی ایک جماعت سے ہوئی انھوں نے کہا السّلام علیک یا رسول اللہ۔ اللہ کے رسول آپ پر سلام ہو۔ آں حضرتؐ ان کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا:

تم لوگ کون ہو؟ انھوں نے جواب دیا ہم مومن ہیں تو آں حضرتؐ نے پوچھا تمھارے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ انھوں نے کہا اللہ کے فیصلہ پر راضی رہنا، اللہ کے امر کو تسلیم کر لینا اور اپنے امور کو اللہ کے سپرد کر دینا تو آں حضرتؐ نے فرمایا کہ صاحبانِ علم صاحبان حکمت ہوتے ہیں، قریب ہے کہ وہ اپنی حکمت کی وجہ سے انبیا کی صفوں میں شامل ہو جائیں اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو ایسے گھر نہ بناؤ جہاں رہتے نہیں ہو، وہ طعام جمع نہ کرو جسے کھاتے نہیں ہو اور صرف اللہ سے ڈرو جس کی طرف تمھاری بازگشت ہے۔[1]

(۱) الخصال، ص ۱۴۶ ح ۱۷۵ و الکافی، ص ۵۲۔ ۵۳ ج ۲ ح ۱

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ؕ وَمَا
لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝۲۷۰
اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ
خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۲۷۱
لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ
خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ
خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝۲۷۲
لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي
الْاَرْضِ ۫ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ
لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۝۲۷۳ ع
اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ
عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۲۷۴

ع ۳۷ ۵ وقف منزل

۲۷۰- تم نے جو کچھ خرچ کیا ہو یا نذر مانی ہو، اللہ کو اس کا علم ہے اور ظالمین کا کوئی مددگار نہیں۔

۲۷۱- اگر اپنے صدقات علانیہ دو تو یہ بھی اچھا ہے، لیکن اگر چھپا کر حاجت مندوں کو دو تو یہ تمھارے حق میں بہتر ہے، اس کے سبب تمھاری بہت سی برائیاں محو ہو جاتی ہیں، تم جو عمل کر رہے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔

۲۷۲- لوگوں کو ہدایت کر دینے کی ذمے داری آپ پر عائد نہیں ہوتی، البتہ اللہ جسے چاہے ہدایت سے نواز دے اور راہ خیر میں تم جو مال بھی خرچ کرتے ہو اس کا فائدہ خود تمھیں پہنچے گا، تم اسی لیے تو خرچ کرتے ہو کہ اللہ کی رضا حاصل کرو، تم راہ خیر میں جو مال بھی خرچ کرو گے تمھیں اس کی پوری پوری جزا دی جائے گی اور تمھاری حق تلفی نہیں ہوگی۔

۲۷۳- خاص طور پر (مدد کے مستحق) وہ ضرورت مند ہیں جو راہ خدا میں گھر گئے ہیں وہ زمین میں دوڑ دھوپ کرکے کسبِ معاش نہیں کر سکتے۔ ان کی خودداری دیکھ کر ناواقف یہ سمجھتا ہے کہ یہ خوش حال ہیں، تم ان کے چہروں سے ان کی اندرونی حالت کو پہچان سکتے ہو وہ لوگوں کے پیچھے پڑ کر ان کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرتے۔ ان کی اعانت میں تم جو مال صرف کرو گے وہ اللہ سے پوشیدہ نہ رہے گا۔

۲۷۴- جو لوگ اپنا مال شب و روز پوشیدہ طور سے اور ظاہر بہ ظاہر خرچ کرتے ہیں ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور ان کے لیے کسی قسم کا خوف اور کسی طرح کا رنج نہیں ہے۔

۲۷۰- وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ-

اور تم نے جو کچھ خرچ کیا ہو کم یا زیادہ، پوشیدہ یا علانیہ، راہ حق میں یا راہ باطل میں، یا تم نے نذر مانی ہو اطاعت میں یا معصیت میں تو اللہ کو اس کا علم ہے اللہ تمھیں اس عمل کی جزا دے گا۔

وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ-

اور جو لوگ اپنا مال گناہوں میں گنوا دیتے ہیں اور معصیتوں کی نذر مانتے ہیں یا صدقات وخیرات میں حصہ نہیں لیتے اور نہ ہی نذر کو پورا کرتے ہیں تو ان کے لیے کوئی مددگار نہیں ہے جو انھیں عذاب خداوندی سے بچا لے۔

۲۷۱- اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ-

اگر تم اپنے صدقات علانیہ دو تو یہ بھی اچھا ہے اس کے کھلم کھلا دینے میں کوئی قباحت نہیں ہے یا اگر پوشیدہ طور سے فقرا و مساکین کو صدقات دو تو یہ تمھارے حق میں زیادہ بہتر ہے۔

کتاب کافی میں امام صادق علیہ السّلام سے اللہ تعالیٰ کے قول: ''وَاِنْ تُخْفُوْهَا'' کے ذیل میں مروی ہے کہ یہ صدقہ زکوٰۃ کے علاوہ ہے اس لیے کہ زکوٰۃ تو علانیہ ادا کی جاتی ہے اسے چھپایا نہیں جاتا۔[1]

اور امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر جو کچھ فرض قرار دیا ہے اس کو مخفی طور سے انجام دینے کے بجائے علانیہ طور سے بجالانا افضل ہے۔ اور جو عمل مستحب ہو اس کو ظاہر کرنے کے بجائے پوشیدہ رکھنا افضل ہے۔[2]

اور امام باقر علیہ السّلام سے ''اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ'' کے ذیل میں مروی ہے آپ نے فرمایا اس سے مراد زکوٰۃ ہے جس کا ادا کرنا واجب ہے۔ امامؑ سے سوال کیا گیا ''وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ'' کا مفہوم کیا ہے؟

---

(۱) الکافی ص ۵۰۲ ج ۳ ح ۱۷ (۲) الکافی ص ۵۰۱ ج ۳ ح ۱۶

تو امام علیہ السّلام نے جواب دیا اس سے مراد مستحبات ہیں۔ جب یہ آیت نازل ہوئی اس وقت سے لوگ فرائض کو ظاہر کرنا اور مستحبات کو پوشیدہ رکھنا پسند کیا کرتے تھے۔[1]

وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِنْ سَيِّاٰتِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ-

آیت کے اس حصے میں زکوٰۃ وصدقات کا دنیاوی فائدہ بھی بیان کردیا گیا کہ اس کی ادائیگی کے سبب اللہ تعالیٰ تمھاری بہت سی برائیاں نامۂ اعمال سے محو کردیتا ہے۔ اور مخفی طور سے تم جو صدقات دیتے ہو اللہ اس سے بھی باخبر ہے آیت کے اس فقرے میں پوشیدہ طور سے عطا کرنے کی ترغیب اور ریاکاری سے کنارہ کشی کی طرف اشارہ ہے۔

۲۷۲- لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ-

اے نبیؐ آپ کی یہ ذمّے داری نہیں ہے کہ ان لوگوں کو احسان جتلانے، اذیّت پہنچانے اور ناپاک مال میں سے خرچ کرنے سے روک کر ان کی مکمل ہدایت کریں۔ آپ کا کام تو پیغام پہنچا دینا ہے۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ-

بلکہ یہ اللہ کا کام ہے کہ اپنے لطف وکرم سے اس شخص کی ہدایت کردے جس کے بارے میں وہ جانتا ہے کہ اُس کا لطف اِس کے حق میں مفید ہے جس بات سے اسے روکا جارہا ہے وہ اس سے رک جائے گا۔

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ-

تم جو مال بھی خرچ کروگے اس کا فائدہ خود تمھیں پہنچے گا، نہ کہ تمھارے غیر کو۔ لہٰذا تم جو مال خرچ کررہے ہو اس پر نہ احسان جتلاؤ اور نہ ہی اذیّت پہنچاؤ۔

وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ-

تم اسی لیے تو خرچ کرتے ہو کہ اللہ کی رضامندی اور خوشنودی حاصل کرو تو پھر تمھیں کیا ہوگیا کہ تم احسان جتلارہے ہو اور ناپاک مال خرچ کررہے ہو جس کے ذریعہ تم اللہ کی رضامندی حاصل نہیں کرسکتے۔

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ-

تم خدا کی راہ میں جو مال بھی خرچ کروگے تمھیں اس کی پوری پوری جزا دی جائے گی۔ اس کا ثواب دگنا چوگنا کرکے دیا جائے گا۔ اب بہتر طور سے مال خرچ کرنے میں تمھارے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہا۔

وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ-

تمھیں مال خرچ کرنے پر ثواب میں کسی قسم کی کمی نہیں کی جائے گی۔

---

(۱) الکافی، ص ۶۰ ج ۴ ح ۱

۲۷۳-لِلۡفُقَرَآءِ الَّذِيۡنَ اُحۡصِرُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ لَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ ضَرۡبًا فِى الۡاَرۡضِ-

خاص طور پر مدد کے مستحق وہ لوگ ہیں جو راہ خدا میں گھر گئے ہیں یعنی مصروف جہاد ہیں اپنی اس مصروفیت کے سبب وہ زمین میں دوڑ دھوپ کر کے کسب معاش نہیں کر سکتے۔

تفسیرِ مجمع البیان میں امام باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ یہ آیت اصحابِ صفّہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ وہ لوگ تقریباً چار سو افراد تھے جو فقرا اور مہاجرین میں سے تھے جو مسجد کے صفّہ (چبوترہ) پر سکونت پذیر تھے۔ اپنے اوقات کو تعلیم حاصل کرنے اور عبادت میں صرف کیا کرتے تھے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم جو سَرِیّہ (وہ لشکر جس میں پیغمبر تشریف نہ لے جائیں) روانہ کرتے یہ لوگ اس میں شریک ہوا کرتے تھے۔[1]

يَحۡسَبُهُمُ الۡجَاهِلُ اَغۡنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعۡرِفُهُمۡ بِسِيۡمٰهُمۡ ۚ لَا يَسۡـَٔلُوۡنَ النَّاسَ اِلۡحَافًا ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيۡمٌ-

ان کی ظاہری حالت اور خودداری کو دیکھ کر جاہل (ناواقف) یہ تصور کرتا ہے کہ یہ خوش حال لوگ ہیں۔ تم ان کے چہروں کی زردی سے ان کی کس مپرسی سے اندازہ لگا سکتے ہو کہ وہ ضرورت مند ہیں۔ وہ لوگوں کے پیچھے پڑ کر ان کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرتے۔ تم ان کی اعانت میں جو مال بھی صرف کرو گے وہ اللہ سے پوشیدہ نہ رہے گا۔ اس جملہ سے دولت مند افراد کو خرچ کرنے کی رغبت دلائی جا رہی ہے۔

۲۷۴-اَلَّذِيۡنَ يُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ بِالَّيۡلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ۚ وَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ-

جو لوگ اپنا مال شب و روز پوشیدہ طور سے اور ظاہر بہ ظاہر خرچ کرتے ہیں تو ان کا اجر ان کے رب کے پاس محفوظ ہے اور ان کے لیے کسی قسم کا خوف اور کسی طرح کا حزن نہیں۔

تفسیر مجمع البیان اور جوامع میں ابن عباس سے مروی ہے کہ یہ آیت حضرت علی علیہ السّلام کی شان میں نازل ہوئی ان کے پاس چار درہم تھے انھوں نے رات کے وقت ایک درہم صدقہ کیا اور دن کے وقت ایک درہم صدقہ میں دیا اور ایک درہم پوشیدہ طور سے اور ایک درہم علانیہ طور سے صدقہ کیا۔ یہ روایت امام محمد باقر علیہ السّلام اور امام جعفر صادق علیہ السّلام سے بھی مروی ہے۔[2]

تفسیر عیّاشی میں ابو اسحاق سے روایت ہے انھوں نے فرمایا کہ علی بن ابی طالب علیہ السّلام کے پاس صرف چار درہم تھے اس کے علاوہ ان کے پاس کچھ نہ تھا۔ انھوں نے ایک درہم رات کے وقت، ایک درہم دن کے وقت، ایک درہم پوشیدہ طور سے اور ایک درہم علانیہ طور سے صدقہ کیا جب یہ بات نبی اکرم صلی اللہ

(۱) مجمع البیان، ص ۳۸۷ ج ۱۔ ۲ (۲) مجمع البیان، ص ۳۸۸ ج ۱۔ ۲ و جوامع الجامع، ص ۱۵۰ ج ۱

علیہ وآلہ وسلّم کو معلوم ہوئی تو آں حضرتؐ نے دریافت کیا کہ اے علیؑ تمھیں اس بات پر کس چیز نے آمادہ کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ ''وعدۂ خداوندی کو پورا کرنا مقصود تھا'' تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ ۱

کتاب فقیہ میں مروی ہے کہ یہ آیت گھڑسواروں پر خرچ کرنے کے بارے میں نازل ہوئی۔ ۲

نیز یہ بھی مروی ہے کہ یہ آیت امیرالمومنین علی بن ابی طالب علیہا السّلام کی شان میں نازل ہوئی اور اس کے نزول کا سبب یہ ہوا کہ حضرت علی علیہ السّلام کے پاس چار درہم تھے انھوں نے ایک درہم رات کے وقت، ایک درہم دن کے وقت ایک درہم چھپا کر اور ایک درہم ظاہر بظاہر خرچ کیا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ اور فرمایا کہ جب آیت کا نزول کسی خاص شے کے بارے میں ہو تو اس ضمن میں جتنے واقعات پیش آئے ہوں ان سب کے بارے میں نازل ہوگی۔ اور اس آیت کی تفسیر کے بارے میں یہ اعتقاد رکھنا چاہیے کہ یہ امیرالمومنین علیہ السّلام کی شان میں نازل ہوئی اور گھڑسواروں کے اخراجات اور اسی طرح کے امور میں بھی اس کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ ۳

کتاب کافی اور تفسیر عیّاشی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ اس آیت کا تعلق زکوٰۃ سے نہیں ہے۔ ۴

---

(۱) تفسیر عیاشی، ص ۱۵۱ ج ۱ ح ۵۰۲ (۲و۳) من لا یحضرہ الفقیہ، ص ۱۸۸ ج ۲ ح ۸۵۲

(۴) الکافی، ص ۴۹۹ ج ۳ ح ۹ و تفسیر عیاشی، ص ۱۵۱ ج ۱ ح ۵۰۱

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ
الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ
وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ
فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ
النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾
يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ
اَثِيْمٍ ﴿۲۷۶﴾
اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ
اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۷﴾

---

۲۷۵ – جو لوگ سود کھاتے ہیں، ان کا حال اس شخص کا سا ہوتا ہے جسے شیطان نے چھو کر مخبوط الحواس بنا دیا ہو ان کی یہ حالت اس لیے ہوئی کہ وہ کہتے ہیں ”تجارت بھی تو آخر سود ہی جیسی چیز ہے،“ حالاں کہ اللہ نے تجارت کو حلال قرار دیا ہے اور سود کو حرام، لہٰذا جس شخص کو اس کے رب کی جانب سے نصیحت پہنچے اور آئندہ کے لیے وہ سود خوری سے باز آجائے تو جو کچھ وہ پہلے کھا چکا، سو کھا چکا، اب اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ اور جو اس حکم کے بعد پھر اسی حرکت کا اعادہ کرے تو وہ سب جہنمی ہیں جہاں پر وہ ہمیشہ رہیں گے۔

۲۷۶ – اللہ سود کو مٹا دیتا ہے اور صدقات کو پروان چڑھاتا ہے اور اللہ کسی ناشکرے اور خطا کار انسان کو پسند نہیں کرتا۔

۲۷۷ – یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور اعمال صالحہ بجالائے، نماز قائم کی اور زکوٰۃ دی تو ان کا اجر ان کے رب کے پاس موجود ہے، ان کے لیے نہ کسی قسم کا خوف ہے اور نہ ہی کسی طرح کا رنج۔

---

۲۷۵ – اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ۔

جو لوگ سود کھاتے ہیں جب انھیں قبروں سے اٹھایا جائے گا تو اس طرح اٹھیں گے جیسے کوئی دیوانہ عالم

دیوانگی میں اٹھتا ہے۔

تفسیر مجمع البیان اور تفسیر قمّی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ آں حضرتؑ نے ارشاد فرمایا کہ جب مجھے آسمانوں کی سیر کرائی گئی تو میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ جب ان میں کا کوئی شخص کھڑا ہونا چاہتا ہے تو اپنے پیٹ کے موٹاپے کے سبب کھڑا نہیں ہوسکتا تو میں نے جبرئیل سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ تو جبرئیل نے جواب دیا یہ وہ لوگ ہیں جو سود کھایا کرتے تھے یہ ایسے دیوانے کی طرح کھڑے ہوں گے جسے شیطان نے چھو کر مخبوط الحواس بنا دیا ہو، اور انھیں آل فرعون کی طرح صبح وشام آگ کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور وہ یہ کہتے ہیں ''پروردگار! قیامت کب آئے گی؟'' [۱]

تفسیر عیّاشی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ سود خور دنیا سے اس وقت تک نہیں جائے گا جب تک شیطان اُسے خبطی نہ بنا دے۔ [۲]

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا۔

اور یہ عذاب ان پر اس لیے ہوگا کہ انھوں نے قیاس سے کام لیتے ہوئے تجارت کو سود کی مانند قرار دیا ہے۔

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا۔

حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے اس جملہ کے ذریعہ ''تجارت اور ربٰوا'' کی یکسانیت کا انکار اور قیاس کو باطل قرار دیا گیا ہے۔

کتاب کافی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سود کو اس لیے حرام کیا ہے کہ لوگ (معروف) نیکی کرنے سے باز نہ آئیں۔ [۳]

میں (فیض کاشانی) یہ کہتا ہوں کہ اس حدیث میں (معروف) سے مراد قرض حسنہ ہے جیسا کہ ''لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ'' (۱۱۴، النساء ۴) کی تفسیر میں بیان کیا جائے گا۔

فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى۔

لہٰذا جس شخص تک اس کے رب کی جانب سے نصیحت پہنچ جائے اور وہ نصیحت کو قبول کرکے اس سے باز رہے یعنی سود کا لین دین نہ کرے۔

فَلَهٗ مَا سَلَفَ۔

تو جو کچھ گزر چکا یعنی وہ جس قدر سود کھا چکا ہے اس کے بارے میں اس سے کوئی مؤاخذہ نہیں کیا جائے گا۔ اور نہ ہی اس سے کسی طرح کا مطالبہ ہوگا۔

---

(۱) مجمع البیان، ص ۳۸۹ ج ۱۔ ۲و تفسیر قمّی، ص ۹۳ ج ۱ (۲) تفسیر عیاشی، ص ۱۵۲ ج ۱ ح ۵۰۳ (۳) الکافی، ص ۱۴۶ ج ۵ ح ۸

کتاب کافی میں صادقین میں سے کسی ایک سے اور تہذیب میں امام باقر علیہ السّلام سے اور تفسیر عیّاشی میں دونوں اماموں سے مروی ہے کہ اس آیت میں ''مَوْعِظَةٌ'' سے مراد توبہ ہے۔ ۱

کتاب کافی اور فقیہ میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ وہ تمام سود جسے لوگوں نے جہالت کے سبب کھالیا ہو اور پھر توبہ کرلی ہو تو ان کی توبہ قبول کرلی جائے گی اور فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنے باپ سے کسی مال کا وارث ہوا اور اسے پتا چلا کہ اس مال میں سود ہے لیکن وہ سود تجارت کے ساتھ مخلوط ہوگیا ہے تو وہ مال اس کے لیے حلال اور پاک ہوگا وہ اسے کھا سکتا ہے اور اگر اسے یہ پتا چلے کہ کچھ مال الگ کرکے رکھا گیا ہے جو سود ہے اور باقی سود نہیں ہے تو وہ پورا سرمایہ لے کر اس میں سے سود واپس کردے۔ ۲

اور اگر کسی شخص نے بڑی رقم کا لین دین کیا ہو جس میں زیادہ کمائی سود کی ہو اور اسے بعد میں سود کی حرمت کا پتا چلا ہو اور وہ سود کو اس میں سے الگ کرنا چاہے تو جو وہ کھا چکا ہے تو وہ کھا چکا۔ اب آئندہ سود نہ لے اور اس سے اجتناب کرے اور اس مفہوم کے بارے میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ ۳

وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ۔

اب اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اللہ جو چاہے گا اس کے بارے میں فیصلہ کرے گا

وَمَنْ عَادَ۔

اور جو بھی حرمت سود کے واضح ہوجانے کے بعد اس حکم کا استخفاف (مذاق اڑانا) کرے گا اور سود کو جائز سمجھتے ہوئے دوبارہ اسے اپنائے گا۔

فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔

ایسے لوگ جہنمی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہیں گے۔

کتاب کافی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ آپ سے ایک ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا گیا؟ جو سود کھاتا ہے اور اسے حلال سمجھتا ہے تو امامؑ نے فرمایا کہ یہ سود اس کے لیے ضرر رساں نہیں ہے جب تک وہ عمداً اس تک نہ پہنچے اگر اس نے عمداً سود تک رسائی حاصل کرلی تو اس کا مقام وہی ہے جو پروردگار عالم نے بیان فرمایا ہے۔ ۴

کتاب فقیہ اور عیون میں امام رضا علیہ السّلام سے مروی ہے اس امر کے واضح ہوجانے کے بعد کہ سود گناہ کبیرہ میں شامل ہے جو اس حکم کا استخفاف (مذاق اڑانا، کمتر سمجھنا) کرتا ہے وہ کافر ہے۔ ۵

---

(۱) الکافی، ص ۱۳۴-۲۳۴ ج ۲ ح ۲ و تہذیب الاحکام، ص ۱۶ ج ۷ ح ۶۹ باب او تفسیر عیاشی، ص ۱۵۲ ج ۱ ح ۵۰۵

(۲) الکافی، ص ۱۴۵ ج ۵ ح ۴ و من لا یحضرہ الفقہ، ص ۱۷۵ ج ۳ ح ۷۸۷ (۳) من لا یحضرہ الفقیہ ح ۷۸۸

(۴) الکافی، ص ۱۴۴-۱۴۵ ج ۵ ح ۳ (۵) من لا یحضرہ الفقیہ، ص ۱۷ ج ۳ ح ۴۸۷ او عیون اخبار الرضا، ص ۹۴ ج ۲ ح ۱

عارفین (معرفت خداوندی رکھنے والے) میں سے کسی نے کہا ہے کہ دیگر گناہان کبیرہ کا ارتکاب کرنے والے سے سودخور کا حال زیادہ برا ہوتا ہے۔ اس لیے کہ ہر کمانے والا توکل رکھتا ہے خواہ وہ کم کمائے یا زیادہ جیسے تجارت کرنے والا، زراعت کرنے والا اور کوئی ہنرمند، ان کے رزق کا یقین ان کے عقل کے مطابق نہیں ہوتا اور نہ ہی کمانے سے پہلے اسے متعیّن کیا جاتا ہے، تو درحقیقت وہ اپنی آمدنی کے بارے میں لاعلم ہوتے ہیں جیسا کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا ہے:

اَبَی اللّٰہُ اَنْ یَرْزُقَ الْمُؤْمِنَ اِلَّا مِنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُ۔[۱]

اللہ نے یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ مومن کو اس طرح رزق فراہم کرے گا جس کا اسے کوئی علم نہ ہوگا۔[۱]

جہاں تک سودخوری کا تعلق ہے تو اس کی کمائی اور رزق مقرر ہے اور وہ شخص خود اور اس کی کمائی دونوں معیّن ہونے کی وجہ سے رب کی رحمت سے محجوب ہیں اسے مطلقاً توکّل نہیں ہے۔ تو اللہ نے اسے اس کے نفس اور عقل کے سپرد کردیا اور اپنی حفاظت اور سرپرستی سے باہر نکال دیا ہے۔ جنون نے اسے اچک لیا ہے اور اسے مخبوط الحواس بنا دیا ہے۔ روزِ قیامت جب وہ اٹھے گا تو، توکّل کرنے والے دوسرے انسانوں کے برعکس اس کے اور پروردگار کے مابین کوئی رابطہ نہ ہوگا، یہ شخص ایسے دیوانے کی طرح ہوگا جسے شیطان نے مس کرکے خبطی بنا دیا ہو اور وہ اپنے مقصد سے بہت دور چلا جائے۔

۲۷۶ - یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا۔

اللہ سود کے مال میں برکت کو ختم کر دیتا ہے اور جس مال میں سود کا مال شامل ہو جائے وہ آخر کار فنا ہو کر رہتا ہے۔

کتابِ فقیہ[۲] اور کافی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ آپ سے اس آیت کے بارے میں سوال کرتے ہوئے کسی نے کہا "ہم دیکھتے ہیں کہ جو سود کھاتا ہے اس کا مال بڑھ جاتا ہے" تو امام علیہ السّلام نے جواب دیا کہ سود کے درہم سے زیادہ مٹ جانے والی کون سی چیز ہے وہ دین کو برباد کر دیتا ہے اور اگر سودخور سود سے توبہ بھی کرلے پھر بھی اس کا مال فنا ہوجاتا ہے اور وہ شخص کوڑی کوڑی کو محتاج ہوجاتا ہے۔[۳]

وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ۔

اور اللہ صدقات کو پروان چڑھاتا ہے

اس کا ثواب دگنا کر دیتا ہے اور جو کچھ بطور صدقہ دیا جاتا ہے اس میں برکت ہوتی ہے۔

---

(۱) الجامع الصغیرہ ص۱۰ ج۱ ح۳۹ (۲) من لایحضرہ الفقیہ ص۱۷۶ ج۳ ح۷۹۵

(۳) کافی میں یہ روایت نہیں بلکہ تہذیب الاحکام ج۷ ص۱۵ ح۶۵ میں ہے۔

کتاب عیاشی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شے کے لیے فرشتے کو مقرر فرما دیا ہے سوائے صدقہ کے اللہ خود اسے وصول کرتا ہے اور اس صدقہ کو اسی طرح پروان چڑھاتا ہے جس طرح تم اپنی اولاد کی پرورش کرتے ہو یہاں تک کہ تم جب روز قیامت اللہ سے ملاقات کروگے تو وہ صدقہ بڑھ کر احد پہاڑ کی طرح ہو چکا ہوگا۔ اور اس مفہوم سے متعلق بہت سی روایات وارد ہوئی ہیں۔[1]

اور حدیث نبوی میں وارد ہوا ہے کہ صدقہ دینے سے مال میں کمی واقع نہیں ہوتی۔[2]

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ۔

اور اللّٰہ تعالیٰ ان لوگوں سے محبّت نہیں کرتا جو محرّمات (حرام شدہ اشیا) کو حلال کرنے پر اصرار کرتے ہوں اور حرام کو بجالانے میں پوری طرح سے منہمک ہوں۔

۲۷۷- إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۔

یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور اعمال صالحہ بجالائے، انھوں نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ دی تو ان کا اجر اُن کے رب کے پاس موجود ہے دنیا میں ان کے لیے نہ کسی قسم کا خوف ہے اور نہ ہی انھیں کسی طرح کا رنج ہوگا۔

(۱) تفسیر عیاشی، ص ۱۵۲ ج ۱ ح ۲۵۰۷ تفسیر عیاشی، ص ۱۵۳ ج ۱ ح ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰ (۲) جوامع الجامع، ص ۱۵۱ ج ۱

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷۸﴾

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۭ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۣ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾ ع

ع ۳۸ / ۸ / ۲

۲۷۸- اے ایمان لانے والو! خدا سے ڈرو اور جو کچھ تمھارا سود لوگوں پر باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم واقعی مومن ہو۔

۲۷۹- لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمھارے خلاف اعلانِ جنگ ہے۔ اب بھی توبہ کرلو (اور سود چھوڑ دو) تو تم اپنا اصل سرمایہ لینے کے حق دار ہو، نہ تم کو اختیار ہے کہ کسی پر ظلم کرو اور نہ ہی تم پر ظلم کیا جائے گا۔

۲۸۰- تمھارا قرض دار تنگ دست ہو، تو آسودگی پیدا ہونے تک اسے مہلت دو، اور صدقہ کردو تو یہ تمھارے حق میں زیادہ بہتر ہے اگر تم یہ بات سمجھتے ہو۔

۲۸۱- اس دن (کی رسوائی اور مصیبت) سے بچو جب کہ تم اللہ کی طرف واپس جاؤ گے، وہاں ہر شخص کو اس کی کارکردگی کا پورا پورا بدلہ مل جائے گا اور ان پر کسی طرح کا ظلم نہیں کیا جائے گا۔

۲۷۸- يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ-

اے ایمان کا دعویٰ کرنے والو! تم خدا سے ڈرو اور تمھارا جو کچھ سود لوگوں پر باقی رہ گیا ہے اسے ان سے وصول نہ کرو اگر تم صحیح معنی میں صاحب ایمان ہو اس بات کا ثبوت تمھارا اس حکم کو تسلیم کرنا ہے۔

تفسیر مجمع البیان میں امام باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ ولید بن مغیرہ زمانۂ جاہلیت میں سود کھایا کرتا تھا اس کے سود کی رقم ثقیف (ایک قبیلہ کا نام) پر باقی رہ گئی تھی، خالد بن ولید نے مسلمان ہونے کے بعد سود

کی بقایا رقم کا مطالبہ کیا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ ۱

تفسیر قمی میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی ''اَلَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا'' تو خالد بن ولید کھڑا ہوا اور اس نے کہا یا رسول اللہ میرے باپ کا سود قبیلۂ ثقیف پر باقی ہے اور اس نے مرتے وقت یہ وصیت کی تھی کہ میں ان سے وہ رقم وصول کرلوں تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ ۲

۲۷۹۔ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔

لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمھارے خلاف اعلانِ جنگ ہے۔

اَذِنَ بِالشی کے معنی ہیں کسی چیز سے مطلع ہونا اور اگر آذَنَ پڑھا جائے تو اس کے معنی ہوں گے آگاہ کردینا۔ لفظ حَرب بطورِ نکرہ تعظیم کے لیے آیا ہے۔

کتاب فقیہ اور تہذیب میں امیر المومنین علیہ السّلام سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے لعنت بھیجی ہے۔ سود پر اس کے کھانے والے، اس کے بیچنے والے، اس کے خریدنے والے، اس کے لکھنے والے اور اس کے گواہوں میں سے ہر ایک پر لعنت بھیجی ہے۔ ۳

وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ۔

اب بھی توبہ کرلو اور سود چھوڑ دو اور اس کی حلّت کا عقیدہ نہ رکھو تو تم اپنا اصل سرمایہ لینے کے حق دار ہو تم زیادہ وصول کر کے نہ قرض داروں پر ظلم ڈھاؤ اور نہ وہ لوگ ٹال مٹول اور کمی کر کے تم پر ظلم ڈھائیں۔

۲۸۰۔ وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ۔

اور اگر تمھارا قرض دار تنگ دست ہو تو اسے آسودگی ہونے تک کی مہلت دے دو یا اس وقت تک مہلت دے دو جب وہ آسانی سے قرض ادا کر سکے۔

وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ۔

اور اگر وہ مال صدقے میں دے کر قرض دار کو اس سے بری کردو تو مہلت دینے سے زیادہ ثواب کے حق دار ہوگے۔

اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔

اگر تم یہ بات سمجھتے ہو۔

کتاب کافی میں امام صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ ایک دن آں حضرتؐ منبر پر تشریف لے گئے

(۱) تفسیر مجمع البیان، ص ۳۹۲ ج ۱۔ ۲ (۲) تفسیر قمی، ص ۹۳ ج ۱

(۳) من لا یحضرہ الفقیہ، ص ۲۷۴ ج ۳ ح ۷۸۴ و تہذیب الاحکام، ص ۱۵ ج ۷ ح ۶۴

آپ نے حمد الٰہی بیان کی اور اس کی توصیف کی اور انبیاءؑ پر درود بھیجنے کے بعد فرمایا: ''اے لوگو! تم میں جو لوگ موجود ہیں وہ یہ پیغام ان تک پہنچا دیں جو موجود نہیں ہیں آگاہ ہو جاؤ تم میں سے جو بھی تنگ دست کو مہلت دے گا تو اس کے لیے روزانہ اس کے مال جتنا صدقہ اللہ کے ذمّے ہوگا یہاں تک وہ ادا کردے۔ اس کے بعد امام صادق علیہ السّلام نے فرمایا اگر وہ تنگ دست ہو تو اسے آسانی پیدا ہونے تک کی مہلت دے دو اور اگر صدقہ دے دو تو اِس میں تمھارے لیے بھلائی ہے اگر تم سمجھو وہ تنگ دست ہے تم اپنے مال کو بطور صدقہ اسے دے دو یعنی اس سے کچھ وصول نہ کرو۔

اور امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اللہ اس پر سایہ کرے جس دن سوائے اللہ کے اور کسی قسم کا سایہ نہ ہوگا آپ نے یہ تین مرتبہ فرمایا لوگ آپ سے پوچھنے سے گھبرا رہے تھے کہ آپ نے ارشاد فرمایا اسے چاہیے کہ تنگ دست کو مہلت دے دے یا اس کے حق سے دست بردار ہو جائے۔

اور امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ ان کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا اے ابوعبداللہ! فراخی ہو جانے تک قرض درکار ہے۔ تو امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ کیا غلّہ کی پیداوار تک، اس نے کہا نہیں ایسا نہیں تو فرمایا کہ تجارت کی واپسی تک اس نے کہا نہیں ہرگز نہیں تو امام نے فرمایا کہ جائداد کے بکنے تک تو وہ بولا نہیں ہرگز نہیں تو امام علیہ السّلام نے فرمایا تو ان لوگوں میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن کا حق ہمارے اموال میں رکھا ہے اس کے بعد آپ نے درہموں کی تھیلی منگوائی اور اس میں ایک مٹھی بھر درہم اسے عطا کر دیے۔[۱]

کتاب کافی اور تفسیر عیاشی میں امام رضا علیہ السّلام سے مروی ہے کہ آپ سے اس مہلت کے بارے میں سوال کیا گیا جس کا تذکرہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے کہ کیا ایسے تنگ دست کے لیے کوئی حد معیّن ہے جس سے اسے پہچانا جائے جس کو مہلت دینا ضروری ہے جب کہ اس نے اس شخص کا مال لے کر اپنے عیال پر خرچ کر ڈالا ہے نہ تو اس کے پاس غلّہ ہے جس کے پہنچنے کا انتظار کیا جائے اور نہ ہی کسی کے ذمّے اس کا قرضہ ہے جس کی ادائیگی کا انتظار ہو اور نہ ہی کوئی غائب مال ہے جس کی آمد کی توقع ہو تو امامؑ نے فرمایا ہاں وہ اس وقت تک انتظار کرے جب تک اس معاملہ کی اطلاع امامؑ تک پہنچ جائے تو امامؑ اس کی طرف سے اس کے ذمّے جو قرض ہے وہ ''غارمین'' کے حصّے میں سے ادا کر دیں گے اگر اس مقروض نے وہ مال اللہ کی اطاعت میں خرچ کیا ہوگا اور اگر معصیت خداوندی میں مال خرچ ہوا ہو تو امامؑ کی کوئی ذمّے داری نہیں ہے کہ وہ اس مال کو ادا کرے۔ تو امامؑ سے دریافت کیا گیا کہ اس میں امانت دینے والے کا کیا قصور ہے؟ اور اسے یہ بھی نہیں معلوم ہے کہ اس شخص نے مال کو اللہ کی اطاعت میں خرچ کیا ہے یا اللہ کی نافرمانی

(۱) الکافی ص ۳۵۔۶ ج ۴ ح ۴ /ص ۳۵ ج ۴ ح ۱۲ /ص ۳۵ ج ۴ ح ۳ /ص ۵۰۱ ج ۳ ح ۱۴

میں تو فرمایا وہ اپنے مال کے لیے کوشش جاری رکھے آخرکار کافی ذلّت کے بعد وہ اس مال کو لوٹا دے گا۔[۱]

تفسیر قمّی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ جب بھی کوئی قرض دار اپنے قرضے کے سلسلے میں مسلمانوں کے کسی والی سے رجوع کرے اور والی پر اس کی تنگ دستی آشکار ہوجائے تو آگاہ ہوجاؤ کہ یہ تنگ دست اپنے قرض سے بری ہوجائے گا اور اب اس کا قرضہ مسلمانوں کے حاکم کے ذمّہ ہوگا۔ اس لیے کہ اس کے قبضہ میں مسلمانوں کا مال ہے۔[۲]

۲۸۱ -وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ اِلَی اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰی كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ-

اور اس دن سے ڈرو جس دن تم سب کے سب اللہ کی طرف واپس ہوگے۔ اور پھر وہاں جو کچھ کسی شخص نے کیا ہے خواہ وہ خیر ہو یا شر اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور وہاں ثواب میں کمی کرکے یا عذاب کو دُگنا کرکے کسی پر زیادتی یا کسی کی حق تلفی نہ ہوگی۔

(۱) الکافی، ص ۹۴ - ۹۳ ج ۵ ح ۵ و تفسیر عیاشی، ص ۱۵۵ ج ۱ ح ۵۲۰ (۲) تفسیر قمّی، ص ۹۴ ج ۱

آپ نے حمد الٰہی بیان کی اور اس کی توصیف کی اور انبیاءؑ پر درود بھیجنے کے بعد فرمایا: "اے لوگو! تم میں جو لوگ موجود ہیں وہ یہ پیغام ان تک پہنچا دیں جو موجود نہیں ہیں آگاہ ہو جاؤ تم میں سے جو بھی تنگ دست کو مہلت دے گا تو اس کے لیے روزانہ اس کے مال جتنا صدقہ اللہ کے ذمّے ہوگا یہاں تک وہ ادا کردے۔ اس کے بعد امام صادق علیہ السّلام نے فرمایا اگر وہ تنگ دست ہو تو اسے آسانی پیدا ہونے تک کی مہلت دے دو اور اگر صدقہ دے دو تو اس میں تمھارے لیے بھلائی ہے اگر تم سمجھو وہ تنگ دست ہے تم اپنے مال کو بطور صدقہ اسے دے دو یعنی اس سے کچھ وصول نہ کرو۔

اور امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اللہ اس پر سایہ کرے جس دن سوائے اللہ کے اور کسی قسم کا سایہ نہ ہوگا آپ نے یہ تین مرتبہ فرمایا لوگ آپ سے پوچھنے سے گھبرا رہے تھے کہ آپ نے ارشاد فرمایا اسے چاہیے کہ تنگ دست کو مہلت دے دے یا اس کے حق سے دست بردار ہو جائے۔

اور امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ ان کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا اے ابو عبداللہ! فراخی ہو جانے تک قرض درکار ہے۔ تو امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ کیا غلّہ کی پیداوار تک، اس نے کہا نہیں ایسا نہیں تو فرمایا کہ تجارت کی واپسی تک اس نے کہا نہیں ہرگز نہیں تو امام نے فرمایا کہ جائداد کے بکنے تک تو وہ بولا نہیں ہرگز نہیں تو امام علیہ السّلام نے فرمایا تو ان لوگوں میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن کا حق ہمارے اموال میں رکھا ہے اس کے بعد آپ نے درہموں کی تھیلی منگوائی اور اس میں ایک مٹھی بھر درہم اسے عطا کر دیے۔(۱)

کتاب کافی اور تفسیر عیّاشی میں امام رضا علیہ السّلام سے مروی ہے کہ آپ سے اس مہلت کے بارے میں سوال کیا گیا جس کا تذکرہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے کہ کیا ایسے تنگ دست کے لیے کوئی حد معیّن ہے جس سے اسے پہچانا جائے جس کو مہلت دینا ضروری ہے جب کہ اس نے اس شخص کا مال لے کر اپنے عیال پر خرچ کر ڈالا ہے نہ تو اس کے پاس غلّہ ہے جس کے پہنچنے کا انتظار کیا جائے اور نہ ہی کسی کے ذمّے اس کا قرضہ ہے جس کی ادائیگی کا انتظار ہو اور نہ ہی کوئی غائب مال ہے جس کی آمد کی توقع ہو تو امامؑ نے فرمایا ہاں وہ اس وقت تک انتظار کرے جب تک اس معاملہ کی اطلاع امامؑ تک پہنچ جائے تو امامؑ اس کی طرف سے اس کے ذمّے جو قرض ہے وہ "غارمین" کے حصّے میں سے ادا کر دیں گے اگر اس مقروض نے وہ مال اللہ کی اطاعت میں خرچ کیا ہوگا اور اگر معصیت خداوندی میں مال خرچ ہوا ہو تو امامؑ کی کوئی ذمّے داری نہیں ہے کہ وہ اس مال کو ادا کرے۔ تو امامؑ سے دریافت کیا گیا کہ اس میں امانت دینے والے کا کیا قصور ہے؟ اور اسے یہ بھی نہیں معلوم ہے کہ اس شخص نے مال کو اللہ کی اطاعت میں خرچ کیا ہے یا اللہ کی نافرمانی

(۱) الکافی ص ۵۳۔۶ ۳ج ۴ح ۴/ص ۵۳ج ۴ح ۱/ص ۵۳ج ۴ح ۳/ص ۵۰۱ج ۳ح ۱۴

میں تو فرمایا وہ اپنے مال کے لیے کوشش جاری رکھے آخرکار کافی ذلّت کے بعد وہ اس مال کو لوٹا دے گا۔[۱]

تفسیر قمّی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ جب بھی کوئی قرض دار اپنے قرضے کے سلسلے میں مسلمانوں کے کسی والی سے رجوع کرے اور والی پر اس کی تنگ دستی آشکار ہوجائے تو آگاہ ہوجاؤ کہ یہ تنگ دست اپنے قرض سے بری ہوجائے گا اور اب اس کا قرضہ مسلمانوں کے حاکم کے ذمّہ ہوگا۔ اس لیے کہ اس کے قبضہ میں مسلمانوں کا مال ہے۔[۲]

۲۸۱- وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۗ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ-

اور اس دن سے ڈرو جس دن تم سب کے سب اللہ کی طرف واپس ہوگے۔ اور پھر وہاں جو کچھ کسی شخص نے کیا ہے خواہ وہ خیر ہو یا شر اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور وہاں ثواب میں کمی کرکے یا عذاب کو دُگنا کرکے کسی پر زیادتی یا کسی کی حق تلفی نہ ہوگی۔

---

(۱) الکافی، ص ۹۴۔ ۹۳ ج ۵ ح ۵ و تفسیر عیاشی، ص ۱۵۵ ج ۱ ح ۵۲۰ (۲) تفسیر قمّی، ص ۹۴ ج ۱

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ ۚ
وَلْيَكْتُب بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ ۚ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَن يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ
اللَّهُ ۚ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا
يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا ۚ فَإِن كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا
أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَن يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ ۚ وَاسْتَشْهِدُوا
شَهِيدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ ۖ فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ
مِمَّن تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَن تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا
الْأُخْرَىٰ ۚ وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا ۚ وَلَا تَسْأَمُوا أَن تَكْتُبُوهُ
صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَىٰ أَجَلِهِ ۚ ذَٰلِكُمْ أَقْسَطُ عِندَ اللَّهِ وَأَقْوَمُ
لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَىٰ أَلَّا تَرْتَابُوا ۖ إِلَّا أَن تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً
تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوهَا ۗ وَأَشْهِدُوا إِذَا
تَبَايَعْتُمْ ۚ وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ ۚ وَإِن تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ فُسُوقٌ
بِكُمْ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٢٨٢﴾

۲۸۲- اے ایمان لانے والو! جب تم ایک مقررہ میعاد کے لیے آپس میں قرض کا لین دین کرو تو لکھا پڑھی کرلیا کرو۔ اور لکھنے والے کو چاہیے کہ وہ عدل کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے معاہدہ تحریر کرے۔ اسے لکھنے سے انکار نہیں کرنا چاہیے بلکہ جس طرح اللہ نے اسے لکھنا پڑھنا سکھایا ہے اسے بغیر کسی عذر کے لکھنا چاہیے اور جس کے ذمہ قرض عائد ہوتا ہے اسے چاہیے کہ دستاویز کی عبارت کو بتاتا جائے اور اس معاملہ میں اللہ سے ڈرتا رہے اور بتانے میں قرض دینے والے کے حقوق میں کچھ کمی نہ کرے اور اگر قرض لینے والا کم عقل یا ضعیف ہو یا تحریر لکھوانے کی اہلیت نہ رکھتا ہو تو ایسی حالت میں اس کا سرپرست عدل کے ساتھ دستاویز کی تحریر رقم کرائے اور اس دستاویز پر کم از کم دو مردوں کی گواہی کرالیا

کرو جنھیں تم پسند کرو اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہ بنیں کیوں کہ ان میں سے ایک اگر بھول جائے گی تو دوسری اسے یاد دلا دے گی۔ اور جب گواہوں کو گواہی دینے کے لیے حاکم کے سامنے بلایا جائے تو وہ انکار نہ کریں۔ اور قرض کا معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا اس کی معیّنہ مُدّت تک کی دستاویز لکھوانے میں کاہلی روا نہیں ہے۔ خدا کے نزدیک لکھا پڑھی بہت ہی منصفانہ کارروائی ہے اور گواہی کے اعتبار سے بھی مضبوط دستاویز ہے اور یہ اس لیے بھی ہے کہ آئندہ تم کسی شک وشبہے میں نہ پڑو۔ اور اگر نقد لین دین ہو تو نہ لکھنے میں تم پر کوئی الزام نہیں ہے۔ لیکن جب خرید وفروخت کا معاملہ ہو تو گواہ بنالیا کرو اور یاد رکھو کہ دستاویز لکھنے والے اور گواہ کو ضرر نہ پہنچایا جائے۔ اگر تم ایسا کر بیٹھے تو یہ تمھاری جانب سے فسق وفجور کا عمل ہوگا، اللہ سے ڈرو۔ خدا (معاملہ کرنے کی بابت) تمھاری رہنمائی کرتا ہے اور اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے۔

۲۸۲– يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ–

اے ایمان لانے والو! جب تم ایک مقررہ میعاد کے لیے آپس میں قرض کا لین دین کرو تو لکھا پڑھی کرلیا کرو اس لیے کہ یہ زیادہ معتبر اور جھگڑے کو دور کرنے والا فریضہ ہے۔

کتاب علل الشرائع میں امام باقر علیہ السّلام سے روایت ہے کہ آدم علیہ السّلام کو انبیائے کرامؑ کے نام دکھلائے گئے اور ان کی عمریں بتلائی گئیں جب داؤد علیہ السّلام کا نام دیکھا تو ان کی عمر فقط چالیس برس تھی تو آدم علیہ السّلام نے کہا پروردگار! داؤد کی عمر کتنی کم ہے اور میری عمر کتنی زیادہ ہے اگر میں داؤد کے لیے تیس سال اضافہ کی درخواست کروں تو کیا تو قبول کرے گا اللہ نے کہا ہاں! آدمؑ نے کہا میں نے اپنی عمر کے تیس سال داؤد کو دے دیے تو ان کی عمر میں تیس سال کا اضافہ کردے اور میری عمر تیس سال گھٹا دے۔ امام باقر علیہ السّلام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد کی عمر میں تیس سال بڑھا دیے اور اللہ کے نزدیک ان کی یہ عمر لکھی ہوئی تھی اسی لیے اللہ کا قول ہے:

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾ (۳۹ الرعد ۱۳)

"اللہ جسے چاہے مٹا دیتا ہے اور جسے چاہے باقی رکھتا ہے اور ام الکتاب تو اسی کے پاس ہے۔"

امام باقر علیہ السّلام نے فرمایا کہ اللہ کے نزدیک آدمؑ کی جو عمر مقرر تھی اللہ نے اسے محو کردیا اور داؤد کی وہ عمر لکھ دی جو اس کے پاس لکھی ہوئی نہیں تھی۔ امامؑ نے فرمایا آدمؑ کی عمر جب اختتام کو پہنچی تو ملک الموت ان کی روح کو قبض کرنے تشریف لائے تو آدمؑ نے ان سے کہا اے ملک الموت ابھی تو میری زندگی کے تیس سال باقی ہیں تو ملک الموت نے آدمؑ سے کہا کیا آپ نے اسے اپنے فرزند داؤد کو دے کر اپنی عمر سے اسے

منہا نہیں کر دیا تھا جب آپ کی خدمت میں آپ کی ذرّیت میں آنے والے انبیاء کے نام دکھلائے گئے تھے اور ان کی عمریں بتلائی گئیں تھیں اور آپ اس وقت وادی ''دُحیاء'' میں تھے؟ آدمؑ نے کہا مجھے تو کچھ بھی یاد نہیں تو ملک الموت نے کہا اے آدمؑ آپ انکار نہ کریں کیا آپ نے اپنے رب سے سوال نہیں کیا تھا کہ آپ کی عمر میں سے تیس سال وضع کر کے داؤدؑ کو دے دیے جائیں تو اللہ تعالیٰ نے زبور میں ان کی عمر تیس سال بڑھا دی اور ''ذکر'' میں آپ کی تیس سالہ زندگی کو گھٹا دیا اس طرح ملک الموت نے آدمؑ کو وہ بات یاد دلا دی۔

امام باقر علیہ السّلام فرماتے ہیں کہ آدمؑ اپنی بات میں سچے تھے انھیں یاد نہیں رہا تھا انھوں نے اس بات کا انکار نہیں کیا تھا۔ اسی روز سے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دے دیا کہ جب وہ ایک دوسرے سے لین دین کریں اور ایک معیّنہ مُدّت تک کے لیے معاملہ کریں تو لکھ لیا کریں۔[1]

وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۚ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ –

اور لکھنے والے کو چاہیے کہ عدل کو مدنظر رکھتے ہوئے معاہدہ کو تحریر کرے جو کچھ ادا کرنا واجب ہے نہ اس میں اضافہ کرے اور نہ ہی اسے کم کرے۔ اور لکھنے والوں میں سے کسی کو لکھنے سے انکار نہیں کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے یہ علم عطا کیا ہے کہ وہ معاہدے اور دستاویزات لکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے اسے اپنی کتابت کے ذریعہ انسانوں کو فائدہ پہنچانے سے انکار نہیں کرنا چاہیے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے نوشت وخواند (لکھنے پڑھنے) سے واقف کیا ہے جیسا کہ اس کا قول ہے:

وَاَحْسِنْ كَمَاۤ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ۔ (۷۷ قصص ۲۸)

''جس طرح اللہ نے تم پر احسان کیا ہے اسی طرح تم دوسروں پر احسان کرو''

فَلْيَكْتُبْ۔

یہ لفظ تاکید کے لیے آیا ہے یعنی اسے چاہیے کہ جس طرح اللہ نے اسے لکھنا پڑھنا سکھایا ہے وہ لکھنے سے انکار نہ کرے بلکہ ضرور لکھے۔

وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ –

اور جس کے ذمّے قرض عائد ہو رہا ہے اسے چاہیے کہ وہ دستاویز کی عبارت لکھوائے اس لیے کہ وہ اقرار کرنے والا ہے اور اس پر گواہ مقرر کیے گئے ہیں۔ لفظ اِملال اور اِملا ہم معنی ہیں۔

وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ –

لکھوانے والے اور کاتب دونوں کو خوف خدا ہونا چاہیے

وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا –

(۱) علل الشرائع، ص ۵۵۳ باب ۳۴۱ ح ۱

اور کاتب لکھتے وقت نہ تو حق میں کمی کرے اور نہ ہی جو کچھ لکھوایا جا رہا ہے اس میں کتر بیونت کرے

فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا-

پس اگر قرض لینے والا ناقص العقل یا، یاوہ گو (بے مقصد گفتگو کرنے والا) ہو

أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يُمِلَّ هُوَ-

تفسیر امامؑ میں ہے کہ جسمانی اعتبار سے کمزور وناتواں ہو اِملا لکھوانے پر قادر نہ ہو یا یہ کہ فہم وعلم کے اعتبار سے کمزور ہو وہ املا لکھوانے پر قدرت نہ رکھتا ہو اور نہ ہی اسے الفاظ کی تمیز ہو کہ یہ اس کی موافقت میں ہیں یا اس کی مخالفت میں اس میں کسی سے انصاف ہو رہا ہے یا کسی پر ظلم۔ اور عدمِ استطاعت کا مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ روزی کمانے میں مصروف ہو، یا آخرت کی فکر میں لگا ہوا ہو یا جائز لذتوں میں منہمک ہو۔ ١

کتاب تہذیب میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ ''سفیہ'' وہ ہے جو درہم کو زیادہ داموں میں خریدتا ہے۔ اور ''ضعیف'' سے مراد بے عقل اور کمزور رائے والا ہے۔ ٢

تفسیر عیّاشی میں روایت ہے کہ ''سفیہ'' کے معنی ہیں شراب پینے والا اور ''ضعیف'' وہ ہے جو دو درہم دے کر اس کے عوض ایک درہم قبول کرلے۔ ٣

فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ-

تو ایسی صورت میں اس کا جانشین اور اس کے امور کا نگراں اِملا کرائے

بِالْعَدْلِ-

جس میں لکھوانے والے اور جس کے لیے لکھا جا رہا ہے (گیرندہ اور دہندہ) دونوں پر کسی قسم کا ظلم نہ ہونے پائے۔

وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ-

جس پر تمھارے آزاد لوگوں میں سے دو افراد اس قرض پر گواہ بنیں۔ وہ غلام نہ ہوں کیوں کہ اللہ نے انھیں اپنے آقاؤں کی خدمت میں مشغول کرکے گواہیوں کے بوجھ اور ان کی ادائیگی سے مستثنیٰ کردیا ہے۔ گواہوں کو مسلمان ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے عادل مسلمانوں کی گواہیوں کو قبول کرکے انھیں شرف وفضیلت سے نوازا ہے۔ اور آخرت تک رسائی سے قبل دنیا میں ان کے لیے یہ جلد ملنے والا شرف اور ثواب قرار دیا ہے۔ تفسیر امام حسن عسکری علیہ السّلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے اسی طرح مروی ہے۔ ٤

---

(١) تفسیر امام عسکریؑ، ص ۶۳۴ (٢) تہذیب الاحکام، ص ۱۸۲ ج ۹ ح ۷۳۱
(٣) تفسیر عیاشی، ص ۱۵۵ ج ۱ ح ۵۲۱ (٤) تفسیر امام عسکریؑ، ص ۶۵۶

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ غلام کی خدمت میں مصروف ہونے کے سبب آزاد کی گواہی کو قبول کرنا اور اگر غلام عادل ہو اور اس سے گواہی طلب کی جائے تو اس کی گواہی کی قبولیت میں کوئی منافات نہیں ہے جیسا کہ اہل بیت علیہم السّلام کی روایات سے ثابت ہوتا ہے۔

فَاِنْ لَّمْ یَکُوْنَا رَجُلَیْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ-

پس اگر دو مرد بطور گواہ موجود نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی لی جائے گی

مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ-

ان گواہوں میں سے جنھیں تم پسند کرو

آیت کے اس جملہ کی تفسیر میں امام علیہ السّلام فرماتے ہیں تم جس کی دین داری، امانت داری، نیکی، پاک دامنی اور جس کے بارے میں گواہی دے رہے ہو اس سے آگاہی، اور پورے طور سے باخبری اور تمیز کرنے کی صلاحیت سے راضی ہو۔ اس لیے کہ ہر نیکوکار کا متمیّز اور باعلم ہونا ضروری نہیں ہے اور نہ ہی ہر باعلم کا متمیّز اور نیکوکار ہونا لازمی ہے۔ اور اللہ کے بندوں میں وہ بھی ہے جو اپنی نیکی اور پارسائی کی وجہ سے گواہ بننے کا اہل ہے لیکن اگر اس میں تمیز کرنے کی صلاحیت نہیں ہے تو اس کی گواہی قبول نہیں ہوگی۔ پس اگر وہ نیکوکار، پارسا، متمیّز (جس میں تمیز کرنے کی صلاحیت ہو) اور باخبر ہو، گناہوں اور خواہشات اور رجحانات اور طرف داری کرنے سے اجتناب برتتا ہو تو ایسا شخص گواہی کے لیے سب سے زیادہ مناسب اور موزوں ہے۔ تم اس سے تمسّک اختیار کرو اور اس کی رہنمائی قبول کرو اور اگر بارش کا سلسلہ منقطع ہو جائے تو اس سے طلب باراں کی درخواست کرو، اور اگر نباتات کا سلسلہ رک جائے تو اس کے ذریعہ نباتات کے نمو کی درخواست کرو۔ اور رزق کے حصول میں دشواری ہو تو اس کے ذریعہ کثرت رزق کی دعا کرو کیوں کہ وہ ایسا شخص ہے جس کی خواہش ناکام نہیں ہوگی اور جس کی دعا مسترد نہیں کی جائے گی۔ [1]

اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى-

امام حسن عسکری علیہ السّلام کی تفسیر میں امیر المومنین علیہ السّلام سے مروی ہے کہ اگر ان میں ایک عورت گواہی کو فراموش کردے اور اسے یاد نہ رہے تو دوسری عورت اسے یاد دلادے اور اس طرح دونوں گواہی دینے کے لیے موجود ہوں۔ [2]

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ لفظ "تَضِلَّ" ضَلَّ الطَّرِیْقِ سے ہے جس کے معنی ہیں راستہ بھول گیا جب وہ ہدایت نہ پاسکا ہو۔ اور دو عورتیں اس لیے رکھی گئیں تاکہ تعداد مکمل ہو جائے۔

امامؑ عالی مقام نے فرمایا ہے: عَدَلَ اللّٰهُ شَهَادَةَ امْرَأَتَيْنِ بِشَهَادَةِ رَجُلٍ لِنُقْصَانِ عُقُوْلِهِنَّ وَدِيْنِهِنَّ-

(۱) تفسیر امام عسکریؑ، ص ۶۷۲۔ ۶۷۳ (۲) تفسیر امام عسکریؑ، ص ۶۷۵

"اللہ تعالیٰ نے دو عورتوں کی گواہی کو ایک مرد کے برابر ان کی عقل اور دین میں کمی کے سبب سے رکھا ہے۔"[1]

کتاب کافی میں امام صادق علیہ السّلام سے کئی روایات میں وارد ہوا ہے چار ایسے افراد ہیں جن کی دعا شرف قبولیت نہیں پاتی ان میں سے ایک وہ شخص ہے جس کے پاس مال تھا اور اس نے بغیر گواہ مقرر کیے وہ مال کسی کو دے دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا میں نے تجھے گواہ مقرر کرنے کا حکم نہیں دیا تھا۔[2] اور امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے:

مَنْ ذَهَبَ حَقُّهُ عَلٰى غَيْرِ بَيِّنَةٍ لَمْ يُؤْجَرْ۔

اگر گواہی نہ ہونے کے سبب کسی کا حق چلا گیا تو اسے کوئی اجر نہیں ملے گا۔[3]

وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَآءُ إِذَا مَا دُعُوْا –

کتاب کافی اور تفسیر عیاشی میں امام صادق علیہ السّلام سے اس آیت کے ذیل میں متعدد روایات میں وارد ہوا ہے آپ نے فرمایا اگر کسی شخص کو گواہی دینے کے لیے طلب کیا جائے تو اس شخص کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ یہ کہے کہ میں تمھاری گواہی نہیں دوں گا۔ اور بعض روایات میں ہے کہ امامؑ نے اس کے بعد فرمایا یہ حکم تحریر سے پہلے کا ہے۔ اور بعض میں یہ ہے کہ گواہی سے پہلے کا ہے اور جو گواہی کے بعد چھپائے گا اس کے لیے یہ مناسب نہیں۔

اور امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام سے اس آیت کے ذیل میں یہ وارد ہوا ہے کہ اگر کوئی بلائے کہ تم اس کے قرض یا حق کے بارے میں گواہی دے دو، تو تمھارے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ اس سے پہلو تہی کرو۔[4]

تفسیر امام حسن عسکری علیہ السّلام میں امیر المومنین علیہ السّلام سے اس آیت کے ذیل میں مروی ہے کہ جس کے ذمّے گواہی ہو جب اسے گواہی کے لیے بلایا جائے تو وہ انکار نہ کرے، اس کے لیے آمادہ ہو اور خیر خواہ ہو اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ گھبرائے وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دے۔[5]

اور دوسری حدیث میں فرمایا کہ: وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَآءُ إِذَا مَا دُعُوْا۔ ان کے لیے نازل ہوئی ہے جنھیں گواہی دینے کے لیے بلایا گیا تو انھوں نے جانے سے انکار کر دیا۔ اور ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی کہ گواہی کے ہوتے ہوئے بھی انھوں نے گواہی دینے سے منع کر دیا۔[6]

---

(۱) تفسیر امام عسکریؑ، ص ۶۷۵ (۲) الکافی، ص ۲۹۸ ج ۵ ح ۱۔۲ (۳) الکافی ج ۵ ص ۲۹۸ ح ۳

(۴) الکافی، ص ۳۷۹ ج ۷ ح ۱۔ ۲ و تفسیر عیاشی، ص ۱۵۵۔۱۵۶ ج ۱ ح ۵۲۲ و ص ۱۵۶ ج ۱ ح ۵۲۴ / ص ۱۵۶ ج ۱ ح ۵۲۷ / ص ۱۵۶ ج ۱ ح ۵۲۳ (۵ و ۶) تفسیر امام عسکریؑ، ص ۶۷۶

وَلَا تَسْأَمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ-

اور قرض کا معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا قرض دار نے اس کے لیے جس مُدّت کے تعیّن کرنے کا اقرار کیا ہو تم اس کے تحریر کرنے میں تساہلی سے کام نہ لو۔

ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ-

خدا کے نزدیک لکھا پڑھی بہت ہی منصفانہ کارروائی ہے اور گواہی کے اعتبار سے بھی زیادہ مضبوط اور مددگار دستاویز ہے۔

وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا-

اور اس لیے بھی کہ تم قرض کی جنس، اس کی مقدار، اس کی مُدّت اور گواہیوں وغیرہ کے بارے میں کسی شک وشبہہ میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔

اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا-

مگر یہ کہ لین دین نقد کی صورت میں ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں گردش کر رہا ہو تو اس صورت میں دستاویز لکھنے کی چنداں حاجت نہیں اسے تحریر نہ کرنے کی صورت میں تم پر کوئی الزام عائد نہ ہوگا۔ اس لیے کہ اس میں جھگڑے اور بھول چوک کا امکان نہیں ہے۔

وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ-

لیکن جب بیع وشراء (خرید وفروخت) کا معاملہ درپیش ہو تو گواہ بنانا ضروری ہے

وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ-

اور یاد رکھو کہ دستاویز پر لکھنے والے اور گواہ کو ضرر نہ پہنچایا جائے

اس میں دونوں باتوں کا احتمال ہے ایک یہ کہ کاتب اور شہید (گواہ) دونوں کو بلانے پر انکار سے، دستاویز اور گواہی میں تحریف اور تغیر (بدلنے) سے روکا گیا ہے۔ یا یہ کہ دونوں کو ضرر پہنچانے سے روکا گیا ہے کہ انھیں ضرر نہ پہنچایا جائے جیسے یہ کہ وہ جلد از جلد یہ کام انجام دیں یا یہ کہ انھیں ان کی حد سے زیادہ باہر نکلنے کے لیے کہا جائے یا یہ کہ کاتب کو اس کا محنتانہ ادا نہ کیا جائے اور گواہ کو آمد ورفت کے اخراجات بھی نہ دیے جائیں۔

وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ-

اگر تم ضرر پہنچاؤ گے اور جس بات سے روکا گیا اسے بجالاؤ گے تو یاد رکھو کہ یہ دائرہ اطاعت سے باہر نکل جانے کے مترادف ہے اس کا تمھیں کوئی حق نہیں پہنچتا۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ-

اور اللہ کے امر ونہی کی مخالفت کرتے وقت اللہ کا خوف رکھو

وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ-

اللہ یہ احکام تمھیں بتلا رہا ہے جس میں سراسر تمھارا ہی فائدہ ہے

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ-

اور اللہ ہر چیز سے اچھی طرح باخبر ہے۔

تینوں فقروں میں لفظ اللہ کی تکرار ہے کیوں کہ ہر جملہ اپنی جگہ مستقل حیثیت رکھتا ہے پہلے جملہ میں تقویٰ اختیار کرنے پر آمادہ کیا گیا، دوسرے جملہ میں اپنی نعمتوں کا ذکر کیا گیا ہے، تیسرے جملہ میں عظمت الٰہی کا بیان ہے۔

تفسیر قمی میں ہے کہ سورۂ بقرہ میں پانچ سو احکام بیان ہوئے ہیں اور اس آیت میں ان میں سے پندرہ احکام بیان کیے گئے ہیں۔[1]

(۱) تفسیر قمی، ص ۹۴ ج ۱

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ اَمِنَ
بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَلَا
تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
عَلِيْمٌ ع ﴿۲۸۳﴾ ع ۳۹ ۲ ۷
لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِىۤ اَنْفُسِكُمْ اَوْ
تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ
وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۸۴﴾
اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ
وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۚ وَقَالُوْا
سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۚ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸۵﴾

۲۸۳- اور اگر تم مسافرت کے عالم میں ہو اور دستاویز لکھنے کے لیے کوئی کاتب نہ ملے اور قرض دینا ہو تو رہن یا قبضہ رکھ لو۔ اور اگر تم میں سے کوئی شخص دوسرے پر بھروسہ کرے تو یوں ہی قرضہ دیا جا سکتا ہے۔ تو جس پر بھروسہ کیا گیا ہے یعنی قرض لینے والے کو چاہیے کہ قرض دینے والے کی امانت پوری پوری ادا کر دے۔ اور اپنے پالنے والے اللہ سے ڈرتا رہے۔ (مسلمانو!) تم گواہی کو ہرگز نہ چھپانا جو شہادت کو چھپاتا ہے بے شک اس کا دل گناہ گار ہے اور جو کچھ تم کیا کرتے ہو اللہ اس سے اچھی طرح خبردار ہے۔

۲۸۴- آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ ہی کا تو ہے۔ تم اپنے دل کی باتیں چاہے ظاہر کرو یا چھپاؤ اللہ ان کا محاسبہ تم سے ضرور کرے گا۔ پھر اسے اختیار ہے جسے چاہے بخش دے اور جس پر چاہے عذاب نازل کرے۔ اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

۲۸۵- پیغمبر پر جو کچھ ان کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا وہ اس پر ایمان لائے اور ان کے ساتھ مومنین بھی سب کے سب اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان

لائے اور ان کا قول یہ ہے کہ ہم اللہ کے رسولوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کرتے اور انھوں نے کہا ہم نے تیرے احکام سنے اور اطاعت قبول کی خداوندا ہمیں تیری مغفرت چاہیے اور ہمیں تو تیری ہی طرف پلٹ کر آنا ہے۔

---

۲۸۳ – وَاِنۡ كُنۡتُمۡ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمۡ تَجِدُوۡا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقۡبُوۡضَةٌ –

اگر تم سفر کی حالت میں ہو اور دستاویز لکھنے کے لیے کوئی کاتب نہ ملے اور قرض دینا ہو تو کوئی چیز بطور رہن قبضہ میں لے کر قرضہ دے دو۔

جس چیز پر بھروسہ کیا جائے اسے ''رِهَان'' کہتے ہیں اور ایک قرأت کے مطابق یہ لفظ ''رُهُن'' ہے اور یہ دونوں لفظ رَهْن کی جمع ہیں یعنی جو چیز گروی رکھی گئی۔

کتاب کافی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے ''رہن وہی ہے جو قبضہ میں ہو''[1]

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ رَهن کو صرف عالم سفر کے ساتھ مخصوص کرنا مقصود نہیں ہے لیکن چوں کہ سفر کے دوران دستاویز لکھوانا اور تلاش کے باوجود گواہوں کا ملنا دشوار ہے تو اس لیے مسافر کو حکم دیا گیا کہ کتابت (دستاویز) اور گواہوں کی جگہ ''رہن'' رکھ دیا جائے تا کہ مال کو محفوظ رکھنے کی ایک سبیل نکل آئے۔

فَاِنۡ اَمِنَ بَعۡضُكُمۡ بَعۡضًا –

اب اگر قرض لینے والے اور قرض دینے والے ایک دوسرے کے بارے میں حسن ظن رکھتے ہوں، بھروسہ اور اعتماد کرتے ہوں تو پھر رہن کی بھی ضرورت نہیں۔

فَلۡيُؤَدِّ الَّذِى اؤۡتُمِنَ اَمَانَتَهٗ –

ایسی حالت میں قرض لینے والے کو چاہیے کہ قرض دینے والے کی پوری رقم لوٹا دے

اس آیت میں قرض کو امانت کہا گیا ہے اس لیے کہ قرض دینے والے نے بغیر رہن رکھے قرض دیا ہے تو یہ ایک طرح سے امانت ہوئی۔

وَلۡيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ –

اور اسے چاہیے کہ اپنے پروردگار سے ڈرتا رہے

وَلَا تَكۡتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنۡ يَّكۡتُمۡهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلۡبُهٗ –

اور گواہوں سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ تم گواہی کو ہرگز نہ چھپاؤ اس لیے کہ جس کی گواہی دینی ہے اس کے بارے میں علم ہوتے ہوئے اور گواہی دینے کی قدرت رکھنے کے باوجود بھی جو گواہی سے کترائے

---

(۱) یہ حوالہ کافی میں نہیں بلکہ عیاشی، ص ۱۵۶ ج ۱ ح ۵۲۵ میں ہے۔

اور جی چرائے تو بے شک اس کا دل گناہ گار اور خطا کار ہے یعنی گواہی کا چھپانا دلوں کا گناہ ہے، اور وہ بڑے گناہوں میں سے ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے جہاں بہت سی چیزوں سے منع کیا ہے گواہی کو چھپانے سے بھی منع فرمایا ہے۔ اور آں حضرتؐ نے فرمایا کہ جو بھی گواہی کو چھپائے گا تو اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کے سامنے اس کا گوشت کھلادے گا اور یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۚ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ۔ ''تم گواہی کو ہرگز نہ چھپانا پس جو شہادت (گواہی) کو چھپاتا ہے تو اس کا دل گنہگار ہے۔''[1]

وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ –

اور تم جو عمل بھی کررہے ہو وہ نگاہ قدرت سے پوشیدہ نہیں ہے۔

یہ ایک طرح کی تنبیہ ہے جو گواہوں کو کی جارہی ہے۔

۲۸۴ – لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَإِنْ تُبْدُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللَّهُ –

بہ اعتبار خلقت اور از لحاظ ملکیت جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے وہ سب اللہ کا ہے تمھارے دل میں خیر یا شر جو کچھ ہے اسے تم ظاہر کرو یا چھپاؤ اللہ ان سب کا تم سے محاسبہ ضرور کرے گا۔

نہج البلاغہ میں ہے کہ جو کچھ دلوں میں ہے اسی اعتبار سے بندوں کو جزا و سزا دی جائے گی۔[2]

میں (فیض کاشانی) کہتا ہوں کہ: فِيمَا يُخْفِيهِ۔ (جو کچھ پوشیدہ ہے) میں انسانی وسوسے اور خود کلامی نہیں ہے اس لیے کہ اس سے بچنا انسانی بس میں نہیں ہے بلکہ اس سے مراد اعتقادات اور پختہ عزائم ہیں۔

کتاب کافی میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ آں حضرتؐ نے فرمایا کہ نو خصلتیں ایسی ہیں جن میں میری اُمّت سے کسی قسم کی پوچھ گچھ نہیں ہوگی۔ غلطی اور بھول چوک، جس بات سے لاعلم ہو، جس کی طاقت نہ رکھتے ہوں، جس بات کے لیے انھیں مجبور کیا جائے، جہاں لاچار ہوں، بدشگونی، وسوسۂ شیطانی اور حسد جب تک زبان یا ہاتھ سے ظاہر نہ ہو۔[3]

فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ –

پھر اللہ کو اختیار ہے جس کو چاہے معاف کردے اور جس پر چاہے عذاب نازل کرے اللہ انسانوں کے محاسبہ پر کلی اختیار رکھتا ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

۲۸۵ – آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ –

یہ آیت پیغمبر اکرمؐ کے ایمان لانے پر گواہی اور اس بارے میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے نص قرآنی ہے کہ پیغمبر اکرمؐ پر جو کچھ ان کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں۔

(۱) الامالی شیخ صدوقؒ، ص ۴۸۳ مجلس ۶۶ (۲) نہج البلاغہ، ص ۱۰۳، رقم ۷۵ (۳) الکافی، ص ۴۶۳ ج ۲ ح ۲

وَالْمُؤْمِنُوْنَ۔

اور مومن بھی ایمان لائے

حرف ''واؤ'' دونوں جملوں کو مربوط کرتا ہے یعنی پیغمبرؐ اور مومنین دونوں ایمان لے آئے۔ لیکن ترجیح یہ ہے کہ ''وَالْمُؤْمِنُوْنَ'' پہلے جملے سے الگ ہے یعنی رسول اکرمؐ کی عظمت کے سبب ان کا ذکر مومنین سے جداگانہ کیا ہے۔ [1]

كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ۔

سب کے سب اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں

کتاب غیبت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے روایت ہے کہ آں حضرتؐ نے فرمایا: معراج کی شب جب مجھے آسمان پر لے جایا گیا تو اللہ جل جلالہ نے فرمایا: ''اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ'' تو میں نے کہا ''وَالْمُؤْمِنُوْنَ'' پھر ارشاد باری ہوا ''صَدَقْتَ يَا مُحَمَّدُ'' اے محمدؐ تم نے سچ کہا۔ [2]

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ۔

مومنین یہ کہتے ہیں کہ ہم رسولوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کرتے ہیں

یعنی ہم تمام رسولوں کی رسالت کی تصدیق کرتے ہیں اور اس تصدیق میں کوئی فرق نہیں کرتے۔

وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۖ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ۔

اور انھوں نے کہا کہ ہم نے سن لیا اور اس بات پر لبیک کہتے ہوئے ہم تیرے حکم کو تسلیم کرتے ہیں۔ پروردگار! تو ہماری مغفرت فرما یا ہم تیری مغفرت کے طلب گار ہیں۔ ہم سب کو واپس تیری ہی بارگاہ میں آنا ہے۔ گویا کہ ان سے یہ اقرار لیا گیا ہے کہ انھیں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔

---

(۱) انوار التنزیل، ص۱۴۶ ج۱ (۲) الغیبۃ للشیخ الطوسیؒ، ص۹۵

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ
رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا
كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا
بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا وقفة وَاغْفِرْ لَنَا وقفة وَارْحَمْنَا وقفة اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا
عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۸۶﴾ ع

ع ۴۰ / ۳ / ۸

۲۸۶- اللہ کسی نفس کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ ہر شخص نے جو نیکی کمائی ہے اس کا فائدہ اس کو ملے گا۔ اور جو بدی سمیٹی ہے اس کا وبال بھی اسی کے ذمّے ہوگا۔

(ایمان لانے والو! تم اس طرح دعا طلب کرو) پروردگار! اگر ہم سے بھول چوک میں کوئی قصور سرزد ہوجائے تو ہم سے اس کے بارے میں باز پرس نہ کرنا۔

بارالٰہا! ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈال جیسا تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا۔

خدایا! جس بار کو اٹھانے کی طاقت ہمیں نہیں ہے وہ ہم پر نہ ڈال۔

تو ہمیں معاف کردے، ہماری مغفرت فرما، ہم پر رحم کر، تو ہمارا مولا ہے۔ کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد کر۔

۲۸۶- لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا-

اللہ کسی نفس کو اس کی مقدرت سے زیادہ ذمّے داری نہیں سونپتا۔

اس آیت کے ذیل میں امام جعفر صادقؑ یا امام محمد باقر علیہ السّلام نے فرمایا ہے جیسا کہ تفسیر عیّاشی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نفس پر جو چیزیں فرض قرار دی ہیں وہ اس کی وسعت، طاقت اور مقدرت سے زیادہ نہیں ہیں۔[1]

کتاب توحید میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ اللہ نے بندوں کو ان کی وسعت سے زیادہ کا حکم نہیں دیا۔ اور جس چیز پر عمل کرنے کا انھیں حکم دیا گیا ہے انھیں اس بات کی طاقت اور وسعت دی گئی ہے۔ اور وہ جس بات کی مقدرت نہیں رکھتے وہ ان سے اٹھالی گئی ہے۔[2]

---

(۱) تفسیر عیاشی، ص ۱۶۰ ج ۱ ح ۵۳۳ (۲) التوحید، ص ۳۴۷ باب ۵۶ ح ۶

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ۔

ہر شخص نے جو نیک عمل کیا ہے اسے اس کا ثمر ملے گا اور جو بدی سمیٹی ہے اس کا وبال بھی اسی کے ذمّے ہوگا۔

اس کی اطاعت کا فائدہ اور اس کے عصیان کا نقصان اس کے غیر کو نہیں پہنچے گا۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَّسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا۔

اے ہمارے پروردگار اگر ہم سے بھول چوک میں زیادتی یا عدم توجّہی کی بنیاد پر کوئی قصور سرزد ہوجائے تو ہم سے اس کے بارے میں باز پرس نہ کرنا۔

رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا۔

پروردگار! ہم پر اتنا بوجھ نہ ڈال جو تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا

''اِصْرًا'' کے معنی ہیں اتنا وزنی بوجھ جو اٹھانے والے کو اس کی جگہ سے ہلنے نہ دے یعنی دشوار گزار تکالیف۔ جیسی تکلیفیں بنی اسرائیل کو دی گئیں کہ انھیں اپنے نفوس کو قتل کرنا پڑا اور کپڑے پر جہاں نجاست لگ جائے تو اسے کاٹنا پڑتا تھا اور اس کے علاوہ بھی بہت سی باتیں تھیں۔

رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ۔

خدایا! جس بار کو اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں ہے اُسے ہم پر نہ ڈال

جو سزائیں ہم سے پہلے لوگوں پر نازل ہوئیں وہ ہم پر نازل نہ کرنا۔

وَاعْفُ عَنَّا۔ ہمارے گناہوں کو معاف کردے

وَاغْفِرْ لَنَا۔ ہمارے عیبوں کو ڈھانپ دے اور مؤاخذہ کے ذریعہ ہمیں رسوا نہ کر

وَارْحَمْنَا۔ ہم پر کرم کر اور اپنے فضل کی بارش کر

أَنْتَ مَوْلَانَا۔ تو ہمارا آقا ہے ہم تیرے غلام ہیں

فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ۔

تو کافروں کے مقابلے میں ہماری نصرت فرما۔

انھیں مغلوب کرکے اور حجّت و دلیل کے ذریعہ ان پر غلبہ عطا کرکے اس لیے کہ مولا اور آقا پر حق ہے کہ وہ دشمن کے مقابلہ میں اپنے غلاموں کی مدد کرے۔

تفسیر عیاشی میں معصوم سے مروی ہے کہ آپ نے جب بقرہ کی آخری آیت کی تلاوت فرمائی تو کہا جب بھی تم دعا مانگو وہ قبول کی جائے گی۔[1]

(۱) تفسیر عیاشی، ص ۱۶۰ ج ۱ ح ۵۳۳

تفسیر قمّی میں امام صادقؑ سے مروی ہے کہ یہ آیت اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر اس وقت نازل فرمائی جب انھیں معراج کے وقت آسمانوں پر لے جایا گیا آں حضرتؐ نے فرمایا جب میں سدرۃ المنتہیٰ پہنچا تو میں نے دیکھا کہ اس کا ایک پتا امّتوں میں سے ایک اُمّت پر سایہ فگن ہے اور میں بارگاہ احدیت میں ''قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی'' (دوکمانوں کا بلکہ اس سے بھی کم فاصلہ) کی منزل پر تھا۔ جیسا کہ خداوند عالم نے بیان فرمایا ہے اس وقت رب جلیل نے آواز دی اور فرمایا:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ۔

تو میں نے جواب دیا میں اپنی جانب اور اپنی اُمّت کی جانب سے اس دعوت پر لبیک کہتا ہوں

وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۚ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ۔

تو میں نے کہا:

سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۗ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ۔

تو اللہ نے فرمایا:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ۔

تو میں نے کہا:

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا۔

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تم سے کوئی مواخذہ نہیں کروں گا تو میں نے عرض کی:

رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا۔

تو ارشاد رب العزت ہوا۔ میں بوجھ نہیں ڈالوں گا۔ تو میں نے پھر کہا:

رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۗ وَاغْفِرْ لَنَا ۗ وَارْحَمْنَا ۗ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۸۶﴾

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے یہ سب کچھ تمھیں اور تمھاری اُمّت کو عطا کر دیا اس کے بعد امام صادقؑ نے فرمایا کہ رسول اکرمؐ سے بڑھ کر کوئی ایسا فرد نہیں آیا جس نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی اُمّت کے لیے ان باتوں کا مطالبہ کیا ہو۔[1]

تفسیر عیاشی میں ذرا سے اختلاف کے ساتھ یہ حدیث موجود ہے۔[2]

کتاب احتجاج میں امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام سے انھوں نے اپنے آباؤ اجداد کے سلسلۂ سند سے امیرالمومنین سے روایت کی ہے آپ نے ایک حدیث میں مناقب پیغمبر اکرمؐ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ

(۱) تفسیر قمّی ص ۹۵ ج ۱ (۲) تفسیر عیاشی ص ۱۵۹ ج ۱ ح ۵۳۱

جب آں حضرتؐ کو مسجد الحرام سے مسجد الاقصیٰ تک لے جایا گیا تو آپ ایک مہینہ کی مسافت پر گئے اور وہاں سے جب آسمانوں کی بادشاہت دکھانے کے لیے معراج ہوئی۔ یہاں تک کہ وہ عرش کے نزدیک پہنچ گئے تو انھیں علم کی قربت حاصل ہوئی تو وہ اور نزدیک ہوگئے تو ان کے لیے رفرف سبز کو جنت سے مہیا کر دیا گیا اور نور نے ان کی آنکھوں کو ڈھانپ لیا اور انھوں نے اپنے دل سے عظمت خداوندی کا مشاہدہ کیا اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا یوں محسوس ہو رہا تھا کہ دو کمانوں کا فاصلہ ہے بلکہ اس سے بھی کم ہے تو اس وقت (فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى) اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے پر وحی کی جو وحی کرنی تھی اور جو وحی کی تھی اس میں سورہ بقرہ کی یہ آیت بھی تھی: لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ یُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (۲۸۴، بقرہ ۲)

جب آں حضرتؐ قرین عرش پہنچے تو اللہ نے یہ پیغام مکرّر پیش کیا تاکہ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ۔ اس کے بعد پیغمبر اکرمؐ نے اپنی جانب اور اپنی اُمّت کی جانب سے اسے قبول کرتے ہوئے فرمایا: وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ان کے اس عمل پر ہم انھیں جنّت عطا کرنے اور ان کی مغفرت کرنے کا وعدہ کرتے ہیں۔ پھر آں حضرتؐ نے فرمایا کہ پروردگار! جب تو نے ہمارے ساتھ ایسا کیا ہے تو: غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَیْكَ الْمَصِیْرُ پروردگار! ہمیں تو صرف تیری مغفرت درکار ہے اور ہمیں تیری طرف پلٹ کر آنا ہے۔

امام علیہ السّلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں آپ کے ساتھ اور آپ کی اُمّت کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کروں گا۔ اس کے بعد رب العزّت نے فرمایا جب آپ نے آیت کی شدّت اور اس میں بیان کردہ عظیم باتوں کے ہوتے ہوئے اسے قبول کرلیا ہے اور آپ کی اُمّت نے اسے قبول کرلیا تو ان کا مجھ پر یہ حق ہے کہ میں آپ کی اُمّت سے اس کی ذمّے داری اٹھا لوں لہٰذا فرمایا: لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَیْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ تو نبی اکرمؐ نے جب یہ بات سنی تو فرمایا پروردگار! جب تو نے مجھ پر اور میری اُمّت پر یہ احسان فرمایا ہے کچھ مزید عنایت فرما اللہ نے کہا مانگو کیا مانگتے ہو! آں حضرتؐ نے فرمایا: رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَاۤ اِنْ نَّسِیْنَاۤ اَوْ اَخْطَاْنَا۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: بھول چوک کے لیے آپ کی عظمت کے سبب آپ کی اُمّت سے مؤاخذہ نہیں کروں گا۔ سابقہ امّتوں میں اگر کوئی یاد رکھنے والی باتوں کو بھلا دیتا تھا تو ان پر عذاب کے دروازے کھول دیے جاتے تھے اور آپ کی اُمّت سے میں نے یہ ہٹا دیا ہے۔ اور سابقہ امّتیں جب سہواً بھی کوئی غلطی کیا کرتی تھیں تو ان سے اس کی بازپرس ہوتی تھی اور انھیں سزا دی جاتی تھی آپ کو میری بارگاہ میں جو عظمت حاصل ہے اس کی وجہ سے آپ کی اُمّت سے میں نے یہ حکم اٹھا لیا ہے۔

آں حضرتؐ نے عرض کی پروردگارا! جب تو نے ہم پر اتنا کرم کیا ہے تو مزید کرم کر، تو فرمایا رب العزت نے مانگو کیا مانگتے ہو؟ تو نبی اکرمؐ نے فرمایا: رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا۔ ''اِصر'' سے مراد وہ سختیاں اور دشواریاں ہیں جو ہم سے پہلے لوگوں پر تھیں تو جوابِ قدرت ملا اے نبی سابقہ امتوں پر جو سختیاں تھی وہ تمھاری اُمّت سے میں نے ہٹالیں۔ میں ان کی نمازیں زمین کے صرف اس حصے پر قبول کیا کرتا تھا جو ان کے لیے مقرر کردی تھی خواہ وہ ان سے کتنی ہی دور ہو۔ اور میں نے آپ کی اُمّت کے لیے زمین کے ہر حصے کو جائے سجدہ اور طاہر و مطہّر بنا دیا ہے یہ ان دشواریوں میں سے ہیں جو سابقہ امّتوں پر تھیں اور آپ کی اُمّت سے ہٹا لی گئیں۔ اور سابقہ امّتوں میں سے اگر کسی کے لباس پر نجاست لگ جاتی تھی تو اسے کاٹنا پڑتا تھا اور میں نے پانی کو آپ کی اُمّت کے لیے پاک کرنے والا بنایا ہے۔ یہی وہ دشواریاں تھی جو ان امّتوں پر تھیں اور انھیں میں نے آپ کی اُمّت سے ہٹا دیا ہے۔ اور سابقہ امّتیں اپنی قربانیاں بیت المقدّس تک لے کر جاتی تھیں میں جس کی قربانی کو قبول کرتا تھا تو اس کی طرف آگ کو بھیجتا تھا جو اس قربانی کو کھا جاتی تھی تو وہ اپنے اہل و عیال کی جانب خوش و خرم لوٹتا تھا اور میں جس کی قربانی قبول نہیں کرتا تھا تو وہ ناکام و نامراد لوٹتا تھا اور میں نے آپ کی اُمّت کی قربانی کو فقرا و مساکین کے شکم میں قرار دیا پس میں جس کی قربانی کو قبول کرتا ہوں تو اس کے ثواب کو دُگنا کر دیتا ہوں اور جس کی قربانی قبول نہیں کرتا تو اس کے لیے بھی دنیا کی سزاؤں میں تخفیف کر دیتا ہوں یہی دشواریاں جو دوسری امتوں پر تھیں انھیں آپ کی اُمّت سے منہا کر دیا گیا ہے۔ سابقہ امّتوں میں نماز کو رات کے اندھیرے اور بیچ دوپہر میں فرض قرار دیا گیا تھا اور یہ ان کے لیے پریشان کن تھا میں نے اس کو آپ کی اُمّت سے ہٹا دیا اور ان پر نمازوں کو رات اور دن کے اطراف میں فرض قرار دیا اور ان کی فرصت کے اوقات میں رکھ دیا۔ سابقہ امّتوں پر پچاس نمازیں پچاس وقتوں میں فرض تھیں اور یہ ان امّتوں کے لیے بہت دشوار تھا میں نے اسے آپ کی اُمّت سے کم کر دیا اور پانچ نمازیں صرف پانچ اوقات کے ساتھ فرض کر دیں لیکن اس کا ثواب سابقہ امّتوں کی پچاس نمازوں کے برابر ہے اور سابقہ امّتوں میں ایک نیکی کا ایک بدلہ اور ایک برائی کا ایک ہی بدلہ دیا جاتا تھا اور یہ ایک مصیبت تھی آپ کی اُمّت کے لیے میں نے ایک نیکی کو دس گنا بنا دیا اور برائی کو صرف ایک رہنے دیا اور سابقہ امّتوں میں جب کوئی نیکی کی نیت کرتا تھا اور اگر عمل نہیں کرتا تھا تو اس کے نامہ اعمال میں کچھ نہیں لکھا جاتا تھا اور اگر عمل کر لے تو صرف ایک لکھا جاتا تھا اور آپ کی اُمّت میں اگر کوئی نیکی کی نیت کرے اور عمل نہ بھی کرے تو ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے اور جب عمل کر لے تو اسے دس گنا کر دیا جاتا ہے اور سابقہ امّتوں میں جب کوئی برائی کی نیت کرتا تھا اور اس کا ارتکاب نہیں کرتا تھا تو اس کے نامہ اعمال میں کچھ نہیں لکھا جاتا تھا اور اگر برائی کر لے تو صرف ایک لکھا جاتا تھا اور اگر آپ کی اُمّت میں سے کوئی برائی کی نیت کرے اور اس کا ارتکاب نہ کرے تو اس کے نامہ

اعمال میں ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے۔ یہی وہ دشواریاں تھیں سابقہ امتوں پر جنھیں آپ کی اُمّت سے ہٹا لیا گیا ہے۔ سابقہ امتوں میں جب کوئی گناہ کرتا تھا تو اس کے دروازے پر لکھ دیا جاتا تھا اُن کی توبہ تو میں قبول کرلیتا تھا لیکن بہترین کھانے ان پر حرام کردیتا تھا آپ کی اُمّت سے اس چیز کو اٹھا لیا اور ان کے گناہوں کا معاملہ اپنے اور ان کے درمیان رہنے دیا اور ان پر میں نے دبیز پردے ڈال دیے (تاکہ کوئی ان کا گناہ نہ دیکھ سکے) یا ان کی توبہ کو بغیر کسی سزا دیے قبول کرلیا اور انھیں کسی قسم کی سزا نہیں دی کہ اُن کے لیے ان کے پسندیدہ کھانوں کو حرام کردوں۔ سابقہ امتوں میں ایک شخص اپنے گناہ کی توبہ سو سال یا اسّی سال یا پچاس سال کیا کرتا تھا لیکن میں اس کی توبہ اس وقت تک قبول نہیں کرتا تھا جب تک اسے دنیا میں اس کے جرم کی سزا نہ دے دوں یہی وہ دشواریاں تھیں جو سابقہ امتوں پر تھیں اور انھیں آپ کی اُمّت سے ہٹا لیا گیا۔ آپ کی اُمّت کا ایک فرد بیس سال یا تیس سال یا چالیس سال یا سو سال گناہ کرتا ہے پھر وہ توبہ کرتا ہے اور پلک جھپکنے جتنا بھی شرمندہ ہوجاتا ہے تو میں اس کے تمام گناہ بخش دیتا ہوں تو آنحضرتؐ نے فرمایا پروردگار! جب تو نے یہ سب کچھ مجھے عطا کیا ہے تو اس میں اضافہ فرما تو ارشاد رب العزت ہوا مانگو کیا مانگتے ہو؟ تو آں حضرتؐ نے فرمایا: رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ۔ تو خداوند عالم نے فرمایا میں نے آپ کو اور آپ کی اُمّت کو یہ سب عطا کردیا اور دوسری امتوں کی عظیم مصیبتوں کو ان سے دور کردیا اور میرا یہ حکم تمام امتوں کے لیے ہے۔ لَا اُكَلِّفُ خَلْقًا فَوْقَ طَاقَتِهِمْ کہ میں کسی مخلوق کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دوں گا۔ تو آنحضرتؐ نے فرمایا: وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا۔ تو ارشاد رب العزت ہوا میں نے آپ کی اُمّت میں توبہ کرنے والوں کے لیے اس دعا کو قبول کرلیا۔[1]

کتاب ثواب الاعمال میں امام سجاد علیہ السّلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ آں حضرتؐ نے فرمایا کہ جس نے سورۂ بقرہ کے آغاز کی چار آیتیں اور آیت الکرسی اور اس کے بعد کی دو آیتیں اور سورۂ بقرہ کی آخری تین آیتوں کی تلاوت کی تو وہ اپنی ذات اور اپنے مال میں کوئی ایسی بات نہیں دیکھے گا جو اسے ناپسند ہو، شیطان اس کے نزدیک نہیں آئے گا اور یہ شخص قرآن کو نہیں بھولے گا۔[2]

جابر نے آں حضرتؐ سے روایت کی ہے آں حضرتؐ نے فرمایا کہ اللہ رب العزّت نے فرمایا کہ:

وَاَعْطَيْتُ لَكَ وَلِاُمَّتِكَ كَنْزًا مِنْ كُنُوْزِ عَرْشِي فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَخَاتِمَةَ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ۔

کہ اے پیغمبر میں نے آپ کی اور آپ کی اُمّت کے لیے اپنے عرش کے خزانوں میں سے ایک خزانہ عطا کیا ہے وہ فاتحۃ الکتاب (سورۂ فاتحہ) اور سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں ہیں۔[3]

(۱) الاحتجاج، ص ۳۲۷۔۳۳۰ ج ۱ (۲) ثواب الاعمال، ص ۱۰۴

(۳) بحار الانوار، ص ۲۳۰ ج ۹۲ ح ۱۰ باب ۲۹ فضائل سورۂ فاتحہ

اور آں حضرتؐ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کے خزانوں میں سے دو آیتیں نازل کی ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے تخلیق عالم سے دو ہزار سال پہلے اپنے دست قدرت سے لکھا تھا جو ان آیتوں کی تلاوت نماز عشا کے بعد کرے گا تو پھر اسے قیام شب سے مستغنی کر دیں گی۔[1]

اور ایک روایت میں ہے کہ جو شخص سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں پڑھے گا تو یہ اس کے لیے کافی ہے۔[2]

کتاب ثواب الاعمال میں امام صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جو شخص سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران کی تلاوت کرے گا تو یہ دونوں سورتیں روزِ قیامت اس کے سر پر بادلوں کی طرح سایہ فگن ہوں گی یا چھتری کی طرح اس کے سر پر سایہ کر رہی ہوں گی۔[3]

ختم شد

(۱) تفسیر ابی سعود، ص ۲۷۸ ج ۱ (۲) مجمع البیان، ص ۴۰۴ ج ۱۔ ۲ تفسیر ابن کثیر، ص ۲۹۴ ج ۱ و تفسیر ابی سعود ج ۱ ص ۲۷۸
(۳) ثواب الاعمال، ص ۱۰۴ (سورۂ فاتحہ و سورۂ بقرہ و آل عمران پڑھنے کی فضیلت)

تصدیق نامہ

میں نے ادارہ نشر دانش، نیو جرسی، امریکا کے مطبوعہ قرآن پاک کی تفسیر صافی (جلد اوّل) سورۂ فاتحہ و سورۂ بقرہ کو بغور پڑھا اور اس کے متن کے تمام اعراب کو چیک کیا۔ اس میں جو اغلاط تھیں، وہ درست کردی گئی ہیں۔ میں تصدیق کرتا ہوں کہ مذکورۂ بالا قرآنِ پاک کی یہ تفسیرِ صافی اغلاط سے پاک و منزّہ ہے۔

المصدق

سید محمد عظمت علی نوری
ریسرچ و رجسٹریشن آف تفسیر
(محکمۂ اوقاف سندھ) کراچی

از

اللہ وسایا خان بلوچ